إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا۔۔۔الآية

برصغیر کے متجددین

حالات، افکار، نظریات

تالیف
مفتی فضل الرحمن حفظہ اللہ
نگران: دار الشیبانی للإفتاء والتحقیق

تقدیم
مفتی محمد عمر فاروق حفظہ اللہ
مدیر: دار الشیبانی للإفتاء والتحقیق

دار الشیبانی للإفتاء والتحقیق

رانا مارکیٹ نیو سبزی منڈی پہاڑپور ڈیرہ اسماعیل خان

بادۂ عصیاں سے دامن تر بہ تر
پھر بھی دعویٰ ہے کہ اصلاح دو عالم ہم ہی سے ہے

برصغیر کے متجددین

حالات　　افکار　　نظریات

تالیف : مفتی فضل الرحمٰن مدظلہ
تقدیم : مفتی عمر فاروق مدظلہ

باہتمام : دار الشیبانی للافتاء والتحقیق پہاڑپور

بر صغیر کے متجددین

اجمالی فہرست اسماء

1۔ مولوی عبد الحق بنارسی ---------------------- 42

2۔ سر سید احمد خان ---------------------- 62

3۔ مرزا غلام احمد قادیانی ---------------------- 87

4۔ نواب احمد رضا خان ---------------------- 114

5۔ نیاز فتح پوری ---------------------- 133

6۔ علامہ عنایت اللہ مشرقی ---------------------- 138

7۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق ---------------------- 148

8۔ حافظ اسلم جیراجپوری ---------------------- 167

9۔ عبد اللہ چکڑالوی ---------------------- 182

10۔ مسٹر غلام احمد پرویز ---------------------- 199

11۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن ---------------------- 237

12۔ عمر احمد عثمانی ---------------------- 254

13۔ کیپٹن مسعود الدین عثمانی ---------------------- 273

14۔ مسعود احمد B.S.C ---------------------- 293

15۔ ابو الاعلیٰ مودودی ---------------------- 314

16۔ڈاکٹر اسرار احمد------------------------------- 341
17۔عنایت اللہ شاہ گجراتی------------------------------- 371
18۔ریاض احمد گوہر شاہی------------------------------- 396
19۔شبیر احمد ازہر میرٹھی------------------------------- 416
20۔شکیل بن حنیف------------------------------- 421
21۔یوسف کذاب اور زید زمان------------------------------- 428
22۔وحید الدین خان------------------------------- 436
23۔جاوید احمد غامدی------------------------------- 470
24۔ڈاکٹر ذاکر نائیک------------------------------- 507
25۔ڈاکٹر فرحت ہاشمی------------------------------- 538
26۔انجینئر محمد علی مرزا------------------------------- 565
27۔محمد شیخ (بانی القرآن ریسرچ سنٹر)------------------------------- 609

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تفصیلی فہرست مضامین

مقدمہ	19
احادیث فتن	19
فتنوں کا شیوع	20
الحاد زندقہ ولادینیت کا قرون اولیٰ سے تسلسل	23
الحاد کی تعریف	26
زندقہ کی تعریف	28
تجدد دین کا مفہوم	29
لادینیت / سیکولرازم کی حقیقت	32
لادینیت کا اصل مقصد	34
لادینیت کا طریقہ واردات	34
لادینیت کا انجام	37
لادینیت سے بچاؤ کی تدابیر	38
سخن گفتنی	40

مولوی عبدالحق بنارسی

برصغیر میں غیر مقلدیت کی ابتداء	45
چند اکابرین غیر مقلدین	47
میاں نذیر حسین صاحب دہلوی	47
نواب صدیق حسن خان صاحب	48

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی 50

مولانا ثناء اللہ امر تسری 51

مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی 52

مولانا وحید الزماں حیدر آبادی 53

غیر مقلدین کے چند خطرناک عقائد 54

غیر مقلدین کے چند مسائل 57

غیر مقلدین کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا مؤقف 60

سر سید احمد خان

ہندوستان میں انگریز حکومت سے سر سید کی وفاداری 62

مسلم دانشوروں کا سر سید کے افکار پر تبصرہ 63

مفسرین عظام کے بارے میں سر سید صاحب کا نقطہ نظر 65

قرآن کریم میں ناسخ و منسوخ کے متعلق عقیدہ 66

گزشتہ کتب سماویہ میں عدم تحریف کا نظریہ 68

روایات احادیث کے بارے میں سر سید صاحب کا مؤقف 69

اجتہاد، فقہ اور فقہاء کے بارے میں سید صاحب کی رائے 70

تقلید سر سید صاحب کی نظر میں 71

سر سید صاحب کا جدید کارنامہ "نیچریت" 74

وحی اور الہام کے بارے میں سر سید کا نظریہ 75

ملائکہ اور جنات سے سر سید صاحب کے نزدیک کون مراد ہیں؟ 76

انبیاء کرامؑ کے معجزات اور اولیاء عظام کی کرامات کا انکار 78
بیت اللہ، حجر اسود اور آب زمزم کے متعلق سید صاحب کے خیالات 81
سر سید کے دیگر چند خطرناک نظریات 83
عیسائیوں اور مرزائیوں سے تعلقات کے بارے میں سر سید صاحب کا نظریہ 85

مرزا غلام احمد قادیانی

بچپن کی کہانی 88
مرزا قادیانی کی جوانی 90
دوران ملازمت مذہبی چھیڑ چھاڑ 91
مرزا قادیانی کا کردار 92
مرزا قادیانی کے فرشتے 96
مرزا قادیانی کے کشوف و الہامات 98
مرزا قادیانی کی عبادات 100
مرزا قادیانی بیماریوں کا پتلا 102
مرزا قادیانی کے دعوے 103
مرزا قادیانی کذاب ہے 105
مرزا قادیانی کی غلیظ زبان 109
مرزا قادیانی ایک مخبوط الحواس شخص تھا 110
مرزا قادیانی کا دعویٰ نبوت 112

نواب احمد رضا خان

رضاخانیت وبریلویت کا تعارف	118
احمد رضا خان کی تکفیر میں دلچسپی	118
احمد رضا خان کی تکفیری مہم کا آغاز	119
خان صاحب کا سفر حجاز اور علمائے عرب کو دھوکہ دہی	120
اکابر دیوبند کے خلاف پر فریب و من گھڑت الزامات	121
علمائے عرب کے سوالات کے جوابات	122
بریلویت کے مشہور مسائل	122
مسئلہ علم غیب	123
حاضر وناظر	124
نور و بشر	126
مختار کل	127
بعض عملی بدعات	129
عبارات اکابر دیوبند کا مسئلہ	129

نیاز فتح پوری

معتقدات شرعیہ کے متعلق نیاز صاحب کا عقیدہ	133
نیاز فتح پوری کا عقیدہ انکار کلام اللہ	134
نیاز صاحب کا عقیدہ انکار حدیث	135
خود خدا کی ذات باری تعالیٰ کے بارے میں دریدہ دہنی	136

علامہ عنایت اللہ مشرقی

علامہ مشرقی صاحب کی مذہب سے بیزاری 138

علامہ مشرقی صاحب کی انگریزوں سے ہمدردی 142

مومن مسلمانوں کے متعلق علامہ مشرقی صاحب کے نظریات 143

انبیاء کرام علیہم السلام اور انکے معجزات کے متعلق مشرقی صاحب کا نظریہ 144

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

احادیث نبویہ کے متعلق نظریہ 148

خنزیر کے متعلق برق صاحب کا نظریہ 149

برق صاحب کا غیر نبی کو نبی کے برابر قرار دینا 152

نبی کریم ﷺ کے افضل الانبیاء ہونے کی مختصر بحث 153

برق صاحب کا نظریہ کہ ایمان بالرسل نجات کے لئے ضروری نہیں 161

عیسائی اور یہودی بھی خدا اور رسول کے صحیح پیروکار ہیں 163

شفاعت للمومنین کا انکار 164

ملا سے نزاع کیوں؟ 165

حافظ اسلم جیراجپوری

جے راجپوری صاحب کا حدیث کے بارے نظریہ 167

حجیت حدیث کی مختصر بحث 169

معراج نبوی کے متعلق جے راجپوری صاحب کا نظریہ 172

سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں جیراجپوری صاحب کی خام خیالی 175

معجزات نبوت کے متعلق جے راج پوری صاحب کا افسانہ 176

جے راج پوری صاحب کے نزدیک اطاعت رسول کا مفہوم 177

جے راج پوری صاحب کا ملت روسیہ کی اقتداء کرنا 179

عبداللہ چکڑالوی

چکڑالوی صاحب کا انکار حدیث 183

نبی کریم ﷺ کے تعدد ازواج کے متعلق چکڑالوی نظریہ 185

نبی کریم ﷺ کے سید الانبیاء ہونے کا انکار 186

نبی کریم ﷺ کی شفاعت للمومنین کا انکار 188

عذاب قبر کے متعلق چکڑالوی صاحب کا نظریہ 190

ایصال ثواب سے چکڑالوی صاحب کا انکار 193

تراویح کے متعلق چکڑالوی صاحب کا باطل نظریہ 195

مسٹر غلام احمد پرویز

پرویز کی موسیقی سے دلچسپی 201

پرویز کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں نظریہ 202

مسٹر پرویز کا مفسرین پر جھوٹ 207

مسٹر پرویز کے نزدیک اللہ اور رسول سے مراد مرکز ملت ہے 213

نبوت اور رسالت کے متعلق مسٹر پرویز کا نظریہ 216

یوم آخرت کے متعلق پرویز کا عقیدہ 221

فرشتوں کے متعلق مسٹر کا اعتقاد 227

دور نبوی دور وحشت ہے 229

مسٹر پرویز کا انکار حدیث 229
قرآن موقف کے خلاف نظریہ ارتقاء کی تبلیغ اور حضرت آدم علیہ السلام کی ذات کا انکار 230
ملائکہ اور ابلیس کا انکار 231
پرویز صاحب کا انکار واقعہ معراج 232
پرویزی شریعت اور حلال حرام 232
پرویز صاحب کے نزدیک نماز کی حقیقت 233
پرویز صاحب کا انکار زکوٰۃ 234
پرویز کا انکار معجزات 234
قربانی کے بارے پرویز صاحب کی ہرزہ سرائی 235

ڈاکٹر فضل الرحمٰن

تجدد پسندوں کا طریقہ واردات 237
ڈاکٹر صاحب کی تحریک کا پس منظر 239
دین اسلام کے متعلق ڈاکٹر صاحب کا نظریہ 240
وحی اور حاملین دین کے بارے میں نظریہ 243
سنت نبوی کے متعلق ڈاکٹر صاحب کا نظریہ 245
سنت کا صحیح مفہوم 245
فقہاء کرام کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کے خیالات 247
حضرات محدثین کے بارے میں نظریات 250
تصحیح روایت میں محدثین پر اعتماد 252

عمر احمد عثمانی

قرآنی مفہوم کی مخالفت 253

فقہاء نے مطلب نہیں سمجھا 256

صغر سنی کی شادی پر اجماع کا حوالہ غلط ہے 257

سیدہ عائشہ کی شان میں دریدہ دہنی 259

تعدد ازدواج کے متعلق عثمانی صاحب کا مؤقف 260

طلاق سنت کے بارے میں نظریہ 263

طلاق ثلاثہ کے بارے میں مؤقف 267

یتیم پوتے میں کی وراثت کا مسئلہ 270

کیپٹن مسعود الدین عثمانی

مسعود الدین کا انکار عقیدہ حیات النبی ﷺ 274

عقیدہ ظہور امام مہدیؒ 278

افضلیت نبوی کے متعلق عقیدہ 280

کیپٹن اینڈ کمپنی کا عقیدہ ثواب و عذاب قبر 281

مسعود الدین کا نظریہ ایصال ثواب 283

دینی امور پر اجرت کے متعلق نظریہ 284

دینی امور پر اجرت کا مسئلہ 286

تعویزات اور دم کے متعلق عثمانی صاحب کا نظریہ 289

تعویز اور دم کی شرعی حیثیت 289

مسعود احمد B.S.C

بی ایس سی صاحب کے نزدیک جماعت المسلمین سے خروج اسلام سے خروج ہے	295
بی ایس سی صاحب کے نزدیک تفسیر کا حق صرف انہی کو ہے	296
شیعہ مفسرین پر اعتماد اور سنی مفسرین پر بے اعتمادی	297
افضلیت انبیاء کے بارے میں نقطہ نظر	298
مسئلہ تقلید اور بی ایس سی صاحب	299
فتویٰ اور قیاس کے متعلق بی ایس سی صاحب کا نظریہ	301
اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا	304
علماء کو مولانا کہنا	308

ابو الاعلیٰ مودودی

مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام	315
مودودی صاحب کا نظریہ	317
نبی کریم ﷺ کے بارے میں	318
حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں	319
حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں	320
حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں	320
حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں	320
حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں	321
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں	321

صحابہ کرام مودودی صاحب کی نظر میں	322
اکابر امت اور سلف صالحین کے متعلق مودودی صاحب کا خیال	326
شیعہ روافض کی نظر میں مودودی صاحب کی شخصیت	328
ڈاڑھی کے متعلق مودودی صاحب کی گمراہی	328
مودودی صاحب کی نظر میں تصور اسلام	331
مودودیت اکابر علماء کی نظر میں	334

ڈاکٹر اسرار احمد

دینی تحریک وجماعت کے سربراہ کے اوصاف	341
اعمال کی قبولیت کے لئے ایمان شرط نہیں	344
گناہ پر اصرار ہمیشہ کے لئے جہنمی بناتا ہے	347
ڈارون کا نظریہ ارتقاء مخالف حدیث ہونے کے باوجود درست ہے	350
ڈاکٹر اسرار احمد کا تصور دین	354
تصور دین اور ڈاکٹر صاحب کا ذہنی انتشار	358
ڈاکٹر صاحب کا تصور اقامت دین	361
ڈاکٹر صاحب کا تصور عبادت	364
ڈاکٹر اسرار احمد کا نیم تقلیدی فلسفہ	367
ڈاکٹر صاحب کے منابع فہم قرآن	369

عنایت اللہ شاہ گجراتی

شاہ صاحب کا علماء دیوبند سے نزاع	373

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کی کوشش	374
اشاعۃ التوحید کا انکار عقیدہ حیات النبی ﷺ	376
عقیدہ حیات النبی ﷺ پر امت کا اجماع ہے	378
مسئلہ ثواب وعذاب قبر	382
سماع صلوٰۃ وسلام	385
مسئلہ توسل (وسیلہ)	388
جمہور امت کی تغلیط وتجہیل	393

ریاض احمد گوہر شاہی

ارکان اسلام کا انکار	397
اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی	400
انبیاء کرام کی شان میں گستاخی	401
علماء اور اولیاء کی توہین	405
امام مہدی ہونے کا دعویٰ	408
گوہر شاہی کا دعویٰ نبوت	410
انگریز کا خود کاشتہ پودا	413
نامحرم عورتوں سے یارانہ	414

شبیر احمد ازہر میرٹھی

احادیث فتن کا انکار	416
احادیثِ فتن سے عبرت	418

عقیدہ خروج دجال کی اہمیت 418

دجال کے متعلق احادیث 419

علاماتِ قیامت کے متعلق راہِ اعتدال 420

شکیل بن حنیف

اس فتنہ کی دعوت اور اس کے داعیوں کا طریقہ کار 421

دجال اور نزول عیسیٰ کا صحیح تصور 423

شکیلی دجال بمقابلہ حقیقی دجال 424

علامات مہدی کی روشنی میں شکیل کا جائزہ 424

شکیل اور حضرت عیسیٰ 425

یوسف کذاب اور زید زمان

یوسف کذاب کا دعویٰ نبوت 430

زید زمان اور یوسف کذاب کے تعلقات 432

اہل ایمان کی ذمہ داری 434

وحید الدین خان

مسیح موعود اور امام مہدی کے متعلق نظریہ 439

نزول عیسیٰ کا انکار 442

خروج دجال کے متعلق خان صاحب کا نظریہ 444

نفاذ شریعت کا نعرہ خان صاحب کی نظر میں 447

خان صاحب کا تصور جہاد 450

ختم نبوت اور جھوٹے مدعیان کے بارے میں نقطہ نظر 454
وحید الدین خان کے نزدیک قادیانی کافر نہیں ہیں 458
خان صاحب اور توہین رسالت کا مسئلہ 459
افضلیت انبیاء اور خان صاحب کا نظریہ 466
وحید الدین خان کے متعلق دار العلوم دیوبند کا فتویٰ 468

جاوید احمد غامدی

غامدی کی قرآن کریم میں معنوی تحریف 470
غامدی صاحب کا انکار حدیث 476
غامدی صاحب کے نزدیک کسی رسول کو قتل نہیں کیا گیا 481
عورت کا پردہ اور غامدی صاحب 483
مرتد کی سزا اور غامدی صاحب 487
رجم اور غامدی صاحب کا مؤقف 492
عقیدہ حیات عیسیٰ اور غامدی نظریہ 499
عقیدہ ظہور مہدی، نزول عیسیٰ اور غامدی نظریہ 502
غامدیت کے چند مزید افکار و نظریات 504

ڈاکٹر ذاکر نائیک

اللہ تعالیٰ کو ہندوؤں کے معبودان باطلہ کے نام سے پکارنا 508
حقانیت قرآن کے جانچنے کا معیار 509
فتویٰ دینے کا اہل کون ہے؟ 511

تفسیر قرآن میں من مانی تشریح یعنی تحریف معنوی 512
ڈاکٹر صاحب کی احادیث نبویہ سے ناواقفیت 520
ائمہ مجتہدین کے اتباع سے فرار اور مسائلِ فقہیہ میں سوادِ اعظم کی راہ سے نمایاں انحراف 527
ڈاکٹر صاحب کے مزید افکار و نظریات 536

ڈاکٹر فرحت ہاشمی

اجماع امت سے ہٹ کر نئی راہ اختیار کرنا 538
غیر مسلم، اسلام بیزار طاقتوں کے خیالات کی ہمنوائی 544
تلبیس حق و باطل 547
آسان دین 551
یٰسین کی تلاوت اور نوافل کا انکار 554
عورتوں کو بال کٹانا جائز ہے 556
خواتین دین کو پھیلانے کیلئے گھر سے ضرور نکلیں 559
قرآن سمجھنے کے لئے علماء کی ضرورت نہیں 562

انجینئر محمد علی مرزا

تاخیر سے ایمان لانے والے صحابہ کی توہین 566
صحابہ کرام کے متعلق نظریات 570
حضرت معاویہ کے متعلق نظریات 572
حضرت علی کی شیخین پر افضلیت کا نظریہ 580
مباہلہ کے متعلق مرزا جہلمی کا نظریہ 583

محدثین کرام پر مرزا کا طعن	585
حضرت عثمان کے مخالف برحق تھے	590
اہلسنت پر تحریف قرآن کا الزام	593
اکل داجن کے شبہ کا جواب	595
معوذتین پر شبہ کا جواب	597
حضرت کشمیریؒ کے حوالے سے اعتراض کا جواب	600
مرزا جہلمی کی قادیانیت نوازی	601
غامدی صاحب کی ہمنوائی	604
گستاخ رسول کی سزا قتل نہیں ہونی چاہیئے	607
اسلاف سے بے اعتمادی	607

محمد شیخ (بانی القرآن ریسرچ سنٹر)

محمد شیخ کے عقائد و نظریات	609
مولانا یوسف لدھیانوی شہید کا فتویٰ	616
دارالعلوم کراچی کا جواب	617
ماٰخذ و مراجع	630

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مقدمہ

نبی کریم ﷺ کو اللہ رب العزت نے ایسے حیرت انگیز اور معجزانہ علوم سے نوازا تھا جس کی روشنی میں نبی کریم ﷺ نے بعثت مبارکہ سے لے کر قیامت تک آنے والے فتنوں سے امت کو باخبر کر دیا تھا تاکہ امت ضلالت و گمراہی سے مکمل اجتناب کر سکے الحاد، بے دینی اور لادینیت جو اس وقت سیکولرازم کے نام سے دنیا میں فتنہ و فساد برپا کئے ہوئے ہے اس پر نبی کریم ﷺ کی وہ حدیث صادق آتی ہے کہ جس میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

دعاة على أبواب جهنم من أجابهم إليها قذفوه فيها۔ [1]

یعنی ایک وقت امت پر ایک ایسا آئے گا جس میں شر پسندوں کے ٹولے جو جہنم کے درواجے پر کھڑے ہوں گے انسانوں کو اور خاص کر مسلمانوں کو بلائیں گے جو ان کی بات تسلیم کرلے گا وہ اسے جہنم میں جھونک دیں گے۔

قربان جائیں اپنے آقا ﷺ کے انداز بیان اور شفقت پر کہ کتنے مختصر الفاظ میں کتنی بڑی خبر امت کو دے دی اور شاید اس حدیث میں لفظ "دعاة" سے مراد یہی ملحدین، بے دین اور متجددین ہی مراد ہیں، ذیل کی سطور میں مختصراً الحاد و زندقہ، لادینیت اور سیکولرازم کا تعارف پیش کیا جاتا ہے تاکہ اس کی حقیقت اور نقصانات کی وضاحت ہو جائے۔

احادیثِ فتن

ہمارے آقا حضرت محمد مصطفی ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل ان تمام پیش آنے والے فتنوں کا ذکر فرما کر، امت کو ان سے آگاہی بخشی تاکہ ان میں سے اختیاری فتنوں سے امت بچنے کی

---

[1] ۔ صحيح مسلم ، باب، باب الأمر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن وتحذير الدعاة إلى الكفر، 1475/3، ط، دار إحياء التراث العربي ، بيروت۔

کوشش کرے، چنانچہ آپ ﷺ نے امت میں پیدا ہونے والے فتنوں پر مستقل طور پر کلام فرمایا ہے اور بہت سی احادیث میں ان پر روشنی ڈالی ہے اور حضرات محدثین نے احادیث کو مستقل ابواب کے تحت ذکر کیا ہے اور بعض حضرات نے ان احادیثِ فتن پر مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، جیسے: ابو عمر الدانی نے "السنن الواردة في الفتن" اور نعیم بن حماد نے "کتاب الفتن" اور ابن الجوزی نے "اشراط الساعہ" اور ابو بکر جابر الجزائری نے "اللقطات في بعض ماظہر للساعة من علامات" اور محمد بن رسول البرزنجی نے "الإشاعة لاشراط الساعة" وغیرہ اور بعض نے بعض خاص خاص فتنوں اور علاماتِ قیامت پر کلام کیا ہے اور کتابیں لکھی ہیں، جیسے: "دجال کے فتنے" پر متعدد حضرات نے قلم اٹھایا اور بعض نے "مہدی منتظَر" کے بارے میں لکھا ہے اور بعض نے "نزولِ عیسیٰ علیہ السلام" پر تصنیف کی ہے

غرض یہ کہ آج اس کی ضرورت ہے کہ ہم بہ غور احادیثِ فتن کا مطالعہ کریں اور ان میں سے جو فتنے اختیاری ہیں، ان کو ختم کرنے کی کوشش کریں اور جو غیر اختیاری ہیں، ان کے شر سے خود کو اور دوسروں کو محفوظ رکھنے کی تدبیر کریں اور ہر صورت میں آخرت وقیامت کا استحضار کرکے توبہ وانابت، طاعت وعبادت، زہد وقناعت، تقویٰ وطہارت کی طرف پیش قدمی کریں۔

فتنوں کا شیوع

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور خاتم النّبیین ﷺ کی برکت سے امت محمدیہ سے اجتماعی عذاب اُٹھا لیا ہے، یعنی اب اس امت پر کوئی ایسا عذاب نہیں آئے گا کہ جس سے پوری امت ہلاک وبرباد ہوجائے؛ لیکن اہل ایمان کے امتحان اور آزمائش کے لیے فتنے برابر پیدا ہوتے رہیں گے، چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

كل شئ ينقص، إلا الشر، فإنه يزاد فيه۔[1] یعنی ہر چیز میں کمی ہوگی لیکن شر (وفتن) میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا۔

"فتنہ" عربی زبان کا لفظ ہے، جو متعدد معانی کے لیے قرآن کریم میں بھی استعمال ہوا ہے۔ لیکن معروف معنی دنگا فساد ہی ہے۔ اور اسی معنی میں یہ لفظ اردو میں بھی مستعمل ہے، روزمرہ کی گفتگو میں بھی "فتنہ وفساد" وغیرہ الفاظ ہم استعمال کرتے رہتے ہیں، حضور نبی کریم ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق امت محمدیہ مسلسل فتنوں کا شکار رہے گی۔

آج نقشۂ عالم پر نگاہ دوڑائیے! حرمین شریفین سے لے کر تمام عرب ممالک، ایشیاء، یورپ، افریقہ اور امریکہ سبھی خطے شر وفتن کی لپیٹ میں ہیں، آفات ومصائب کا ایک عالمی طوفان ہے جو بڑھتا چلا جارہا ہے، فتنوں پر فتنے اٹھ رہے ہیں، دینی وعلمی فتنے، ملکی وقومی فتنے، تہذیب وتمدن کے فتنے، آرائش وآشائش کے فتنے، سرمایہ داری کے فتنے، غربت وافلاس کے فتنے، اخلاقی وسیاسی فتنے، عقل پرستی کے فتنے، داخلی وخارجی فتنے حتیٰ کے نورانی اور روحانی فتنے۔ ایک تسلسل کے ساتھ تمام فتنے دنیا میں پھیلتے چلے جارہے ہیں، دنیا کا کوئی بھی خطہ شاید ایسا نہیں جو فتنوں سے بالکلیہ محفوظ اور مامون ہو۔

اور انتہائی کرب ناک صورت حال یہ ہے کہ دشمنان اسلام کی سازشوں کے نتیجے میں عالم اسلام فتنوں کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔ اسلام کے نام پر فتنے، اسلامی عقائد اور اسلامی اعمال میں فتنوں کی ایک شورش برپا ہے، فریق مخالف کے خلاف کفر وضلال کی مشین گن تھامے ہر کوئی اسلام کا ٹھیکیدار نظر آتا ہے، یورپ سے درآمد شدہ دانشور مسلمانوں کے ایمان کو ختم یا کم از کم کمزور کرنے کے لیے آئے دن "نئی تحقیق" اور "جدید ریسرچ" کے نعرے بلند کررہے ہیں، قلمی

---

[1] - مسند الامام احمد بن حنبل، 477/45، ط، مؤسسة الرسالة

جولانیاں، زبان کی سلاست وروانی، چرب لسانی کے ذریعے اذہان وعقول کو متاثر کرکے احکام دین سے باغی کرنا ان کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔ اُن سے اور کچھ نہ بن پڑے تو اچھے بھلے مسلمان کو اس کے عقائد وافکار کے حوالے سے شک میں توڈال ہی دیتے ہیں۔ اور یہ سب اِس وجہ سے ہے کہ ہم مسلمانوں نے اپنے خالق سے بے پروائی اختیار کرلی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا" ۔ [1]

جو ہماری یاد سے منہ موڑے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی، آج ہماری پستی وذلت کا بڑا سبب یہی ہے کہ ہم نے خالق کائنات سے روگردانی کر رکھی ہے۔

فتنوں کی اِس بھرمار میں سب سے خطرناک ایمان سوز فتنے ہیں، کیونکہ کسی بھی مسلمان کے لیے سب سے قیمتی چیز ایمان ہے، جب متاعِ ایمان ہی لٹ جائے تو دنیا وآخرت کی سب خیریں گویا چھن گئیں، چنانچہ احادیث میں فتنۂ دجال کو بڑا فتنہ قرار دیا گیا، کیونکہ وہ ایمان کے لیے خطرناک ہو گا۔ انھیں ایمان سوز فتنوں میں سے ایک "فتنہ الحاد" ہے، جس کا معنی: راہِ راست سے ہٹ جانا، بے دینی اور مذہب بیزاری اختیار کرنا ہے، یعنی حق سے منحرف ہو کر اس میں بے بنیاد باتیں داخل کر دینا۔ اور دینی احکام کے بارے میں غلط قسم کی تاویلیں کرنا، مختصریوں کہہ لیں کہ دین میں تحریف، ردوبدل یا دین کے نام پر دین سے دُوری کا نام اِلحاد ہے۔

اِس فتنۂ الحاد سے اسلام اور اہل اسلام کا واسطہ کوئی نیا نہیں، جب سے اِسلام آیا تب سے اِسلام میں تحریف کرکے لوگوں کو اسلام سے دُور کرنے والے بھی موجود ہیں۔ اُسی زمانے سے ملحدین نے دینی احکام کو کھیل اور مذاق سمجھ کر تاویلاتِ باطلہ کا نشانہ بنائے رکھا۔ اور مسلمانوں کو اُن کے دین سے کاٹنے اور دُور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ علمائے اسلام اپنی شرعی اور دینی ذمہ داری کی

---

[1] ۔ سورۃ طٰہٰ، آیت نمبر 24۔

بدولت ان فتنوں کا تعاقب کرتے رہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق یہ سلسلہ دراز ہوتا رہا اور آج ہم ان فتنوں کا سامنا کر رہے ہیں۔ ماضی قریب میں سر سید احمد خان، غلام احمد پرویز، غلام احمد قادیانی، ڈاکٹر فضل الرحمن، عمر احمد عثمانی، ابوالاعلیٰ مودودی، عنایت اللہ مشرقی اور ان جیسے متجددین اِسی سلسلے کی کڑیاں گزری ہیں۔

الحاد زندقہ ولادینیت کا قرون اولیٰ سے تسلسل

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ اسلام کے نام لیوا اور اس کے شیدائیوں کے مقابلہ میں اسلام کے مخالفین و معاندین کی تعداد ہر دور اور ہر زمانہ میں زیادہ رہی ہے اور اسلام کو اپنے ابتدائے قیام سے آج تک نہ جانے کتنے فتنوں سے دوچار ہونا پڑا ہے، لیکن اس تاریخی شہادت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ علمائے اسلام اور صلحائے امت نے ان تمام فتنوں کا نہایت پامردی سے مقابلہ کیا ہے اور اسلام کے حریفوں کو ہر محاذ پر شکست دے کر اسلام کے کارواں کو آگے بڑھایا ہے۔

چنانچہ اسلام پر اوّل ترین حملہ مادیت کی راہ سے ہوا موروثی حکومت کے تسلسل اور دولت وثروت کی فراوانی سے اسلامی معاشرہ میں تعیش اور راحت پسندی کا عمومی رجحان پیدا ہو گیا تھا جس سے یہ خطرہ ہو چلا تھا کہ خدانخواستہ ملت اسلامیہ بھی اگلی امتوں کی طرح تعیش کی نذر نہ ہو جائے اس فتنہ کے مقابلہ کیلئے حضرات تابعین کی جماعت میدان میں نکل پڑی اور اپنے وعظ و نصیحت، دعوت و تبلیغ اور حرارت ایمانی کے ذریعہ مادیت کے اس سیلاب بلاخیز کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور امت کو اس طوفان سے بچالیا۔

اس کے بعد اسلام پر دوسرا حملہ عقلیت کی راہ سے ہوا، یونانی فلسفہ نے سطحی ذہنوں کو اپنی گرفت میں لے کر اسلامی عقائد واعمال کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیا جس سے متاثر ہو کر امت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ایک کی قیادت فقہاء اور محدثین کر رہے تھے اور دوسرے کی عقلیت زدہ

معتزلہ، یہ فتنہ چونکہ علمی انداز میں برپا کیا گیا تھا اور بد قسمتی سے حکومتِ وقت کی سرپرستی بھی اسے حاصل ہوگئی تھی، اس لئے ایسا معلوم ہونے لگا تھا کہ اسلامی علوم وعقائد یونانی افکار و نظریات کے مقابلہ میں اپنی توانائی اور سربلندی قائم نہ رکھ سکیں گے، ان سنگین حالات میں علماء ہی کی صف سے ایک بزرگ سر سے کفن باندھ کر میدان میں کود پڑے اور اس جرأت واستقامت کے ساتھ کہ خلیفۂ وقت مامون الرشید کے تہدیدی فرامین اور معتصم باللہ کے طوق وسلاسل اور تازیانے ان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہ کر سکے بالآخر اس مرد جلیل کی ثابت قدمی کی برکت سے یہ فتنہ سرد پڑ گیا اور امت ایک عظیم وتباہ کن خطرہ سے مامون و محفوظ ہوگئی۔

تیسری صدی میں معتزلہ نے اپنی عقلیت پسندی اور اپنی بعض نمایاں شخصیتوں کے سہارے اس سوئے ہوئے فتنہ کو پھر سے جگانا چاہا، لیکن امام ابوالحسن اشعری جو پہلے انھیں کے کیمپ کے ایک فرد تھے اور ان کے تمام ہتھ کنڈوں سے اچھی طرح واقف تھے ان کے مقابلہ میں آگئے اور بحث ومناظرہ اور زبانی تفہیم وتقریر کے ذریعہ ان کے حوصلوں کو پست کر دیا اور آئندہ ان کے مقابلے کیلئے ایک سو سے زائد نہایت اہم اور وقیع کتابیں بھی تصنیف کر دیں، اور ساتھ ہی اپنے تلامذہ کی ایک اچھی خاصی جماعت بھی تیار کر دی جس نے ہر علمی محاذ پر معتزلہ کا تعاقب کیا اور انھیں میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

معتزلہ کی اس شکست کے بعد اسی فلسفۂ یونان کی کوکھ سے ایک نئے فتنہ نے جنم لیا جو اسلام کے حق میں اعتزال سے بھی زیادہ خطرناک تھا، یہ تھا باطنیت کا فتنہ اس فتنہ کے بانیوں نے اپنی ذہانت اور یونانی فلسفے کی مدد سے دین اسلام کے اصول و نصوص اور قطعیات میں تحریف و تنسیخ کا دروازہ کھولدیا اور اسی کے ساتھ اسلام واہل اسلام کے خلاف قوت وطاقت کا مظاہرہ بھی کیا جس کی بنا پر اسلامی حکومتیں عرصہ تک پریشان رہیں اور اسلام کی بہت سی منتخب شخصیتیں اس تشدد آمیز فتنہ کا

شکار ہو گئیں۔

اس عظیم فتنہ کی سرکوبی کیلئے بھی صف علماء ہی سے ایک مرد کامل آگے بڑھے جنھیں ہم امام غزالی کے نام سے جانتے پہچانتے ہیں انھوں نے براہ راست باطنیوں سے مقابلہ آرائی کے بجائے فلسفہ یونان کو نشانہ بنایا جو اکثر فرقِ باطلہ کا ماخذ و مصدر تھا اوراپنے علمی تبحر، قوت استدلال سے اس کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں اور ان فتنوں کے چشموں کو ہمیشہ کیلئے بند کر دیا، امام غزالی کے ساتھ اس اہم خدمت میں امام رازی اور ابن رشد کے کارنامے بھی بھلائے نہیں جاسکتے۔

خیر یہ سارے واقعات تو زمان و مکان کے اعتبار سے آپ سے دور تر ہیں، بر صغیر کی تاریخ پر نظر ڈالئے، عہد اکبری میں " دین الٰہیہ " کے عنوان سے اسلام کے خلاف جو عظیم فتنہ رونما ہوا تھا جس کی پشت پر اکبر جیسے مطلق العنان فرماں روا کی جبروتی طاقت بھی تھی، لیکن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبد الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہمنوا علماء نے اپنے پایۂ استقامت سے اس فتنہ کے سر کو ہمیشہ کیلئے کچل دیا۔

اوراس آخری دور میں سلطنت برطانیہ کے جلو میں الحاد و زندقہ کا فتنہ نمودار ہوا تھا اس کے مقابلہ میں بھی اگر کوئی جماعت نبرد آزما نظر آتی ہے تو وہ علماء ہی کی جماعت ہے، جنھوں نے سفید فام انسان نما وحشی درندوں کے ہر جور و ستم کو برداشت کر کے اسلام اورآئین اسلام کی حفاظت کی، اور شہر شہر، قصبہ قصبہ اور قریہ قریہ مدارس کی شکل میں انسان کی چھاؤنیاں قائم کر کے پورے ملک میں اسلام کے سپاہیوں کا ایک جال بچھا دیا۔

اور خدا کا شکر ہے کہ اسلام کے یہ سپاہی آج بھی اسلام کے عقائد و اعمال کی حفاظت و اشاعت میں پورے طور پر مصروف ہیں، یہی وجہ ہے کہ اسلام کی جڑیں دیگر بلاد اسلامیہ کے مقابلہ میں ہمارے ملک میں زیادہ مضبوط ہیں اور ہم بحمد اللہ اس پوزیشن میں ہیں کہ معاندین اسلام کی آنکھوں

سے آنکھیں ملا کر کہہ سکتے ہیں۔

اس لئے آج کے نام نہاد اسلام کے ہمدردوں کو علمائے اسلام پر اعتراض کرنے سے پہلے ان کے کارناموں پر غور کرنا چاہئے، مجھے یقین ہے کہ جو لوگ جماعت علماء پر قوم کے استحصال کا الزام لگاتے ہیں اگر انھیں اسلامی علوم وعقائد اور دینی اخلاق و کردار کے تحفظ و بقا اوراس کے استحکام و اشاعت کے سلسلے میں علمائے اسلام کی خدمات سے ادنیٰ واقفیت بھی ہوتی تو وہ انھیں مورد الزام ٹھہرانے کے بجائے ان کے شکر گذار ہوتے۔

تاریخ اور تجربہ کی بنیاد پر بلا خوف و تردد یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ موجودہ دور میں اور آئندہ بھی علمائے دین ہی کی جماعت اسلام اور مسلمانوں کی پشتیبان بن سکتی ہے بلند بانگ دعووں، خوش کن تجویزوں اور جذباتی تقریروں سے کچھ دیر کیلئے گرمئ محفل کا سامان فراہم کیا جاسکتا ہے اور ہوش سے عاری پر جوش نوجوانوں سے زندہ باد کا نعرہ بھی لگوایا جاسکتا ہے، لیکن ان خالی دعووں سے کسی سنجیدہ، مستحکم، اور ٹھوس نتائج کی توقع نہیں کی جاسکتی کیونکہ بقول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ماضی سے مضبوط رشتہ کے بغیر امت کی صلاح و فلاح کا تصور ایک فریب ہے، اور آج جو بھی ملت کے درد سے بے چین ہو کر اٹھتا ہے وہ سب سے پہلے ملت کے ماضی ہی پر چھری چلاتا ہے۔

الحاد کی تعریف

الحاد کا لفظ عربی زبان میں لغوی اعتبار سے انحراف یعنی درست راہ سے ہٹ جانے کے معنوں میں آتا ہے، الحاد کو انگریزی میں atheism کہا جاتا ہے، الحاد کا لفظ قرآن کی آیات میں اپنا ماخذ رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کا بیان قرآنی مفہوم کے لحاظ سے کیا جانا ضروری ہے اور کسی ایک انگریزی اصطلاح کو اس کی جانب سختی سے نافذ نہیں کیا جاسکتا، قرآن کی سورت، الاعراف کی آیت 180 میں "یلحدون "(یعنی لحد کرنا یا انحراف کرنے) کا لفظ آتا ہے، عموماً اس لفظ کا الحاق

وجودِ خدا نبوت ورسالت اور آخرت میں سے کسی ایک کے یا تینوں کے انکار پر کیا جاتا ہے۔
تفسیر روح البیان میں ہے:

"الالحاد فی الاصل: مطلق المیل والانحراف ومنه اللحد؛ لانه فی جانب القبر"۔[1]

یعنی الحاد اصل میں "مطلقاً اعراض وانحراف" کے معنی میں آتا ہے، اسی لئے بغلی قبر کو بھی لحد کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ بھی ایک طرف مائل کرکے بنائی جاتی ہے۔
الحاد کے رد کے بارے میں ایک بات تو یہ ہے کہ الحاد اصلاً ہماری تہذیب کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ مغربی تہذیب سے درآمد شدہ ہے، لہٰذا الحاد کا رد مسلم تہذیبوں میں کوئی مستقل کام نہیں بلکہ ایک عارضی اور وقتی ضرورت ہے، آپ کو کوئی دیسی ملحد ایسا نہیں ملے گا کہ جس پر مغرب کا ٹھپہ نہ ہو، یہ لوگ اپنی سوچ سے ملحد نہیں بنے بلکہ الحاد ان میں باہر سے انڈیلا گیا ہے، چاہے فلاسفی آف سائنس کے مباحث کے مطالعے کے راستے، چاہے انگریزی ادب کے مطالعے کے راستے، چاہے ہالی وڈ کی فلموں اور موویوں کے راستے، چاہے فلسفہ اور سائنس کی درسی کتابوں کے ذریعے، چاہے معاشرے میں موجود الحاد سے متاثر افراد سے میل جول کے راستے، وغیرہ۔
پھر الحاد کے رد اور اس کے علاج میں بھی فرق ہے، الحاد کے رد سے لوگ مسلمان نہیں ہوتے ہیں، بلکہ ملحدوں کا شر کم ہو جاتا ہے۔ الحاد کے علاج سے مراد یہ ہے کہ ہمارا مقصد ملحدوں کے لاجواب کرنے کی بجائے دین کی طرف راغب کرنا ہے اور علاج میں عقلی و منطقی دلیلیں کم ہی مفید ہوتی ہیں ، الحاد کا اصل علاج قلبی اور اخلاقی ہے کہ جو نبیوں اور رسولوں کا طریق کار تھا، یعنی صحبت صالحین یا قرآن مجید کی صحبت اختیار کرنا، وغیرہ، قرآن مجید کی صحبت سے مراد قرآن مجید سے تعلق کا وہ

---

1 ۔ تفسیر روح البیان، سورۂ حم سجدہ، تحت آیت نمبر 40۔

درجہ کہ جس کے اہل کو حدیث میں "صاحبِ قرآن" کہا گیا ہے یعنی جن لوگوں نے قرآن پر عمل کیا اور اس کے درست راستہ کی طرف رہنمائی بھی کی، یا ملحدوں کو اعلیٰ اخلاق سے قائل کرنا، وغیرہ الہامی کتابوں اور رسولوں کی دعوت میں الحاد کے علاج کا طریقہ کار عقلی و منطقی نہیں بلکہ فطری و قلبی ہے۔

زندقہ کی تعریف

جو شخص اپنے عقیدۂ کفریہ کو دجل و تلبیس نیز ملمع سازی کرتے ہوئے اس خباثتِ باطنیہ کو اسلامی صورت میں ظاہر کرتا ہے، وہ زندیق ہے، شرح مقاصد للتفتازانی رحمہ اللہ 2/268 اور دیگر کتب میں تصریح ہے، فتاویٰ شامی باب المرتد کی بعض عبارات سے بھی یہی ثابت ہے۔

زندیق شرعاًاس شخص کو کہا جاتا ہے جو آنحضرت ﷺ کی نبوت کا اقرار کرتا ہو اور شعائر اسلام کا اظہار کرتا ہو مگر کسی کفریہ عقیدہ پر ڈٹا ہوا ہو، زندیق جو بظاہر اسلام کا کلمہ پڑھتا ہو مگر خبیث عقائد رکھتا ہو اور غلط تاویلات کے ذریعے اسلامی نصوص کو اپنے عقائد خبیثہ پر چسپاں کرتا ہو، اس کی حالت کافر اور مرتد سے بھی بدتر ہے کہ کافر اور مرتد کی توبہ بالاتفاق قابل قبول ہے مگر بقول علامہ شامیؒ زندیق کا نہ اسلام معتبر ہے نہ کلمہ، نہ اس کی توبہ قابل التفا ہے، الا یہ کہ وہ اپنے تمام عقائد خبیثہ سے برأت کا اعلان کرے۔

حضرت ملا علی قاریؒ مرقات جلد7 صفحہ 104 پر زندیق کا معنی بیان کرتے ہیں کہ: وہ جو کفر کو چھپاتا ہو اور ایمان کو ظاہر کرتا ہو۔

علامہ شامیؒ جلد 3 صفحہ 324 پر فرماتے ہیں کہ: زندیق ملمع سازی کر کے اپنے کفر کو پیش کرتا ہے فاسد عقیدہ کی ترویج کرتا ہے اور اس کو صحیح صورت میں ظاہر کرتا ہے اور کفر کے چھپانے کا یہی مطلب ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان تحریر فرماتے ہیں:

زندیق کی تعریف میں جو عقائد کفریہ کا دل میں رکھنا ذکر کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مثل منافق کے اپنا عقیدہ ظاہر نہیں کرتا بلکہ یہ مراد ہے کہ اپنے عقائد کفریہ کو ملمع کر کے اسلامی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔[1]

درج بالا عبارات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ زندیق مثل منافق نہیں۔ زندیق کافر ہیں مگر اپنے کفر کو اسلام کہتے ہیں، خالص کفر لیکن یہ اس کو اسلام کے نام سے پیش کرتے ہیں بلکہ قرآن کریم کی آیات سے، احادیث طیبہ سے، صحابہؓ کے ارشادات سے اور بزرگانِ دین کے اقوال سے توڑ موڑ کر اپنے کفر کو اسلام ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو شریعت کی اصطلاح میں "زندیق" کہا جاتا ہے۔

تجدد دین کا مفہوم

'تجدد' عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ 'ج۔ د۔ د' ہے۔ اس مادے سے عربی زبان میں دو اہم الفاظ استعمال ہوتے ہیں 'ایک 'تجدد' اور دوسرا 'تجدید'۔ 'تجدد' باب تفعّل سے مصدر ہے اور اس مصدر سے اسم الفاعل 'متجدد' بنتا ہے جبکہ 'تجدید' باب تفعیل سے مصدر ہے اور اس کا اسم الفاعل 'مجدِد' استعمال ہوتا ہے، معاصر مذہبی اردو لٹریچر میں 'تجدد' ایک منفی جبکہ 'تجدید' ایک مثبت اصطلاح کے طور پر معروف ہے۔

حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ:

> تجدید اور مجدد کی اصطلاح تو جناب نبی اکرم ﷺ کے ایک ارشاد گرامی سے لی گئی ہے جس میں یہ پیش گوئی فرمائی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر صدی کے آغاز پر ایک مجدد بھیجے گا جو دین کی تجدید کرے گا، جبکہ تجدید کا معنٰی علماء امت کے ہاں

---

[1] - جواہر الفقہ جلد 1 صفحہ 29۔

یہ معروف چلا آرہا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سوسائٹی اور افراد کے اعمال و اقدار میں غیر محسوس طریقہ سے کچھ اضافے ہوتے چلے جاتے ہیں، جس طرح کھیت اور باغ میں کچھ خودرو پودے پیدا ہوتے رہتے ہیں جنہیں وقفہ وقفہ سے تلف کر کے چھانٹی کر دی جاتی ہے۔ اسی طرح از خود اعمال و روایات کا حصہ بن جانے والی رسوم و بدعات کی نفی کر کے دین کی اصلی حیثیت اور ڈھانچے کو نکھارنے کا کام مجدد کے ذریعہ لیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ تکوینی طور پر اس کا اہتمام فرماتے ہیں۔ مجدد پر کوئی وحی نازل نہیں ہوتی اور نہ ہی اسے باقاعدہ مبعوث کیا جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی نیک اور عالم بندے کو ایسی صلاحیت، فراست اور توفیق سے بہرہ ور کر دیتے ہیں جو یہ خدمت سرانجام دیتا ہے اور اس کی محنت اور جدوجہد سے اسے پہچان کر مجدد کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اور مزید اس بارے میں فرماتے ہیں:

"تجدید" کا معنیٰ موجود چیز کو نئے اسلوب میں پیش کرنا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں معاہدہ کی تجدید کی گئی ہے یعنی معاہدہ پہلے سے موجود ہے، اس میں جزوی ردوبدل تو معاہدے کے مجموعی ماحول کو ملحوظ رکھتے ہوئے کر لیا جاتا ہے لیکن بنیادی ڈھانچے کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر بنیادی ڈھانچہ ہی بدل دیا جائے تو اسے معاہدہ کی تجدید سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ نیا معاہدہ کہلاتا ہے۔ اسی طرح تجدید کا یہ عمل بھی ہے کہ ماضی کے مسلمہ علمی اور فقہی اصولوں کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے دائرے میں رہ کر مسائل و احکام کی زمانہ کی ضروریات کے تحت تعبیر و تشریح کی جاتی ہے، لیکن اگر ماضی کی مسلمہ علمی روایات اور متفقہ فقہی

> اصولوں سے انحراف کر کے اور ان کا لحاظ رکھے بغیر دین کے احکام و قوانین کی نئی تعبیر و تشریح کی جائے گی تو یہ "تجدید" نہیں ہو گی بلکہ "تجدد" کہلائے گی، چونکہ تجدد کے لفظی معنٰی میں تکلف و تصنع پایا جاتا ہے اس لیے اس عمل کے لیے یہ لفظ زیادہ موزوں سمجھا گیا ہے کہ اس کی حیثیت "تکلف بے جا" سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی, تجدد کی بڑی علامت یہ ہے کہ اس میں ماضی کی مسلمہ علمی روایت اور فقہی اصولوں کو نظر انداز کر کے نئے خود ساختہ اصولوں پر اس کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور جس دور میں یہ کام کیا جارہا ہوتا ہے اس زمانے کے جمہور علماء کو اعتماد میں لیے بغیر بلکہ ان کی نفی و تحقیر کے ماحول میں اس عمل کو آگے بڑھایا جاتا ہے، جبکہ تجدید میں مسلمہ فقہی اصولوں اور اپنے دور کے جمہور علماء کو اعتماد میں لینا ضروری ہوتا ہے۔ اس اعتماد کا باقاعدہ اہتمام کیا جائے یا کسی عمل کے صحیح ہونے پر اسے جمہور علماء کا اعتماد حاصل ہو جائے، نتیجے کے حوالہ سے دونوں صورتیں یکساں ہیں لیکن یہ کسی بھی دینی تعبیر کے قابل قبول ہونے کے لیے بہر حال ضروری ہے۔[1]

تجدد کا رویہ یہ ہے کہ کچھ لوگ دوسری قوموں اور تہذیبوں کے افکار و اعمال سے متاثر ہو جاتے ہیں، انھیں اپنے فکر و عمل سے اچھا اور اعلیٰ و برتر سمجھنے لگتے ہیں اور یہ کوشش کرنے لگتے ہیں کہ انھیں اسلامی لباس پہنا کر اختیار کر لیا جائے، یوں وہ اجتہاد کے نام پر غیر اسلامی افکار و اعمال کو گلے لگا لیتے ہیں اور اپنا اور اپنے دین کا نقصان کرتے ہیں۔ آج اسلام اور مسلمانوں کی صورت حال بڑی گھمبیر ہے اور بڑے حوصلے، تدبر اور ژرف نگاہی کا تقاضا کرتی ہے، مسلمان جو اپنے دین سے تمسک کی وجہ سے اور اسے دنیا میں پھیلانے اور غالب کرنے کی دھن میں ایک ہزار سال تک دنیا

---

[1] ۔ روزنامہ اسلام، 6 جون 2017ء

پر چھائے رہے، پچھلی تین صدیوں میں کمزور اور مغلوب ہو گئے ہیں، اس دوران میں مغربی قومیں اپنے نظریہ حیات (سیکولرزم، ہیومنزم، لبرلزم، میٹریلزم وغیرہ جن کا مطلب ہے اجتماعی زندگی میں اللہ کی اتھارٹی کا انکار اور اپنی عقل اور اپنی مرضی سے زندگی گزارنا، دنیا کی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھنا، آخرت سے صرف نظر کرنا اور اللہ کی ہدایت کو جاننے کے لیے اس کے فرستادہ شخص کی غیر مشروط اطاعت نہ کرنا، گویا توحید، رسالت، آخرت اور آسمانی دین کا صریح انکار) سے مستحکم وابستگی کے نتیجے میں دنیا میں ترقی کر گئیں۔ چونکہ وہ مسلمانوں سے مغلوب ہوئی تھیں، لہٰذا انھوں نے انتقاماً مسلمانوں کے علاقوں کو فتح کیا، انھیں کچلا، غلام بنایا، ان پر ظلم ڈھائے اور آج بھی وہ اسی مسلم دشمنی کی روش پر گامزن ہیں۔

لادینیت / سیکولرازم کی حقیقت

یہ ایک ماسونی تحریک ہے [1] جس کا مقصد حقوق انسانی، مساوات، فکری آزادی، تحقیق وریسرچ، قانون اور تعلیم کے نام پر دین کو زندگی کے تمام شعبوں سے نکال دینا اور مادیت کا گرویدہ بنا دینا اور روحانیت سے بے زار کر دینا ہے بعض اوقات یہ کہہ کر کہ دین کی پیروی انسانی آزادی کے منافی ہے اور بعض اوقات سیاست اور دین، معیشت اور دین اور معاشرت اور دین میں مقابلہ کر کے ان دونوں چیزوں کو متضاد ٹھہرا کر اسپر عمل نہ ہو سکنے کا تاثر دیا جاتا ہے اور بعض اوقات دین کو فطرت اور طبیعت کے منافی سمجھ کر مغالطہ دیا جاتا ہے۔

یہ ذہنیت دراصل یورپ کی پیداوار ہے کہ جب اسلام نے آکر علوم کے دروازے کھولے اور اسلام کا اثر رسوخ مشرق سے نکل کر چہار دانگ عالم میں پھیلا تو اہل مغرب کی آنکھیں کھلیں کیونکہ

[1] ۔ماسون کی طرف منسوب، یہ ایک غیر عربی (عجمی) لفظ ہے، جس کے معنی ہیں آزاد معماران، اس سے ماسونی فرقہ یا تنظیم مراد ہے، ماسونیت ایک خفیہ یہودی تحریک ہے جس نے دنیا کی تخریب کاری میں اہم ترین کردار ادا کیا ہے۔

سولھویں صدی عیسوی تک مغرب یورپ میں کنیسا اور چرچ کو مکمل اثر رسوخ حاصل تھا لیکن جب اہل یورپ نے اسلام کی ترقی اور مسلمانوں کی علمی و عملی بلندی کو دیکھا تو عیسائی پادریوں اور بادشاہوں کی طرف سے ان کو علمی اپنی تحقیقات پر پابندی اور اپنے اوپر ان کے تسلط اور ظلم کا احساس ہوا اور سترھویں صدی عیسوی میں نے انہوں نے مذہب سے بیزاری کا اعلان کر دیا، اور یہ پس پردہ دنیا کی خفیہ ترین یہودی تحریک ماسونیت کی کارستانی اور سازش کا نتیجہ تھا جب ان کو مغرب میں کامیابی ملی تو انہوں نے اعلان کیا کہ **"اب عقل کو آزادی ہو گی اور مذہب کی قید و بند سے انسان آزاد ہو گا اور طبیعت و نیچریت کا بول بالا ہو گا"** اور اس ذہنیت کے لوگ مغرب پر قابو پالینے کے بعد پوری دنیا پر بادشاہت اور تسلط کے خواب دیکھنے لگے۔

1789ء میں مصر پر حملہ کیا اور انیسویں صدی کے آنے تک پورے مشرق کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اس دوران چند ناعاقبت اندیش مادہ پرست مسلمان بھی ان کے چنگل میں آگئے جنہوں نے ماسونیت کی اس تحریک کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا ان میں سے مغرب کے مادہ پرستوں میں ڈارون جس نے تحقیق کے نام پر "نظریہ ارتقاء" کی بنیاد ڈالی جو دنیا کا سب سے بڑا فریب شمار کیا جاتا ہے اسی طرح فرائنڈ نے "نظریہ جنسیت" پیش کیا ڈارکائم نے "نظریہ عقلیت" پیش کیا اور جان پول سارٹر نے "نظریہ وجودیت" پیش کیا پھر آدم سمتھ نے "کیپٹل ازم" اور کارل مارکس نے "کیمونزم" کی بنیاد ڈالی جو پچھلے تمام مادی افکار کا نچوڑ اور خلاصہ تھا۔

اور اسی طرح مشرق میں کمال اتاترک، طٰہٰ یٰسین، جمال عبد الناصر، انور سامات، علی پاشا اور برصغیر میں سر سید احمد خان، عنایت اللہ مشرقی، غلام احمد پرویز، مرزا قادیانی اور ابوالاعلیٰ مودودی وغیرہ نے ماسونیت کے ان افکار و نظریات کو ہوا دی اور اب جدید دور میں اس کا نام گلوبلائزیشن یعنی عالمگیریت رکھا گیا ہے۔

لادینیت کا اصل مقصد

لادینیت کا اصل مقصد جیسا کہ پہلے بھی بیان ہوا ہے کہ امت مسلمہ کو موجودہ دور میں اسلام اور مذہب سے بے زار کر کے مادیت سے وابستہ کر دیا جائے تا کہ مغربی بالادستی اس پر قائم رہے اس لئے کہ اسلامی فکر، روحانیت اور اسلام سے وابستگی مسلمانوں کے عروج اور بالادستی کی شاہ کلید ہے، لہٰذا مسلمانوں کو اپنی پوری توجہ، ایمان اور اس کے تقاضوں پر مرکوز کرنا چاہیے، نہ کہ مادیت کے مکر و فریب کے جال میں پھنسنا۔(اللھم انانسئلك العفو والعافیة فی الدین و الدنیا و الاخرۃ)

لادینیت کا طریقہ واردات

ضروری محسوس ہوتا ہے کہ تجدد پسندوں کی حکمت عملی اور ان کے طریق کار پر کچھ روشنی ڈال دی جائے تا کہ ان کو پہچاننے میں آسانی رہے۔ ان کی حکمت عملی کے اہم نکات یہ ہیں:

1۔ قرآن حکیم پر زور دیا جائے لیکن اس طرح کہ جس ہستی پر قرآن نازل ہوا تھا اور جس کے ذمے اس کی تبیین تھی، دین میں اس کے کردار اور اس کی تبیین (حدیث و سنت) دونوں کو اہمیت نہ دی جائے (گویا یہ بے عقل لوگ اس بات کو نہیں سمجھ سکے کہ یہ امت آج اگر زندہ اور متحد ہے تو صرف محبت رسول کے صدقے۔ فداہ ابی و امی ﷺ)

2۔ حدیث و سنت کو بے اعتبار ٹھہرایا جائے۔ اس کے لیے جو دلائل دیے جاتے ہیں، وہ کچھ اس طرح کے ہوتے ہیں:

احادیث اکثر وضعی ہیں اور عجمی سازش، یہ بہت تاخیر سے مدون ہوئیں لہٰذا قابل اعتماد نہیں، بہت سی احادیث قرآن حکیم کے خلاف ہیں، متواتر احادیث گنتی کی ہیں اور اکثر حدیثیں آحاد ہیں اور آحاد حدیثیں ظنی الدلالۃ ہوتی ہیں۔ احادیث اس زمانے کے حالات کے مطابق تھیں، اب حالات بدل گئے ہیں، حدیث و سنت میں فرق ہے، حدیثیں آحاد ہیں اور ناقابل اعتماد، صرف وہ

چند سنتیں قابل اعتماد ہیں جو تعامل امت سے ثابت ہوتی ہیں، وغیرہ۔

3۔ مغرب اس لیے غالب ہے کہ انفع اور اصلح ہے، لہٰذا وہ خلافت ارضی کا حق دار ہے۔

4۔ مغرب نے اسلامی اصول اپنا لیے ہیں، اس لیے وہ غالب اور بالا دست ہے۔

5۔ اہل مغرب سے ہمیں مفاہمت اختیار کرنی چاہیے کیونکہ وہ اہل کتاب ہیں، آخر حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ ہمارے بھی تو پیغمبر ہیں۔

6۔ مغرب نے جن اصولوں پر عمل کر کے دنیا میں ترقی کی ہے، ان کی پیروی کر کے ہمیں بھی ترقی کرنی چاہیے۔

7۔ ملا کی تحقیر اور اس کو گالی دینا، کیونکہ ان کے نزدیک وہ مسلمانوں میں ساری خرابیوں کی جڑ ہے اور مسلم معاشرے سے اس کا خاتمہ اور اس کو غیر موثر کرنا ضروری ہے۔

8۔ مسلمان اگر اپنے علاقے کا دفاع کریں تو بھی اسے جہاد نہ سمجھنا اور دہشت گردی قرار دینا۔

9۔ مغرب کی ریاستی دہشت گردی کو صحیح ثابت کرنے کے لیے دلائل دینا اور جواز تراشنا۔

10۔ اسلاف کی بے ادبی۔ 11۔ اجماع کا انکار۔

12۔ تقلید کی مذمت۔

13۔ مغرب سے متاثر جو تنظیمیں مسلم معاشرے میں آزادی نسواں کی تحریک چلا رہی ہیں، ان کی حمایت کرنا۔

14۔ مغربی لائف اسٹائل کا دفاع کرنا مثلاً دوپٹے کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، کوٹ پتلون اور نکٹائی وغیرہ پہننے میں کوئی حرج نہیں۔

15۔ مغربی تصورات اور اداروں کی حمایت کرنا، جیسے جمہوریت، آزادی، رواداری، عدل، بنیادی حقوق اور حریت فکر وغیرہ، حالانکہ ان امور کے مغربی تصور اور اسلامی تصور میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

16۔ بے دین مسلم حکمرانوں کی حمایت کرنا۔

17۔ قوم پرست اور سیکولر سیاسی جماعتوں، تنظیموں اور اداروں کی حمایت کرنا۔

18۔ ملک میں قائم دینی اداروں کی تنقیص اور ان پر تنقید، جیسے شرعی عدالت، حدود قوانین اور نظریاتی کونسل وغیرہ۔

19۔ تصوف کے غیر اسلامی رسوم ورواج اور افکار واعمال کی حمایت کرنا۔

20۔ دعوت دین کے ایک ایسے تصور کی حمایت جو مفاہمت، مسکینی اور گوسفندی پر مبنی ہو اور جس میں عزیمت، نہی عن المنکر، جہاد، نفاذ دین اور غلبہ اسلام کا ذکر نہ ہو۔

21۔ مسلمانوں کے زوال کی وجہ ان کا مادی انحطاط ہے۔

22۔ شریعت پر عمل کیا جائے اور فقہ کو چھوڑ دیا جائے۔

23۔ خاندانی منصوبہ بندی کی حمایت۔

24۔ قربانی دینے کے بجائے اس کے پیسے غریبوں کو دے دیے جائیں۔

25۔ عورتوں کی آزادی، مساوات، بے پردگی اور مردوں کے ساتھ کام کرنے کی حمایت۔

26۔ عقلیت پسندی بلکہ عقل پرستی۔ 27۔ لغت اور بائبل کو سنت پر ترجیح دینا۔

28۔ موسیقی اور گانے بجانے کی حمایت بلکہ اس پر عمل۔

29۔ علماء اور دین دار طبقہ سے نفرت کی فضاء اور انہیں بدنام کرنے کی تدابیر اختیار کرنا۔

30۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے پروپیگنڈا کرنا۔

خلاصہ یہ کہ ہمیں تجمد اور تجدد کا راستہ چھوڑ کر اعتدال کا راستہ اپنانا چاہیے، ہمیں اسلام کو جدید بنانے کی ضرورت نہیں بلکہ "الی الاسلام من جدید" کی ضرورت ہے۔

غور فرمائیے، سیکولرزم مذہب دشمن اصولوں کی وکالت کرتا ہے اور اس میں مسلمہ مذہبی قوانین

اپنی وقعت کھو بیٹھتے ہیں، مذہبی حساسیت بھی ختم ہو جاتی ہے فعالیت بھی، لیکن کس بے نیازی سے کہا جارہا ہے کہ سیکولرزم لادینیت نہیں ہے، یہ احباب بتائیں گے کہ اگر یہ سب کچھ لادینیت نہیں تو لادینیت اور کیا ہوتی ہے؟ کیا اس رویے کو فکری دیانت کے باب میں لکھا جاسکتا ہے؟

لادینیت کا انجام

برصغیر کے مسلمانوں پر مغربی اقوام کے سیاسی نظریاتی تسلط کے بعد مسلمانوں کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا جو مغربی افکار سے بے حد مرعوب تھا، وہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں ترقی بغیر تقلید مغرب کے حاصل نہیں ہو سکتی، لیکن اسلام کے بہت سے احکام اس کے راستہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے، اس لیے اس نے اسلام میں تحریف کا سلسلہ شروع کیا تاکہ اسے مغربی افکار کے مطابق بنایا جاسکے۔

اوپر کی تفصیل سے یہ واضح ہے کہ کلام و تشریحات محمدی کے بغیر دین محمدی اپنی اصل شکل میں نہیں رہ سکتا اسے نکالنے کے بعد ہر قرآنی نظریے کے معانی بھی نئے سرے سے تشکیل دینا پڑتے ہیں، مخالفین کو انکار حدیث کے بعد اسی مشکل کا سامنا ہوا، وہ حدیث کی مخالفت میں اسلام کے ہر نظریے کا انکار تو کر آئے لیکن انہیں کوئی متبادل راہ نظر نہ آئی، اس مقام پر پہنچ کر کچھ تو تھوڑے ہی عرصے میں ملحد ہو گئے جیسے نیاز فتح پوری اور اسکے پیروکار۔ کچھ ایسے تھے جو اس راہ میں بہت آگے تک گئے اور سینکڑوں لوگوں کو گمراہ کیا لیکن آخر انہیں خود ہی احادیث کی اہمیت وضرورت کا احساس ہو گیا اور انہوں نے ضد میں الحاد کی طرف جانے کے بجائے واپس اسلام کی راہ لی جیسے ڈاکٹر غلام جیلانی برق اور تمنا عمادی پھلواری۔

کچھ غلام احمد پرویز جیسے ساری زندگی اپنی عقل سے دین اسلام کی ایک شکل ترتیب دینے کی کوشش کرتے رہے لیکن چند ادبی افسانوں، خوشنما نعروں، ایک خیالی نظام، تضاد سے بھرپور قرآنی تشریحات سے آگے نا بڑھ سکے، انہوں نے ایک معقول تعداد کو روایت سے دور تو کر دیا

لیکن دین کی کوئی پریکٹکل، معقول اور متبادل تشریح فراہم نا کرسکے جس سے کچھ ہی عرصے میں انکے پیروکاروں کی اکثریت ملحدین کی صفوں میں جا کھڑی ہوئی۔

لادینیت سے بچاؤ کی تدابیر

ہم مسلمان، ہیں ہمارا دین، دین بر حق ہے ہمارا رب اللہ ہے، جو قادر مطلق مالک الملک الہ واحد اور ذوالجود والکرم ہے اور ہمارے رسول خاتم النبیین سید المرسلین ہیں، اور ہماری تعلیمات ہر زمانہ میں انصاف امن وسلامتی کی ضامن ہیں، اسی کو حق ہے کہ وہ دنیا پر قیادت وسیاست کرے، مگر ہم نے اس کی قدر نہ کی ذلت ومسکنت کے شکار ہوئے، اب ہمیں کرامت اور غلبہ کیسے دوبارہ ہو سکتا ہے، اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے، تو آیئے ہم اسی پر روشنی ڈالتے ہیں۔

1۔ سب سے پہلے ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے ایمان میں رسوخ پیدا کریں کیوں کہ قرآن کا اعلان ہے "وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین"[(1)] تم ہی سر بلند رہو گے اگر مؤمن رہو، مؤمن کس کو کہتے ہیں؟ دل وجان سے اسلام کو تسلیم کرکے، اس پر عمل کرنے اور اس پر سب کچھ قربان کر دینے کا نام ہے ایمان اور مؤمن ہونا۔

2۔ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو ہر حالت میں ہم مضبوطی کے ساتھ تھام لیں، یعنی ہمارا ہر قول اور ہر عمل قرآن وسنت کے منشاء کے مطابق ہو جائے، حدیث میں ہے:

ترکت فیکم أمرین، لن تضلوا ما تمسکتم بهما: کتاب الله , وسنة نبیه۔[(2)]

3۔ تقویٰ، یعنی ہر حالت میں اللہ سے ڈرنے لگ جائیں، اور ہر طرح کے منکر اور حرام سے مکمل اجتناب کریں، اور ہر فرض وسنت کو اپنی زندگی کا لازمی جز بنائیں۔

---

[1] ۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر 139۔

[2] ۔ موطأ الإمام مالك برواية ابو مصعب الزهری، 70/2، ط، مؤسسة الرسالة بیروت۔

4۔ اسلامی تعلیمات کو خوب عام کریں، اور یقین رکھیں کہ کامیابی اسی پر عمل کرنے میں ہے نہ کہ کسی اور چیز میں۔

5۔ دعا کا التزام کریں، اپنے لیے پوری امت کے لیے، رو رو کر اللہ کے دربار میں دعائیں کریں، خاص طور پر یہ دعا کریں کہ اللہ امت کو منافقین کے شر سے نجات دے اور بچائے اور اسلام پر ثابت قدم رکھے۔

6۔ غفلت سے بیدار ہو، اور دشمنوں کے مکر وفریب سے اور ان کے سازشوں سے واقف ہوں اور اس سے بچنے کی تدابیر کریں، اللھم اجعل کیدھم فی تضلیل۔

7۔ اس وقت سب سے بڑی ضرورت اسلامی تعلیمات سے واقف ہونا ہے، لہٰذا اس جانب توجہ دیں، تاکہ حلال حرام کی تمیز ہو سکے، علماء سے اپنے مسائل میں رجوع کریں، اور اپنے بچوں کی اسلامی تربیت کی فکر کریں۔

8۔ ٹیلی ویژن کی نحوست سے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو، کوسوں دور رکھیں، فلم، کھیل کود اور فضول چیزوں میں وقت صرف نہ کرکے اللہ کی طرف متوجہ ہوں۔

اللہ ہماری ہر طرح کے شر سے حفاظت کرے اور ہر طاعت کے کرنے کی توفیق دے اور پوری امت کو اسلام سے وابستہ کر دے۔ آمین یارب العالمین

طالب دعا

مفتی محمد عمر فاروق عفا اللہ عنہ

مدیر: دار الشیبانی للافتاء والتحقیق

پہاڑپور ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

سخن گفتنی

بسم اللہ حامدا و مصلیا و مسلما، اما بعد!

آج کے ترقی یافتہ دور میں تحقیق و مطالعہ کا شوق بڑھتا چلا جا رہا ہے جس کی ضرورت و افادیت سے کسی ذی شعور کو انکار نہیں ہو سکتا تاہم امت کے منتخب اہل علم کی اکثریت کی رائے کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ مطالعاتی ذوق بسا اوقات بلکہ اکثر و بیشتر جادہ تقسیم اور حق سے انحراف کا باعث بن جاتا ہے اور اسی سے آئے دن نئے نئے فتنوں کا ظہور ہو رہا ہے اور اگر دیکھا جائے تو دور حاضر نئے نئے فتنوں کا ظہور اور شیوع اور فتنہ پردازوں کے اضلال و گمراہی کا دور ہے ایسے لگتا ہے جیسے ہر روز طلوع ہونے والا سورج اپنے ساتھ کسی ایک نئے فتنے کو لاتا ہے اور ہر فتنہ پہلے سے بڑھ کر مہلک اور خطرناک ہوتا ہے اور سب کچھ اتفاق نہیں بلکہ تکوینی امر ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو آج سے چودہ سو سال پہلے ان فتنوں کی اطلاع دیتے ہوئے ان سے احتراز و اجتناب کی تعلیم فرمائی تھی، چنانچہ سرور کائنات ﷺ نے قرب قیامت ظاہر ہونے والے ایسے تباہ کن اور مہلک فتنوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا تھا:

بادروا بالأعمال فتنا كقطع الليل المظلم، يصبح الرجل مؤمنا ويمسي كافرا، أو يمسي مؤمنا ويصبح كافرا، يبيع دينه بعرض من الدنيا۔ (1)

ترجمہ: ان فتنوں سے پہلے اعمال کرلو جو اندھیری رات کی مانند ہوں گے چنانچہ آدمی صبح کو مومن ہوگا تو شام کو کافر ہوگا شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر آدمی معمولی دنیا کی خاطر اپنے دین و ایمان کو فروخت کرے گا۔

---

[1] ۔ المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، لابي الحسن القشیری النیشابوری، 110/1، دار احیاء التراث العربي، بیروت۔

دیکھا جائے تو یہ سب کچھ آزاد فکری، ذہنی انتشار، اکابر و اسلاف پر عدم اعتماد، خود پسندی اور خود بینی کے مہلک اثرات ہیں اور سب سے تکلیف دہ امر یہ کہ ان فتنوں اور فتنہ پر دازوں کی سرکوبی کی بجائے ان کی ہمت افزائی کی جارہی ہے اگر یہ سب کچھ لادین افراد، عناصر اور جماعتوں کی طرف سے ہوتا تو شاید اتنا افسوس نہ ہوتا لیکن افسوس کہ بعض پڑھے لکھے اور داعیان علم و فضل بھی خواہی نہ خواہی ان سے چشم پوشی برت رہے ہیں بلکہ خاموش تائید کے علم بردار ہیں۔

وہ دین جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

لیکن چونکہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی نبوت قیامت تک کے لئے ہے اور اس دین محمدی نے بھی قیامت تک رہنا ہے اس کی حفاظت واشاعت کا بندوبست بھی ایک تکوینی امر ہے اور اس کام کے لئے اس دور میں اللہ تعالیٰ نے علماء دیوبند کثر اللہ سوادہم کو منتخب فرمایا اور ان سے کام لیا جنہوں نے ہر نئے فتنے کی سرکوبی کی اور امت کو خالص دین پہنچایا۔

انہی رجال اللہ کی تعلیمات کی روشنی میں دور حاضر کے چند متجددین کا مختصر سا تعارف ان کے افکار و نظریات اور اہل حق کی ان کے بارے میں آراء کو ضبط تحریر میں لانے کی ادنیٰ سے کاوش ہے اللہ تعالیٰ قارئین کے لئے نافع بنائے۔ (آمین)

اثر کرے نہ کرے سن تو لے میری فریاد
نہیں ہے داد کا طالب یہ بندہ آزاد

طالب دعا
مفتی فضل الرحمٰن عفا اللہ عنہ
نگران دارالشیبانی للافتاء والتحقیق

مولوی عبدالحق بنارسی

عبدالحق بن مولانا فضل اللہ نیوتنی ثم بنارسی کی ولادت قصبہ نیوتنی ضلع اناؤمیں 1206ھ میں ہوئی سفرحج میں سید احمد شہیدؒ کے ہم سفر تھے لیکن ائمہ پر بدزبانی اور دیگر فاسد نظریات کی وجہ سے سید صاحبؒ نے انہیں اپنے قافلہ سے نکال دیا تھا انہیں نازیبا حرکتوں کی وجہ سے مکہ میں ان کی گرفتاری ہوئی اور قید بھی کئے گئے رہاہوکر مدینہ گئے لیکن جیسے کہتے ہیں "جبل گردد جبلت نہ گردد" مدینہ میں بھی ائمہ پر زبان درازی کرتارہا قاضی مدینہ کے مطلع ہونے پر سزاکے خوف سے بھاگ گیاہندوستانی علماء میں سب سے پہلے ترک تقلید کی راہ انہیں نے اختیار کی اور علماء حق سے برسرپیکاررہنے کے ساتھ ساتھ ترک تقلید پر کتب بھی لکھیں اور مناظرے بھی کئے مولاناعبدالحی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ثم سافر إلى الحجاز في ركب السيد الإمام أحمد بن عرفان الشهيد البريلوي فلما وصل إلى المدينة المنورة بعد الحج تكلم في بعض المسائل الخلافية على عادته وتفوه في حق المجتهدين ورمى بالضلال أصحاب المذاهب الأخر من الأحناف والشافعية وكان إذ ذاك الشيخ محمد سعيد الأسلمي المدراسي بالمدينة المنورة فوشي به إلى القاضي فلما علم ذلك عبد الحق خرج من المدينة مختفياً وذهب إلى جزيدة ـــــــ وكان عبد الحق بن فضل الله لا يتقيد بمذهب ولا يقلد أحداً في شيء من أمور دينية بل يعمل بنصوص الكتاب والسنة ويجتهد برأيه ولذلك جرت بينه وبين الأحناف مباحثات كثيرة في الاجتهاد والتقليد،

ومن مصنفاته الدر الفريد في المنع عن التقليد.[1]

یعنی عبدالحق کسی مذہب سے منسلک نہ تھے اور نہ ہی امور دینیہ میں کسی کی تقلید کرتے تھے خود اجتہاد کرتے اور مجتہد بننے کی کوشش میں رہتے تھے اسی لئے ان کے علماء احناف سے مناظرے بھی ہوئے اور انہوں نے "الدرالفرید فی المنع ون التقلید" کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی۔
اس نے ہندوستانی علماء کے علاوہ یمن کے شوکانی زیدی شیعہ سے بھی علم حاصل کیا تھا، شوکانی کے زیدی شیعہ کا ثبوت تفسیر فتح القدیر کے مقدمہ میں موجود ہے، مقدمہ نگار لکھتا ہے۔

نفقه على مذهب الامام زيد برع فيه والف وافتى حتى صار قدره فيه وطلب الحديث وفاق فيه اهل زمانه حتى خلع ربقته التقليد وتحلى بمنصب لا جتهاد۔[2]

یعنی اس نے مذہب امام زید کے مطابق فقہ حاصل کی' حتی کہ اس میں پورا ماہر ہو گیا۔ پھر تالیفات کیں اور فتوے دئے حتی کہ اس میں ایک نمونہ بن گیا یا مقتدا ہو گیا اور علم الحدیث کی طلب میں لگا تو اپنے اہل زمان سے فوقیت لے گیا، یہاں تک کہ اس نے اپنے گلے سے تقلید کی رسی کو اتار ڈالا اور منصب اجتہاد کا مدعی ہو گیا، مولوی عبدالحق اس کا شاگرد ہے، مقدمہ نگار چند سطر پہلے "بعض تلامیذه الذیر اخذوا عنه العلم" کے عنوان کے تحت لکھتا ہے۔

اخذ عند العلم .... الشيخ عبد الحق بن فضل الهندى۔[3]

---

[1] ـ الإعلام بمن في تاريخ الهند من الأعلام المسمى بـ (نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر، 1001/7، ط، دارابن حزم بيروت۔

[2] ـ مقدمه فتح القدير ص5۔

[3] ـ المرجع السابق

یعنی آپ سے علم حاصل کرنے والوں میں علامہ شیخ عبد الحق بن فضل ہندی بھی ہے، یہی عبد الحق بنارسی ہے، اس کے غیر مقلد ہونے کے متعلق مولانا عبد الخالق جو غیر مقلدوں کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی کے استاد اور خسر ہیں وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

سو بانی مبانی اس فرقہ نو احداث کا عبد الحق ہے، جو چند روز سے بنارس میں رہتا ہے اور حضرت امیر المومنین (سید احمد شہیدؒ) نے ایسی دہی حرکات ناشائستہ کے باعث اپنی جماعت سے ان کو نکال دیا تھا اور علمائے حرمین نے اس کے قتل کا فتوی لکھا تھا، مگر یہ کسی طرح بھاگ کر وہاں سے بچ نکلا۔ (1)

غیر مقلد حلقوں میں گستاخ اور تفرقہ انگیز انداز کے داعی عبد الحق بنارسی اور ابو الحسن محی الدین تھے، یہ دونوں نو مسلم تھے، جو مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پھیلانے کے لیے داخل کئے گئے تھے اصلاً یہ ہندو تھے، عبد الحق بنارسی کا عقیدہ ملاحظہ کیجئے، میاں صاحب کے شاگرد قاری عبد الرحمن صاحب پانی پتی ان سے نقل کرتے ہیں، عبد الحق نے کہا:

"عائشہ علی سے لڑی اگر توبہ نہ کی تو مرتد مری" ۔ (2) (معاذ اللہ)

معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے شیعہ بھی ترک تقلید کی اس تحریک کے پیچھے بڑی سرگرمی سے کام کر رہے تھے اور اہلِ سنت نہ جانتے تھے کہ ان کے حلقوں میں آزاد خیالی کی ہوا کہاں سے تیز کی جارہی ہے، ابو الحسن محی الدین جس نے "الظفر المبین" لکھ کر اس آگ کو اور بھڑکایا اس کا اصل نام ہری چند تھا، یہ دیوان چند قوم کھتری سکنہ علی پور ضلع گوجرانوالہ کا بیٹا تھا، اس کے اثرات اب تک علی پور چھٹہ میں موجود ہیں، وہاں منکرینِ حدیث کافی تعداد میں پیدا ہو چکے ہیں

---

1 - تنبیہ الضالین ص 3۔

2 - کشف الحجاب، ص 42۔

اور ترکِ تقلید کی یہ روش اب انہیں کفر کی سرحد کے بہت قریب لاچکی ہے، تفسیر القرآن بالقرآن وہیں لکھی گئی ہے، جس پر مؤلف کا نام نہیں ہے، اور الظفر المبین کے کئی جوابات علماء احناف کی طرف سے لکھے جا چکے ہیں جن میں "نصرۃ المجتہدین مؤلفہ: مولانا عبدالوکیل سکندر پوری" و "نصر المقلدین مؤلفہ: حافظ احمد علی بٹالوی" اور "الفتح المبین کی کشف مکائد غیر المقلدین مؤلفہ: مولانا منصور علی خان صاحب شاگرد حضرت نانوتویؒ" قابل ذکر ہیں الفتح المبین کی جدید تخریج وتعلیق کا کام دو جلد میں بندہ ناچیز نے مکمل کرلیا ہے جو ان شاء اللہ جلد منصہ شہود پر آنے والا ہے۔

برصغیر میں غیر مقلدیت کی ابتداء

ہندوستان میں ترک تقلید کے فتنے کی ابتداء اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ کی وفات کے بہت بعد ہوئی، فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کے وقت ہندوستان کے کسی گوشہ میں فقہی اختلاف مسلک کی آواز نہ اُٹھی تھی، سب اہل السنۃ والجماعت ایک ہی فقہی مسلک کے پیرو تھے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم اس عظیم علمی خدمت میں شریک تھے، نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں:

خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے، چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں، اس وقت سے آج تک یہ لوگ (ہندوستان کے مسلمان) مذہب حنفی پر قائم رہے اور ہیں اور اسی مذہب کے عالم اور فاضل اور قاضی اور مفتی اور حاکم ہوتے رہے، یہاں تک کہ ایک جمِ غفیر نے مل کر فتاویٰ ہندیہ جمع کیا اور اس میں شاہ عبدالرحیم صاحب والدِ بزرگوار شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی بھی شریک تھے"۔[1]

---

[1] - ترجمانِ وہابیہ تصنیف نواب صدیق حسن خان مرحوم، ص2۔

ابتداء میں اس جماعت کے لوگ کہیں اہلحدیث کہیں محمدی اور کہیں موحد کہلاتے تھے، جماعت کسی ایک نام سے متعارف نہ تھی اُن کے مخالفین انہیں وہابی یا غیر مقلد کے نام سے موسوم کرتے تھے، مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب نے انگریزی حکومت کو درخواست دی کہ اُن کے ہم خیال لوگوں کو سرکاری طور پر اہلحدیث کا نام دیا جائے، اس کے بعد اس اصطلاح جدید میں اہلحدیث سامنے آئے اور ہندوستان میں ترکِ تقلید کے عنوان سے ایک مستقل مکتبِ فکر کی بنیاد پڑ گئی، تاہم یہ صحیح ہے کہ برصغیر پاک وہند کے باہر اس نام سے (اہلحدیث باصطلاح جدید) اب تک کوئی فرقہ موجود نہیں ہے۔

ہندوستان کے مشہور عالمِ دین مولانا محمد شاہ صاحب شاہجہانپوری لکھتے ہیں:

" پچھلے زمانہ میں شاذ ونادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں، مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے، بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے، اپنے آپ کو تو وہ اہلحدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں؛ مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لامذہب لیا جاتا ہے"۔ [1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک جماعت کسی ایک نام سے موسوم نہ تھی مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کی کوششوں سے یہ جماعت اہلحدیث (باصطلاح جدید) کے نام سے موسوم ہوئی، مولانا عبدالمجید صاحب سوہدروی لکھتے ہیں:

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اشاعۃ السنۃ کے ذریعہ اہلحدیث کی بہت خدمت کی، لفظ وہابی آپ ہی کی کوششوں سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا اور جماعت کو اہلحدیث کے نام سے موسوم کیا گیا۔ [2]

---

[1] - الارشاد الی سبیل الرشاد، ص13۔

[2] - سیرت ثنائی، ص372۔

سر چارلس ایچی سن صاحب جو اس وقت پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر تھے آپ کے خیر خواہ تھے؛ انہوں نے گورنمنٹ ہند کو اس طرف توجہ دلا کر اس درخواست کو منظور کرایا اور پھر مولانا محمد حسین صاحب نے سیکریٹری گورنمنٹ کو جو درخواست دی اس کے آخری الفاظ یہ تھے:

استعمال لفظ وہابی کی مخالفت اور اجراء نام اہلحدیث کا حکم پنجاب میں نافذ کیا جائے۔ (1)

چند اکابرین غیر مقلدین

میاں نذیر حسین صاحب دہلوی:

آپ ۱۲۲۰ھ کو موضع سورج گڑھ ضلع مونگیر (بہار) میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۳۲۰ھ میں سو سال کی عمر پا کر وفات پائی، آپ کے استاد خسر مولانا عبد الخالق صاحب (متوفی: ۱۲۶۱ھ) آپ کے سخت خلاف ہو گئے تھے، آپ پہلے رفع یدین نہ کرتے تھے، حالانکہ آپ حدیث پڑھ چکے تھے، سر سید احمد خان سنہ ۱۸۵۵ھ کی تحریک سے آپ نے رفع یدین شروع کی اور ایک مسلک کی بنیاد ڈالی، سر سید ایک خط میں لکھتے ہیں:

جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی کو میں نے ہی نیم چڑھا وہابی بنایا ہے، وہ نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے؛ مگر اس کو وہ "سنت ہدیٰ" جانتے تھے میں نے عرض کیا کہ نہایت افسوس ہے کہ جس بات کو آپ نیک جانتے ہیں لوگوں کے خیال سے اس کو نہیں کرتے، میرے پاس سے اُٹھ کر جامع مسجد میں نماز عصر پڑھنے گئے اور اس وقت سے رفع یدین کرنے لگے"۔ (2)

پھر حکومت نے آپ کو شمس العلماء کا خطاب دے دیا، مولوی فضل حسین صاحب بہاری نے

---

1 - اشاعۃ السنۃ: 11، شمارہ نمبر: 2، صفحہ نمبر: 26۔

2 - موجِ کوثر، 51، مؤلفہ: شیخ محمد اکرم صاحب۔

" الحیاۃ بعد المماۃ" کے نام سے ایک پر ایک کتاب لکھی ہے، اس میں کئی ایسے واقعات ملتے ہیں، جن سے پتہ چلتاہے کہ انگریز سرکار آپ کے بارے میں کس طرح سوچتی تھی،کسے پتہ نہیں کہ سر سید احمد خان کے حکومت سے کیا روابط تھے، ان کے کہنے سے رکوع کے وقت رفع یدین کرنا اور حکومت سے سنہ ۱۸۹۷ء میں شمس العلماء کا خطاب پانا اس پورے پس منظر کو واضح کر رہا ہے، رہی یہ بات کہ حضرت شاہ محمد اسحاق نے پھر انہیں سندِ حدیث کیوں دی؛ سو یہ خود محل بحث ہے، مولوی فضل حسین بہاری لکھتے ہیں:

> آپ نے میاں صاحب کو صرف اطراف صحاح کی سند دی تھی، میاں صاحب نے استیعاباً نہ آپ سے صحاح ستہ پڑھیں نہ ان کی سند لی، میاں صاحب خود اس سند کو چپڑاس کہتے تھے۔[1]

آپ مطلق تقلید کے قائل تھے، فقہ حنفی سے فتویٰ دینا جائز سمجھتے تھے، ائمہ کی شان میں گستاخ نہ تھے اور اس پہلو سے آپ کا احترام ہر حلقے میں موجود تھا۔

نواب صدیق حسن خان صاحب:

میاں نذیر حسین صاحب کے بعد جماعت کے بڑے بزرگ جناب نواب صدیق حسن صاحب سمجھے جاتے ہیں، سنہ ۱۲۵۰ھ میں بانس بریلی میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۳۰۷ھ میں وفات پائی، آپ کی وفات کے وقت میاں نذیر حسین صاحب زندہ تھے، نواب صاحب مفتی صدرالدین صاحب دہلوی، تلمیذ حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے شاگرد تھے، ان کے ذریعہ ہندوستان میں ترکِ تقلید کی ہوا بڑی تیزی سے چلی؛ ملکہ بھوپال شاہ جہاں بیگم سے آپ کی شادی ہوئی تھی، اس دولت کی بدولت آپ کو مسلک کی اشاعت اور علمی خدمات کا خوب موقع

1 - الحیات بعد المات، ص67۔

ملا، آپ امت کے کثیر التصنیف علماء میں شمار ہوتے ہیں، آپ اپنے آپ کو موحد اور اپنے گروہ کو موحدین ہند کہتے تھے، جماعت کے لفظ اہلحدیث کا تعین اس وقت تک نہ ہوا تھا، ریاست بھوپال سے تعلق کی وجہ سے آپ چاہتے تھے کہ موحدین ہند ہر اس تحریک سے نفرت کریں جو انگریزوں کے خلاف ہو؛ چنانچہ مجاہدینِ بالاکوٹ جن کی قیادت حضرت سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید نے کی تھی، آپ نے ان سے ان الفاظ میں لاتعلقی ظاہر کی ہے:

> گورنمنٹِ ہند کے دیگر فرقِ اسلام نے یہ دلنشین کر دیاہے کہ فرقہ موحدین ہند مثل دہابیان ملک ہزارہ ایک بدخواہ فرقہ ہے اور یہ لوگ (موحدینِ ہند) ویسے ہی دشمن وفسادی ملک گورنمنٹ برٹش ہند کے ہیں، جیسے کہ دیگر شریر اقوام سرحدی (مجاہدین بالاکوٹ وغیرہ) بمقابلہ حکومت ہند سوچا کرتے تھے۔ [1]

نواب صاحب نے وہابی کا لفظ " لڑنے والوں" کے لئے اس معنی میں استعمال کیا ہے جس معنی میں انگریز اسے مجاہدین پر لانا چاہتے تھے اور اپنے لئے ان سے الگ نام " موحدین ہند" اختیار کیا ہے، نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ جماعت صرف ہندوستان میں ہے اور ہندوستان سے باہر ان دنوں ترکِ تقلید کے عنوان سے کوئی مکتبِ فکر موجود نہ تھا، لفٹینٹ گورنر نے جب یہ درخواست منظور کرلی کہ غیر مقلدین کو وہابی نہ کہا جائے تو اس میں صراحت کی کہ یہ لوگ وہابیان ملک ہزارہ (مولانا اسماعیل شہید وغیرہم) سے نفرت رکھتے ہیں، چنانچہ نواب صاحب لکھتے ہیں:

> چنانچہ لفٹینٹ گورنر صاحب بہادر موصوف نے اس درخواست کو منظور کیا اور پھر ایک اشتہار اس مضمون کا دیا گیا کہ موحدینِ ہند پر شبہ بدخواہی گورنمنٹ عامہ نہ ہو، خصوصاً جو لوگ کہ وہابیانِ ملک ہزارہ سے نفرت رکھتے ہوں اور گورنمنٹ ہند کے

---

[1] - ترجمان وہابیہ، ص 61۔

خیر خواہ ہیں ایسے موحدین مخاطب بہ وہابی نہ ہو۔ (1)

نجد کے شیخ محمد بن عبد الوہاب اور عرب کے وہابی امام احمد کے مقلد ہیں اور یہ غیر مقلد ہیں اس بارے نواب صاحب کی کوشش بھی قابل دید ہے چنانچہ ترجمان وہابیہ میں لکھا ہے:

ترکِ تقلید کی فضا ہموار کرنے کے ساتھ ساتھ آپ شیخ عبد الوہاب نجدی اور ان کے پیروؤں کے بھی سخت خلاف تھے، لفظ وہابی سے سخت نفرت تھی، انگریزوں کو بار بار یاد دلاتے کہ ہم وہابی نہیں ہیں اور وہابیوں سے ہمار کوئی تعلق نہیں ہے۔ (2)

وقت کی سیاسی فضا میں مسلمانوں میں آزادی پیدا کرنے کی ان خدمات کے باعث آپ کی انگریزی سرکار میں بہت قدر و منزلت تھی، آپ کو ایک لاکھ چوبیس ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا تھا، آپ کی صاحبزادی شمس الامراء کو بھی حکومت سے باون لاکھ کی جاگیر ملی تھی۔

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی:

مولانا بٹالوی سنہ ۱۲۵۲ھ میں پیدا ہوئے، آپ اور نواب صدیق حسن خاں صاحب ہم اُستاد تھے، مولانا بٹالوی کے استاد بھی مفتی صدر الدین صاحب دہلوی تھے، آپ نے حدیث میاں نذیر حسین صاحب دہلوی سے پڑھی، آپ مولانا عبد المجید صاحب سوہدروی کا یہ بیان پہلے سن آئے ہیں:

لفظ وہابی آپ ہی کی کوششوں سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا اور جماعت کو اہلحدیث کے نام سے موسوم کیا گیا۔ (3)

یہیں سے جماعت اہل حدیث ایک مستقل مکتبِ فکر کے طور پر اُبھرتی ہے، یہ صحیح ہے کہ اس فرقے کا

---

[1] - ترجمانِ وہابیہ، ص62۔

[2] - ترجمان وہابیہ، ص28۔

[3] - مآثر صدیقی، 1/3۔

مولد و مسکن ہندوستان سے باہر کہیں نہیں ملتا یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات اہلِ حدیث کہلانے سے پہلے موحدین ہند کہلاتے تھے، تاہم یہ ضرور ہے کہ ان دنوں یہ فرقہ اہلِ حدیث کے عنوان سے مشہور نہ تھا اور اس کے تمام علماء تقریباً انہی بزرگوں کے شاگرد اور شاگرد در شاگرد ہیں جنھیں جماعت کے موسسین کے طور پر ہم ذکر کر آئے ہیں، مولانا حافظ عبد المنان وزیر آبادی، مولانا سلامت اللہ جیر اجپوری، مولانا عبد الوہاب ملتانی (بانی فرقہ امامیہ اہلِ حدیث) اور حافظ محمد لکھوی، حاظ غلام رسول قلعہ دیدار سنگھ والے سب میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کے ہی شاگرد تھے، البتہ غزنی سے چند ایسے اور بزرگ ضرور تشریف لائے جو اس مکتبِ فکر میں نئے شامل ہوئے اور پھر اپنی محنت و خدمت سے پنجاب میں ایک ممتاز گروہ بن کر اُبھرے، یہ گروہ غزنوی نام سے معروف ہے۔ مولانا عبد اللہ غزنوی میاں صاحب سے حدیث پڑھ کر واپس غزنی چلے گئے، وہاں مسلمانوں کو ترکِ تقلید کی دعوت دی، ان کی یہ تحریک وہاں مسلمانوں کی وحدتِ ملی کو توڑنے کا موجب سمجھی گئی اور اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں اس کے پیچھے انگریزوں کی افغانستان پر قبضہ کرنے کی سازش کار فرمانہ ہو اس پر حکومتِ افغانستان نے انہیں ملک سے نکال دیا اور یہ حضرات ہندوستان آ گئے، ہندوستان میں ان دنوں مولانا محمد حسین بٹالوی غیر مقلدین کے مذہبی ایڈووکیٹ تھے، آپ جہاد کے خلاف رسالہ " الاقتصاد " لکھ کر انگریزوں کو مطمئن کر چکے تھے اور پھر انہیں سرکارِ انگلشیہ سے ایک وسیع جاگیر بھی ملی تھی؛ سو ہندوستان میں غیر مقلد ہو کر رہنا اب ان حضرات کے لئے چنداں مشکل نہ تھا، یہاں کے غیر مقلدوں نے ان علمائے غزنی کا بڑے تپاک سے استقبال کیا۔

مولانا ثناء اللہ امر تسری:

مولانا ثناء اللہ صاحب امر تسری علماء دیوبند اور جماعت اہلِ حدیث کے مابین ایک نقطۂ اتصال تھے، آپ دار العلوم دیوبند کے فاضل تھے، مگر مسلک ترکِ تقلید کا ہی رہا، تاہم آخر دم تک علماء

دیوبند سے بہت قریب کا تعلق رہا، غیر مقلدین میں سے آپ نے مولانا حافظ عبد المنان وزیر آبادی سے حدیث پڑھی، مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کے بھی شاگرد تھے، ملک کی سیاسی جدوجہد میں بارہا علماء دیوبند کے ساتھ شریک ہوئے اور فرقہ باطلہ کے رد میں بھی علماء دیوبند کے شانہ بشانہ کام کیا، انگریزوں کی ڈائری میں تحریک ریشمی رومال کے ذیل میں لکھا ہے:

"جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے یہی شخص مولوی ثناء اللہ امرتسری ہے انجمن اہلِ حدیث پنجاب کا صدر ہے، ہندوستان میں شاید سب سے ممتاز وہابی ہے، امرتسر سے شائع ہونے والے ہفت روزہ اردو اخبار اہلِ حدیث کو مرتب کرتا ہے، مولوی ثناء اللہ امرتسری مولانا محمود الحسن کا شاگرد ہے اور شاید بیس پچیس برس گزرے ان سے حدیث پڑھی تھی" ۔ (1)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ انگریز اب پھر سے لفظ وہابی ان حضرات کے لئے واپس لا رہے تھے، نواب صدیق حسن خان اور مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے جب رسالہ "تنسیخِ جہاد" پر دستخط کئے اور وہابیانِ ہزارہ سے نفرت کا اظہار کیا تھا تو لفظ وہابی ان موحدینِ ہند سے اُٹھا لیا گیا تھا اور جونہی ان میں سے کسی نے مولانا محمود الحسن سے نسبت ظاہر کر دی تو پھر اُسے وہابی قرار دیا جانے لگا۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی:

آپ مولانا غلام حسن صاحب سیالکوٹی (شاگرد نواب صدیق حسن صاحب) اور حافظ عبد المنان صاحب وزیر آبادی کے شاگرد تھے، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری سے گہرے تعلق کی بناء پر یہ بھی علماء دیوبند کے بہت قریب ہو گئے تھے، یہاں تک کہ آپ کے بارے میں انگریزوں کی ڈائری میں یہ الفاظ ملتے ہیں: "پسر مستری قادر بخش سکنہ سیالکوٹ" مشہور اور نہایت بااثر اور متعصب

---

1 ۔ تحریک ریشمی رومال " انگریزوں کی اپنی ڈائرید"

وہابی مبلغ، ہندوستان میں سفر کرتا رہتا ہے اور وہابیوں کے جلسوں میں اور دوسرے فرقوں سے مناظروں کے دوران نہایت پرجوش تقریریں کرتا ہے، اس لئے اس کی ہر وقت مانگ رہتی ہے، ظفر علی کا کٹر حامی ہے اور ثناء اللہ امر تسری کا ساتھی اور مولوی عبدالرحیم عرف بشیر احمد اور عبداللہ پشاوری کتب فروش کا ساتھی ہے۔

مولانا وحید الزماں حیدرآبادی:

کتبِ حدیث کے اردو تراجم اور وحید اللغات لکھنے کے باعث آپ فرقہ اہلِ حدیث میں سب سے بڑے مصنف سمجھے جاتے ہیں، نواب صدیق خان کے بعد اس باب میں انہی کا نام ہے، پہلے نواب صاحب نے آپ کو تراجم کے لیے تنخواہ پر ملازم رکھا، آپ کے دور میں مولوی شمس الحق عظیم آبادی، مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی، مولوی عبداللہ غازی پوری ہولوی فقہ اللہ صاحب پنجابی غیر مقلدین کی نمایاں شخصیتیں تھے، مولانا ثناءاللہ امر تسری بھی خاصے معروف ہو چکے تھے۔

آپ نے میاں نذیر حسین صاحب سے حدیث پڑھی، غیر مقلد ہونے کے بعد شیعیت کی طرف خاصے مائل ہو گئے، آپ کی کتاب ہدیۃ المہدی آپ کے انہی خیالات کی ترجمان ہے، خود کہتے ہیں کہ مجھ کو میرے ایک دوست نے لکھا کہ جب سے تم کتاب " ہدیۃ المہدی" تالیف کی ہے تو اہلِ حدیث کا ایک بڑا گروپ تم سے بددل ہو گئے ہیں اور عامہ اہلِ حدیث کا اعتقاد تم سے جاتا رہا ہے۔

آپ فخر الدین الطویحی شیعی کی کتاب "مطلع نیرین" اور " مجمع البحرین" سے خاصے متأثر تھے، وحید اللغات کی اس قسم کی عبارات انہی خیالات کی تائید کرتی ہیں جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے:

شیخین رضی اللہ عنہم کو اکثر اہلِ سنت حضرت علیؓ سے افضل کہتے ہیں اور مجھ کو اس امر پر بھی کوئی قطعی دلیل نہیں ملتی، نہ یہ مسئلہ کچھ اصولِ دین اور ارکانِ دین سے ہے، زبردستی اس کو متکلمین نے عقائد میں داخل کر دیا ہے۔

غیر مقلدین کے چند خطرناک عقائد

عقائد اعمال کی روح اور جان ہوتے ہیں اگر عقائد صحیح ہوں تو اعمال بھی صحیح ہوتے ہیں اور اگر عقائد خراب ہو جائیں تو ان کی خرابی تمام اعمال پر اثر انداز ہوتی ہے خواہ وہ کتنے ہی اخلاص وللّٰہیت اور سنت کے مطابق ادا کئے گئے ہوں اسی لئے قرآن و حدیث میں عقائد کی تصحیح پر بہت زور دیا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے تمام اقوال تشریعی نہیں:

مشہور غیر مقلد ابو عبد اللہ قصوری صاحب لکھتے ہیں:

سب افعال واقوال آنحضرت ﷺ کے تشریعی اور محمود نہیں اور عصمت مطلقہ آپؑ کے واسطے ثابت نہیں ورنہ صحابہ آپ کی بعض خطاؤں پر اعتراضات نہ کرتے۔[1]

انبیاء علیہم السلام معصوم نہیں:

غیر مقلد عالم حسین خان لکھتے ہیں:

انبیا علیہم السلام سے احکامِ دینی میں بھول چوک ہو سکتی ہے۔[2]

رام اور لچھمن بھی نبی ہیں:

علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں:

ولهذا ماينبغي لنا ان نجحد نبوة الانبيا الاخرين الذين لم يذكرهم الله سبحانه في كتابه وعرفه بالتواتر من قوم ولو كفار انهم كانوا انبياء صلحاء كرام چندر ولچهمن وكشن جی بين الهنود وذراتشت بين

---

1 ۔ تحقیق الکلام فی مسئلۃ البیعۃ والالھام ص25،24

2 ۔ رد التقلید بکتاب المجید ص13 / نوٹ: اس کتاب پر مولوی نذیر حسین دہلوی اور جناب شریف حسین دہلوی وغیرہ اکابر غیر مقلدین کے دستخط اور مہریں موجود ہیں، بحوالہ جامع الشواہد ص14۔

الفرس وكنفيسوس وبدها بين اهل الصين وجابان وسقراط وفيثا
غورث بين اهل اليونان بل يجب علينا ان نقول آمنا بجميع الانبياء
لانفرق بين احدهم ونحن له مسلمون۔[1]

ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم دیگر انبیاء کی نبوت کا انکار کریں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نہیں کیا اور کافروں میں تواتر کے ساتھ وہ معروف ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ نیک انبیاء تھے جیسے رام چندر، لچھمن اور کرشن جی جو ہندوؤں میں ہیں اور زرتشت جو فارسیوں میں ہے اور کنفیوسش اور مہاتما بدھ جو چین اور جاپان میں ہیں اور سقراط اور فیثا غورث جو یونان میں ہیں ہم پر واجب ہے کہ ہم یوں کہیں ہم ان تمام انبیاء ورسل پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے اور ہم سب کے فرمانبر دار ہیں۔

نبی اور ولی آسمان کی باتیں سن سکتے ہیں:

علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں:

اما لو ظن احد بان سماع النبی او سماع علی او سماع احد من الاولیاء
اوسع من سماع عامة الناس بحیث یشمل سائر اقطار الاقلیم اوسائر
اقطار الامن فھذا لایکون شرکا۔[2]

اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ نبی، علی یا اور کوئی اللہ کا ولی عام لوگوں سے زیادہ سن سکتا ہے حتیٰ کہ تمام دنیا اور زمین کے کناروں دور ونزدیک سے سن لیتے ہیں تو یہ شرک نہیں۔

---

1 - ہدیۃ المہدی 1 ص 85۔

2 - ہدیۃ المھدی صفحہ 25۔

بعض صحابہ فاسق ہیں:

علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں:

"افمن کان مؤمنا کمن کان فاسقا " ومنه یعلم ان من الصحابة من هو فاسق کالولید ومثله یقال فی حق معاویة وعمرومغیرة وسمرة معنی کون الصحابة عدو لانهم صادقون فی الروایة لاانهم معصومون۔[1]

پس کیا وہ شخص جو مومن ہو فاسق کی طرح ہے اور اس معلوم ہوا کہ بیشک صحابہ میں سے بعض وہ ہیں جو فاسق ہیں جیسے ولید اور اسی طرح کہا جائے گا معاویہ (بن ابوسفیان) کے حق میں اور عمرو (بن العاص) اور مغیرہ (بن شعبہ) اور سمرہ (بن جندب) کے حق میں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عادل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی بات نقل کرنے میں صادق ہیں نہ یہ کہ وہ معصوم ہیں۔

قول صحابی حجت نہیں ہے:

مولانا محمد جوناگڑھی عنوان قائم کرتے ہیں:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سمجھ کا معتبر نہ ہونا، آگے پھر عنوان قائم کرتے ہیں: صحابہ کی درایت (سمجھ) معتبر نہیں۔[2]

فتاویٰ نذیریہ میں ہے:

آنکہ اگر تسلیم کردہ شود کہ سند ایں فتویٰ صحیح ست تاہم ازو احتجاج صحیح نیست زیرا کہ

---

1 - نزل الابرار 3 ص94۔

2 - شمع محمدی ص19۔

قول صحابی حجت نیست۔[1]

یعنی دوسری بات یہ ہے کہ اگر حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن زبیر کا یہ فتویٰ صحیح بھی ہے تب بھی اس سے دلیل پکڑنا درست نہیں اس لئے کہ قول صحابی دلیل نہیں ہے۔

نواب صدیق حسن نے عرف الجادی میں یوں لکھا ہے:

"حدیث جابر دریں باب قول صحابی حجت نیست"[2]

یعنی حضرت جابر کی یہ بات کہ (لا صلوۃ لمن یقرا ءوالی حدیث ہی نماز پڑھنے والے کیلئے ہے) حضرت جابر کا قول ہے اور صحابی کا قول حجت نہیں ہوتا۔

غیر مقلدین کے چند مسائل

ان حضرات کے تمام عقائد و نظریات اور مسائل کا احاطہ کرنا یہاں پر ناگزیر ہے البتہ چند مشہور عقائد و مسائل جو اہل سنت والجماعت کے عقائد کے بالکل منافی ہیں درج ذیل ہیں:

1۔ تقلید شرک ہے بدعت گمراہی اور اندھا پن ہے، یعنی ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کرنا شرک ہے، اپنے کو موحدین اور مقلدین ائمہ اربعہ کو مشرک و بدعتی کہنا۔

ان کیے مولانا ثناء اللہ امرتسری مصنف فتاویٰ ثنائیہ لکھتے ہیں کہ:

ہمارا یہ مذہب نہیں کہ تمام امور شرعی میں کسی ایک امام کی تقلید کریں، ہم ایسی تقلید کو قرآن حدیث کے خلاف سمجھتے ہیں۔[3]

2۔ نمازِ تراویح کی رکعتیں آٹھ ہیں، بیس رکعت نماز تراویح بدعت ہے، ان کی کتاب فتاویٰ ثنائیہ،

---

[1] - فتاویٰ نذیریہ، ص340۔

[2] - عرف الجادی، ص38۔

[3] - فتاویٰ ثنائیہ، 1/86۔

میں تحریر ہے:

پس اس امر پر اتفاق ثابت ہے کہ نماز تراویح کی رکعات بفعل نبوی ﷺ اور بحکم خلیفہ راشد آٹھ رکعت مع وتر گیارہ ہیں اگر کوئی اس سے زیادہ پڑھے تو وہ نفل ہوں گے۔[1]

3۔ ایک مجلس میں دی گئیں تین طلاقیں، تین نہیں بلکہ ایک طلاق شمار ہے، یعنی اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دے تو وہ بیک وقت منعقد نہیں ہوتیں بلکہ ایک طلاق شمار ہوگی ان کی کتاب، فتاویٰ ثنائیہ میں مذکور ہے:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ طلاق ثلاثہ فوری چونکہ کتاب و سنت کے خلاف ہے اور اس میں بڑی خرابیاں ہیں اس لئے ایسی طلاق خواہ مجلس میں ہو یا مجالس میں ایک ہی طلاق رجعی ہوگی۔[2]

4۔ جمعہ کے روز اذان ثالث جائز ہے، ان کی کتاب فتاویٰ نذیریہ میں سید نذیر حسین دہلوی ایک سوال کہ "جمعہ کے روز اذان ثالث جائز ہے یا نہیں" کے جواب میں فرمایا" جائز ہے"۔[3]

اور مولوی محمد جوناگڑھی صاحب لکھتے ہیں:

پس ہمارے زمانہ میں مسجد میں جو دو اذانیں جمعہ کے لئے ہوتی ہیں صریح بدعت ہے کسی طرح جائز نہیں۔[4]

---

[1] ۔ المرجع السابق، 1/545۔

[2] ۔ المرجع السابق، 2/227۔

[3] ۔ فتاویٰ نذیریہ، 1/574۔

[4] - فتاویٰ اہلحدیث ج2 ص106۔

5۔ اجماع کوئی چیز نہیں ہے، یعنی انکا نظریہ ہے کہ اجماع اور قیاس شرعی حجت شرعیہ نہیں ہیں یعنی یہ حضرات اجماع امت میں اجماع صحابہ کو بھی نہیں مانتے جیسے کہ بیس رکعت تراویح، طلاق ثلاثہ وغیرہ ان کی کتاب عرف الجادی میں ذکر ہے:

دین اسلام کے ادلہ صرف دو ہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اجماع کوئی چیز نہیں ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اجماع کی اس ہیبت کو دلوں سے نکال دیں جو دلوں میں بیٹھی ہے۔ حق بات یہ ہے کہ اجماع ممنوع ہے۔[1]

6۔ علامہ وحید الزمان حیدر آبادی نے نزل الابرار فی فقہ النبی المختار میں لکھا ہے:

خلفاء راشدین کو گالیاں دینے سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔[2]

7۔ اسی کتاب میں لکھا ہے:

صحیح ہے کہ شراب ناپاک نہیں۔[3]

8۔ قرآن پاک پر غلاف ہو تو سر کے نیچے یا پیٹھ کے پیچھے رکھ لینا مکروہ نہیں ہے۔[4]

9۔ اگر نمازی کی زبان سے "ہاں" یا "البتہ" یا "نہیں" نکل گیا تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔[5]

10۔ ائمہ اربعہ جو باجماع امت العلماء ورثۃ الانبیاء کے مصداق ہیں کو یہودیوں کے احبار، رہبان اور مشرکین کے آباؤاجداد قرار دے کر اور مقلدین کو مشرک اور یہودی قرار دیتے ہیں:

اور اس بات میں کچھ شک نہیں کہ تقلید خواہ آئمہ اربعہ میں سے کسی کی ہو خواہ ان

---

[1] ۔ عرف الجادی ص 3۔

[2] ۔ نزول الابرار من فقہ النبی مختار، 3/318۔

[3] ۔ نزول الابرار من فقہ النبی مختار، 1/19۔

[4] ۔ المرجع السابق، ص 1/20۔

[5] ۔ المرجع السابق، 1/109۔

کے سوا کسی اور کی شرک ہے۔[1]

غیر مقلدین کے خطیب الہند محمد جونا گڑھی صاحب لکھتے ہیں۔

تعجب ہے کہ جس دین میں نبی کی رائے حجت نہ ہو اس دین والے آج ایک امتی کی رائے کو دلیل اور حجت سمجھنے لگے۔[2]

غیر مقلدین کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا موقف

غیر مقلد فرقہ حضرات ائمہ اربعہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ کی تقلید کرنے والوں کو مشرک قرار دیتا ہے اور تقلید صحیح کو بھی شرک گردانتا ہے جو مسائل عہد خیر القرون سے دلائل کی بنیاد پر مختلف فیہ چلے آتے ہیں ان میں تعصب و تشدد برتتا ہے اس لیے یہ فرقہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے اہلسنت والجماعت ہی سواد اعظم ہیں اور انہی کے ساتھ ملحق رہنا ہی نجات کا ذریعہ ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ عقد الجید میں فرماتے ہیں:

وثانیا قال رسول ﷺ اتبعوا السواءُ الاعظم ولمّا اندرست المذاہب الحقه الا هذه الاربعة كان اتباعها اتباعا للسواد الاعظم۔[3]

اور مذاہب کی پابندی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ سواد اعظم یعنی بڑے معظم جتھے کی پیروی کرو اور چونکہ مذاہب حقہ سوائے ان چاروں مذاہب کے باقی نہیں رہے تو ان کی پیروی کرنا بڑے گروہ کی پیروی کرنا ہے۔ اور ان سے باہر نکلنا بڑی معظم جماعت سے باہر نکلنا ہے (یہ رسول ﷺ کی ہدایت اور تاکیدی ارشاد کی خلاف ورزی آتی ہے)۔

---

1 ۔ الظفر المبین ص20۔

2 ۔ طریق محمدی ص40۔

3 ۔ عقد الجید ص 33۔

امامِ ربّانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

ان بزرگانِ دین کی اتباع کے بغیر نجات حاصل ہونا محال ہے، اور اگر بال برابر بھی ان کی مخالفت ہے تو خطرہ ہی خطرہ ہے، یہ بات صحیح کشف اور صریح الہام کے ساتھ بھی یقین کے درجہ کو پہنچ چکی ہے، اس میں کسی قسم کے اختلاف کا شبہ و گنجائش نہیں ہے، پس اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جس کو ان کی پیروی کی توفیق حاصل ہوئی اور ان کی تقلید سے مشرف ہوا اور اس شخص کے لیے ہلاکت ہے جس نے ان کی مخالفت کی اور ان سے منحرف ہو گیا اور ان کے اُصولوں سے رُوگردانی کی اور ان کے گروہ سے نکل گیا، لہٰذا وہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور انھوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔[1]

---

1 - مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی: 1/191، دفتر اوّل، مکتوب: 59۔

سرسید احمد خان

سید احمد بن متقی خان المعروف سر سید احمد خان انیسویں صدی کا ایک ہندوستانی مسلم نظریہ عملیت کے حامل فلسفی تھے 17 اکتوبر 1817ء کو پیدا ہوئے اور 27 مارچ 1898ء کو وفات پائی۔ 1838ء میں اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازمت اختیار کی اور 1867ء وہ چھوٹے مقدمات کے لیے جج مقرر کیے گئے۔ 1876ء میں وہ ملازمت سے مستعفی ہوئے، 1857ء کی جنگ آزادی کے دوران میں وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا وفادار رہے اور یورپیوں کی جانیں بچانے میں اس کے کردار کی سلطنت برطانیہ کی طرف سے ستائش کی گئی، مسلمانوں کے راسخ الاعتقاد طرز کو ان کے مستقبل کے لیے خطرہ سمجھتے ہوئے سرسید نے مغربی طرز کی سائنسی تعلیم کو فروغ دینے کے لیے جدید اسکولوں اور جرائد کا اجرا کیا اپنے کلامی مکتبِ فکر کی بنیاد ڈالی جو معتزلہ کے افکار کا چربہ تھا مگر اس کے کلامی نظریات مقبول نہ ہوسکے اس لیے صرف سائنسی علوم کی اشاعت تک محدود رہا۔

ہندوستان میں انگریز حکومت سے سرسید کی وفاداری

لائل محمڈنز آف انڈیا میں سرسید لکھتا ہے:

"میں نے اپنی گورنمنٹ کی خیر خواہی اور سرکار کی وفاداری پر چست کمر باندھی ہر حال اور ہر امر میں مسٹر الیگزینڈر شیکسپیئر صاحب بہادر کلکٹر و مجسٹریٹ بجنور کے شریک رہا، یہاں تک کہ ہم نے اپنے مکان پر رہنا موقوف کر دیا، دن رات صاحب کی کوٹھی پر حاضر رہتا تھا اور رات کو کوٹھی پر پہرہ دینا اور حکام کی اور میم صاحبہ اور بچوں کی حفاظت جان کا خاص اپنے ذمہ اہتمام لیا ہم کو یاد نہیں ہے کہ دن رات میں کسی وقت ہمارے بدن پر سے ہتھیار اترا ہو" (1)

1 - لائل محمڈنز آف انڈیا حصہ اول مطبوعہ 1860ء، میرٹھ، صفحہ 13، 14 ۔

مسلم دانشوروں کا سر سید کے افکار پر تبصرہ

سر سید اہل مغرب اور مستشرقین سے تاثر کے نقطہ نظر سے بہت آگے نظر آتے ہیں، انہوں نے قرآنی بیانات کو جدید تصورات سے ہم آہنگ کرنے کے لیے متفق علیہ تفسیری اصولوں کو بالکل نظر انداز کر دیا، ان کی تفسیر القرآن میں بقول سید عبد اللہ:

روایات سے بغاوت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی نظر آتی ہے۔[1]

مغربی تہذیب و معاشرت سے سر سید کی تاثر پذیری کے حوالے سے مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وہ اس تہذیب و معاشرہ سے اس طرح متاثر ہوئے کہ ان کے دل و دماغ، اعصاب اور ساری فکری صلاحیتیں اس سے وابستہ ہو گئیں، ۱۲/ اکتوبر ۱۸۷۰ء میں وہ اس تہذیب کے گرویدہ اور ہندوستان کی مسلم سوسائٹی میں ان اقدار اور اصولوں کی بنیاد پر اصلاح و تغیّر کے پر جوش داعی اور مبلّغ بن کر اپنے ملک واپس ہوئے اور پورے خلوص اور گرم جوشی کے ساتھ انھوں نے اس تحریک و دعوت کا علم بلند کیا اور اپنی ساری صلاحیتیں اور قوتیں اس کے لیے وقف کر دیں، ان کا نقطۂ نظر خالص مادی ہو گیا۔ وہ مادی طاقتوں اور کائناتی قوتوں کے سامنے بالکل سر نگوں نظر آنے لگے، وہ اپنے عقیدہ اور قرآن مجید کی تفسیر بھی اسی بنیاد پر کرنے لگے، انھوں نے اس میں اس قدر غلو سے کام لیا کہ عربی زبان و لغت کے مسلّمہ اصول و قواعد اور اجماع و تواتر کے خلاف کہنے میں بھی ان کو باک نہ رہا چنانچہ ان کی تفسیر نے دینی و علمی حلقوں میں

---

1 - سر سید احمد خاں اور ان کے نامور رفقاء کی اردو نثر کا فنی و فکری جائزہ، سید عبد اللہ، ط، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد 1994ء، ص30-32۔

سخت برہمی پیدا کر دی۔[1]

سر سید حدیث، اجماع اور قیاس وغیرہ کو اصول دین میں شامل نہیں سمجھتے، انہوں نے بقول مولانا حالی اپنے جدید علم کلام کا موضوع اور اسلام کا حقیقی مصداق صرف قرآن مجید کو قرار دیا اور اس کے سوا تمام مجموعہ احادیث کو اس دلیل سے کہ ان میں کوئی حدیث مثل قرآن کے قطعی الثبوت نہیں اور تمام علماء و مفسرین کے اقوال و آراء اور تمام فقہاء و مجتہدین کے قیاسات و اجتہادات کو اس بنا پر کہ ان کے جوابدہ خود علماء و مفسرین اور فقہا و مجتہدین ہیں نہ کہ اسلام اپنی بحث سے خارج کر دیا۔[2]
چنانچہ سر سید نے اسلام کے متوارث ذوق اور نہج سے اتر کر خود قرآن پر غور کیا اور اسلام کے نام پر ایک فرنگیانہ اسلام کی عمارت تیار کرنا شروع کی جس میں نہ ملائکہ کے وجود کی گنجائش ہے نہ ہی جنت و دوزخ کا کہیں نشان ہے اور نہ جنات اور ابلیس کے وجود کا اعتراف ہے اور معجزات و کرامات تو ان کے نزدیک مجنونہ باتیں ہیں۔

سر سید کی نیت خواہ کتنی ہی نیک رہی ہو مگر ان کے افکار کسی ٹھوس علمی بنیاد سے محروم تھے۔ انھیں خود پتہ نہ تھا کہ جن تصورت کو وہ اٹل حقائق سمجھ رہے تھے، ان کی حیثیت ان کے زمانے کی مغربی تہذیب کے متروکہ ردی مواد سے زیادہ نہ تھی، اور اسے بھی زمانے کی ہوا نے جلد ہی ہباء منثور کر دیا۔
سر سید نے روایتی علوم کی تعلیم نہیں پائی تھی مابعد الطبیعاتی شعور کا فقدان ان کے ہاں بالکل واضح ہے لہٰذا دیگر دینی روایتوں اور تہذیبوں میں فطرت کے تصورات کا علم تو ایک طرف رہا، ان کو مسلمانوں کے کونیاتی علوم اور بالخصوص فطرت سے متعلق علوم کا بھی قرار واقعی علم نہ تھا۔

---

1 ۔ مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کش مکش، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ، ۲۰۰۳ء، طبع پنجم، ص۹۹۔

2 ۔ حیات جاوید، مولانا الطاف حسین حالی، ط، ھجرہ انٹر نیشنل لاہور، 1984ء، حصہ اول، ص 231۔

مفسرین عظام کے بارے میں سر سید صاحب کا نقطہ نظر

مسلمانوں کے لیے دلِ درد مند کے ہاتھوں مجبور ہو کر اصلاحِ معاشرہ کی دھن میں پیروئ مغرب میں ایسے جتے کہ اور بہت سے خیالات کی طرح انھوں نے فطرت کے بارے میں بھی مغرب سے بعض چلتے ہوئے نظریات لیے اور انھیں ادھ کچرا ہی نگل گئے، اور ان کی بنیاد پر تفسیر قرآن سے لے کر سیاست و سماجیات تک اپنے افکار کی عمارت اٹھا دی، ڈاکٹر ظفر حسن کی تحقیق یہ ہے کہ فطرت کے برے بھلے جو بھی رائج الوقت معانی رہے ہوں سر سید اور دوسرے "نیچری" یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ لفظ نیچر انگریزی میں کتنے معانی رکھتا ہے۔

سر سید احمد خان نے جمہور امت مسلمہ سے ہٹ کر جو افکار اپنائے اور مؤقف اختیار کیا اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

> تمام مفسرین سوائے معتزلہ کے یہ عادت ہے کہ اپنی تفسیروں میں محض بے سند اور افواہی روایتوں کو بلا تحقیق لکھے جاتے ہیں اور ذرا بھی تحقیق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ (1)
>
> تفسیروں اور سیر کی کتابوں میں خواہ ابن جریر ہوں یا تفسیر کبیر وغیرہ اور خواہ وہ سیرت ابن اسحاق ہو یا ابن ہشام اور خواہ وہ روضۃ الاحباب ہو یا مدارج النبوۃ وغیرہ ان میں تو اکثر ایسی لغو اور نا معتبر رویتیں اور قصے مندرج ہیں جن کا نہ بیان کرنا بیان کرنے سے بہتر ہے۔ (2)

یہ سب اسلاف اور اساطین امت پر بے اعتمادی اور خود بینی کا نتیجہ ہے کیونکہ جب آدمی ہر چیز کو اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھے گا تو ظاہر ہے اس سے فتنے ہی جنم لیں گے۔

1۔ ترقیم فی قصۃ اصحاب الکھف والرقیم، ص 12 مطبوعہ مفید عام آگرہ۔

2۔ آخری مضامین، ص 135۔

قرآن کریم میں ناسخ ومنسوخ کے متعلق عقیدہ

قرآن کریم میں ناسخ ومنسوخ کے بارے میں سرسید صاحب لکھتے ہیں:

ہم ان باتوں پر اعتقاد نہیں رکھتے اور یقین کرتے ہیں کہ جو کچھ خدا کی طرف سے اترا وہ بے کم وکاست موجودہ قران میں جو درحقیقت آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تحریر ہو چکا تھا موجود ہے اور کوئی حرف بھی اس سے خارج نہیں ہے اور نہ قران مجید کی کوئی آیت منسوخ ہے۔ (1)

ہم نے قرآن مجید میں کوئی حکم ایسا نہیں پایا اور اس لئے ہم کہتے ہیں کہ قرآن میں ناسخ ومنسوخ نہیں ہے۔ (2)

یعنی سرسید صاحب کے نزدیک قرآن کریم میں ناسخ ومنسوخ کچھ نہیں ہے جو جمہور امت اور خود قرآن کے مخالف نظریہ ہے کیونکہ قرآن شریف میں تین قسم کا نسخ واقع ہوا ہے:

(الف) کسی آیت کا حکم منسوخ کر دیا گیا، لیکن قرآن شریف میں تلاوت اس کی باقی رہی۔

(ب) تلاوت منسوخ کر دی گئی مگر حکم باقی رہا۔

---

[1] ۔ تفسیر القرآن، 1/163۔ سرسید نے تفسیر القرآن کے نام سے پندرہ پاروں کی تفسیر لکھی ہے جو درحقیقت تحریف القرآن ہے، اس کی چھ جلدیں سورۂ فاتحہ سے لے کر سورۂ اسراء تک سرسید کی زندگی ہی میں علی گڑھ کالج سے شائع ہوئیں' ساتویں جلد سورۂ کہف سے سورۂ طٰہٰ تک ان کی وفات کے بعد علی گڑھ بک ڈپو نے شائع کی، سرسید نے تفسیر القرآن کے لئے یہ معیار مقرر کیا کہ ان کی زندگی تک تاریخ اسلام کے تیرہ سو سال کے عرصہ میں توارث اور تواتر کے ساتھ نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام تابعین اور علماء واولیاء امت سے قرآن کریم کی جو تفسیر منقول چلی آرہی تھی سرسید نے اس جادۂ مستقیم کو چھوڑ کر اپنی محدود عقل اور بے علمی کا سہارا لیا اور ایک خانہ ساز تفسیر مرتب کی۔

[2] ۔ المرجع السابق، 1/167۔

(ج) تلاوت اور حکم دونوں منسوخ کردیئے گئے المنسوخ إما أن يكون هو الحكم فقط أو التلاوة فقط أو بما معًا۔[1]

اور یہ تینوں قسم کا نسخ قرآن شریف میں من جانب اللہ ہوا۔ قال تعالیٰ: مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا (الآية) اور قرآن شریف میں نسخ بذریعۂ وحیٔ الٰہی نبی کریم ﷺ کی زبانی ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن میں کوئی نسخ نہیں ہوا۔

اور نسخ صرف چند آیات میں ہوا ہے لہٰذا نسخ کے بعد صحابۂ کرام جو قرآن پڑھا کرتے تھے آج بھی بعینہ وہی قرآن ہے۔

(۱) منسوخ الحکم آیت کی مثال جو قرآن میں موجود ہے: وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجاً وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعاً إِلَى الْحَوْلِ (الآية) اس آیت کا حکم منسوخ ہوگیا، اللہ کے قول: وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجاً يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً (الآية) اسی طرح آیت: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً (الآية) کا حکم بھی منسوخ ہوگیا اور تلاوت اس کی باقی ہے۔

(۲) منسوخ التلاوۃ آیت کی مثال جس کا حکم باقی ہو:

يروى عن عمير رضي الله عنه أنه قال: كنا نقرأ آية الرجم: الشيخ والشيخة إذا زنيا فارجموهما البتة نكالا من الله والله بعزيز حكيم۔

---

1 ۔ تفسیر کبیر: ج۳ص۲۰۸، ط بیروت۔

(۳) ایسی آیت جس کا حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہو گئے ہوں: فهو ما ورت عائشة رضي الله عنها إن القرآن قد نزل في الرضاء بعشر معلومات ثم نسخن بخمس معلومات فالعشر مرفوع التلاوة والحكم جميعا والخمس مرفوع التلاوة باقي الحكم۔ [1]

گزشتہ کتب سماویہ میں عدم تحریف کا نظریہ

قرآن پاک میں پچھلی آسمانی کتابوں کے محرف ہونے کا جگہ جگہ تذکرہ آیا ہے، یہ سب سے بڑی دلیل ان کے محرف ہونے کی موجود ہے، آج بھی ان کتابوں کو آپ دیکھ لیجیے کہیں عبرانی، سریانی زبان میں نہیں ملیں گی بلکہ انگریزی میں ملیں گی، نہ ہی دنیا میں کوئی عبرانی زبان کا جاننے والا ملے گا لیکن سر سید صاحب فرماتے ہیں کہ گزشتہ آسمانی کتابوں میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی ملاحظہ فرمائیں:

> میں اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی کتب مقدسہ میں تحریف لفظی کی ہے اور نہ علماء متقدمین و محققین اس کے قائل تھے مگر علماء متاخرین اس بات کے قائل ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی کتب مقدسہ میں تحریف و تبدیلی کی ہے۔ [2]

حالانکہ قرآنِ مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہودیوں کی کتاب اللہ میں تحریف کا ذکر یوں فرمایا ہے:

> اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۔ [3]

ترجمہ: کیا تم (مسلمان) امید رکھتے ہو کہ یہ (یہود) ایمان لے آئیں گے تم (یعنی تمہارے دین) پر!

---

1 ۔ تفسیر کبیر: ج۳ص۲۰۹، ط بیروت۔

2 ۔ تفسیر القرآن، 1/ 04۔

3 ۔ سورۃ البقرۃ آیت نمبر 75۔

حالانکہ ان میں ایک فریق (گروہ) اللہ کا کلام سنتا تھا پھر اسے سمجھنے کے بعد اس میں تحریف کرتا تھا باوجود یہ کہ وہ جانتے تھے۔

روایات احادیث کے بارے میں سرسید صاحب کا مؤقف

سرسید احمد خان کتب احادیث اور سیر کے بارے میں اپنے نظریہ کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

تمام کتب احادیث اور بالتخصیص کتب تفسیر اور سیر اس قسم کی روایات کا مجموعہ ہیں جن میں صحیح اور غیر صحیح قابل تسلیم اور ناقابل تسلیم حدیثیں اور روایتیں مندرج ہیں۔[1]

سرسید کی تحریر کے اس اقتباس کو دیکھا جائے تو اس اقتباس میں سرسید نے علم حدیث کی پوری عمارت کو منہدم کر دیا ہے، ان کے لیے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود احادیث بھی قابل اعتبار نہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے تمام کتب احادیث کو مشتبہ قرار دیا ہے۔

ٹرول سرسید کے نظریہ احادیث کے بارے میں سرسید کی امہات کتب کے حوالوں سے لکھتا ہے:

سرسید احمد خان کا عقیدہ تھا کہ صرف قرآن پوری طرح متواتر ہے اور صرف پانچ احادیث متواتر ہیں سرسید نقد اسناد کے روایتی معیار بہت سختی سے عائد کرتے ہیں اس میں صرف پانچ احادیث ایسی نکلی ہیں جو پوری طرح معتبر ہیں اور ان میں بھی یہ یقینی نہیں ہے کہ وہ واقعتاً پیغمبر کے فرمودہ الفاظ ہی ہیں۔[2]

مزید لکھتے ہیں:

تمام کتب مذہبیہ جو اس زمانہ تک موجود ہیں ہزاروں غلطیوں سے معمور ہیں کوئی ایک

---

1 ۔ آخری مضامین، ص130 / افکار سرسید، ضیاء الدین لاہوری ص42۔

2 ۔ تہذیب الاخلاق (دور سوم)۵۱:۳/ تصانیف احمدیہ جلد اول حصہ دوم ص ۴۱۰/ مقالات سرسید جلد گیارہ ص ۴۰۲۔ ۴۰۳/ مقالات سرسید جلد ایک ص ۷۷(۱۸۷۲ء)۔

کتاب بھی ہمارے ہاتھوں میں ایسی نہیں آئی جس میں کوئی نہ کوئی بڑی غلطی ایسی سامنے نہ آئی ہو جو اسلام می سچی اور صحیح حقیقت کو وہمی اور خیالی امر کی طرف مائل نہ کر دیتی ہو۔[1]

سیر کی کتب کے متعلق لکھتے ہیں:

غرض کہ اب فن سیر کی تمام کتب کیا قدیم کیا جدید مثل ایسے غلے کے انبار ہیں جس میں سے کنکر پتھر کوڑا کرکٹ کچھ چنا نہیں گیا اور ان میں تمام صحیح و موضوع جھوٹی اور سچی سند اور بے سند ضعیف و قوی مشکوک و مشتبہ روایتیں محفوظ اور گڈ مڈ ہیں۔[2]

لیجیے سر سید نے قرآن مجید کی تفسیر احادیث مبارکہ یہاں تک کہ سیرت نگاری کی پوری روایت کو منہدم کر دیا، اور اتنے عرصہ میں یہ بات اور کوئی نہ سمجھا صرف سید صاحب ہی سمجھے ہیں اب سوال یہ ہے کہ جو دین 12 سو سال تک ٹھیک طرح سمجھا ہی نہ گیا ہو وہ بھلا کیا دین ہو گا؟

اجتہاد، فقہ اور فقہاء کے بارے میں سید صاحب کی رائے

دین کے بنیادی ماخذ چار ہیں مگر سر سید احمد خان ان میں سے صرف قرآن کو ماخذ سمجھتے تھے حدیث، اجماع اور قیاس وغیرہ کو اصول دین میں شامل نہیں سمجھتے تھے، مولانا حالی کے مطابق انھوں نے اپنے جدید علم کلام کا موضوع اور اسلام کا حقیقی مصداق صرف قرآن مجید کو قرار دیا اور اس کے سوا تمام مجموعہ احادیث کو رد کر دیا، ملاحظہ فرمایئے سر سید صاحب کس طرح اجتہاد اور مجتہدین کے بارے میں ہرزہ سرائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس معصوم اور سیدھے سادھے، سچے اور نیک طبیعت والے پیغمبر نے جو خدا تعالیٰ کے

---

1 ۔ بحوالہ: مجموعہ لیکچرز و سپیچز نواب محسن الملک ص 367 ط، نولکشور پریس۔

2 ۔ خطبات احمدیہ، ص 8۔

احکام بہت سدھاوٹ اور صفائی اور بے تکلفی سے جاہل، ان پڑھ، بادیہ نشین عرب کی قوم کو پہنچائے تھے اس میں وہ نکتہ چینیاں اور باریکیاں گھسیڑی گئیں اور وہ مسائل فلسفیہ اور منطقیہ ملائی گئیں کہ اس میں اس صفائی اور سدھاوٹ اور سادہ پن کا مطلق اثر نہیں رہا مجبوری لوگوں کو اصل احکام کو جو قرآن اور معتمد حدیثوں میں تھے چھوڑنا پڑا اور زید عمرو کے بنائے ہوئے اصول کی پیروی کرنی پڑی۔ [1]

حالانکہ قرآن و سنت کے تمام احکام ایسے نہیں ہیں، کہ جن کو ہر معمولی لکھا پڑھا آدمی سمجھ سکتا ہو، بلکہ ان احکامات میں سے بعض ایسے ہیں، جو بالکل واضح ہیں، ان میں کسی قسم کا ابہام نہیں پایا جاتا، سو ان پر عمل کرنا آسان ہے، مثلاً: توحید، رسالت، آخرت، ارکان اسلام جیسے: پانچ نمازیں، زکوٰۃ، روزے اور حج وغیرہ کی فرضیت، نیز زنا، سود، جوا، شراب نوشی، چوری اور قتل وغیرہ کی حرمت، یہ سب قرآن و سنت کے متفقہ اور قطعی احکام ہیں، ان پر عمل کرنے کے لیے کسی اجتہاد و تقلید کی ضرورت نہیں اور نہ ہی جائز ہے؛ کیونکہ اس میں کوئی پیچیدگی اور ابہام نہیں ہے۔ اس کے برعکس قرآن و سنت کے بہت سے احکام وہ ہیں، جن میں کوئی اِبہام یا اِجمال پایا جاتا ہے، اور کچھ احکام ایسے بھی ہیں، جو قرآن کریم ہی کی کسی دوسری آیت یا آنحضرت ﷺ ہی کی کسی دوسری حدیث سے مختلف معلوم ہوتے ہیں، جیسے: عبادات، اور معاملات وغیرہ کے فروعی مسائل وغیرہ ان میں مجتہد کے اجتہاد سے قول مفتیٰ بہ پر عمل کیا جاتا ہے جو در حقیقت شریعت ہی کی اتباع ہے نہ کہ مجتہد کی۔

تقلید سر سید صاحب کی نظر میں

قرآن و سنت سے احکام شریعت تلاش کرنے کی دو صورتیں ہیں:

---

[1] ۔ تہذیب الاخلاق، 2/149۔

1۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ ہم اپنی فہم و بصیرت پر اعتماد کرتے ہوئے خود کوئی فیصلہ کر لیں اور خود سے قرآن و سنت کی تشریح شروع کر دیں اور اس پر عمل کریں۔

2۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہم بھی وہی مسلمہ اصول یہاں بھی اپنائیں کہ قرآن و سنت کے سب سے زیادہ ماہرین کی تشریح کو اتھارٹی تسلیم کرتے ہوئے ان کی پیروی کریں۔

چنانچہ اسلام کے ابتدائی دور کے جن بزرگوں کو ہم علومِ قرآن و سنت کا زیادہ ماہر پائیں، انہی کی فہم و بصیرت پر اعتماد کریں اور انھوں نے جو کچھ سمجھا ہے، اس کے مطابق عمل کریں۔

مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے دوسری صورت بہت محتاط، سلامت فکر اور فطرت کے اصولوں کے مطابق ہے، لہٰذا اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ میں اپنی کم فہمی پر اعتماد نہیں کرتا، بلکہ ہمارے بزرگوں نے دین کی جو تشریح کی ہے، میں اس پر عمل کرتا ہوں، اس عمل کرنے کو "تقلید" کہا جاتا ہے۔

اور سر سید احمد خان صاحب اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

> یہ بات سچ ہے کہ ہم کو متعدد مسائل میں مسلمانوں سے اختلاف ہے ہم تقلید کو تسلیم نہیں کرتے مذہب کو تقلیداً قبول کرنے سے تحقیقاً اس پر ایمان لانا بہتر جانتے ہیں اور اسی طرح اور بہت سے مسائل اعتقادی و تمدنی ہیں جن سے یا جن کے طریقے و طرز استدلال سے ہم کو اختلاف ہے۔[1]
>
> جس قدر اسلام کو نقصان تقلید نے پہنچایا ہے اتنا کسی چیز نے نہیں پہنچایا سچے اسلام کے حق میں تقلید سنکھیا سے بھی زیادہ زہر قاتل ہے، بلاشبہ ہم نے علماء کو مثل یہود ونصاریٰ کے "ارباباً من دون الله" سمجھ لیا ہے۔[2]

---

[1] ۔ مقالات سر سید 10/207۔

[2] ۔ خطوط سر سید، ص100۔

ٹھیٹ مذہب اسلام کی رو سے ہر ایک شخص کو آزادی ہے کہ خود قرآن مجید کے احکام پر غور کرے اور جو ہدایات اس میں پائے اس پر عمل کرے کوئی شخص کسی دوسرے کی رائے اور اجتہاد اور سمجھ کا پابند نہیں ہے، ہر شخص آپ اپنے لئے مجتہد ہے۔[1]

میں سچ اپنے دل کا حال کہتا ہوں کہ اگر خدا مجھ کو ہدایت نہ کرتا اور تقلید کی گمراہی سے نہ نکالتا اور میں خود تحقیقات حقیقت اسلام کی طرف متوجہ نہ ہوتا تو یقینی مذہب کو چھوڑ دیتا[2]

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم ایسے نظریات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

کسی امام یا مجتہد کی تقلید کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اُسے بذاتِ خود واجب الاطاعت سمجھ کر اتباع کی جارہی ہے، یا اُسے شارع (شریعت بنانے والا، قانون ساز) کا درجہ دے کر اس کی ہر بات کو واجب الاتباع سمجھا جارہا ہے، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ پیروی تو قرآن و سنت کی مقصود ہے؛ لیکن قرآن و سنت کی مراد کو سمجھنے کے لیے بحیثیت شارحِ قانون اُن کی بیان کی ہوئی تشریح و تعبیر پر اعتماد کیا جارہا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت کے قطعی احکام میں کسی امام یا مجتہد کی تقلید ضروری نہیں سمجھی گئی کیونکہ وہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا اصل مقصد اس کے بغیر بآسانی حاصل ہوجاتا ہے۔[3]

جیسا کہ پہلے بھی ہم بیان کرچکے ہیں کہ مقلد اپنے امام کے قول کو مآخذِ شریعت نہیں سمجھتا؛ کیونکہ مآخذِ شریعت صرف قرآن و سنت (اور انہی کے ذیل میں اجماع و قیاس) ہیں، البتہ یہ سمجھ کر اس کے قول پر عمل کرتا ہے کہ چونکہ وہ قرآن و سنت کے علوم میں پوری بصیرت کا حامل ہے؛ اس

---

1 ۔ خطبات احمدیہ ص182۔

2 ۔ خطوط سرسید، مرتبہ سید راس مسعود، مطبع نظامی پریس بدایون، ص93۔

3 ۔ تقلید کی شرعی حیثیت ص13،14۔

لیے اس نے قرآن و سنت سے جو مطلب سمجھا ہے وہ میرے لیے زیادہ قابلِ اعتماد ہے، اور اسی اعتماد کا نام "تقلید" ہے۔

اب آپ بہ نظرِ انصاف غور فرمایئے کہ اس عمل میں کون سی بات ایسی ہے جسے گناہ یا شرک کہا جاسکے؟ یاد رکھیے! جس طرح تقلید کی مخالفت اور شرعی مسائل میں خود رائی قابلِ ملامت ہے، اسی طرح تقلید میں جمود اور غلو بھی قابلِ مذمت ہے۔ [1]

سرسید صاحب کا جدید کارنامہ "نیچریت"

سرسید کی علی گڑھ تحریک کی چوتھی فکری بنیاد نیچریت پر تھی سرسید کا ماننا تھا ادب اور تہذیب میں مبالغے اور جذباتیت کی گنجائش نہیں ہے، وہ حقیقت اور اصلیت پر زیاد زور دیتے ہیں، سرسید ابتدائی 30 سالوں میں ہندو و مسلم اتحاد اور قومی یکجہتی پر زیادہ زور دیتے تھے اور ہمیشہ اس فکر میں رہتے تھے یہ قوم کیسے ترقی کرے گی، سرسید نے شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ اسماعیل شہید، سید احمد بریلوی اور شاہ عبد المغنی کی عظمت کا اعتراف کرنے کے باوجود ان کے نظریہ جہاد کو باطل ٹھہرایا تھا اور ہمیشہ ہندوستان کے ہندو مسلم کے مابین ذہنی ہم آہنگی پیدا کرنا چاہتے تھے۔

چنانچہ سرسید لکھتا ہے:

جو ہمارے خدا کا مذہب ہے وہی ہمارا مذہب ہے خدا نہ ہندو ہے نہ عرفی مسلمان نہ مقلد نہ لامذہب نہ یہودی نہ عیسائی وہ تو پکا چھٹا ہوا نیچری ہے وہ خود اپنے کا نیچری کہتا ہے پھر اگر ہم بھی نیچری ہوں تو اس سے زیادہ فخر ہم کو کیا ہے۔ [2]

انہی مقالات میں مزید لکھتے ہیں:

---

[1] ۔ المرجع السابق، ص156۔

[2] ۔ مقالات سرسید 15/147۔

> جتنے پیغمبر گذرے سب نیچری تھے خدا خود نیچری ہے جب لوگوں نے نیچر کے قوانین کو چھوڑا تب ہی اس نے پیغمبر بھیجا جو پیغمبر آیا اس نے کیا کیا پھر لوگوں کو نیچر کا راستہ بتایا اور جتنا بگاڑا تھا اتنے کو خود سنوارا جب موسیٰ سے نیچر لسٹ کو لوگوں نے مجنون کہا تو پھر ہم کس گنتی میں ہیں؟ ہم جو چاہیں کہیں۔[1]

مذہبی رواداری سے آزاد ہو کر عقلیات سے ہی ہر چیز کا معیار مقرر کرنا اور مذہب سے آزادی یہی نیچریت ہے، ہندوستان میں اس کی بنیاد سر سید صاحب نے ہی رکھی جس پر یہ دو حوالہ جات شاہد ہیں اور بہت سے اہل علم مثلاً علامہ شبلی اور جناب محسن الملک نے اسی وجہ سے سر سید کے افکار و نظریات سے اختلاف کیا ہے۔

وحی اور الہام کے بارے میں سر سید کا نظریہ

وحی الٰہی اور الہام سر سید کے نزدیک ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور وہ اس کا اجراء انبیاء کے علاوہ دیگر لوگوں کے لیے بھی جائز مانتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:

> جس طرح کہ انسان میں اور قویٰ ہیں اسی طرح ملکہ وحی والہام بھی اس میں ہے ملکہ وحی الہام بھی بعض انسانوں میں معدوم ہوتا ہے بعض میں کم ہوتا ہے بعض میں زیادہ اور بعض میں بہت زیادہ۔[2]
>
> مطلق وحی آنا صرف انبیاء پر ہی منحصر نہیں بلکہ انبیاء کے علاوہ مقدس لوگوں پر بھی وحی آتی ہے۔[3]

---

[1] ۔المرجع السابق ص152۔

[2] ۔مقالات سر سید، 13/388۔

[3] ۔ تبیین الکلام، 1/7۔

ملاحظہ فرمایئے اہل تشیع کے نزدیک تو صرف بارہ اماموں پر وحی آتی تھی اور سید صاحب نے تو حد ہی کر دی اب معلوم نہیں مقدس لوگوں سے کون لوگ مراد ہیں اور ان کی تعداد کتنی اور کس زمانے تک محدود یا غیر محدود ہے اور ان پر وحی آتی رہے گی، مزید سر سید صاحب لکھتے ہیں:

ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ انبیاء واولیاء کوئی غیبی آواز نہیں سنتے، سنتے ہوں گے مگر وہ خدا کی آواز نہیں بلکہ وہ اس القاء کا اثر ہے جو ان پر ہوا ہے اور وہ انہی کی نفس کی آواز ہے جو ان کے کان میں آئی ہے وہ بیداری میں اسی طرح آواز کو سنتے ہیں جیسا کہ سوتے میں خواب والا سنتا ہے یا جیسے بعضی دفعہ لوگوں کو جو کسی خیال میں مستغرق ہیں بغیر کسی بولنے والے کے کان میں آواز آتی ہے۔[(1)]

علم عقائد کی تقریباً ساری کتابوں میں "نبی" کی یہ تعریف کی گئی ہے: "وہ مرد ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مبعوث کیا، احکام کی تبلیغ کے لیے" اور یہی معنی عوام میں مشہور و معروف ہے اور یہی حق ہے مگر سر سید کہتا ہے کہ:

ایک فطری چیز ہے... ہزاروں قسم کے ملکاتِ انسانی ہیں، بعض دفعہ کوئی خاص ملکہ کسی خاص انسان میں از روئے خلقت و فطرت، ایسا قوی ہوتا ہے کہ وہ اس کا امام یا پیغمبر کہلاتا ہے، لوہار بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے، شاعر بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے۔ ایک طبیب بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے۔[(2)]

ملائکہ اور جنات سے سر سید صاحب کے نزدیک کون مراد ہیں؟

فرشتوں کے بارے میں سر سید صاحب فرماتے ہیں:

---

[1] ۔ تفسیر القرآن، 1/ 7۔

[2] ۔ تفسیر القرآن، سر سید احمد خان، رفاہ عام سٹیم پریس لاہور، جلد 1 ص 23-24

فرشتوں کے وجود کی نسبت لوگوں کے عجیب عجیب خیالات ہیں ان کو نوری سمجھ کر گورا گورا سفید برف کا رنگ، نوری شمع کی مانند با نہیں، بلور جیسی پنڈلیاں، ہیرے کیسے پاؤں، ایک خوبصورت انسان کی شکل مگر نہ مرد نہ عورت تصور کیا ہے آسمان ان کے رہنے کی جگہ قرار دی ہے۔ آسمان سے زمین پر آنے اور زمین سے آسمان پر جانے کیلئے ان کے "پر" لگائے ہیں، کسی کو شاندار اور کسی کو غصہ ور وغضب ناک، کسی کو کم شان کا، کسی کو صور پھونکتا، کسی کو آتشیں کوڑے سے مینہ (بارش) برساتا خیال کیا ہے وہ فرشتوں کو ہوا کی مانند لطیف اجسام سمجھتے ہیں اور مختلف شکلوں میں بن جانے کی ان میں قدرت جانتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ آسمانوں پر رہتے ہیں اور پر دار(یعنی پر والے ہیں)ہیں کہ اُڑ کر زمین پر سے اُڑ کر آسمان پر چلے جاتے ہیں اور چیلوں کی طرح آسمان اور زمین کے بیچ میں منڈلاتے ہیں۔ (1)

قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے ثابت نہیں ہوتا بلکہ بر خلاف اس کے پایا جاتا ہے۔۔۔ فرشتے نہ کوئی جسم رکھتے ہیں اور نہ دکھائی دے سکتے ہیں، ان کا ظہور بلا شمول مخلوق موجود کے نہیں ہو سکتا۔ (2)

جن فرشتوں کا ذکر قرآن میں آیا ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا۔ بلکہ خدا کی بے انتہا قوتوں کے ظہور کو اور ان قوتوں کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کیے ہیں ملک یا ملائکہ کہتے ہیں۔ (3)

---

[1] ۔ تفسیر القران جلد 1 ص 46-48 / خود نوشت افکار سر سید 64 مرتب ضیاء الدین لاہوری۔

[2] ۔ تفسیر القران جلد ا ص 49 / خود نوشت افکار سر سید صفحہ 65 مرتب ضیاء الدین لاہور۔

[3] ۔ المرجع السابق۔

جہاں جن کے لفظ کا فی الواقع ایک مخلوق مستقل پر اطلاق ہوا ہے اس سے جنگلی اور وحشی انسان مراد ہیں جو پوری تمدنی حالت میں نہیں ہیں۔[1]

ان وحشی اور جنگلی اور پہاڑی آدمیوں پر جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی سرکار میں عمارت کے لیے پہاڑ سے پتھر لاتے اور جنگلوں سے لکڑی کاٹنے کا کام کرتے تھے قرآن مجید میں جن کا اطلاق ہوا ہے۔[2]

شیطان کے بارے میں سید صاحب فرماتے ہیں:

میں شیطان کا وجود کا قائل ہوں لیکن انسان ہی میں وہ موجود ہے خارج عن الانسان نہیں۔[3]

جو لوگ اس (خارج عن الانسان ذات شیطان) کے قائل ہوتے ہیں انہوں نے خود اپنی صورت ہی آئینے میں دیکھی ہے۔[4]

سر سید صاحب کی فہم و فراست داد دینے کے قابل ہے کہ وہ چیزیں جو قرآن و حدیث اور امت کے چودہ سو سال کے تواتر سے ثابت ہیں ان کا انکار کر کے اپنی نئی رائے قائم کی ہے۔

انبیاء کرامؑ کے معجزات اور اولیاء عظام کی کرامات کا انکار

سر سید کے مطابق معراج صرف حضور ﷺ کا ایک خواب ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

معراج کی نسبت جس چیز پر مسلمانوں کو ایمان لانا فرض ہے، وہ اس قدر ہے کہ پیغمبر

1۔ تفسیر القرآن 7/44۔

2۔ تفسیر القرآن، 5/167۔

3۔ تہذیب الاخلاق، 2/331۔

4۔ المرجع السابق، ص211۔

خدا نے مکہ سے بیت المقدس پہنچنا ایک خواب میں دیکھا اور اسی خواب میں انہوں نے در حقیقت اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں مشاہدہ کیں مگر اس بات پر یقین رکھنا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ خواب میں دیکھا یا وحی ہوئی یا انکشاف ہوا وہ بالکل سچ اور بر حق ہے۔(1)

قران مجید میں کہیں بیان نہیں ہوا کہ اسریٰ یا معراج بجسدہ وحالت بیداری میں ہوئی تھی۔(2)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معجزات کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہمارے علماو مفسرین نے قرآن مجید کی آیتوں کی یہی تفسیر کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تھے اور وہ وہاں سے صحیح سلامت نکلے، حالانکہ قرآن مجید کی کسی آیت میں اس بات کی نص نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تھے، بے شک ان کے لئے آگ دہکائی گئی تھی اور ڈرایا گیا تھا کہ ان کو آگ میں ڈال کر جلا دیں گے مگر یہ بات کہ در حقیقت وہ آگ میں ڈالے گئے تھے قرآن مجید سے ثابت نہیں ہے۔(3)

ایک دوسری جگہ ابراہیم علیہ السلام کے معجزہ طیور اربعہ کو بھی خواب کا واقعہ لکھتے ہیں:

انہوں (حضرت ابراہیم علیہ السلام) نے رویا میں خدا سے کہا کہ مجھ کو دکھا یا پھر بتا کہ تو کس طرح مردے کو زندہ کرے گا، پھر خواب میں خدا کے بتلانے سے انہوں نے

---

[1] ۔ خطبات سرسید ص427، ناشر مجلس ترقی ادب۔

[2] ۔ تفسیر القران، 2/80۔

[3] ۔ تفسیر القرآن، سرسید احمد خان، حصہ 8، ص206-208، رفاہ عام سٹیم پریس لاہور

چار پرند جانور لیے اور ان کا قیمہ کر کے ملا دیا اور پہاڑوں پر رکھ دیا اور پھر بلایا تو وہ سب جانور الگ الگ زندہ ہو کر چلے آئے۔[1]

آج تک ملت اسلامیہ اس بات پر متفق ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے مگر سر سید کہتا ہے:

میرے نزدیک قرآن مجید سے ان کا بے باپ ہونا ثابت نہیں ہے۔[2] اور وہ (حضرت مریم رضی اللہ عنہا) حسبِ قانونِ فطرتِ انسانی، اپنے شوہر یوسف سے حاملہ ہوئیں۔[3]

اور مزید کہتا ہے کہ:

عیسائی اور مسلمان دونوں خیال کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام صرف خدا کے حکم سے عام انسانی پیدائش کے بر خلاف بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔[4]

اور حیات عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ جو امت کا اجماعی اور قطعی عقیدہ ہے اور سلف صالحین اور علماء نے اس کی اہمیت کے پیش نظر مستقل کتابیں اس عقیدہ کے اثبات میں تحریر کی ہیں سید صاحب بڑی بے باکی سے اس کا انکار کرتے ہوئے لکھتا ہے:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ یہود نے سنگ بار کر کے قتل کیا نہ سلیب پر قتل کیا بلکہ وہ اپنی موت سے مرے اور خدا نے ان کے درجہ اور مرتبہ کو مرتفع کیا۔[5]

اولیاء عظام کی کرامات کے بارے میں سید صاحب فرماتے ہیں:

---

[1] ۔المرجع السابق 1/292۔

[2] ۔مکتوبات سر سید، حصہ 2 ص 116۔

[3] ۔ تفسیر القرآن، سر سید احمد خان، جلد 2 ص 30، رفاہ عام سٹیم پریس لاہور

[4] ۔ تفسیر القرآن 2/22۔

[5] ۔المرجع السابق، ص 75۔

انسان کے دین و دنیا م تمدن و معاشرت بلکہ زندگی کی حالت کو کرامت یا معجزہ پر یقین یا اعتقاد رکھنے سے زیادہ خراب کرنے والی چیز کوئی نہیں ہے۔ [1]

بیت اللہ، حجر اسود اور آب زمزم کے متعلق سید صاحب کے خیالات

بیت اللہ شریف جسے عرف عام میں خانہ کعبہ کہتے ہیں تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کا دھڑکتا ہوا دل اور ملت اسلامیہ کے اتحاد و اتفاق کا مرکزی نقطہ ہے۔

اس مقدس اور بابرکت گھر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکاً وہدی للعالمین۔ [2]

یعنی سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے وضع کیا گیا ہے یہ وہ ہے جو مکہ میں ہے، بابرکت ہے اور جہاں والوں کے لئے راہنما ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کو مسلمانوں کے لئے بابرکت اور ہدایت کا پہلا گھر ارشاد فرمایاہے اور واضح رہے کہ کعبہ اسلام کا مرکز اور محور ہے اور اس کی تعظیم وہی کرے گا جس کا دل تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہو گا۔

اس تمہید کے بعد اب ذرا کلیجہ تھام کر سرسید کی ہرزہ سرائی کعبۃ اللہ کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں، نقل کفر کفر نباشد، اپنی تفسیر القرآن کے نام پر وہ تحریف القرآن میں لکھتاہے:

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس پتھر کے بنے ہوئے چوکھونٹے گھر میں ایسی متعدی برکت ہے کہ جہاں سات دفعہ اس کے گرد پھرے اور بہشت میں چلے گئے یہ ان کی خام خیالی ہے... اس چوکھونٹے گھر کے گرد پھرنے سے کیاہو تاہے، اس کے گرد تو اونٹ

---

[1] ۔ مقالات سرسید، 1/123۔

[2] ۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر 96۔

اور گدھے بھی پھرتے ہیں تو وہ کبھی حاجی نہیں ہوئے۔[1]

وہ مزید لکھتا ہے:

کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اسلام کا کوئی اصلی حکم نہیں ہے... نماز میں سمت قبلہ کوئی اصلی حکم مذہب اسلام کا نہیں ہے۔[2]

حجر اسود کے متعلق کہتا ہے:

جو بات محقق ہے وہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی بنا ہونے سے قبل یہ حجر اسود ایک میدان میں اکیلا پڑا تھا۔[3] صحیح بات صرف اس قدر ہے کہ یہ پتھر جبل ابو قیس کا ہے جو مکہ کے پاس ایک پہاڑ ہے۔[4]

حالانکہ احادیث میں مروی ہے کہ حجرِ اسود قیامت کے دن اپنے بوسہ لینے اور استلام کرنے والوں کے حق میں سفارش کرے گا اور اس دن اللہ تعالیٰ اس کو زبان اور ہونٹ عطا فرمائیں گے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَشْهِدُوْا هذا الْحَجَرَ خَيْرًا، فَإِنَّه يَوْمَ الْقِيَامَة شَافِعٌ يَشْفَعُ، لَه لِسَانٌ وَشَفَتَانِ يَشْهد لِمَنْ اِسْتَلَمَه۔[5]

اس حجرِ اسود کو اپنے عملِ خیر کا گواہ بنالو؛ کیوں کہ قیامت کے دن یہ سفارشی بن کر (اللہ کے دربار میں) اپنے استلام کرنے والوں کے لیے سفارش کرے گا، اس کی ایک زبان اور دو ہونٹ ہوں گے۔

1۔ تفسیر القرآن 1/211، 251۔

2۔ المرجع السابق، ص157، 161۔

3۔ خطبات احمدیہ، ص128۔

4۔ المرجع السابق، ص312۔

5۔ الطبرانی فی الاوسط عن عائشہؓ، الترغیب والترہیب: 270۔

پیغمبر ﷺ سے حجرِ اسود کا بوسہ دیتے وقت رقت وزاری بھی ثابت ہے، نیز آپ ﷺ نے اس کی تقبیل واستلام کو گویا کہ اللہ تعالیٰ سے مصافحہ کرنا قرار دیا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ فَاوَضَه فَإِنَّمَا يُفَاوِضُ يَدَ الرَّحْمٰنِ۔ (1)

ترجمہ: جو شخص حجرِ اسود کو ہاتھ لگائے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ سے مصافحہ کر رہا ہے۔

اور آب زمزم جیسے متبرک پانی کے بارے میں لکھتا ہے:

زمزم کی نسبت ایسی دورازکار روایتیں مشہور ہیں جن میں سے ایک بھی معتبر اور مذہب اسلام کے بموجب صحیح نہیں ہے جتنا کہ یہ چشمہ پرانا ہے اور اسی قدر تقدس آمیز اور تعجب خیز مبالغہ سے وہ روایتیں بنائی گئی ہیں۔ (2)

سر سید کے دیگر چند خطرناک نظریات

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر آنے والے طوفان کا انکار " تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علی ملۃ الاسلام ج2 ص 312 " پر کیا ہے اور اسی طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی علیہ الرضوان کے متعلق لکھتا ہے:

ہمارے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اترنے والے ہیں نہ ہی مہدی موعود پیدا یا ظاہر ہونے والے ہیں۔ (3)

ان غلط قصوں میں سے جو مسلمانوں کے ہاں مشہور ہیں ایک قصہ امام مہدی آخر الزماں کے پیدا ہونے کا بھی ہے۔ اس قصے کی بہت سی حدیثیں کتب احادیث میں

---

1 - رواہ ابن ماجہ 2957 / الترغیب والترہیب: 268۔

2 ۔ الخطبات الاحمدیہ علی العرب والسیرۃ المحمدیہ س336، مطبع مسلم پرنٹنگ ورکس لاہور۔

3 ۔ آخری مضامین، مرتبہ امام الدین گجراتی، ص104، ط، رفاہ عام پریس۔

بھی مذکور ہیں مگر کچھ شبہ نہیں کہ سب جھوٹی اور مصنوعی ہیں... اور ان سے (احادیث سے) کسی ایسے مہدی کی جو مسلمانوں نے تصور کر رکھا ہے اور جس کا قیامت کے قریب ہونا خیال کیا ہے بشارت مقصود نہیں۔ [1]

یاجوج وماجوج کے متعلق اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

ہمارے نزدیک یاجوج وماجوج تاتاری ترکوں کی ایک قوم تھی اور اب ہے جو چین کے کنارے پر آباد تھی جنکے فسادات اور لوٹ مار روکنے کو چین کے ایک بادشاہ نے ایک دیوار بنائی تھی جو اب ٹوٹی پھوٹی موجود اور عجائبات دنیا میں شمار ہوتی ہے اور قوم یاجوج ماجوج کہیں قید ہے اور نہ کہیں بند ہے۔ [2]

قرب قیامت یاجوج وماجوج کا نکلنا عیسائیوں اور یہودیوں کا اعتقاد ہے قرآن مجید میں اس کا کچھ ثبوت نہیں۔ [3]

اسی طرح سرسید احمد خان نے عذاب قبر کا بھی انکار کیا ہے لکھتے ہیں:

اگر عذاب قبر میں گناہ گاروں کی نسبت سانپوں کا لپٹنا اور کاٹنا بیان کیا جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ در حقیقت سچ مچ کے سانپ جن کو ہم دنیا میں دیکھتے ہیں، وہ مردے کو چمٹ جاتے ہیں، بلکہ جو کیفیت گناہوں سے روح کو حاصل ہوتی ہے، اس کا حال انسانوں میں رنج وتکلیف ومایوسی کی مثال سے پیدا کیا جاتا ہے جو دنیا میں سانپوں کے کاٹنے سے انسان کو ہوتی ہے، عام لوگ اور کٹ ملا اس کو واقعی سانپ سمجھتے ہیں۔ [4]

---

[1] ۔ مقالات سرسید، حصہ 6 ص 121، ناشر مجلس ترقی ادب۔

[2] ۔ ازالۃ الغین، ص 12۔

[3] ۔ تفسیر القرآن، 8/253۔

[4] - تہذیب الاخلاق جلد 2 ص 165

عیسائیوں اور مرزائیوں سے تعلقات کے بارے میں سرسید صاحب کا نظریہ

قرآن کریم میں صراحتاً یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست بنانے سے منع کیا گیا ہے چنانچہ حکم ہے:

یاایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء۔ (1)

لیکن سرسید صاحب اس بارے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اور مسلمانوں سے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قرآن مجید کے موافق اگر کوئی فرقہ ہمارادوست ہو سکتا ہے تو وہ عیسائی ہیں۔ (2)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

جن مسلمانوں نے سرکار (انگریز) کی نمک حرامی اور بدخواہی کی (1857ع کی جنگِ آزادی میں حصہ لیا) میں ان کا طرف دار نہیں ہوں۔ میں ان سے بہت زیادہ ناراض ہوں اور ان کو حد سے زیادہ برا جانتا ہوں کیونکہ یہ ہنگامہ ایسا تھا کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کے بموجب عیسائیوں کے ساتھ رہنا چاہیے تھا جو اہل کتاب اور ہمارے مذہبی بھائی بند ہیں۔ (3)

سرسید احمد خان مرزا قادیانی کذاب ملعون کے متعلق لکھتا ہیں:

حضرت مرزا صاحب کی نسبت زیادہ کدوکاوش کرنی بے فائدہ ہے، ایک بزرگ زاہد اور نیک بخت آدمی ہیں جو کچھ خیالات ان کو ہو گئے ہیں ہو گئے ہوں بہت سے نیک آدمی ہیں جن کو اس قسم کے خیالات پیدا ہو چکے ہیں ہم کو ان سے نہ کچھ فائدہ ہے نہ

---

[1] ۔ سورۃ المائدۃ، آیت نمبر 51۔

[2] ۔ مکتوبات سرسید ص 21۔

[3] ۔ حیات جاوید جلد 1 ص 158 بک ٹاک لاہور

کچھ نقصان، ان کی عزت اور ان کا ادب کرنا بہ سبب ان کی بزرگی اور نیکی کے لازم ہے،ان کی صداقت اور غیر صداقت سے بحث محض بے فائدہ ہے ہمارے مفید صرف ہمارے اعمال ہیں ان کے اچھے ہونے پر کوشش کرنی چاہیئے۔[1]

حالانکہ پوری امت مسلمہ کے نزدیک مرزا غلام کادیانی ملعون، مرتد اور کافر ہے اور سرسید صاحب ان کے بارے میں نیک خیالات کا اظہار کر رہے ہیں ان تحریرات اور نظریات پر نظر کرنے سے ہر عقلمند آدمی سرسید کے ایمان واسلام کا ندازہ لگا سکتا ہے۔

سرسید کے مذہبی عقائد و نظریات کا جن علماء نے زور دار طریقے سے رد کیا ہے ان میں ایک مولانا عبد الحق دہلویؒ تھے جنھوں نے قرآن کریم کی تفسیر فتح المنان لکھی جو تفسیر حقانی کے نام سے مشہور ہے، اس تفسیر میں سرسید کے نظریات کو رد کیا گیااسی طرح مولانا محمد علی مراد آبادیؒ نے **"البرہان علی تجھیل من قال بغیر علم فی القرآن"** میں سرسید کے نظریات کی تردید کی، شیعہ مفسر ابو عمار علی رئیس سونی پت نے بھی سرسید کی رد میں تفسیر عمدۃ البیان لکھی، عبد اللہ یوسف علی نے اپنی انگریزی تفسیر قرآن میں لکھا ہے کہ سرسید کی تفسیر قرآن علماء امت کے مسلمہ اصول و نظریات سے متصادم ہے، سرسید کے نظریات کی رد میں جن علماء نے فتاویٰ دیئے یا کتابیں وغیرہ لکھیں ان میں دیوبند کے معروف عالم دین مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا احمد رضا خان بریلویؒ، مولانا یوسف بنوریؒ، مولانا انور شاہ کشمیریؒ شامل ہیں، ان علماء کا ماننا تھا کہ انہوں نے قرآنی بیانات کو جدید تصورات سے ہم آہنگ کرنے کے لیے متفق علیہ تفسیری اصولوں کو بالکل نظر انداز کر دیا،وہ مغربی تہذیب و معاشرت سے اس قدر مرعوب تھے کہ انھوں نے مسلمہ اسلامی ضابطوں کی ہی الگ تشریح کر ڈالی۔

---

[1] ۔خطوط سرسید، ص342۔

مرزا غلام احمد قادیانی

مرزا قادیانی خود اپنا تعارف کرواتے ہوئے لکھتا ہے: اب میرے سوانح اس طرح پر ہیں نام غلام احمد، میرے والد کا نام غلام مرتضیٰ، دادا کا نام عطا محمد تھا۔[1] اپنی قوم کے بارے میں لکھتا ہے کہ ہماری قوم مغل برلاس ہے، اپنی تاریخ پیدائش کے بارے میں لکھتا ہے: کہ میری پیدائش 1839ء یا 1840ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی اور میں 1857ء میں سولہ یا سترہ برس کا تھا۔[2] مرزا قادیانی نے اپنی پیدائش کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے جہاں اپنی غیرت کی دھجیاں بکھیری ہیں وہاں اپنی ماں کی عصمت کی چادر کو بھی تار تار کیا ہے ملاحظہ فرمائیں میں اور میری بہن رحمت جڑواں پیدا ہوئے پہلے لڑکی پیٹ سے نکلی اور اسکے بعد میں نکلا تھا اور میرا سر اُس کے پاؤں میں پھنسا ہوا تھا۔[3]

آپ کو دنیا میں ایسا بے حیانہ ملے گا جو نکلی، نکلا جیسے الفاظ کے ذریعے اپنی ولادت کو بیان کرے پھر طرفہ یہ کہ بہن کی ٹانگوں میں ہو، اور مرزا کا یہ کہنا کہ پیٹ سے نکلی اس بات کی وضاحت کی کیا ضرورت تھی کیا پیٹ کے علاوہ بھی کسی حصے میں بچہ ہوتا ہے اور ہمارا مرزائیوں سے یہ سوال ہے کہ مرزا قادیانی کو اپنی پیدائش کی کیفیت کا علم کیسے ہوا؟

مرزا قادیانی انگریز کا خود کاشتہ تھا اور اس کا خاندان انگریز کا پٹھو تھا، مرزا قادیانی اپنے خاندان کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتا ہے:

میرے والد صاحب میرا خاندان ابتداء سے سرکارِ انگریز کے بدل و جان، ہوا خواہ اور

---

[1] - روحانی خزائن 22/137۔

[2] - روحانی خزائن 13/177۔

[3] - روحانی خزائن 15/479۔

وفادار ہے اور گورنمنٹ عالیہ انگریزی کے معزز افسروں نے مان لیا ہے کہ یہ خاندان کمال درجہ پر خیر خواہ سرکارِ انگریزی ہے۔[1]

بچپن کی کہانی

انبیاء کرام علیہم السلام کی جیسے جوانی پاک وصاف اور قابل اتباع ہوتی ہے ایسے ہی بچپن بھی عام بچوں سے جدا نہایت پر وقار اور ہر قسم کے لہو ولعب سے پاک ہوتا ہے لیکن قادیان کے اس بناوٹی نبی کے بچپن کے حالات گلی محلے کے عام آوارہ بچوں سے بھی گئے گزرے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

مرزا قادیانی کا لڑکا بشیر احمد ایم اے مرزا قادیانی کے بچپن کا نام ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ: مرزا قادیانی کا ابتدائی نام دسوندی تھا لیکن سندھی کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔[2]

مرزا قادیانی کو بچپن میں شکار کا بھی شوق تھا لیکن شوق پورا کرنے کا انداز کیا تھا، مرزا قادیانی کا لڑکا بشیر احمد ایم اے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے: والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ ہوشیار پور میں حضرت صاحب بچپن میں چڑیاں پکڑا کرتے تھے اور چاقو نہیں ملتا تھا تو سرکنڈے سے ذبح کر لیتے تھے۔[3]

مرزا قادیانی بچپن میں تیرنے کا بھی دلدادہ تھا برسات میں جب قادیان کی ساری غلاظت بارشوں میں بہہ کر قادیان کے اردگرد جمع ہو جاتی تو مرزا قادیانی اس گندے پانی میں دیر تک تیرتا رہتا چنانچہ مرزا قادیانی کا لڑکا لکھتا ہے:

حضرت صاحب (مرزا قادیانی) نے فرمایا کہ میں بچپن میں اتنا تیرتا تھا کہ ایک وقت میں ساری قادیان کے اردگرد تیر جاتا تھا، خاکسار عرض کرتا ہے کہ برسات کے موسم میں قادیان کے

---

1 - مجموعہ اشتہارات 10،9۔

2 - سیرت المہدی حصہ اول ص36۔

3 - سیرت المہدی حصہ اول ص36۔

اردگرد اتنا پانی جمع ہوتا ہے کہ قادیان ایک جزیرہ بن جاتا ہے۔ [1]

مرزا قادیانی کی طبیعت میں شروع ہی سے چوری کا مادہ تھا اس لئے بچگانہ قسم کی چوری کی عادت بچپن میں بھی تھی مرزا قادیانی کا لڑکا بشیر احمد لکھتا ہے:

حضرت صاحب فرماتے کہ ایک دفعہ بعض بچوں نے مجھے کہا کہ جاؤ گھر سے میٹھا لاؤ میں گھر آیا اور بغیر کسی کے پوچھنے کے ایک برتن میں سے سفید بورا اپنی جیبوں میں بھر کر باہر لے گیا اور راستہ میں ایک مٹھی بھر کر منہ میں ڈال لی بس کیا تھا، میرا دم رک گیا اور بڑی تکلیف ہوئی کیونکہ وہ بورا میٹھا نہ تھا بلکہ پسا ہوا نمک تھا۔

مرزا قادیانی کے مزاج میں عام بچوں کی طرح ضد اور ہٹ دھرمی بھی تھی چنانچہ مرزا قادیانی کا لڑکا لکھتا ہے ایک دفعہ بچپن میں حضرت صاحب نے اپنی والدہ سے روٹی کے ساتھ کچھ کھانے کو مانگا انہوں نے کوئی چیز شاید گڑ دیا کہ یہ لے لو۔ حضرت نے کہا یہ میں نہیں لیتا انہوں نے کوئی اور چیز بتائی تو حضرت نے پھر انکار کیا انہوں نے چڑ کر سختی سے کہا کہ جاؤ پھر راکھ سے کھالو۔ حضرت صاحب روٹی پر راکھ ڈال کر بیٹھ گئے۔ [2]

قارئین کرام! عقل اور فرمانبرداری دیکھئے جب والدہ نے اپنی پسند کی چیز رضا سے دی تو ضد اور انکار لیکن ناراضگی سے راکھ بھی لے لی۔

مرزا قادیانی کے بچپن کے چند گوشے آپ کے سامنے رکھے ہیں اس کے برعکس اولیاء اللہ کے بچپن کو دیکھ لیں ان کا بچپن بھی علم و حکمت، تقویٰ و طہارت اور خدا خوفی سے بھرا ہوتا ہے اور ان کا بچپن ان کے روشن پاکیزہ مستقبل پر دلالت کرتا ہے لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے۔

---

1 - سیرت المہدی حصہ اول ص 276۔

2 - سیرت المہدی حصہ اول ص 245۔

مرزا قادیانی کی جوانی

مشہور ہے کہ جوانی دیوانی ہوتی ہے اور جوش جوانی میں اکثر لوگ بے اعتدالیاں کر گزرتے ہیں لیکن جن لوگوں کے حق میں خدا کا مامور بننا مقدر ہو اُن کی جوانی اطاعت و فرمانبرداری، عبادت و ریاضیت، اخلاق و اوصاف، امانت و دیانت، عقل و دانش غرض جملہ اخلاقی، علمی اور عملی محاسن کا مجموعہ ہوتی ہے لیکن اس کے برعکس مرزا قادیانی کی جوانی لہو و لعب، فسق و فجور اور بددیانتی سے پر تھی چنانچہ مرزا قادیانی کا جوانی میں ملازمت اختیار کرنے کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے اور بہت سے اندرونی معاملات کی طرف اشارہ کرتا ہے، مرزا قادیانی کا لڑکا لکھتا ہے:

بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ ایک دفعہ اپنی جوانی کے زمانے میں حضرت صاحب (مرزا قادیانی) تمہارے دادا کی پنشن وصول کرنے گئے تو پیچھے پیچھے مرزا امام دین بھی چلا گیا جب آپ نے پنشن وصول کرلی تو وہ آپ کو بہلا پھسلا کر اور دھوکہ دے کر بجائے قادیان لانے کے باہر لے گیا اور ادھر اُدھر پھراتا رہا جب آپ نے سارا روپیہ اڑا کر ختم کر دیا تو آپ کو چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا اور حضرت مسیح موعود اس شرم سے گھر نہیں آئے اور چونکہ تمہارے دادا کا منشاء رہتا تھا کہ آپ کہیں ملازم ہو جائیں اس لیے آپ سیالکوٹ شہر میں ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں قلیل تنخواہ پر ملازم ہو گئے۔

جب کہ مرزا قادیانی کا دوسرا لڑکا مرزا محمود سیالکوٹ ملازمت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: اور ایسا ہوا کہ ان دنوں آپ گھر والوں کے طعنوں کی وجہ سے کچھ دنوں کے لیے قادیان سے باہر چلے گئے اور سیالکوٹ جا کر رہائش اختیار کرلی اور گزارے کے لیے ضلع کچہری میں ملازمت بھی کرلی۔

محترم قارئین! مرزا قادیانی کی بیوی کے بیان کے مطابق مرزا امام دین نے مرزا قادیانی کو بہلایا پھسلایا اور پھر دھوکہ دے کر پنشن کی ساری رقم اُڑوا بھی دی انتہائی اہم سوال یہ ہے کہ اس وقت

جب کہ مرزا قادیانی کی جوانی پورے شباب پر تھی اور مرزا قادیانی کا دعویٰ بھی ہے کہ مجھے ماں کے پیٹ میں نبوت ملی ہے تو ایسی حالت میں امام دین جیسے ایک دیہاتی کا بہلانا پھسلانا اور دھوکہ دینا کیا معنی رکھتا ہے۔

اور پھر مرزا قادیانی کا امام دین کے ساتھ ادھر ادھر پھرتے رہنا اور سارا مال بھی ادھر ادھر کے کاموں میں اڑا کر ضائع کر دینا پھر اسی شرمندگی کی وجہ سے گھر بھی نہ آنا، یہ تمام باتیں مرزا قادیانی کی عفت و پاک دامنی اور امانت و دیانت کو خوب واضح کرتی ہیں، بھلا جو شخص امانت کی رقم کو ادھر ادھر کے کاموں میں اڑا دے اور جسے آوارگی کی وجہ سے والدین طعنے دیتے ہوں اس سے اس تقویٰ اور نیک بختی کی امید کی جا سکتی ہے اور کیا ایسا شخص شریف آدمی کہلانے کے قابل ہے۔

دوران ملازمت مذہبی چھیڑ چھاڑ

مرزا قادیانی کی سیالکوٹ ملازمت کا زمانہ وہ ہے جب برصغیر پاک و ہند میں انگریزی حکومت قائم تھی جو مختلف طریقوں سے مسلمانوں کے ایمان کو کمزور کرنے کی کوششوں میں مصروف تھی جس کے نتیجے میں جگہ جگہ عیسائی پادری عیسائیت کے پرچار میں مصروف تھے اسی وجہ سے وقتاً فوقتاً بحث مباحثے ہوتے رہتے۔ مرزا قادیانی کی بھی سیالکوٹ میں ملازمت کے دوران جب کچھ جان پہچان ہو گئی تو اس نے بھی مختلف مذاہب کے لوگوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی چنانچہ مرزا قادیانی کا لڑکا بشیر احمد ایم اے لکھتا ہے:

> سیالکوٹ ملازمت کے دوران کبھی کبھی نصر اللہ نامی مشن سکول کے عیسائی ہیڈ ماسٹر سے مرزا صاحب کی مذہبی بحث ہو جاتی تھی۔[1]

لیکن مرزا قادیانی کو اکثر اس طرح کی گفتگو میں ہزیمت کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور یہی وہ زمانہ ہے جب

---

1 - سیرت المہدی حصہ اول ص256۔

مرزا قادیانی کی بعض یورپین مشنریوں اور عیسائی افسروں سے ملاقات ہوئی انہوں نے مرزا قادیانی کی دجالی صفات کو دیکھتے ہوئے اسے حکومت برطانیہ کا منظور نظر بننے کی پیش کش کی۔ سیرت مسیح موعود کے صفحہ 15 پر برطانوی انٹیلی جنس سیالکوٹ مشن کے انچارج مسٹر ریوزنڈ ما بٹلر سے مرزا کی ملاقات کا تذکرہ موجود ہے۔

مرزا قادیانی کا کردار

اسلامی تعلیمات مقدسہ میں نہ صرف زنا بلکہ اسباب زنا جیسے غیر محرم کو چھونا، خلوت کرنا اور بد نظری کرنا وغیرہ کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے لیکن متنبی قادیان نے ان تمام اسلامی حدود کو توڑتے ہوئے اپنی خدمت کے لئے مختلف عورتوں کو مقرر کیا ہوا تھا چند عورتیں جو رات میں مرزا قادیانی کی خدمت پر مامور تھیں مندرجہ ذیل ہیں۔

> ایک زمانہ میں حضرت مسیح موعود کی رات کی خدمت میں، میں (رسول بی بی) منشیانی اہلیہ محمد دین اور اہلیہ بابو شاہ دین ہوتی تھیں۔[1] ایک رات خوب سردی پڑتی تھی مائی بھانو لحاف کے اوپر سے حضرت صاحب کو دباتی تھیں اسے پتہ ہی نہ چلا کہ وہ ٹانگیں نہیں بلکہ پلنگ کی پٹی دبا رہی ہے۔[2]
>
> ڈاکٹر عبد الستار صاحب نے بیان کیا کہ میری لڑکی زینت تین ماہ کے قریب حضرت صاحب (مرزا قادیانی) کی خدمت میں رہی بسا اوقات ایسا ہوتا کہ نصف رات یا اس سے زیادہ اسے پنکھا ہلاتے گزر جاتی تھی آپ کئی دفعہ اپنا تبرک بھی اسے دیتے تھے۔[3]

---

[1] - سیرت المہدی جلد سوم ص 213 طبع اول۔

[2] - ملخصًا سیرت المہدی جلد سوم ص 210، طبع اول ۔

[3] - ملخصًا سیرت المہدی جلد سوم 272۔

ڈاکٹر نور محمد صاحب لاہوری کی ایک بیوی ڈاکٹرنی کے نام سے مشہور تھی وہ مدتوں قادیان آکر حضور کے مکان میں رہتی اور حضور کی خدمت کرتی تھی اس کے مرنے کے بعد مرزا صاحب نے اس کا دوپٹہ اپنے کمرے کی کھڑکی کی سلاخ سے بندھوادیا۔[1]

مرزا قادیانی کی انہی حرکات کو دیکھتے ہوئے قادیان کے مفتی سے کسی نے سوال کیا کہ:۔

حضرت اقدس (مرزا قادیانی) غیر عورتوں سے ہاتھ پاؤں کیوں دبواتے ہیں؟ تو قادیان کے مفتی حکیم فضل دین قادیانی نے جواباً لکھا کہ:

وہ بنی معصوم ہیں ان سے مس کرنا اور اختلاط منع نہیں بلکہ موجب رحمت و برکات ہے (یعنی تم بھی برکت کے حصول کے لئے اپنی عورتیں بھیجو)۔[2]

قارئین کرام ایک لمحہ کے لئے اگر قادیان کے مرزائی مفتی کی اس بات کو تسلیم بھی کر لیں تو بھی ہم قادیانیوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا قادیانی ذریت میں خدمت کے لئے مرد موجود نہ تھے جو مرزا قادیانی کی خدمت کر سکتے یہ عورتوں سے خدمت کروانا اور پھر خدمت بھی جسمانی طرفہ یہ کہ رات کی خلوت میں چہ معنی دارد۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں کسی غیر محرم سے مس کرنا تو درکنار خلوت کرنا بھی منع ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

الا لا رجل عند امراۃ طیب الا ان یکون ناکحٍ او ذا محرم۔[3]

خبردار کوئی مرد بھی کسی عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے مگر یہ کہ وہ نکاح کرنے والا ہو یا محرم۔

---

1 - ملخصاً سیرت المہدی جلد سوم ص126۔

2 - اخبار الحکم جلد 11 نمبر 13 مورخہ ۱۷ اپریل 1907ء۔

3 - صحیح مسلم 215/2۔

جبکہ مرزا قادیانی سے یہ عورتیں اس قدر بے تکلف تھیں کہ اس کے سامنے برہنہ ہونے میں بھی کوئی شرم محسوس نہ کرتی تھیں چنانچہ مرزا قادیانی کے مرید خاص مفتی صادق نے لکھا ہے کہ:

حضرت مرزا صاحب کے اندرون خانہ ایک نیم دیوانی عورت تھی ایک مرتبہ وہ کپڑے اتار کر مرزا قادیانی کے کمرے میں نہانے لگی حالانکہ مرزا صاحب کمرے میں موجود تھے۔[1]

مرزا قادیانی کا ایک اور مرید خاص سراج الحق ایک واقعہ نقل کرتا ہے کہ:

ایک عورت مرزا صاحب کے کمرے میں ننگی نہائی پھر اٹھ کر کبڑی کبڑی ٹیڑھی ٹیڑھی جا کر مرزا قادیانی کے پاس سے کپڑے اٹھالائی۔[2]

اس کے علاوہ بھی مرزا قادیانی کی زندگی میں وہ تمام رنگینیاں اور عیب موجود تھے جو کسی آوارہ، بازاری اور بدکردار شخص میں پائے جاتے ہیں چند عادات ملاحظہ فرمائیں:

مرزا قادیانی شراب بھی پیا کرتا تھا اپنے مرید حکیم محمد حسین قادیانی کو ایک خط میں لکھتا ہے:

مجبی اخویم محمد حسین السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ: اس وقت میاں یار محمد بھیجا جاتا ہے آپ اشیائے خریدنی خود خریدیں اور ایک بوتل ٹانک وائن کی پلومر کی دکان سے خریدیں مگر ٹانک وائن چاہئے اس کا لحاظ رہے باقی خیریت ہے۔[3]

ٹانک وائن ایک قسم کی طاقتور اور نشہ دینے والی شراب ہے جو ولائیت سے سربند بوتلوں میں آتی تھی اور اس زمانے میں اس کی قیمت ساڑھے پانچ روپے تھی۔[4]

مرزا قادیانی جس تاکید سے حکیم حسین کو ٹانک وائن کے خریدنے کا پابند کر رہا ہے کیا یہ مرزا

---

1 - ذکر حبیب ص38۔

2 - تذکرہ المہدی ص355۔

3 - خطوط امام بنام غلام ص5۔

4 - سودائے مرزا ص39 حاشیہ۔

قادیانی کے عادی شرابی اور تجربہ کار ہونے پر دلیل نہیں؟

مرزا قادیانی کو افیون کے استعمال کی بھی عادت تھی چنانچہ مرزا قادیانی کا لڑکا مرزا محمود لکھتا ہے:

حضرت مسیح موعود نے تریاق الٰہی دوا خدا تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق بنائی اور اس کا ایک بڑا جزا افیون تھا اور یہ دوا کسی قدر اور افیون کی زیادتی کے بعد حضرت خلیفہ اول حکیم نور الدین کو مسیح موعود چھ ماہ سے زائد عرصہ تک دیتے رہے اور خود بھی وقتاً فوقتاً مختلف امراض کے دوروں کے وقت استعمال کرتے رہے۔[1]

مرزا قادیانی کو تھیٹر دیکھنے کا شوق بھی تھا جس کو مختلف حیلے بہانوں سے پورا کرتا تھا، مرزا قادیانی کا نام نہاد صحابی مفتی محمد صادق اپنا واقعہ بیان کرتا ہے کہ:

ایک شب دس بجے کے قریب میں تھیٹر میں چلا گیا جو مکان کے قریب ہی تھا اور تماشا ختم ہونے پر دو بجے رات کو واپس آیا، صبح منشی ظفر احمد صاحب نے میری عدم موجودگی میں حضرت مسیح موعود کے پاس میری شکایت کی کہ مفتی صاحب رات کو تھیٹر چلے گئے تھے، حضرت مسیح موعود نے فرمایا ایک دفعہ ہم بھی گئے تھے۔[2]

اس دین کے کیا کہنے جس کا نبی بھی تھیٹر میں اور صحابی بھی۔

مرزا قادیانی پر شاعری کا بھوت بھی سوار تھا لیکن اس کی طبیعت کے عین مطابق اس کی شاعری بھی حیاسوز اور فحاشی کا مرکز تھی، مرزا قادیانی کے عارفانہ کلام میں سے چند اشعار پیش خدمت ہیں:

چپکے چپکے حرام کروانا آریوں کا حصول بھاری ہے
نام اولاد کے حصول کا ہے ساری شہوت کی بے قراری ہے

---

1 - اخبار الفضل 19 جولائی 1929ء۔

2 - ذکر حبیب ص 18۔

بیٹا بیٹا پکارتی ہے غلط یار کی اس آہ وزاری ہے

دس سے کروا چکی ہے زنا لیکن پاک دامن ابھی بے چاری ہے

زن بیگانہ پر یہ شیدا ہیں جس کو دیکھو وہی شکاری ہے

مرزائی امت کو چاہیئے کہ صبح سویرے نہار منہ گھر کی مستورات کو جمع کر کے اپنے نبی کا یہ عارفانہ کلام پڑھ کر سنایا کریں۔

مرزا قادیانی کی ساری جدوجہد حصول مال وزر کے لئے تھی جس کے لئے مختلف دینی خدمات کے بہانے لوگوں سے مال بٹورنا مرزا قادیانی کا خاص مشغلہ تھا، حتی کہ دعا کروانے کے عوض بھی بھاری بھاری رقوم کا مطالبہ کرتا تھا، مرزا قادیانی کا لڑکا بشیر احمد ایم اے ایسا ہی ایک واقعہ نقل کرتا ہے:

پٹیالہ کے ایک رئیس کے ہاں کوئی لڑکا پیدا نہ ہوا مرزا صاحب کے خواص سے دعا کی سفارش کروائی گئی ان کو جواب دیا کہ محض رسمی طور پر ہاتھ اٹھا دینے سے دعا نہیں ہوتی دو باتیں ضروری ہیں گہرا تعلق ہو یا دینی خدمت، رئیس سے کہو ایک لاکھ روپیہ دے تو پھر ہم دعا کریں گے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ اس کو ضرور لڑکا دے گا۔ (1)

قارئین کرام! دوا فروش تو آپ نے بہت دیکھے ہوں گے لیکن یہ دعا فروش پہلی مرتبہ دیکھ رہے ہوں گے، مرزا قادیانی کی عفت و پاکدامنی پر چند واقعات نقل کئے ہیں جن سے مرزا قادیانی کے تقدس کا خوب اندازہ ہو سکتا ہے مزید تفصیلات جاننے کے لئے "دجال قادیان یا ابلیس قادیان" کتاب کا مطالعہ کریں۔

مرزا قادیانی کے فرشتے

ابو البشر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے سید البشر سیدنا حضرت محمد مصطفی ﷺ تک سبھی انبیاء

---

1 - سیرت المہدی ج اول ص 257۔

کرام علیہم السلام پر وحی لانے کا فریضہ انجام دینے والے "فرشتے" ہیں اسی لئے نبوت کے جتنے جھوٹے دعویدار ہوئے ہیں ان سب نے بھی یہی دعوی کیا ہے کہ ہماری طرف بھی فرشتے ہی وحی لاتے ہیں۔ مرزا قادیانی نے بھی یہی دعویٰ کیا کہ مجھ پر فرشتوں کے ذریعے وحی آتی ہے لیکن متنبی قادیان پر وحی لانے والے فرشتے سب سے جدا ہیں مرزا قادیانی پر وحی لانے والے سب سے جدا ہیں مرزا قادیانی پر وحی لانے والے فرشتوں میں سے چند کی فہرست مندرجہ ذیل ہے پڑھیۓ اور سر دھنئے۔ جب کسی سادہ لوح مسلمان کے ایمان کو لوٹنا مقصود ہوتا ہے تو قادیانی مرزا کے فرشتوں کو چھپاتے ہیں کہ کہیں وہ اس بات کو نہ سمجھ لے کہ مرزا نے نبوت کا دعوی کیا تھا۔۔۔۔ حالانکہ مرزا کی کتابوں کی کئی جگہ اس کے ماڈرن فرشتوں کا احوال ملتا ہے۔ قادیان کے انگریزی نبی پر فرشتے بھی انگریزی اسٹائل کے اترتے تھے، کمبخت اگر آج کے زمانے میں پیدا ہوا ہوتا تو شاید اسکے فرشتے فیشل وغیرہ کرواکے بھی آتے۔

5مارچ 1905ء کو خواب میں ایک فرشتہ دیکھا جس نے اپنا نام ٹیچی ٹیچی بتایا۔[1]

ایک فرشتہ میں نے بیس برس کے نوجوان کی شکل میں دیکھا صورت اس کی مثل انگریزوں کی تھی اور میز کرسی لگائے ہوئے بیٹھا تھا میں نے اس سے کہا آپ بہت ہی خوب صورت ہیں اس نے کہاہاں میں درشنی ہوں۔[2]

تین فرشتے آسمان سے آئے ایک کا نام خیراتی تھا۔[3]

ایک شخص خواب میں مٹھن لال نامی دیکھا گیا ہے مٹھن لال سے مراد ایک فرشتہ ہے[4]

---

[1] - خزائن جلد22ص346۔

[2] - ملفوظات ج4ص69 ۔

[3] - تذکرہ ص23 طبع چہارم۔

[4] - تذکرہ ص474 طبع چہارم۔

میں نے کشفی حالت میں دیکھا کہ ایک شخص جو مجھے فرشتہ معلوم ہوتا ہے مگر خواب میں محسوس ہوا کہ اس کا نام شیر علی ہے۔[1]

ایک فرشتہ مجھے خواب میں ملا جو چھوٹے لڑکے کی شکل میں تھا میں نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ وہ کہنے لگا میرا نام حفیظ ہے۔[2]

کسی نے صحیح کہا ہے جیسی روح ویسے فرشتے یعنی جیسا نبی ویسے فرشتے۔

مرزا قادیانی کے کشوف والہامات

انبیائے کرام علیہم السلام کا کلام فصاحت و بلاغت کا مرقع ہوتا ہے جس سے حکمت و دانائی اور معرفت الٰہی کے چشمے پھوٹتے ہیں اور اسی طرح حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جس قوم میں تشریف لاتے ہیں اُن پر اسی قوم کی زبان میں وحی نازل ہوتی ہے قرآن مجید میں ہے "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم" ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کی زبان کے ساتھ تاکہ وحی اُن کے لیے خوب واضح ہوسکے۔ مرزا قادیانی بھی یہی بات لکھتا ہے کہ:

یہ بالکل غیر معقول اور بے ہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی اور ہو اور الہام کسی اور زبان میں ہو۔[3] لیکن اس کے برعکس مرزا قادیانی کو کئی زبانوں میں وحی ہوتی تھی اور پھر اس انگلستانی نبی کے الہامات وکشوف ایسے ہیں جنہیں پڑھ کر کبھی متلی آنے لگتی ہے اور کبھی اس کی فاتر العقلی و بے ہودگی پر ہنسی! یوں تو مرزا قادیانی کے الہامات کو بیان کرنے کے لیے کئی دفتر درکار ہیں، بطور نمونہ چند مختلف زبانوں کے الہامات پیش خدمت ہیں:

---

1 - تذکرہ ص24 طبع چہارم۔

2 - تذکرہ ص643 طبع چہارم۔

3 - خزائن ج23 ص218۔

فخان ان تعان و تعرف بین الناس۔(1) ایلی ایلی لما سبقتنی ایلی اوس۔(2)

پٹی پُٹیگئی۔(3) دوسرا الہام ہوا: واللہ واللہ! سیدھا ہو یا اولّٰی۔(4)

سلامت بر تو اے مرد سلامت۔(5) کرشن جی رودز گوپال۔(6)

I Love you۔ I am with you۔(7)

فتابرک من علم و تعلم خدا کی فیلنگ اور خدا کی مہر نے کتنا بڑا کام کیا۔(8)

اس کے علاوہ مرزا قادیانی کو بے معنی الہامات بھی ہوئے جن کی سمجھ مرزا قادیانی کو بھی نہ ہو سکی چند نمونے ملاحظہ کیجئے۔

الہام میں شیشی دکھائی گئی اس پر لکھا تھا" خاکسار پیپر منٹ"۔(9) ھو شعنا نعسا۔(10)

پریشن عمر پراطوس پلاطوس۔(11) ایک دانہ کس کس نے کھانا۔(12)

---

1 - تذکرہ ص548، طبع چہارم۔

2 - البشری جلد اول ص26۔

3 - تذکرہ ص٦٨١ طبع چہارم۔

4 - تذکرہ ص631 طبع چہارم۔

5 - تذکرہ ص638، طبع چہارم۔

6 - اخبار البدر 29، اکتوبر 1903ء۔

7 - تذکرہ ص ٩٢ طبع چہارم۔

8 - خزائن ج22 ص99۔

9 - الحکم قادیان 24 فروری 1905ء۔

10 - تذکرہ ص91 طبع چہارم۔

11 - تذکرہ ص91 طبع چہارم۔

12 - البشری ج2 ص107۔

خواب میں دکھائے گئے (۱) تین استرے (۲) عطر کی شیشی۔[1]

پیٹ پھٹ گیا (دن کے وقت کا الہام ہے)۔[2] ہیضہ کی آمدن ہونے والی ہے۔[3]

ایلی اوس۔[4] "خطرناک"۔[5]

مرزا قادیانی کی عبادات

حضرت انبیاء کرام علیہم السلام جہاں لوگوں کو اللہ کی اطاعت و فرمانبر داری کی طرف بلاتے ہیں وہاں خود بھی کثرت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت کرتے ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کا کیا کہنا کئی اولیاء ایسے گزرے ہیں جو ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھتے تھے ساری ساری رات عبادت میں گزارتے۔ جبکہ مرزا قادیانی کی عبادت و ریاضت کا حال ایک عام مسلمان سے بھی پتلا ہے، مرزا قادیانی کی عملی حالت کو دیکھیئے اور فیصلہ کیجئے کہ کیا ایسا شخص روحانیت کے کسی ادنیٰ درجے پر بھی فائز ہو سکتا ہے چہ جائیکہ نبوت و رسالت جیسے اعلیٰ منصب پر......؟

قریب چھ سات ماہ یا زیادہ عرصہ گزر گیا ہے کہ نماز کھڑے ہو کر نہیں پڑھی جاتی اور نہ بیٹھ کر اس وضع پر پڑھی جاتی ہے جو مسنون ہے اور قرأت میں شاید قل ھو اللہ بامشکل پڑھ سکوں۔[6]

حضرت مسیح موعود کو قرآن مجید کے بڑے بڑے مسلسل حصے یا بڑی بڑی سورتیں یاد

---

1 - تذکرہ ص774 طبع سوم۔

2 - تذکرہ ص568 طبع چہارم۔

3 - تذکرہ ص614، طبع چہارم۔

4 - تذکرہ ص71، طبع چہارم۔

5 - تذکرہ ص762، طبع چہارم۔

6 - مکتوبات احمدیہ جلد5 ص88۔

نہ تھیں۔[1]

ایک جمعہ کے دن حضرت مسیح موعود نماز جمعہ کے لیے جانے لگے تو مرزا مبارک احمد نے روک لیا اور جمعہ کے لیے نہیں جانے دیا اس پر مرزا صاحب نے نماز جمعہ چھوڑ دی۔[2]

جب حضرت مسیح موعود کو دورے پڑنے شروع ہوئے تو آپ نے اس سال سارے رمضان کے روزے نہیں رکھے۔ دوسرے سال آٹھ نو روزے رکھے باقی چھوڑ دیئے۔ تیسرے سال دس گیارہ روزے رکھے باقی چھوڑ دیئے۔ پھر اس کے بعد جتنے سال زندہ رہے کبھی روزے نہیں رکھے۔[3]

حضرت مسیح موعود نے حج نہیں کیا، زکوۃ نہیں دی، تسبیح نہیں رکھی۔[4]

قارئین کرام! مرزا قادیانی کی عملی زندگی کے چند گوشے آپ کے سامنے رکھے گئے ہیں جن سے مرزا قادیانی کی عملی حالت واضح ہے یقینا بڑے سے بڑا دعویٰ کرنے میں دو تولہ زبان کی حرکت ہے لیکن عمل سے دعوے کی صداقت ثابت کرنا صرف سچوں کا ہی کام ہے اور پھر مرزا قادیانی کی عبادت و ریاضت سے کنارہ کشی اس کے مریدین پر بھی واضح تھی اسی لیے وہ مرزا قادیانی سے اس متعلق سوال بھی کر لیا کرتے تھے چنانچہ مرزا قادیانی کا لڑکا بشیر احمد ایم اے لکھتا ہے کہ:۔ ایک دفعہ مرزا صاحب میاں رحیم بخش کے ساتھ سیر کر رہے تھے تو اس نے پوچھا کہ حضرت آپ سیر کرتے ہیں ولی لوگ تو سنا ہے شب و روز عبادت الٰہی کرتے ہیں آپ (مرزا قادیانی) نے جواباً فرمایا ولی اللہ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک مجاہدہ کش جیسے، حضرت باوا فرید شکر گنج دوسرے محدث جیسے

---

[1] - سیرت المہدی جلد سوم ص44۔

[2] - ذکر حبیب ص172۔

[3] - سیرت المہدی جلد دوم ص65۔

[4] - سیرت المہدی ج3ص119۔

ابوالحسن خرقانی، مجدد الف ثانی وغیرہ دوسرے قسم کے ولی بڑے مرتبہ کے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے بہ کثرت کلام کرتا ہے میں ان میں سے ہوں (کیا یہ حضرات عابد وزاہد نہ تھے؟اور پھر مرزا کو کس نے محدث کہا؟اور کیا عمل کی بجائے صرف دعوے کرنے سے انسان متقی کہلا سکتا ہے؟

مرزا قادیانی بیماریوں کا پتلا

یہ بات مسلّم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے روحانی اور جسمانی قویٰ بالکل بے عیب اور عام لوگوں کے قویٰ سے مضبوط ممتاز اور برتر ہوتے ہیں ہاں انہیں بتقاضہ بشریت عارضی طور پر بعض بیماریاں مثلاً بخار، سر درد وغیرہ لاحق ہو سکتیں ہیں لیکن ایسا نہ ہو گا کہ انبیاء کرام علیھم السلام ایسے موذی امراض میں مبتلا ہوں جو انہیں قبر تک پہنچا دیں اس کے برعکس مرزا قادیانی بیسیوں بیماریوں کا مجموعہ تھا حالانکہ دعویٰ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تندرستی کی بشارت دی ہوئی ہے لکھتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے مجھے بشارت دی کہ ہر ایک خبیث عارضہ سے تجھے محفوظ رکھوں گا۔ [1]

دوسری جگہ اپنے الہام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

اے مرزا ہم نے تیری صحت کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ [2]

لیکن حفاظت کے اس خدائی وعدے اور ٹھیکے کے باوجود مرزا قادیانی مجموعہ امراض تھا اور اس کی بیماریوں کو گننا بھی آسان کام نہیں چند بیماریاں مندرجہ ذیل ہیں:

مراق اور کثرت پیشاب: مجھے دو بیماریاں لاحق ہیں ایک اوپر کے دھڑ کی اور ایک نیچے کے دھڑ کی یعنی مراق اور کثرت پیشاب۔ [3]

---

[1] - روحانی خزائن ج17، ص419۔

[2] - تذکرہ ص806۔

[3] - ملفوظات 4/445۔ خزائن ج17 ص470۔

حافظے کی تباہی: میرا حافظہ خراب ہے اگر کئی دفعہ کسی کی ملاقات ہو تب بھی بھول جاتا ہوں...... حافظہ کی یہ ابتری ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔[1]

مائی اوپیا: حضرت مرزا صاحب کی آنکھوں میں مائی اوپیا تھا اس وجہ سے پہلی رات کا چاند نہ دیکھ سکتے تھے۔[2]

نامردی: جب میں نے نئی شادی کی تھی تو مدت تک مجھے یقین رہا کہ میں نامرد ہوں۔[3]

عصبی کمزوری: حضرت مرزا صاحب کی تمام تکالیف مثلاً دوران سر، درد سر، کمی خواب، تشنجِ دل، بد ہضمی، اسہال، کثرت پیشاب اور مراق وغیرہ کا صرف ایک ہی باعث تھا اور وہ عصبی کمزوری تھا۔[4]

مرزا قادیانی کے دعوے

تاریخ میں بہت سے جھوٹے مدعی نبوت گزرے ہیں لیکن اُن میں سے بہت کم مدعی ایسے ہیں جن کے دعووں کی تعداد دو یا تین سے متجاوز ہو ہاں البتہ مرزا قادیانی اس میدان میں بھی سب سے جدا ہے مرزا قادیانی نے اس کثرت سے دعوے کیے ہیں کہ اُن کا شمار ایک عام آدمی کے لیے بالکل محال ہے اور پھر دعوے بھی اتنے مضحکہ خیز تناقض اور متضاد ہیں کہ یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ مرزا قادیانی جاندار ہے یا بے جان، انسان ہے چھلاوہ مرد ہے یا عورت، مسلمان ہے یا ہندو، مہدی ہے یا حارث، ولی ہے یا نبی، چند دعاوی جات آپ بھی ملاحظہ فرمائیں شاید کہ فیصلہ کر سکیں:

کرم خاکی ہو میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار۔[5]

---

1 - مکتوبات احمدیہ حصہ پنجم ص31۔

2 - سیرت المہدی حصہ 3 ص119۔

3 - مکتوبات احمدیہ جلد پنجم ص21، نمبر2۔

4 - رسالہ ریویو قادیان بابت مئی 1937ء۔

5 - روحانی خزائن ج21، ص127۔

اس شعر میں مرزا قادیانی نے خود کو انسان کی شرم اور عار کی جگہ کہا ہے تعین مرزائیوں کے ذمے ہے۔

حدیث شریف میں میرا نام "سور مار" رکھا گیا ہے کیونکہ مسیح کی تعریف میں ہے "یقتل الخنزیر"[1]

خدا نے مجھے مسلمانوں اور عیسائیوں کے لیے مسیح موعود بنا کر بھیجا ہے ایسا ہی میں ہندوؤں کے لیے بطور اوتار کے ہوں۔[2]

خدا تعالیٰ نے بار بار میرے پر ظاہر کیا ہے کہ جو کرشن آخری زمانے میں ظاہر ہونے والا تھا وہ تو ہی ہے "آریوں کا بادشاہ"۔[3]

میں اس گورنمنٹ کے لیے بطور ایک تعویذ کے ہوں اور بطور ایک پناہ کے ہوں جو آفتوں سے بچاوے۔[4]

بقول مرزا قادیانی اسے الہام ہوا "وانا خاتم الاولیا" میں خاتم الاولیاء ہوں۔[5]

میں وہ مجدد ہوں کہ جو خدا تعالیٰ کے حکم سے آیا ہے اور بندہ مدد یافتہ ہوں وہ مہدی ہوں جس کا آنا مقرر ہو چکا اور وہ مسیح ہوں جس کے آنے کا وعدہ تھا۔[6]

ایک شخص نے میرے پاؤں کو چوما اور میں نے (اسے) کہا کہ حجر اسود میں ہوں۔[7]

---

[1] - ذکر حبیب ص162۔

[2] - روحانی خزائن ج20 ص228۔

[3] - روحانی خزائن ج22 ص521، 522۔

[4] - روحانی خزائن ج8 ص45۔

[5] - روحانی خزائن ج16، ص70۔

[6] - روحانی خزائن ج16، ص51۔

[7] - تذکرہ ص29، طبع چہارم۔

خدا نے اپنے الہامات میں میرا نام بیت اللہ رکھا ہے۔[1]

بقول مرزا قادیانی اسے الہام ہوا: میں تو بس قرآن ہی کی طرح ہوں۔[2]

اس (اللہ) نے براہین احمدیہ کے تیسرے حصہ میں میرا نام مریم رکھا، یہ ہے مرزا قادیانی کے چند دعوؤں کی سرسری فہرست کیا کوئی انسان بقائی ہوش و حواس اور بشرط عقل خرد مرزا قادیانی کو مجدد، مسیح، ولی، یا نبی تو درکنار اسے صحیح الدماغ انسان متصور کر سکتا ہے؟ اور اسکی پیروی کو باعث نجات تصور کر سکتا ہے۔

مرزا قادیانی کذاب ہے

جھوٹ ایک ایسی بُری خصلت ہے جسے نہ صرف اسلام بلکہ ہر مذہب سے تعلق رکھنے والا بُرا جانتا ہے، اس کے علاوہ جھوٹ بولنا ایک معاشرتی اور اخلاقی عیب بھی ہے اس لیے انبیاء علیہم السلام کی ذوات قدسیہ جھوٹ سے مکمل بری ہوتے ہیں اسی لئے مرزا قادیانی جیسے کذاب نے بھی اپنی کتابوں میں کئی جگہ جھوٹ کی برائی بیان کی ہے، نیز جھوٹ کے متعلق مرزا صاحب کے اپنے فتوے بھی ملاحظہ فرمائیں:

1۔ جھوٹ بولنا مرتد ہونے سے کم نہیں۔[3]

2۔ جھوٹ بولنے سے بدتر دنیا میں اور کوئی برا کام نہیں۔[4]

3۔ تکلّف سے جھوٹ بولنا گوہ (پاخانہ) کھانے کے مترادف ہے۔[5]

---

1 - تذکرہ ص28 طبع چہارم۔

2 - تذکرہ ص570، طبع چہارم۔

3 - ضمیمہ تحفہ گولڑویہ حاشیہ ص20، روحانی خزائن ص56ج17۔

4 - تتمہ حقیقت الوحی ص26، روحانی خزائن 22/459۔

5 - ضمیمہ انجام آتھم ص59، روحانی خزائن ص343ج11، حقیقت الوحی ص206ج22۔

4۔ جھوٹ کے مردار کو کسی طرح نہ چھوڑنا یہ کتوں کا طریق ہے نہ انسانوں کا۔[1]

5۔ ایسا آدمی جو ہر روز خدا پر جھوٹ بولتا ہے اور آپ ہی ایک بات تراشتا اور پھر کہتا ہے کہ یہ خدا کی طرف سے وحی ہے جو مجھ پر ہوئی ہے ایسا بد ذات انسان تو کتوں اور سوؤروں اور بندروں سے بدتر ہے[2]

اب ہم مرزا کے چند ایک جھوٹ پیش کرتے ہیں اس کے کذبات کا کماحقہ احاطہ کرنا بہت مشکل ہے ہم نمونے کے طور پر چند اکاذیب مرزا بیان کریں گے۔

1۔ اولیاو گزشتہ کے کشوف نے اس بات پر قطعی مہر لگادی ہے کہ وہ چودھویں صدی کے سر پر پیدا ہوگا اور نیز یہ کہ پنجاب میں ہوگا۔[3]

﴿مطبع قادیان میں انبیاء کا لفظ ہے بعد کے ایک ایڈیشن میں یہ وضاحت کی گئی کہ یہ لفظ غلطی سے لکھا گیا اور اب نئے ایڈیشن میں یہ وضاحت بھی حذف کر دی گئی ہے﴾

اولیاء جمع کثرت ہے اور جمع کثرت دس سے اوپر ہوتی ہے اس لئے کم از کم دس معتمد اولیاء کے نام پیش کرو جنہوں نے بذریعہ کشف مہر لگائی ہو اور ولی ایسا ہو جس کو دونوں فریق صحیح ولی مانیں، مرزا کا یہ سفید جھوٹ ہے کسی مسلمہ ولی نے اس بات کی تصریح نہیں کی کہ مہدی چودھویں صدی میں ہوگا اور نیز یہ کہ پنجاب میں ہوگا، یہ تمام اولیاء کرام پر جھوٹ ہے۔

2۔ اے عزیزو تم نے وہ وقت پایا ہے جس کی بشارت تمام نبیوں نے دی ہے اور اس شخص کو یعنی مسیح موعود کو تم نے دیکھ لیا جس کے دیکھنے کیلئے بہت سے پیغمبروں نے بھی خواہش کی تھی۔[4]

یہ بھی بالکل صاف جھوٹ ہے کسی ایک پیغمبر سے یہ خواہش کرنا ثابت نہیں ہے۔

---

1 - انجام آتھم مطبع قادیان ص40، روحانی خزائن 11 / 43۔

2 - براہین احمدیہ 5 / 125، 126۔ روحانی خزائن 21 / 292۔

3 - اربعین نمبر2 ص23 طبع چناب نگر (ربوہ)، روحانی خزائن 17 / 371۔

4 - اربعین نمبر4 ص13، روحانی خزائن 17 / 442۔

3۔ یہ بھی یاد رہے کہ قرآن شریف میں بلکہ توراۃ کے بعض صحیفوں میں بھی یہ خبر موجود ہے کہ مسیح موعود کے وقت میں طاعون پڑے گی بلکہ مسیح علیہ السلام نے بھی انجیل میں یہ خبر دی ہے۔ (1)

اسی عبارت کے متعلق اسی صفحہ پر حاشیہ لکھا: مسیح موعود کے وقت میں طاعون کا پڑنا بائبل کی ذیل کی کتابوں میں موجود ہے: زکریا باب 14 آیت 12 بائبل 891، انجیل متی باب 24 آیت 8، مکاشفات باب 22 آیت 8، عہد نامہ جدید ص259۔ اس عبارت میں ایک جھوٹ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی چار آسمانی کتابوں پر چار عدد جھوٹ ہیں، مذکورہ کتب کے مذکورہ صفحات پر ہرگز مسیح موعود کے وقت طاعون کے پڑنے کا ذکر نہیں ہے۔

4۔ ہمارے نبی اکرم ﷺ نے اور نبیوں کی طرح ظاہری علم کسی استاد سے نہیں پڑھا مگر عیسی علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام مکتبوں میں بیٹھے تھے اور حضرت عیسیٰ نے ایک یہودی استاد سے تمام توراۃ پڑھی تھی۔۔۔۔۔۔ سو آنے والے کا نام جو مہدی رکھا گیا سو اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ آنے والا علم دین خدا سے ہی حاصل کرے گا اور قرآن وحدیث میں کسی استاد کا شاگرد نہیں ہو گا سو میں یہ حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرا حال یہی حال ہے کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی انسان سے قرآن وحدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہو یا کسی مفسر یا محدث کی شاگردی اختیار کی ہو۔ (2)

یہ بھی صریح جھوٹ ہے، حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام نے کون سے مکتبوں میں بیٹھ کر تعلیم حاصل کی؟ یہ ان انبیاء پر صریح الزام ہے، قرآن واحادیث صحیحہ سے ثابت کرو کہ حضرت عیسیٰ نے کون سے یہودی عالم سے توراۃ پڑھی تھی، حالانکہ قرآن پاک میں ہے "ویعلمهم الکتاب

---

1 - کشتی نوح ص5، روحانی خزائن 5/19۔

2 - ایام صلح ص147، روحانی خزائن، 14/394۔

والحکمۃ والتوراۃ والانجیل "یعنی میں خود ان کو تعلیم دوں گا اسی طرح قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے "واذاعلمتك الکتاب والحکمۃ والتوراۃ والانجیل" اور جب میں نے کتاب اور حکمت توراۃ وانجیل سکھائی۔ اس میں بھی تعلیم کی نسبت خدا تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے آگے جو اپنے بارے میں لکھا ہے کہ میرا ایہی حال ہے...... الخ۔ یہ بھی صاف جھوٹ ہے ہم ثابت کرتے ہیں کہ مرزا کے متعدد اساتذہ تھے۔

کتاب البریۃ ص 161 تا163، روحانی خزائن ص180، 181، ج13 کے حاشیہ پر اس کے اپنے ہاتھوں سے اس کی تعلیم کا حال موجود ہے جیسا کہ شروع میں گذر چکا ہے۔

5۔ احادیث صحیحہ میں آیا تھا کہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا اور چودھویں صدی کا مجدد ہو گا۔ (1)

احادیث جمع کثرت ہے اس لئے کم از کم دس احادیث صحیحہ متواترہ دکھاؤ جن میں مسیح موعود کے چودھویں صدی کے سر پر آنے کے الفاظ وغیرہ موجود ہوں مگر ہمارا دعویٰ ہے کہ مرزائی امت تا قیامت کوئی ایک بھی صحیح حدیث نہیں دکھا سکتی، یہ حضور ﷺ پر صریح افتراء اور بہتان ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا:

"من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار "یعنی جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا پس وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے، لہذا یہ جھوٹ بول کر بھی مرزا جہنمی ہوا۔

یہ مرزا قادیانی کے چند جھوٹ آپ کے سامنے نقل کیے ہیں اگر آپ اس دجال کی کتب کی چھان بین کریں تو جھوٹ اور کذب کی کئی عبارتیں آپ کو مزید بھی مل سکتی ہیں آپ مرزا قادیانی کے فتووں کو سامنے رکھیں اور فیصلہ کریں کہ کیا مرزا قادیانی شرک نہیں کر رہا؟ کیا مرزا قادیانی کتوں

---

1 - ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص188، روحانی خزائن ج21 ص359۔

کے طریق پر نہیں چل رہا؟ کیا مرزا قادیانی جھوٹ بول کر پاخانہ نہیں کھا رہا؟ اور کیا مرزا قادیانی وہ کام نہیں کر رہا جس کے کرنے میں ولد الزنا کنجر بھی شرماتے ہوں۔

مرزا قادیانی کی غلیظ زبان

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصیات میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ مقدس وجود تہذیب و اخلاق اور صبر و تحمل کے پہاڑ ہوتے اور کسی کی سخت کلامی پر بھی اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے اور اپنی برگشتہ قوم کو اپنی شریں زبانی اور نرم خوئی کے ذریعے راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے لیکن اس کے برعکس انبیاء علیہم السلام کا مظہر اتم ہونے کا دعوے دار مرزا قادیانی سراسر اخلاقی کمزوریوں، نکتہ چینیوں، بدگوئیوں اور بدکلامیوں سے لبریز تھا مرزا قادیانی اپنے مخالفین کو گالیاں تک دینے سے بھی گریز نہ کرتا تھا۔ مرزا قادیانی نے مختلف مذاہب کے لوگوں کو جو گالیاں دیں ہیں ان کی لمبی فہرست ہے چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔

مسلمانوں کو گالیاں: جو ہماری فتح کا قائل نہیں ہو گا تو صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو والد الحرام بننے کا شوق ہے اور وہ حلال زادہ نہیں۔ [1]

ہر شخص میری دعوت کی تصدیق کرتا ہے اور اُسے قبول کرتا ہے مگر کنجریوں کی اولاد نے میری تصدیق نہیں کی۔ [2]

دشمن ہمارے بیابانوں کی خنزیر ہو گئے اور اُن کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئیں۔ [3]

علماء کرام اور اولیاء اللہ کو گالیاں: یہ مولوی دنیا میں سب جانداروں سے زیادہ پلید اور کراہت کے

---

1 - روحانی خزائن ج9 ص31۔

2 - خزائن ج5 ص547، 548۔

3 - روحانی خزائن ج14، ص53۔

لائق خنزیر ہیں مگر خنزیر سے زیادہ پلید لوگ وہ ہیں۔[1]

اے مردار خور مولویو اور گندی روحو تم پر افسوس، اے اندھیرے کے کیڑو۔[2]

بعض جاہل سجادہ نشین اور فقیری اور مولویت کے شتر مرغ۔[3]

عیسائیوں کو گالیاں یہ مردہ پرست لوگ (عیسائی) کیسے جاہل اور خبیث طینت ہیں۔[4]

آریوں کو گالیاں: قادیان کے احمق اور جاہل اور کمینہ طبع بعض آریہ۔[5]

اے نادان آریو کسی کنوئیں میں پڑ کر ڈوب مرو۔[6]

قادیانی کتب میں مختلف مذاہب کے لوگوں کو دی گئی گالیوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے جن کو حروف تہجی کی ترتیب سے حضرت مولانا نور محمد سہارنپوری نے اپنی کتاب "مغلظات مرزا" میں جمع کر دیا ہے۔

مرزا قادیانی ایک مخبوط الحواس شخص تھا

مرزا قادیانی کا لڑکا لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت صاحب نے اپنی چھڑی میاں محمد علی لاہوری کو پکڑائی جب کچھ دیر بعد محمد علی لاہوری نے وہ چھڑی مرزا صاحب کو دی تو انہوں نے چھڑی کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا کس کی ہے تو بتایا گیا آپ ہی کی ہے اس پر مرزا قادیانی نے کہا اچھا ہم سمجھے تھے کہ آپ کی ہے۔[7]

---

1 - روحانی خزائن ج11 ص305۔

2 - المرجع السابق۔

3 - روحانی خزائن ج11 ص302۔

4 - روحانی خزائن ج11 ص292۔

5 - روحانی خزائن ج18 ص387۔

6 - روحانی خزائن ج10 ص64۔

7 - سیرت المہدی جلد اول ص227۔

ایک مرتبہ مرزا صاحب لکھنے میں مصروف تھے کہ خادمہ نے کھانا لا کر سامنے رکھ دیا اور بتا کر خود چلی گئی آپ دوبارہ لکھنے میں مصروف ہو گئے ایک کتا آیا اور بڑے اطمینان سے کھانا کھا کر چلا گیا لیکن مرزا صاحب کو پتہ نہ چل سکا۔ (معلوم نہیں کہ مرزا قادیانی کے پاس کتوں کا آنا جانا اس کثرت سے کیوں تھا شاید کہ جیسی روح ویسے ہی فرشتے والی بات ہو)۔[1]

مرزا قادیانی ایسا مخبوط الحواس تھا کہ وہ کام جو معمولی سمجھ رکھنے والا شخص بھی با آسانی کر لیتا ہے مرزا وہ بھی نہ کر پاتا تھا۔ چند دل آویز نمونے پیش خدمت ہیں۔ مرزا قادیانی کا بیٹا لکھتا ہے کہ: مرزا صاحب جوتے پہننے میں الٹے سیدھے کی پہچان نہ سکتے تھے بسا اوقات الٹی جوتی پہن لیتے تھے والدہ صاحبہ (مرزا کی بیوی) نے الٹے سیدھے کا پاؤں کی شناخت کے لیے نشان بھی لگا دیئے مگر باوجود اس کے الٹا پہن لیتے تھے (ذکاوت ہو تو ایسی ہو)۔[2]

بعض دفعہ جب جراب پہنتے تو اس کی ایڑی نیچے کی طرف نہیں بلکہ اوپر کی طرف ہو جاتی۔[3]

مرزا قادیانی کا بیٹا لکھتا ہے: بارہا ایک کاج کا بٹن دوسرے کاج میں لگا ہوتا تھا۔[4]

مرزا صاحب کھانا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہمیں تو کھانا کھا کر یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کیا پکا تھا اور ہم نے کیا کھایا ہے۔[5] بعض اوقات کسی خادم کا ذکر غائب کے صیغے کے ساتھ کرتے حالانکہ وہ ساتھ ہوتا تھا۔[6]

---

1 - ملخصاً سیرت مسیح موعود ص30۔

2 - ملخصاً سیرت المہدی ج اول ص 53۔

3 - سیرت المہدی ج2 ص57۔

4 - المرجع السابق۔

5 - سیرت المہدی ج2 ص131۔

6 - سیرت المہدی ج2 ص77۔

قارئین کرام! یہ ہے مرزا قادیانی کی دماغی حالت، کیا ایسا فاتر العقل شخص صحیح الدماغ انسانوں میں رہنے کے قابل ہو سکتا ہے اور کیا ایسا مخبوط الحواس شخص کسی انسانی غول کا ھادی، رہبر بن سکتا ہے، اور ایسا مسلوب الحواس اور ماؤف الدماغ شخص وحی الٰہی اور الہام شیطانی میں فرق کر سکتا ہے؟

مرزا قادیانی کا دعویٰ نبوت

مرزا قادیانی کا دعویٰ نبوت بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں اور انصاف فرمائیں کہ کس قدر صراحت کے ساتھ اس نے خود کو نبی کہا ہے:

"میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی ہوں۔ یعنی بھیجا گیا بھی اور خدا سے غیب کی خبریں پانے والا بھی"۔[1]

"خدا تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء علیہم السلام کا مظہر ٹھہرایا ہے اور تمام نبیوں کے نام میری طرف منسوب کیے ہیں، میں آدم ہوں، میں شیث ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحٰق ہوں، میں اسمٰعیل ہوں، میں یعقوب ہوں، میں یوسف ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں، میں عیسیٰ ہوں اور آنحضرت ﷺ کے نام کا میں مظہر اتم ہوں یعنی ظلی طور پر محمد اور احمد ہوں"۔[2]

اسی طرح ایک اور مقام پر کہتا ہے:

میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا اور میرا نام نبی رکھا۔[3]

---

1 - ایک غلطی کا ازالہ، صفحہ 7، مندرجہ روحانی خزائن جلد 18، صفحہ 211، از مرزا قادیانی۔

2 - حقیقت الوحی، (حاشیہ) صفحہ 73، مندرجہ روحانی خزائن، جلد 22، صفحہ 76، از مرزا قادیانی۔

3 - تتمہ حقیقۃ الوحی 68۔

انہی وجوہات کی بنا پر علماء اسلام نے متفقہ فتویٰ جاری کیا ہے کہ قادیانی جتنے بھی ہیں خواہ وہ اسلام چھوڑ کر مرتد ہوئے ہوں، یا قادیانیوں کے گھر میں پیدا ہوئے ہوں اور یہ کفر ان کو ورثے میں ملا ہو، ان سب کا ایک ہی حکم ہے یعنی مرتد اور زندیق کا؛ کیوں کہ ان کا جرم صرف یہ نہیں کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر کافر بنے ہیں، بلکہ ان کا جرم یہ ہے کہ دین اسلام کو کفر کہتے ہیں، اور اپنے دین کفر کو اسلام کا نام دیتے ہیں، اور یہ جرم ہر قادیانی میں پایا جاتا ہے۔

اور یہ بھی تمام مکاتبِ فکر کا متفقہ فتوی ہے کہ قادیانیوں / مرزائیوں سے خرید و فروخت، تجارت، لین دین، سلام و کلام، ملنا جلنا، کھانا پینا، شادی و غمی میں شرکت، جنازہ میں شرکت، تعزیت، عیادت، ان کے ساتھ تعاون سب شریعتِ اسلامیہ میں سخت ممنوع اور حرام ہیں، قادیانیوں کا مکمل بائیکاٹ ان کو توبہ کرانے میں بہت بڑا علاج اور ان کی اصلاح اور ہدایت کا بہت بڑا ذریعہ اور ہر مسلمان کا اولین ایمانی فریضہ ہے اور رسول اللہ ﷺ سے محبت کی نشانی ہے، لہذا کسی بھی مرزائی سے تعلقات رکھنا جائز نہیں ہے۔

نواب احمد رضا خان

احمد رضا خان ہندوستان کے صوبے اتر پردیش (یوپی) میں واقع بریلی شہر میں ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے ان کے والد نقی علی اور دادا رضا علی کا شمار مشہور علماء میں ہوتا ہے ان کی پیدائش 14 جون 1865 میں ہوئی، ان کا نام محمد رکھا گیا، والدہ نے ان کا نام امن میاں رکھا، والد نے احمد میاں اور دادا نے احمد رضا۔[1]

لیکن احمد رضا ان اسماء میں سے کسی پر بھی مطمئن نہ ہوئے اور اپنا نام عبد المصطفیٰ رکھ لیا،[2] اور خط وکتابت میں اسی نام کا استعمال کثرت سے کرتے رہے، جناب احمد رضا کا رنگ نہایت سیاہ تھا، ان کے مخالفین انہیں اکثر چہرے کی سیاہی کا طعنہ دیا کرتے تھے، اس بات کا اعتراف ان کے بھتیجے نے بھی کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

> ابتدائی عمر میں آپ کا رنگ گہرا گندمی تھا، لیکن مسلسل محنت ہائے شاقہ نے آپ کی رنگت کی آب وتاب ختم کر دی تھی، جناب احمد رضا نحیف ونزار تھے، درد گردہ اور دوسری کمزور کر دینے والی بیماریوں میں مبتلا تھے، کمر کی درد کا شکار رہتے، اسی طرح سر درد اور بخار کی شکایت بھی عموماً رہتی، ان کی دائیں آنکھ میں نقص تھا، اس میں تکلیف رہتی اور وہ پانی اتر آنے سے بے نور ہو گئی تھی، طویل مدت تک علاج کراتے رہے مگر وہ ٹھیک نہ ہو سکی۔[3]

---

1 ۔ملاحظہ ہو دائرۃ المعاف الاسلامیہ اردو جلد 4 ص 485، 487، مطبوعہ پنجاب 1969ء / اعلیٰ حضرت بریلوی از بستوی ص 125 ایضاً حیات اعلیٰ حضرت 1 / 1، از ظفر الدین بہاری رضوی مطبوعہ کراچی / تذکرۃ علمائے ہند ص 64۔

2 ۔من ہو احمد رضا، از شجاعت علی قادری ص 15۔

3 ۔اعلیٰ حضرت از بستوی ص 28، 20۔ حیات اعلیٰ حضرت مصنفہ ظفر الدین بہاری 1 / 35۔ مضمون حسنین رضا درج شدہ اعلیٰ حضرت بریلوی ص 20۔ ملفوظات اعلیٰ حضرت ص 64، 21، 20۔

بہت تیز مزاج تھے، بہت جلد غصے میں آجاتے، زبان کے مسئلے میں بہت غیر محتاط اور لعن طعن کرنے والے تھے، فحش کلمات کا کثرت سے استعمال کرتے، بعض اوقات اس مسئلے میں حد سے زیادہ تجاوز کر جاتے اور ایسے کلمات کہتے کہ ان کا صدور صاحب علم وفضل سے تو در کنار، کسی عام آدمی کے بھی لائق نہ ہوتا۔[1]

بریلویت کے مؤسس و مجدد جناب احمد رضا نہایت فحش اور غلیظ زبان استعمال کرتے تھے، ذیل میں ان کی غیر مہذبانہ زبان کے چند نمونے ذکر کئے جاتے ہیں، وہ اپنی کتاب وقعات السنان میں رقمطراز ہیں:

ضربت مرداں دیدی نقمت رحمٰن کشیدی۔ تھانوی صاحب! اس دسویں کہاوی پر اعتراضات میں ہمارے اگلے تین پر پھر نظر ڈالئے۔ دیکھئے وہ رسلیا والے پر کیسے ٹھیک اتر گئے، کیا اتنی ضربات عظیم کے بعد بھی نہ سوجی ہو گی۔[2]

رسلیا کہتی ہے میں نہیں جانتی میری ٹھہرائی پر اتر۔۔۔۔۔ دیکھوں تو اس میں تم میری ڈیڑھ گرہ کیسے کھولے لیتے ہو۔[3]

اف ہی رسلیا تیرا بھول پن۔ خون پونچھتی جا اور کہہ خدا جھوٹ کرے۔[4]

رسلیا والے نے۔۔۔۔۔ اپنی دوشقی میں تیرا احتمال بھی داخل کر لیا۔[5]

اپنی کتاب خالص الاعتقاد میں مولانا حسین احمد مدنی کے متعلق لکھتے ہیں:

---

[1] ۔انوار رضا ص358،۔الفاضل البریلوی مصنفہ مسعود احمد ص199۔

[2] ۔وقعات السنان ص51 مطبوعہ کراچی بحوالہ "شریعت حضرت محمد مصطفیٰ اور دین احمد رضا" از ملک حسن علی بی اے۔

[3] ۔المرجع السابق۔

[4] ۔المرجع السابق ص60۔

[5] ۔المرجع السابق، ص27۔

کبھی کسی بے حیاء ناپاک گھنونی سی گھنونی، بے باک سے بے باک، پاجی کمینی گندی قوم نے اپنے خصم کے مقابلے بے دھڑک ایسی حرکات کیں؟ آنکھیں میچ کر گندہ منہ پھاڑ کر ان پر فخر کئے؟ انہیں سر بازار شائع کیا؟ اور ان پر افتخار ہی نہیں بلکہ سنتے ہیں کہ ان میں کوئی نئی نویلی، حیا دار، شرمیلی، بانکی، نکیلی، میٹھی، رسیلی، اچپل البیلی، چنچلا نیلی، اجودھیاباشی آنکھ یہ تان لیتی اوبجی ہے "ناچنے ہی کو جو نکلے تو کہاں گھونگھٹ" اس فاحشہ آنکھ نے کوئی نیا غمزدہ تراشا اور اس کا نام "شہاب ثاقب" رکھا ہے۔[1]

اسی کتاب میں فرماتے ہیں:

کفر پارٹی وہابیہ کا بزرگ ابلیس لعین۔۔۔۔ خبیثو! تم کافر ٹھہر چکے ہو۔ ابلیس کے مسخرے، دجال کے گدھے۔۔۔۔ ارے منافقو!۔۔۔۔۔ وہابیہ کی پوچ ذلیل، عمارت قارون کی طرح تحت الثریٰ پہنچتی نجدیت کے کوے سسکتے، وہابیت کے بوم بلکتے اور مذبوح گستاخ بھڑکتے۔[2]

شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے متعلق فرماتے ہیں:

"سرکش، طاغی، شیطان، لعین، بندہ داغی"۔[3]

فتاویٰ رضویہ میں فرماتے ہیں:

غیر مقلدین و دیوبندیہ جہنم کے کتے ہیں، رافضیوں (شیعہ) کو ان سے بدتر کہنا رافضیوں پر ظلم اور ان کی شان خباثت میں تنقیص ہے۔[4]

---

1 - خالص الاعتقاد ص22۔

2 - خالص الاعتقاد ص2تا20۔

3 - الامن والعلی ص112۔

4 - فتاویٰ رضویہ جلد2ص90۔

سبحان السبوح میں ارشاد کرتے ہیں:

جو شاہ اسماعیل اور نذیر حسین وغیرہ کا معتقد ہوا، ابلیس کا بندہ جہنم کا کندہ ہے۔ غیر مقلدین سب بے دین، پکے شیاطین پورے ملاعین ہیں۔[1]

ان کے ایک معتقد بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ:

آپ مخالفین کے حق میں سخت تند مزاج واقع ہوئے تھے اور اس سلسلے میں شرعی احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھتے تھے۔[2]

یہی وجہ تھی کہ لوگ ان سے متنفر ہونا شروع ہو گئے، بہت سے ان کے مخلص دوست بھی ان کی عادت کے باعث ان سے دور ہوتے چلے گئے، ان میں سے مولوی محمد یٰسین بھی ہیں جو مدرسہ اشاعۃ العلوم کے مدیر تھے اور جنہیں جناب احمد رضا اپنے استاد کا درجہ دیتے تھے، وہ بھی ان سے علیحدہ ہو گئے۔ اس پر مستزاد یہ کہ مدرسہ مصباح التہذیب جو ان کے والد نے بنوایا تھا، وہ ان کی ترش روئی، سخت مزاجی، بذات لسانی اور مسلمانوں کی تکفیر کی وجہ سے ان کے ہاتھ سے جاتا رہا اور اس کے منتظمین ان سے کنارہ کشی اختیار کر کے وہابیوں سے جا ملے، اور حالت یہ ہو گئی کہ بریلویت کے مرکز میں احمد رضا صاحب کی حمایت میں کوئی مدرسہ باقی نہ رہا، باوجودیکہ بریلویوں کے اعلیٰ حضرت وہاں اپنی تمام تر سرگرمیوں سمیت موجود تھے۔[3]

25 صفر 1340ھ مطابق 1921ء کو بریلی میں وفات پائی اور وہیں ان کا مزار ہے جہاں سالانہ عرس بھی منعقد کیا جاتا ہے۔[4]

1۔ سبحان السبوح ص134۔

2۔ مقدمہ مقالات رضا از کوکب، ص30، مطبوعہ لاہور۔

3۔ حیات اعلیٰ حضرت ص211۔

4۔ سوانح امام احمد رضا، ص391، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔

رضاخانیت وبریلویت کا تعارف

وہ عقائد و نظریات، افکاراور بدعات وخرافات ہیں جو جناب خاں سے ایک مذہب کی صورت میں رائج ہوئے اوران کے متبعین ان کا التزام کرتے ہیں، موجودہ دور میں بریلوت بھی درحقیقت اسی طرح کی ظاہر فریب شیعی خانقاہ سے وابستہ گم کردہ راہ مسلمانوں کا ایک گروہ ہے، جس کے بانی احمد رضاخاں صاحب بریلوی ہیں۔[1]

رضاخانیت وبریلویت ایک مستقل مکتب فکرکانام ہے ،جس کی بنیاد دوباتوں پرہے ،ایک انبیاءواولیاء کی عقیدت ومحبت میں حدسے زیادہ غلو کرنا،دوسرے رسوم ،بدعات وخرافات کو ضعیف اوکمزور حتی کہ موضوع احادیث کا سہارالے جائزو مستحسن قراردینا۔[2]

خان صاحب کے نقش قدم پرچلتے ہوئے ان کے خود ساختہ الزامات کو جاہل عوام میں علماء دیوبند کے خلاف پروپیگنڈہ کیاجانے لگا۔

علمائے دیوبند کے پیرکاروں سے قطع تعلق، سلام ،دعاء،شادی بیاہ سے پرہیز اوران سے نفرت وعداوت کا اظہار اور سماجی بائکاٹ شروع کیاگیا تاکہ ان کی آمدنی کا اہم ذریعہ عوام الناس علمائے حق سے کٹ کران ہی سے متعلق رہیں، کہیں ایسانہ ہو کہ سیدہی راہ کی طرف چلے جائیں اوران کی آمدنی کادروازہ بندہوجائے۔[3]

احمد رضاخان کی تکفیر میں دلچسپی

جناب احمد رضاخاں صاحب نے ان تمام لوگوں کوکافر قراردیا جنہوں نے انگریز کے خلاف جنگ کا

---

[1] ۔مطالعہ ءبریلویت 1/19۔

[2] ۔ رضاخانیت تعارف وتعاقب:ص46۔

[3] ۔ بریلویت کاذہنی سفر:311تا313۔

اعلان کیا تھا، سرپرستی کی تھی، یا کسی بھی طرح شریک ہوئے تھے تاکہ ہندوستانی عوام ان بزرگوں سے بد ظن ہو جائے، ہندوستانی مسلمانوں کا جذبہء جہاد سرد پڑ جائے اور انگریزی حکومت کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔

ہندوستان میں سب سے پہلے انگریز کے خلاف حضرت مولانا اسماعیل شہید اور شاہ سید احمد شہید نے جہاد کیا، بعد ازاں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی امارت میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ نے جہاد کیا، خاں صاحب نے ان حضرات کی عبارات کی قطع برید کر کے، منکر ختم نبوت اور گستاخ رسول بنا کر سب کو کافر قرار دیا۔ العیاذ باللہ۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہانپوریؒ کے خلاف طوفان بدتمیزی قائم کیا، ان کی تضلیل و تکفیر میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی اور آج بھی بریلوی علماء کا طریقہ کار یہی ہے کہ علماء حق کو کافر قرار دیا جائے تاکہ امت ان اکابر اور علماء حق کی اصلاحات اور تعلیمات سے بد ظن ہو کر ان سے لاتعلق رہے۔

خاں صاحب نے سب سے پہلے اکابر علماء ندوہ کے خلاف دس سال تکفیری مہم میں مشغول رہے، پھر اپنی نظر عنایت علمائے دیوبند کی طرف پھیر دی۔

احمد رضا خان کی تکفیری مہم کا آغاز

1320ھ میں ان کی کتاب عربی زبان میں "المعتمد المستند" کے نام سے شائع ہوئی، جس میں پہلی مرتبہ اکابر علمائے دیوبند؛ حضرت مولانا نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ وغیرہ کی قطعی تکفیر کی اور لکھا کہ:

> ایسے کافر اکفر ہیں کہ جو کوئی ان کے کفر میں شک وشبہ کرے، وہ بھی قطعی کافر اور جہنمی ہے۔[1]

---

1 - رضاخانیت کا تعارف، ص29، مفتی امین صاحب مدظلہ۔

کافی مدت تک اکابرِ دیوبند کو خان صاحب کی اس کتاب اوراس میں کئے گئے تکفیری حملے کی اطلاع نہیں ہوئی،سب سے پہلے مولانا محمد مرتضی حسن چاندپوریؒ کو اطلاع ہوئی ، آپ نے اس کتاب کا جواب اوراس کی تردید کی اجازت طلب کی، لیکن اکابر نے جواب دینے کی اجازت نہیں دی، اس لئے کہ اس طرح کے الزام تراش اور افتراءپرداز سے الجھنا عقل مندی نہیں ہے ، نیز مذکورہ کتاب عربی میں ہونے کی وجہ سے اس کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔[1]

خان صاحب کا سفرِ حجازاور علمائے عرب کو دھوکہ دہی

مذکوہ کتاب کا خاص اثر نہ ہونے کی بناپر خاں صاحب نے ۱۳۳۲ھ میں حرمین شریفین کا سفر کیا ،اکابرِ علماء دیوبند کی تکفیر کا ایک فتوی مرتب کرکے ،وہاں کے علمائے کرام اور مفتیان عظام کی خدمت میں پیش کیا اور فریاد کی ہندوستان میں ارتداد کی آندھیاں چل رہی ہیں، کچھ لوگ جن کو عوام: علماء ومشائخ سمجھتے ہیں، وہ کفریہ عقائد میں مبتلا وداعی ہیں، رسول اللہ ﷺ کے گستاخ اور ختم نبوت کے منکر ہیں ،اللہ تعالیٰ کو جھوٹا قرار دیتے ہیں ، یہ فتنہ (اکابر دیوبند کی حقانیت اوران کی مقبولیت)عام ہوچکاہے، آپ حضرات کے تعاون کے بغیر اس فتنہ کی سرکوبی میں ہم کامیاب نہیں ہوسکتے ،اگر آپ حضرات علمائے حرمین اس کفریہ فتوی کی تصدیق فرمادیں ،تو ہمارے ملک کے مسلمان اس فتنہ سے محفوظ ہوسکتے ہیں۔

الغرض مولوی احمد رضاخاں صاحب نے علمائے حرمین کے سامنے جو اصل حالات سے بے خبر اور اردوزبان سے نہ واقف ہونے کی وجہ سے ،نہ اکابر دیوبند کی کتابوں سے واقف ہوسکتے تھے، نہ ہی ان کی کتابوں سے مستفید ہوسکتے تھے۔

---

[1] - مستفاد: رضاخانیت: تعارف:29۔

اکابر دیوبند کے خلاف پر فریب و من گھڑت الزامات

مولوی احمد رضاخاں صاحب نے اکابر دیوبند کے خلاف پر فریب و من گھڑت الزامات مثلاً انکار ختمِ نبوت، رسول اللہ ﷺ کی توہین وغیرہ کو اپنے فتوی میں پیش کیا، علمائے حرمین نے ان بے جا الزمات کو حقیقت سمجھا اوراس تکفیری فتوی پر اپنی تصدیقیں لکھ دیں، پھر یہ فتوی ہندوستان میں "حسام الحرمین" کے نام سے شائع کیا۔

پھر اس تکفیری مصدقہ فتوی کا پوری طاقت سے ہندوستان میں پروپیگنڈہ کیا گیااور کہا گیاہے مکہ ومدینہ کے علماءنے بھی ان کے کفر کا فتوی صادر کیاہے، یہ سب ایسے کافراور مرتد ہیں کہ جو ان کے کافراور جہنمی ہونے میں شک کرے، وہ بھی کافراور جہنمی ہے اوران میں ایک ایک کے قتل میں ہزار کافروں کے مارنے سے زیادہ ثواب ہے، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔[1]

یہ واقعہ ۱۳۲۵ھ کا ہے، مولوی احمد رضاخاں صاحب کی اس سازش اوراس مکارانہ چال سے ہندوستانی مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہو گیا، اب خاموشی اور صرف نظر کی گنجائش نہیں تھی۔

مذکورہ تکفیری فتوے میں جن چار اکابر پر کفر کا فتوی لگایا گیاہے، ان میں سے حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کا وصال ہو گیا تھا، حضرت تھانویؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہانپوریؒ باحیات تھے، ان حضرات نے اپنے اپنے بیانات جاری کئے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے "حسام الحرمین" میں ہماری طرف جن عقائد و مضامین کی نسبت کی ہے، وہ محض افتراء وبہتان ہے، اس طرح کے عقیدے رکھنے والوں کو ہم خود اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

حسن اتفاق کہ جب خاں صاحب حرمین شریفین سے واپس ہوئے، تو جن علمائے کرام نے اس فتوی پر تصدیق کی تھی، ان کو خیال ہوا کہ ہم جس تکفیری فتوی پر تصدیق کی ہے، ہم نے صرف

---

[1] ۔ مستفاد: رضاخانیت: تعارف وتعاقب، ص 31۔

ایک فریق کی بات سن کر تصدیق کر دی ہے، دوسرے فریق سے بھی استفسار کر لینا چاہئے۔

علمائے عرب کے سوالات کے جوابات

چنانچہ ان حضرات نے اس تکفیری فتوی میں مذکور عقائد اور جو باتیں ان حضرات نے بریلوی خاں صاحب سے زبانی سنی تھیں، ان سب سے متعلق سوالات علمائے دیوبند کی خدمت میں ارسال کیا ،حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے ان سوالات کے جوابات کو تحریر فرمایا، جوابات پر علمائے حرمین نے اطمینان کا اظہار کیا اور لکھا کہ اہل سنت والجماعت کے عقائد یہی ہیں اور اپنی تصدیقات سے رجوع فرمالیا۔

سوالات وجوابات اور حرمین شریفین کے علمائے کرام کی تصدیقات کے ساتھ اسی زمانہ میں اردو ترجمہ کے ساتھ کتابی صورت میں "**المهند على المفند معروف به التصديقات لدفع التلبيسات**" کے نام سے شائع ہوئے، "حسام الحرمین" کی وجہ سے ہندوستان میں جو فتنہ اور اکابر دیوبند سے متعلق جو غلط فہماں پھیلائی گئیں تھیں کافی حد تک فتنہ دب گیا اور غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا۔

نیز شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا مرتضی حسنؒ چاندپوری نے "حسام الحرمین" کا جواب لکھا اور ثابت کیا کہ اس کتاب میں جن عقائد کو اکابر دیوبند کی طرف منسوب کیا گیا ہے، وہ محض افتراء، بہتان، جھوٹ اور فریب ہے، اکابر دیوبند کا ان عقائد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ [1]

بریلویت کے مشہور مسائل

جن مسائل واعتقادات میں احمد رضا خان اور اس کے پیروکاروں نے علماء اہلسنت والجماعت دیوبند سے اختلاف کیا ان میں سے چیدہ چیدہ کا تذکرہ مختصراً کیا جارہا ہے تاکہ اس بارے میں بھی کوئی غلط فہمی نہ رہے

---

[1] - مستفاد: رضاخانیت: تعارف، ص 31۔

مسئلہ علم غیب

مغیبات کو جاننے کی چار قسمیں اوران کے احکام مغیبات کے جاننے کی بنیادی دو قسمیں ہیں ایک ذاتی اور دوسری عطائی پھر عطائی کی دو قسمیں ہیں ایک محیط اور دوسری غیر محیط پھر محیط کی دو قسمیں ایک عام اور دوسری خاص۔

علم ذاتی : وہ علم ہے جو کسی کا عطا کیا ہوا نہ ہو، جیسے خالق کا علم علم ذاتی کے سلسلہ میں سب کا اتفاق ہے کہ کسی مخلوق کو کسی بھی طرح کا علم حاصل ہے، تو وہ اس کا ذاتی نہیں بلکہ خدا کی طرف سے عطا کردہ ہے، علم ذاتی اللہ کے ساتھ خاص ہے، جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ ﷺ کو یا کسی بشر کو ذرہ برابر بھی علم ذاتی حاصل ہے، تو وہ بالاتفاق مشرک ہے۔

علم عطائی : وہ علم ہے جو کسی کی طرف سے عطا کیا گیا ہو، جیسے مخلوق کا علم۔

علم محیط عام : ازل سے ابد تک تمام چیزوں سے متعلق علم کلی حاصل ہو۔

تمام اسلامی فرقوں کا اتفاق ہے کہ تمام مغیبات کا علم محیط اللہ نے کسی فرشتے یا نبی وولی کو عطا نہیں فرمایا، لہذا جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ ﷺ یا کسی بشر کو تمام مغیبات کا علم حاصل تھا، جیسے اللہ تعالیٰ سے عالمِ غیب کی کوئی چیز مخفی نہیں ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے بھی مخفی نہیں ہے، بس فرق علم ذاتی اور عطائی کا ہے، تو ایسا شخص بھی بلاشبہ مشرک و کافر ہے۔

علم محیط خاص : ابتدائے آفرینش سے جنت و جہنم میں داخل ہونے تک تمام چیزوں سے متعلق کلی علم حاصل ہو اہل سنت والجماعت کے نزدیک کسی بھی نبی یا ولی کو اس قسم کا علم نہیں دیا گیا ہے، علم محیط خاص یہی مختلف فیہ صورت رضاخانی رسول اللہ ﷺ کے لئے ثابت کرتے ہیں۔

چنانچہ مولوی احمد رضاخاں صاحب لکھتے ہیں

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو تمام ماکان ومایکون الی یوم القیامۃ کا علم

حاصل تھا، ابتدائے آفرینشِ عالم سے لے کر جنت و جہنم میں داخل ہونے تک کوئی ذرہ حضور ﷺ کے علم سے باہر نہیں۔[1]

علم عطائی غیر محیط : بعض ان مغیبات کا علم جو اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو وحی والہام کے ذریعہ مطلع فرمائیں۔

اس قسم کا علم غیر خدا کے لئے حاصل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیائے کرام کو وحی کے ذریعہ غیب کی کچھ باتوں سے آگاہ فرمایا ہے، مگر کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم کسی کو عطا نہیں فرمایا ہے۔

لہذا یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کو وحی والہام کے ذریعہ غیب کی جن باتوں سے آگاہ فرمایا ہے، وہ حضرات صرف انہیں باتوں کو جانتے ہیں، کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی کو عطا نہیں فرمایا ہے، یہ عقیدہ قرآن وسنت سے ثابت ہے اور اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے۔[2]

حاضر وناظر

حاضر اور ناظر دونوں عربی لفظ ہیں، حاضر کا معنی موجود اور ناظر کا معنی دیکھنے والا، جب ان دونوں الفاظ کو ملا کر استعمال کیا جاتا ہے، تو اس کا مفہوم ہوتا ہے ایسی ہستی جو پوری کائنات کو کفِ دست (اپنی ہتھیلی) کی طرح دیکھ رہی ہے، کائنات کا کوئی ذرہ اس کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔

تمام اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ کہ "حاضر وناظر" کا مذکورہ بالا مفہوم صرف اللہ جل شانہ کی ذات پاک پر صادق آتا ہے اور حاضر وناظر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اس صفت کو کسی غیر کے

---

1 - انباء المصطفیٰ، ص4۔

2 - ملخص: رضاخانیت تعاروف وتعاقب 93 تا 96 مصنف حضرت اقدس مفتی محمد امین صاحب پالن پوری استاذ حدیث دار العلوم دیوبند۔

لئے ثابت کرنا غلط ہے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق بھی یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ ﷺ پوری کائنات کو کفِ دست کی طرح دیکھ رہے ہیں اور کائنات کا کوئی ذرہ آپ کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہے، نہ شرعًا درست ہے، نہ عقلاً صحیح ہے۔

رضاخانیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور ﷺ بلکہ بزرگان دین بھی تمام کائنات کو کفِ دست کی طرح دیکھتے ہیں، دوراور نزدیک کی آوزیں سنتے ہیں، ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرتے ہیں اور صدہا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے ہیں۔

احمد یار خاں نعیمی لکھتے ہیں:

> عالم میں حاضر وناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھے، دورو قریب کی آوازیں سنے، یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے اور صدہا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرے، یہ رفتار خواہ صرف روحانی ہو، یا جسم مثالی کے ساتھ ہو، یا اسی جسم سے جو قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہے، ان سب معنی کا ثبوت بزگان دین کے لئے قرآن، حدیث اوراقوال علماء سے ہے۔[1]

مولوی عمر اچھروی لکھتا ہے:

> جو نبی ﷺ کے حاضر وناظر ہونے کے منکر ہیں ان کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ ایمان سے خالی ہیں۔[2]

---

1 - جاء الحق:131۔

2 - مقیاس حنفیت، ص268۔

نور و بشر

تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے نوع کے اعتبار سے بشر ہیں؛ لیکن اوصاف و کمالات میں آپ کا کوئی ثانی و مثل نہیں ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

آنحضرت ﷺ کے بارے میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ آپ اپنی ذات کے اعتبار سے نہ صرف نوعِ بشر میں داخل ہیں؛ بلکہ افضل البشر ہیں، نہ صرف انسان ہیں؛ بلکہ نوع انسانی کے سردار ہیں، نہ صرف آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں؛ بلکہ آدم اور اولاد آدم کے لئے سرمایہ افتخار ہیں، ارشاد نبوی ہے: انا سید ولد آدم یوم القیامة (مشکوۃ، ص 511) میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا قیامت کے دن۔

اس لئے کہ آپ ﷺ کا بشر، انسان اور آدمی ہونا، نہ صرف آپ کے لئے طرۂ افتخار ہے بلکہ آپ کے بشر ہونے سے انسانیت و بشریت رشک ملائکہ ہے، جس طرح آپ ﷺ اپنی نوع کے اعتبار سے بشر ہیں، اسی طرح آپ ﷺ صفت ہدایت کے لحاظ سے ساری انسانیت کے لئے مینارہ نور ہیں، یہی نور ہے جس کی روشنی میں انسانیت کو خدا کا راستہ مل سکتا ہے اور جس کی روشنی ابد تک درخشندہ و تابندہ رہے گی، لہذا میرے عقیدہ میں آپ بہ یک وقت نور بھی ہیں اور بشر بھی اور میرے نزدیک نور و بشر کو دو خانوں میں بانٹ کر ایک کی نفی اور دوسرے کا اثبات غلط ہے۔[1]

رضاخانی حضرات اس معاملے میں بڑے تردد میں ہیں کچھ حضرات ذات کے اعتبار سے بشر مانتے ہیں جیسا کہ اہلسنت کا صحیح عقیدہ بیان ہوا ہے جیسا کہ انوار رضا ص 148، انوار کنزالایمان ص

---

1 - اختلاف امت اور صراط مستقیم، ص 37۔

851 اور جمال کرم، ج 1، ص 737 پر لکھا ہے کہ " جو شخص انبیاء ورسل کی بشریت کا نکار کرتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے " اور اسی کے بر خلاف مولوی عبد الرشید رضوی لکھتے ہیں:

ان جو نبی کو بشر کہے وہ نہ تو خدا ہے اور نہ ہی نبی، لہذا وہ کفار میں ہی داخل ہوا۔[1]

اور مولوی نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:

قرآن پاک میں جابجا انبیاء کرام کے بشر کہنے والوں کو کافر کہا گیا ہے۔[2]

اب یہاں فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کسے مسلمان کہیں اور کسے کافر بریلوی حضرات یہاں خود دست و گریباں ہو گئے ہیں۔

مختار کل

مختار اختیار مصدر سے اسم فاعل کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے اور اسم مفعول کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے اگر اسم فاعل ہو تو معنیٰ اختیار رکھنے والا اور اگر اسم مفعول ہو تو معنیٰ اختیار دیا ہوا، بر گزیدہ اور منتخب کیا ہوا۔

اگر کوئی شخص لفظ " مختار کل " سے (اختیار کھنے والا یا اختیار دیا ہوا آدمی) اسم فاعل یا اسم مفعول بمعنی اول مراد لیتا ہے اور عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور ﷺ کو کائنات میں تصرف کرنے کے کلی اختیار دیا گیا ہے، ایسا شخص مشرکین عرب سے بھی زیادہ بدتر مشرک ہے کہ مشرکین عرب اپنے معبودان کے لئے جزئی اختیارات ثابت کرتے تھے اور اس مشرک نے کلی اختیار غیر اللہ کے لئے ثابت کر دیا۔

اور اگر لفظ مختار سے اسم مفعول بمعنی ثانی (بر گزیدہ اور منتخب شدہ) مراد لیتا ہے، یہ بھی درست نہیں ہے کہ، مختار کل کا معنی ہے سب چیزوں کا اختیار دیا گیا شخص، لہذا یہ معنی بھی مراد لینا صحیح نہیں ہے، البتہ صرف لفظ " مختار " کہے اور اس لفظ سے مراد لے کہ محمد ﷺ تمام مخلوق میں

---

[1] ۔ رشد الایمان ص 45۔

[2] ۔ خزائن العرفان ص 5۔

برگزیدہ اور منتخب شدہ ہیں، تو درست ہے۔

لیکن رضاخانی رسول اللہ ﷺ کو "مختار کل" کہتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کو کائنات میں تصرف کرنے کا کلی اختیار دیا گیا ہے۔

مولوی احمد رضا خاں لکھتے ہیں:

حضور ﷺ ہر قسم کی حاجت روائی فرما سکتے ہیں، دنیا وآخرت کی مرادیں سب حضور ﷺ کے اختیار میں ہیں۔ [1]

اور شیخ عبد القادر جیلانی کی شان میں کہتے ہیں:

ذی تصرف بھی ہے، ماذون بھی، مختار بھی ہے   کارِ عالم کا مدبر بھی ہے، عبد القادر [2]

حالانکہ تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ پوری کائنات کا نظام صرف اللہ جل شانہ کے قبضہء قدرت میں ہے، اس میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے، موت وحیات، صحت ومرض، عطاوبخشش اور نفع ونقصان کے مالک ومختار صرف اللہ تعالیٰ ہیں، اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا ولی کو کائنات میں تصرف کرنے کا کلی یا جزئی اختیار عطا نہیں فرمایا ہے۔

"مختار کل" کا مسئلہ نہایت بنیادی واصولی مسئلہ ہے، اسی مسئلہ سے بے شمار جزئی مسائل نکلتے ہیں اور یہ مسائل ایسے ہیں جن سے ہمارے بہت سارے عوام وجاہل، بلکہ علمائے کرام بھی ناواقفیت کی بنا پر نرم گوشہ اختیار کرتے ہیں۔

اسی مسئلہ سے استعانت بغیر اللہ کا مسئلہ مستفاد ہوتا ہے جس میں بریلوی حضرات بہت تساہل سے کام لیتے ہیں اور نبی کریم ﷺ اور اولیاء سب کو حاجت براری کے لئے پکارتے ہیں ملاحظہ کریں:

---

1 - برکات الامداد، ص8۔

2 - حدائق بخشش، ص19۔

فتاویٰ افریقہ اور فتاویٰ رضویہ میں ہے:

حضور ﷺ ہر قسم کی حاجت روائی کرسکتے ہیں، دنیاو آخرت کی سب مرادیں حضور ﷺ کے اختیار میں ہیں۔[1]

اور مفتی احمد یار خان نعیمی جاء الحق میں لکھتے ہیں:

اپنے مقبول انسانوں کے سپرد بھی عالم کا انتظام کیا اور ان کو اختیارات خصوصی عطاء فرمائے۔[2]

بعض عملی بدعات

میلاد مروجہ، ایصال ثواب کے لئے مخصوص چیزوں اور اوقات اور جگہوں کی تعیین، دسواں ،چہلم، تیجا، گیارھویں، کھانوں پر فاتحہ اور فاتحہ کی مختلف اقسام وانواع، رجب کی فاتحہ اور بے شمار بدعات اسی کلیہ سے نکلتی ہیں۔

بعض علماء ان مسائل سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اجازت دیتے ہوئے کہتے ہیں، اس میں کیا حرج ہے؟ سب سے بڑا حرج یہی ہے کہ وہ اصول پر نظر کئے بغیر فروع کی اجازت دیتے ہیں۔

پختہ مزارات اوران پر گنبدوں کی تعمیر، یہ بدعت بھی بے شمار بدعات کا ذریعہ بنتی ہے، چراغاں کرنا، چادراور پھول چڑھانا، صندل چھڑکنا وغیرہ۔

ان مسائل کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوری ؒ کا رسالہ "اصلی حنفیت" جو بندہ ناچیز کی کاوش سے جدید تخریج اور حواشی کے ساتھ چھپ چکا ہے۔

عبارات اکابر دیوبند کا مسئلہ

اس روئے زمین پر جب بھی حق کی آواز بلند ہوئی ہے یا ہوتی ہے، تو حق پرست اور حق کی آواز

---

1 ۔ فتاویٰ افریقہ، ص، 112۔ فتاویٰ رضویہ، 21/309۔

2 ۔ جاء الحق، ص 16۔

بلند کرنے والے پیغمبر، ان کے نائبین اور مخلصین کو کامیابی ملتی ہے اور خلق خدا ان کی طرف متوجہ ہوتی ہے، باطل پرست، باطل کے داعی اور باطل کا پروپیگنڈا کرنے والے حق پرستوں پر حسد کرتے ہوئے اپنا آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے، حقائق کی پردہ پوشی، اہل حق اور مخلصین کے کلام کی تحریف، تصحیف اور ان کے کلام کی غلط بیانی، عیب جوئی، بہتان تراشی، سب وشتم اور الزامات کا بازار گرم کرتے ہیں اور یہ باطل کی پہچان بھی ہے، حقائق ودلائل نہ ہونے کی وجہ سے بوکھلاہٹ بھی ہے۔

آپ حضرات نوح علیہ السلام کے زمانہ سے آج تک ہر باطل مذہبی فرقہ، سیاسی جماعتوں، حریف اور دشمنوں کا جائزہ لیں، سو فی صد مذکوہ بات کی تصدیق کریں گے، قصہء مختصر رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مدینہ کے یہود نے یہی کیا، امام ابو حنیفہؒ کے مخالفین نے بھی یہی کیا۔

ہمارے کرم فرما مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے بھی ہمارے اکابر حضرت مولانا اسماعیل شہید، حجۃ الاسلام قاسم نانوتوی، فقیہ وقت حضرت رشید احمد گنگوہی، حکیم الامت اشرف علی تھانوی اور شارح ابو داؤد مولانا خلیل احمد سہانپوری رحمھم اللہ کے ساتھ یہی کیا، حضرات اکابر کی عبارات میں دجل، تلبیس اور مکر وفریب سے غلط معانی بیان کرنا اور غلط اور جھوٹی باتوں کی نسبت ان اکابر کی طرف کرنا یہ مولوی احمد رضا خاں صاحب اور ان کے متعبین کی فطرت ہے تاکہ امت میں ان اکابر سے متعلق غلط فہمیاں پیدا کی جائیں اور ان کی سرداری، مکاری، نذرانوں کی پیشی، دنیا طلبی میں کمی واقع نہ ہو۔

چنانچہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے شاہ اسماعیل شہیدؒ کو گستاخ انبیا، حضرت نانوتویؒ کو منکرِ نبوت، حضرت گنگوہیؒ اور حضرت سہانپوریؒ پر گستاخ رسول ہونے کے الزامات لگائے اور بریلوی حضرات آج تک اس پر مصر ہیں۔

من وسکون کو برقرار رکھنے کے لیے یہ اصول اپنایا جائے کہ عبارت کا مطلب مصنف خود ہی بیان

کرے، مگر فاضل بریلوی اور اس کے چاہنے والوں نے اس اصول کو یکسر نظر انداز کر کے عبارت کسی کی اور مطلب اپنی طرف سے بنا کر وار کیے بلکہ بعض موقعوں پر تو فاضل بریلوی وغیرہ سے یوں بھی ہوا ہے جسے شہید اسلام مصلح الامۃ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

راقم الحروف غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ جناب مولانا احمد رضا خان صاحب کا قلم اور حجاج بن یوسف کی تلوار توام (جڑواں) پیدا ہوئے تھے۔ ان کے قلم کو تکفیر کا وہی چسکا تھا جو حجاج کی تلوار کو خون آشامی کا۔ وہ فطرتاً مجبور تھے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو تیغ تکفیر سے نیم بسمل کریں، اگر کسی کی کوئی عبارت یا عبارت کا ناتمام جملہ انہیں ایسا مل جاتا جو ان کے ذوق کافر گری کی تسکین کا سامان بن جاتا تو وہ اسے کافی سمجھتے تھے اور اس کی دوسری تحریروں سے آنکھیں بند کر لینا فرض سمجھتے تھے اور اگر خدانخواستہ انہیں ایک آدھ جملہ بھی میسر نہیں آتا تو وہ اپنے ذوق کی تسکین کے لیے خود ہی ایک عبارت بنا کر کسی صاحب سے منسوب کر دیتے اور اس کی بنیاد پر انہیں کافر گری کا جواز مل جاتا، وہ شخص ہزار چیخے چلائے شور مچائے کہ یہ عبارت میری نہیں، میں ایسی عبارت لکھنے پر لعنت بھیجتا ہوں مگر خان صاحب فرماتے ہیں کہ یہ عبارت ہم نے تمہارے نام سے چھاپی ہے اور اتنی مدت سے چھاپ رہے ہیں لہذا تمہیں تسلیم کرنا ہو گا کہ عبارت تمہاری ہے اور اس لیے تم کافر ہو۔

میں نے یہ جو کچھ لکھا ہے یہ ظرافت نہیں بلکہ واقعہ ہے۔ خان صاحب کو دو بزرگ ایسے ملے جن کی تحریر میں ان کو کوئی کلمہ کفر نہیں مل سکا جس کی بنیاد پر انہیں کافر بناتے اس لیے خان صاحب نے ایک صاحب کی طرف تو خود ایک عبارت بنا کر منسوب کر دی اور ان

پر کفر کا فتویٰ صادر کر کے اکابر حرمین سے ان کو رجسٹری کروایا۔ یہ شخصیت قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نوراللہ مرقدہ کی تھی۔ اس فتوے کی جس پر خان صاحب نے تکفیر کی بنیاد رکھی ہے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی اور جب اس کا علم ہوا تو اس سے براءت کا اظہار فرمایا اور ایسا لکھنے والے کو معلون قرار دیا، مگر جناب خان صاحب کا اصرار مدت العمر یہی رہا کہ چونکہ ہم آپ کی طرف اس عبارت کو منسوب کر کے کفر کا فتویٰ رجسٹری کرواچکے ہیں لہذا یہ عبارت یقیناً آپ ہی کی ہے اور ہونی چاہیے اور لطف یہ کہ آج تک حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے انکار کے باوجود خان صاحب اور ان کی جماعت کا اصرار باقی ہے۔

کچھ اسی قسم کا حادثہ خان صاحب کو حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ قدس سرہ کے بارے میں پیش آیا، خان صاحب کا قلم حضرت مرحوم کو کافر بنانے کے لیے بے تاب تھا مگر مشکل یہ تھی کہ حضرت رحمہ اللہ کے دفتر تحریر میں خان صاحب کو ایک فقرہ بھی ایسا نہ مل پاتا تھا جس کی بنیاد پر ان کی تیغ تکفیر نیام سے باہر نکل آتی ،اس مشکل کا حل خان صاحب نے یہ تلاش کیا کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی اس کتاب سے جو صرف مسئلہ ختم نبوت پر لکھی گئی اور جن میں منکرین ختم نبوت کو صاف الفاظ میں "کافر" کہا گیا ہے، تین جملے تلاش کیے اور ان کو آگے پیچھے جوڑ کر مربوط اور مسلسل عبارت بناڈالی، پس خان صاحب کی تکفیر کے لیے جواز پیدا ہو گیا، خان صاحب نے جس چابکدستی سے تین الگ الگ جگہ سے تحذیر الناس کے ناتمام جملوں کو ملا کر ایک مکمل عبارت تیار کرائی وہ ان کی مہارت فن کا شاہکار ہے۔[1]

---

1 - تحفہ قادیانیت از شہیدِ اسلام: ج2ص132 تا134۔

نیاز فتح پوری

ان کانام "نیاز فتح پوری ندوی" اور تخلص "نیاز محمد خان" ہے نیاز سن 1884ء میں یوپی کے ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے، تعلیم مدرسہ اسلامیہ فتح پور، مدرسہ عالیہ رام پور اور دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے حاصل کی 1922ء میں اردو کا معروف ادبی و فکری رسالہ، "نگار" جاری کیا ان کی علمی خدمات کے اعتراف میں 1962ء میں بھارت نے نیاز کو "پدما بھوشن" کے خطاب سے نوازا، 31جولائی1962 ء کو وہ ہجرت کرکے کراچی آگئے حکومت پاکستان نے بھی نیاز کو "نشان سپاس" سے نوازا، ان کا انتقال سرطان کے مرض میں مبتلا ہونے کے بعد 24 مئی1966 ء کو ہوا۔ (1)

موصوف پر فلسفہ کا رنگ بہت غالب تھا جس کی وجہ سے صرف منکر حدیث ہی نہیں بلکہ منکر قرآن اور منکر اسلام ہو گئے تھے، ان کی کتاب "من ویزداں" ہی ان کے عقائد و نظریات کی ترجمانی کرتی ہے۔

معتقدات شرعیہ کے متعلق نیاز صاحب کا عقیدہ

نیاز صاحب کا عقائد اسلام کے بارے میں نظریہ ملاحظہ فرمائیں:

> ہر چند کہ خدا کے اس جدید تصور سے انبیاء و رسل، مصحف مقدسہ، حیات بعد الموت، دوزخ و جنت، ملائکہ و شیاطین، حشر و نشر، عذاب و ثواب ختم ہو جائیں گے، یا ان کی کوئی توجیہ کرنا ہو گی لیکن اس کا کوئی علاج نہیں ہم کو ان مروجہ عقائد اور خدا دونوں میں سے ایک کو لینا ہو گا اور غالباً یہ زیادہ آسان ہو گا کہ خدا کے مقابلے میں

---

[1] ۔ایف اے ایس ٹی-آئی ڈی http://id.worldcat.org/fast/113283 :بنام Niyāz Fatḥpūrī : اخذ شدہ بتاریخ:9اکتوبر2017۔

معتقدات کو پس پشت ڈال دیا جائے۔[1]

یہ ہے نیاز صاحب کا اسلامی عقائد سے بیزاری کا اعلان کہ کس طرح تمام معتقدات شرعیہ کو پس پشت ڈال دیا اور اپنے خود ساختہ تصور خدا کو برتری دی۔ (العیاذ باللہ)

نیاز فتح پوری کا عقیدہ انکار کلام اللہ

بہ نسبت دوسرے منکرین حدیث کے ان کی شان امتیازی یہ ہے کہ یہ نہ تو قرآن کریم کو خدا تعالیٰ کا کلام سمجھتے تھے اور نہ ہی منزل من اللہ بلکہ اسے ایک انسان کا ہی کلام سمجھتے تھے ان کی اسی کتاب کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

> عام مسلمان اور مولویوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن اپنے الفاظ اور اپنی ترتیب کے لحاظ سے مکمل طور پر پہلے لوح محفوظ میں منقوش و محفوظ تھا اور فرشتہ جبریل ہی منقوش و محفوظ کلام رسول اللہ ﷺ کو آکر سناتا تھا اور رسول اللہ ﷺ انہی آسمانی الفاظ کو دہراتے تھے حد درجہ مضحکہ خیز ہے اگر قرآن کی زبان عربی نہ ہوتی بلکہ کوئی نئی زبان ہوتی تو بھی خیر کچھ کہا جا سکتا تھا لیکن جب کہ وہ اسی زبان میں نازل ہوئی جو عام طور پر عرب میں رائج تھی تو اس کے الفاظ کو کیونکر خدائی الفاظ کہا جا سکتا ہے۔
>
> بہر حال قرآن کو خدا کا کلام اس حیثیت سے تسلیم کرنا کہ اس کا ایک ایک لفظ خدا کا بتایا ہوا ہے اور خود رسول کے عقل و دماغ کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا خدا کو اس کے منصب سے گرا کر انسان کی حد تک کھینچ لانا ہے اور رسول کو سطح انسانیت سے بھی نیچے گرا دینا ہے۔[2]

---

[1] ۔ من ویزداں حصہ اول، ص494۔

[2] ۔ من ویزداں، حصہ اول ص552۔

یہ ہے نیاز صاحب کا تصور قرآن کہ نعوذ باللہ اگر قرآن کلام اللہ ہو تو خدا خدا نہیں رہتا اور رسول درجہ رسالت سے بھی گر جاتا ہے العیاذ باللہ کس قدر ذات خدا اور رسول پر دریدہ دہنی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں عربی رسول اور عربی امت پر نازل ہوتا تو ایسے قرآن کا فائدہ کیا ہوتا جسے نہ نبی سمجھتا اور نہ اس نبی کی امت سمجھتی؟ اور اس کو کتاب ہدایت کیسے قرار دیا جاسکتا؟

لیکن یہی بات نیاز صاحب کے نزدیک خدا کو انسان کے مقام پر اور نبی کو انسان سے بھی کم تر مقام پر لانے کے مترادف ہے، یہ تو ایک مثال تھی نیاز صاحب کے ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور ایمان بالکتاب کی مزید ملاحظہ فرمائیں کہ وہ اپنے اس نظریہ اور عقیدہ کو کھل کر کسی طرح ظاہر کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

> کلام مجید کو نہ میں کلام خداوندی سمجھتا ہوں اور نہ الہام ربانی بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں اور اس مسئلے پر میں اس سے قبل کئی بار گفتگو کر چکا ہوں۔[1]

گویا قرآن کو انسان کو کلام سمجھنا ہی دراصل رسول اللہ ﷺ کو انسانیت کے مقام پر اور خدا کو خدائی کے مقام پر سمجھنا ہے۔

نیاز صاحب کا عقیدہ انکار حدیث

آپ انکارِ حدیث میں یہاں تک آگے نکلے کہ مسلمانوں کی تمام خرابیوں کا ذمہ دار حدیث کو ٹھہرایا خود لکھتے ہیں:

> اگر مولویوں کی جماعت واقعی مسلمان ہے تو میں یقیناً کافر ہوں اور اگر میں مسلمان ہوں تو یہ سب نامسلمان ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اسلام نام ہے صرف کورانہ تقلید

---

[1] ۔المرجع السابق ص40۔

کا اور تقلید بھی رسول واحکامِ رسول کی نہیں بلکہ بخاری و مسلم ومالک وغیرہ کی اور میں سمجھتا ہوں کہ حقیقی کیفیت یقین کی اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتی جب تک کہ ہر شخص اپنی سمجھ سے کسی نتیجہ پر نہ پہنچے، قصہ مختصر یہ کہ اولین بیزاری اسلامی لٹریچر کی طرف سے مجھ میں احادیث نے پیدا کی۔ (1)

خود خدا کی ذات باری تعالیٰ کے بارے میں دریدہ دہنی

اب خدا تعالیٰ کے بارے میں نیاز صاحب کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

خدا کو آگ برساتے ہوئے، خون اور پیپ پلاتے ہوئے، آتشیں کوڑوں سے عذاب دیتے ہوئے بہت زمانہ ہو چکا اب ضروری ہے کہ وہ صرف زخموں پر مرحم رکھے اور بجائے کسی خاص قوم پر لطف کرنے کے وہ تمام نبی نوع انسان کو اپنا ہی بندہ سمجھے اور نجات کا دروازہ سب کے لئے بغیر کسی شرط کے کھول دے لیکن مشکل یہ ہے کہ جب تک مذاہب کا عقائدی اختلاف دور نہ ہو خدا کا کوئی ایسا کائناتی تصور قائم ہی نہیں ہو سکتا اگر کوئی شخص عقائد کو مہمل قرار دیتا ہے تو اسے ملحد و کافر قرار دیا جاتا ہے اس لئے میری رائے میں خدا کی خدائی اگر صحیح معنیٰ میں قائم ہو سکتی ہے تو اس کی توقع ہمیں صرف کافر اور ملحدوں سے ہی کرنی چاہیئے۔ (2)

ملاحظہ فرمایئے یہ ہیں نیاز صاحب جو نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کو بھی ہدایات دے رہے ہیں کہ مخلوق ساری آپ کی ہے تو سب کے ساتھ معاملہ بھی ایک جیسا ہو چاہے کافر و ملحد ہو یا مسلمان۔

1 - من یزدان 1/547۔

2 ۔ المرجع السابق، 1/538۔

نیاز فتح پوری کے ان نظریات اور عقائد سے کئی امور واضح ہوتے ہیں مثلاً انکار حدیث کے ساتھ انکار قرآن کی بھی راہ ہموار ہوتی ہے جیسا کہ خود ان سے بھی یہی عمل صادر ہوا اور گمراہی کی گہرائیوں میں جا کر پناہ ملی اور کوئی بھی مسلمان کتنا ہی ملحد اور زندیق ہو جائے کبھی خود کو مسلمانوں سے الگ شمار نہیں کرتا اور کوشش کرتا ہے کہ اپنے ساتھ کچھ دوسرے لوگوں کو بھی ملا لے اور اسلام کے بنیادی عقائد و نظریات کو پامال کرنے کے بعد بھی اسلام سے ہی وابستہ رہنا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ ایمان کی حفاظت فرمائیں اور اپنی رضا عطاء فرمائیں۔(آمین)

علامہ عنایت اللہ مشرقی

25 اگست 1888ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے 18 سال کی عمر میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے ریاضی اول پوزیشن میں کلئیر کی اس کے بعد کیمرج یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی تعلیم سے فراغت کے بعد اسلامیہ کالج پشاور کے پرنسپل رہے۔

انشاء پرداز فلسفی اور مؤرخ تھے تذکرہ، قول فیصل، مولوی کا غلط مذہب، اور اشارات وغیرہ ان کی مشہور تصانیف ہیں 1931ء میں خاکسار تحریک کی بنیاد ڈالی اور ہفتہ وار اخبار "اصلاح" جاری کیا، 1940ء میں یہ تحریک خلاف قانون قرار دی گئی اور دم توڑ گئی وفات 1964ء میں ہوئی اور اچھرہ میں دفن ہوئے۔

علامہ مشرقی صاحب کی مذہب سے بیزاری

علامہ صاحب نیاز فتح پوری کے ہم پلہ تو نہ تھے مگر ان کے نصف تک ضرور پہنچے حدیث اور فقہ کے انکار کے بعد عقل نے انہیں جس مقام پر پہنچایا اس کا نقشہ بخود کچھ یوں پیش کرتے ہیں:

> تعجب ہے کہ مذہب کی طرف اس عام میلان کے باوجود ابتداء آفرینش سے آج تک یہ قطعی فیصلہ نہ ہو سکا کہ کون سا مذہب سچا ہے؟ کون سا شارع کائنات اللہ تعالیٰ کے منشاء کے عین مطابق ہے؟ مذہب کی سچائی کا معیار کیا ہے؟ نہیں بلکہ مذہب خود کیا شیئ ہے؟ اور اس کا مقصود بالذات بعینہ کیا ہے؟ خود خدا کی ہستی اور اس کے صحیح منشاء کے متعلق آج تک کوئی حتمی اور متفق دلیل نہیں مل سکی۔ (1)

ملاحظہ فرمایئے علامہ صاحب خدا کی ہستی کے لئے بھی کوئی ایسی حتمی اور متفق علیہ دلیل چاہتے ہیں

---

[1] ۔ دیپاچہ تذکرۃ، قول فیصل، ص6۔

جیسے عالم مشاہدہ میں دواور دوچار ہوتے ہیں، ہم عرض کرتے ہیں کہ اگر ایسی حتمی اور قطعی دلیل [1] موجود ہوتی تو کسی بھی شخص کا کافر یا دہریہ ہونا ناممکن ہوتا پھر خدا کی اطاعت اضطراری ہوتی اختیاری نہ ہوتی جیسا کہ کائنات کی دوسری تمام اشیاء سوائے انسان و جن کے اللہ کی عبادت میں ہر وقت مصروف رہتی ہے لیکن انسانوں اور جنوں کو اختیار اور عقل ممیزہ بھی عطاء کی گئی ہے اور یہ بات بھی انسان کی اپنی صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہے کہ وہ خدا کو تسلیم کرے یا انکار کرے، بذریعہ وحی اس کی عقل کی رہنمائی اس انداز میں ضرور کی گئی ہے کہ وہ اشیاء کائنات میں غور و تدبر کے بعد خدا کی ذات پر یقین کرے اور اگر وہ انسان اتنا عقلمند نہیں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان بالغیب رکھے۔

ہمارے اکابر اور اسلاف نے ہر دور میں مسئلہ توحید سمجھانے کے لیے روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے واقعات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سمجھانے کی پوری پوری کوشش فرمائی ہے، جب بھی اسلاف سے توحید کے متعلق سوالات کیے گئے تو اللہ تبارک نے مخالفین کے حالات کے اعتبار سے ان کے دل میں ایسی مثالیں ڈالیں جو بیان کرنے کے بعد بہت ہی مؤثر ثابت ہوئیں اور ہدایت کا ذریعہ بنیں، اس طرح کے واقعات تو بہت زیادہ ہیں، لیکن ہم یہاں چند نمونے کے طور پر ذکر کر رہے ہیں، جن میں ابھی تک افادیت اور تاثیر کی خوشبو مہک رہی ہے:

> امام اعظم ابو حنیفہؒ ایک دن اپنی مسجد میں تشریف فرما تھے، دہریوں کے خلاف آپ ننگی تلوار تھے، ادھر یہ لوگ آپ کو فرصت کا موقع پا کر قتل کرنے کے درپے رہتے تھے، ایک دن دہریہ لوگ تلواریں تان کر جماعت کی شکل میں امام ابو حنیفہؒ کے پاس آدھمکے اور وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ: میں اس وقت ایک بڑی سوچ میں ہوں، لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ ایک بہت بڑی

1۔ حتمی اور قطعی دلیل سے مراد مشاہداتی دلیل ہے نہ کہ نصوص کی دلیلیں۔

کشتی جس میں طرح طرح کا تجارتی سامان ہے، مگر نہ کوئی اس کا نگہبان ہے نہ چلانے والا ہے، مگر اس کے باوجود برابر آجا رہی ہے اور بڑی بڑی موجوں کو خود بخود چیرتی، پھاڑتی گزر جاتی ہے، رُکنے کی جگہ پر رُک جاتی ہے اور چلنے کی جگہ پر چلنے لگتی ہے، نہ کوئی ملاح ہے، نہ منتظم، سوال کرنے والے دہریوں نے کہا کہ: آپ کس سوچ میں پڑ گئے؟ کوئی عقلمند انسان ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ اتنی بڑی کشتی نظام کے ساتھ طوفانی سمندر میں آئے جائے، اور کوئی اس کا نگران اور چلانے والا نہ ہو؟! حضرت امام صاحبؒ نے فرمایا کہ: افسوس تمہاری عقلوں پر کہ ایک کشتی تو بغیر چلانے والے کے نہ چل سکے، لیکن یہ ساری دنیا آسمان وزمین کی سب چیزیں ٹھیک اپنے اپنے کام پر لگی رہیں اور اس کا مالک حاکم اور خالق کوئی نہ ہو؟ یہ جواب سن کر وہ لاجواب ہو گئے اور حق معلوم کرکے اسلام لائے۔[1]

امام مالکؒ سے ہارون رشید نے پوچھا کہ: اللہ تعالیٰ کے وجود پر کیا دلیل ہے؟ آپ نے فرمایا: زبانوں کا مختلف ہونا، آوازوں کا جدا ہونا، لب ولہجہ کا الگ ہونا، ثابت کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہے۔[2]

امام شافعیؒ سے وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ تو آپ نے جواب دیا کہ: شہتوت درخت کے سب پتے ایک ہی جیسے ہیں، ایک ہی ذائقہ کے ہوتے ہیں، کیڑے اور شہد کی مکھی اور گائے، بکریاں اور ہرن وغیرہ سب اس کو چاٹتے ہیں، کھاتے ہیں، چگتے ہیں، چرتے ہیں، اسی کو کھا کر کیڑے میں سے ریشم نکلتا ہے، شہد کی

---

1 - التفسیر الکبیر، 1/333/ تفسیر ابن کثیر، 1/59/ الخیرات الحسان، ص79۔

2 - التفسیر الکبیر 1/334/ ابن کثیر، 1/58۔

مکھی شہد دیتی ہے، ہرن میں مشک پیدا ہوتا ہے، گائے، بکریاں اسے کھا کر مینگنیاں دیتی ہیں، کیا یہ اس امر کی صاف دلیل نہیں کہ ایک ہی پتے میں مختلف خواص پیدا کرنے والا کوئی ہے؟ اور اسی کو ہم اللہ تبارک تعالیٰ کہتے ہیں، وہ ہی موجد اور صانع ہے۔[1]

امام احمد بن حنبلؒ سے ایک بار وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ: سنو، یہاں ایک نہایت مضبوط قلعہ ہے، جس میں کوئی دروازہ نہیں، نہ کوئی راستہ ہے، بلکہ سوراخ تک نہیں، باہر سے چاندی کی طرح چمک رہا ہے اور اندر سے سونے کی طرح دمک رہا ہے اور اوپر نیچے دائیں بائیں چاروں طرف سے بالکل بند ہے۔ ہوا تک اس میں نہیں جاسکتی ہے، اچانک اس کی ایک دیوار گرتی ہے اور ایک جاندار آنکھوں والا، کانوں والا بولتا چلتا، خوبصورت شکل والا، پیاری بولی والا، چلتا پھرتا نکل آتا ہے۔ بتاؤ! اس بند اور محفوظ مکان میں اسے پیدا کرنے والا کوئی ہے یا نہیں؟ اور وہ ہستی انسانی ہستیوں سے بالاتر اور اس کی قدرت غیر محدود ہے یا نہیں؟ آپ کا مطلب یہ تھا کہ انڈے کو دیکھو جو ہر طرف سے بند ہے، پھر اس کی سفید زردی سے پروردگار خالق یکتا جاندار بچہ پیدا کر دیتا ہے، یہ ہی دلیل ہے خدا کے وجود پر اور اس کی توحید پر۔[2]

اب اگر علامہ مشرقی صاحب خدا کی ذات کے بارے میں ہی متردد ہوں تو انہیں کسی بھی رسول یا مذہب یا مذہب کی سچائی ڈھونڈنے کی ہی کیا ضرورت ہے۔

---

[1] - التفسیر الکبیر،1/33/ابن کثیر1/57۔

[2] - التفسیر الکبیر،1/334/ابن کثیر1/59۔

علامہ مشرقی صاحب کی انگریزوں سے ہمدردی

علامہ صاحب کی اس فلسفیانہ فکر نے انہیں صرف حدیث سے ہی نہیں بلکہ مذہب اور خدا سے بھی بیزار کر دیا لیکن اسلام سے وابستگی آڑے رہی اور قرآن سامنے رہا اور قرآن میں بھی علامہ صاحب کو مغربی اقوام ہی صحیح مومن نظر آنے لگے بلکہ انگریز قوم اور انگریزی تہذیب کی جو عقیدت ان کے دل میں تھی اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے:

یہی انگریز تو وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں فرشتوں نے اپنے پروردگار سے جب وہ زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کا ارادہ رکھتا تھا یہ کہا تھا کہ کیا تو ایسے شخص کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو اس زمین میں فساد اور خونریزی کرے گا اور ہماری تو یہ حالت ہے کہ ہم تیری حمد و ثناء کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان انگریز کے آئندہ اعمال میں غور کرتے ہوئے فرشتوں کو جواب دیا تھا کہ "میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے" پھر اللہ تعالیٰ نے ان انگریزوں کو بہت سی چیزوں کے نام اور بہت سی اشیاء کی حقیقتیں دکھائیں اور پھر ان چیزوں کے استعمال پر قدرت دی اور اللہ کے فرشتے "سلام علیکم خوش رہو اس زمین پر اور اچھی زندگی بسر کرو تم " کہتے ہوئے ہر دروازے سے داخل ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ تم انگریزوں کو راحت و آرام دے آباد رہو تم قیامت تک۔ (1)

علامہ صاحب کا صرف یہی فرمان اور فتویٰ نہیں بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ اہل یورپ ہی صحیح مومن ہیں ملاحظہ فرمائیے کتنے صاف الفاظ میں وہ فرماتے ہیں:

جو موحد ہیں وہ در حقیقت مشرکین کے زمرہ میں شامل ہیں اور جو متعارف مشرک

---

[1] ۔ تذکرہ ص 47، عربی ایڈیشن۔

ہیں وہی آرام دہ کرسیوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے اور جناب رسول اللہ ﷺ ان کے مومن ہونے پر گواہ ہوں گے۔ (1)

مومن مسلمانوں کے متعلق علامہ مشرقی صاحب کے نظریات

مومن، موحد کلمہ پڑھنے والوں کے بارے میں علامہ صاحب ایک فتویٰ ارشاد فرماتے ہیں، لکھتے ہیں:

> خدا تعالیٰ کی قسم تمہیں اللہ ہرگز نہ بخشے گا اور نہ تم پر مہربانی کرے گا وہ تو صرف مغرب کے رہنے والے عیسائیوں کو بخشے گا اور ان پر رحم کرے گا جو درحقیقت مومن ہیں اور ہمارے زمانہ میں وہی تو آخر تلوار اور جان کو لے کر جہاد کرتے اور اپنے دشمنوں کے دست برد سے اپنی حفاظت کرتے ہیں۔ (2)

غور فرمایئے مفتیان دین جب کوئی فتویٰ لکھتے ہیں تو اپنی دانست کے مطابق قرآن و سنت اور فقہ کے حوالہ سے دلائل لکھنے کے بعد " واللہ اعلم بالصواب " لکھ دیا کرتے ہیں اور قطعی طور پر بالخصوص قسم اٹھا کر کسی فتویٰ کا صادر کرنا کسی کے بس کا روگ نہیں مگر علامہ صاحب کا فتویٰ شروع ہی حلف سے ہوتا ہے اس لئے اس کے معتبر اور مستند ہونے میں کیا کمی اور خامی ہو سکتی ہے؟ ہر شخص کو خود اپنی فہم سے سمجھ سکتا ہے۔

اسی طرح علامہ مشرقی صاحب کے نزدیک تو دشمنوں سے لڑنا، ان کو قید کرنا، کال کوٹھڑیوں میں بند کرنا، مسلمان بادشاہوں کی حکومتوں کو تہس نہس کرنا اور ان کے بیٹوں کے سر کاٹ کر تحفہ میں پیش کرنا وغیرہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ عمل ہے اور عبادت ہے اور ایسی ہی قوم جنت میں جائے گی اگرچہ زبان سے وہ دس ہزار خدا ہی کیوں نہ مانتی ہو۔ (معاذ اللہ)

---

1 ۔ تذکرہ، ص 30 عربی۔

2 ۔ تذکرہ، ص 93، عربی۔

ایک جگہ علامہ مشرقی صاحب لکھتے ہیں:

اگر خدا معبود ہے تو وہ قوم موحد ہے اگرچہ رسماً پتھروں کو ہی کیوں نہ پوج رہی ہو یا قولاً خدا کو تین یا دس یا دس ہزار ہی کیوں نہ کہہ رہی ہو۔[1]

رہے کلمہ گو جن میں اہل حق مسلمان ہیں تو ان کے بارے میں علامہ مشرقی لکھتا ہے:

شیعہ اور سنی، حنفی اور شافعی، مقلد اور غیر مقلد، صوفی اور وہابی وغیرہ وغیرہ میرے نزدیک کچھ شیئ نہیں یہ سب جہنم کی تیاری ہے خودکشی اور استہلاک ہے موت کے ساتھ لہو ولعب ہے۔[2]

اب بتایئے کوئی ایسا اسلامی فرقہ ہے جو شیعہ اور سنی کے مفہوم سے خارج ہو لیکن علامہ صاحب ان کو جنت میں داخل نہ ہونے دیں گے اس لیے وغیرہ وغیرہ کا جملہ بڑھا کر ان سب کو ایک ہی لڑی میں پرو کر جہنم کا ٹکٹ تھما دیا۔

انبیاء کرام علیہم السلام اورانکے معجزات کے متعلق مشرقی صاحب کا نظریہ

حضرات انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے بارے میں علامہ مشرقی صاحب بطور طنز کہتے ہیں:

انبیاء کو عجیب وغریب کرامات کا عامل قرار دے کر ان کو تماشہ گر اور حقہ باز سمجھنا ہی اس تذکیر واعتبار، اس تفکر وتدبر کے مترادف تھا جس کی تلقین کلام الٰہی نے کی تھی؟[3]

ملاحظہ فرمایئے علامہ مشرقی صاحب نے انبیاء کرام کے پاک اور معصوم گروہ کو کس طائفہ اور ٹولہ سے تشبیہ دی ہے اور ان کے معجزات کے ساتھ کیا تمسخر کیا ہے۔

---

1 ۔ دیباچہ تذکرہ، ص99۔

2 ۔ المرجع السابق ص60۔

3 ۔ بلفظہ، مقدمہ تذکرہ، ص85۔

اس کے علاوہ بھی علامہ صاحب نے بہت کچھ کہا ہے مثلاً: تذکرہ (عربی) کے صفحہ 56 پر قسم اٹھا کر کہتے ہیں:

اسلام کے ارکان وہ پانچ نہیں جن کو تم ارکان کہتے ہو یعنی کلمہ طیبہ نماز روزہ حج اور زکوٰۃ بلکہ وہ دس ہیں (پھر آگے اپنی اختراع سے انہیں بیان کیا ہے) حوروں سے مراد ان کے نزدیک سفید فام جس میں اور لیڈیاں ہیں جو مسلمان رؤساء کے نکاح میں آتی ہیں۔[1]

اور مزید لکھا ہے کہ:

امام مہدی علیہ الرضوان کی آمد کی بشارت سنانے والی تمام حدیثیں جعلی ہیں۔[2]

جنات سے مراد مولوی اور پیر ہیں جو حجروں میں چھپے رہتے ہیں۔[3]

اکثر فرشتے اہل یورپ اور عیسائیوں کو سجدہ کرتے ہیں۔[4]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔[5]

جنت سے مراد زمین کی بادشاہت ہے۔[6]

یہ اور اس قسم کی بیسیوں خرافات سے علامہ مشرقی صاحب کا تذکرہ بھرا پڑا ہے ہمارا مقصود تمام عبارات کو نقل کرنا نہیں بلکہ ان کے باطل اور مذعوم نظریات کی طرف صرف اشارہ کرنا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ انکار حدیث کے بعد آدمی کس قدر گمراہی اور الحاد کی کن کن وادیوں میں سر مارتا

---

[1] ۔حاشیہ تذکرہ، عربی، ص109۔

[2] ۔تذکرہ، عربی ص5۔

[3] ۔المرجع السابق ص15۔

[4] ۔المرجع السابق ص46۔

[5] ۔حاشیہ دیباچہ ص17۔

[6] ۔حاشیہ تذکرہ ص116۔

پھرتا ہے اور اس کے لئے کون سی بندش باقی رہ جاتی ہے جس کو توڑنے کے لئے وہ برسرپیکار نہ ہو حقیقت یہی ہے کہ قرآن وحدیث کا چولی دامن کا ساتھ ہے حدیث کی تکذیب قرآن کی تکذیب کو لازم ہے اور صحیح معنیٰ میں قرآن کو تسلیم کرنا حدیث کے تسلم کرنے کو مستلزم ہے۔

علامہ مشرقی کے عقائد و نظریات اور خیالات کا نتیجہ آخر کار اس صورت میں نکلا کہ علامہ صاحب خود فرماتے ہیں:

> میں اپنے نفس کے لئے شب وروز ظلم کرتا رہتا ہوں اور صبح شام اپنی تنخواہ کے لئے انگریز کی پرستش کرتا ہوں اور میں اپنے رب کی عبادت نہیں کرتا اور وہ مجھے اپنی طرف سے روزی عطا فرمائے اور میں دن بدن قرآن کی تکذیب کرتا رہتا ہوں اور میں توحید پر مداومت کی طاقت نہیں رکھتا بلکہ اپنے نفس کے لئے مکر پر مکر کئے جاتا ہوں اور بڑی سرعت سے بار شرک میں مبتلا ہو رہا ہوں سو تم مجھے نہ دیکھو بلکہ جو کچھ میں کہتا ہوں اسے دیکھو۔[1]

علامہ صاحب نے آخر میں اپنے دل کی کہہ ڈالی اور صاف گوئی سے اقرار کرلیا کہ جو کچھ میں نے کیا ہے صرف پیٹ کی خاطر اور انگریز کو خوش کرنے کے لئے کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں علامہ مشرقی کے سامنے اپنی باطل رائے اور خواہش نفسانی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے مگر افسوس کہ وہ زندگی بھر دوسروں کو تو جہنم میں بھیجنے کی سوجھی رہی لیکن اپنی آخرت کی نہ سوجھی۔

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ انکار حدیث کے بعد انسان کا قدم کہیں نہیں ٹکتا، انکار حدیث کے علم برداروں نے مغربی اہل الرائے سے اسلام کی عذر خواہیوں اور توضیحات میں اور اسلامی معاشرتی اور مذہبی خیالات کی جدید تصورات سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے از سر نو تعمیر کے لیے اسلام

---

[1] ۔ تذکرہ ص 141، عربی ایڈیشن۔

کے ہر بنیادی عقیدہ کو بھینچے کی کوشش کی ان لوگوں نے ہر اس اسلامی عقیدہ و حکم تاویل سے بدل ڈالنے کی کوشش کی جو اپنی اصلی شکل میں جدید مغربی یا مغرب متاثر ذہن کے لیے قابل قبول دکھائی نہ دیتا تھا. ان کی یہ کوشش اپنے زعم میں اسلام سے محبت کا نتیجہ جبکہ حقیقت میں اس سے بیزاری اور پرائے افکار و نظریات سے محبت و مرعوبیت کا ثمر تھی۔ دیوارِ اسلام کو گرانے میں یہ کسی دوسرے ملحد یا مستشرق سے پیچھے نہیں رہے۔

نہیں ہے دہریت کیا بندہ حرص و ہوا ہونا
قیامت ہے مگر اوروں کو سمجھا دہریہ تو نے
زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت بندار کو اپنا خدا تو نے

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

ڈاکٹر غلام جیلانی برق صاحب 26 اکتوبر 1901ء کو کنٹ، پنڈی گھیب ضلع کیمبل پور (موجودہ اٹک) میں پیدا ہوئے، عربی، فارسی اور اردو میں اسناد حاصل کرنے کے بعد انہوں نے عربی اور فارسی میں ایم اے کیا 1940ء میں انہوں نے ابن تیمیہ پر تحقیقی مقالہ لکھ پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور پھر تدریس کے شعبے سے وابستگی اختیار کی ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے مختلف موضوعات پر چالیس کے لگ بھگ کتابیں تحریر کیں جن میں دو اسلام، دو قرآن، فلسفیان اسلام، مؤرخین اسلام، حکمائے عالم، فرمانروایان اسلام، دانش رومی و سعدی، بھائی بھائی، ہم اور ہمارے اسلاف اور میری آخری کتاب خصوصاً قابل ذکر ہیں 2 مارچ 1985ء کو ڈاکٹر غلام جیلانی برق اٹک میں وفات پاگئے اور قبرستان عید گاہ میں دفن ہیں۔

ڈاکٹر صاحب بھی علامہ مشرقی کی طرح اقوام مغرب اور مغربی تہذیب کے دلدادہ تھے ڈاکٹر صاحب کی بے اعتدالیوں اور کجرویوں کی داستان بھی کافی طویل ہے بطور نمونہ چند ایک اقتباسات عرض کئے دیتے ہیں:

احادیث نبویہ کے متعلق نظریہ

ڈاکٹر صاحب بزعم خویش علومِ عربی پر عمیق نگاہ رکھنے والے اور بڑے محقق بھی ہیں، آپ کی کتابوں میں دو قرآن دو اسلام جہانِ نو اور حرفِ محرمانہ بسلسلہ انکارِ حدیث مشہور ہوئیں ہیں، ایک جگہ مرزا غلام احمد قادیانی کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> مرزا صاحب درست فرماتے ہیں کہ تمام حدیثیں تحریفِ معنوی و لفظی سے آلودہ یا سرے سے موضوع ہیں۔[1]

---

[1] ۔ حرف محرفانہ، ص 75۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

احادیث ازبس ناقابل اعتماد ہیں۔[1]

ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

لیکن حدیث! تو یہ ہی بھلی، اس کا تو وہ ستیاناس ہوا کہ اس سے زیادہ محرف برید ہ اور مسخ شدہ لٹریچر دنیا میں موجود نہیں۔[2]

ڈاکٹر غلام جیلانی برق جو انکارِ حدیث میں اس قدر آگے نکلے ہوئے تھے، بعد میں انکارِ حدیث سے یکسر تائب ہو گئے ان کی آخری تصنیف تاریخِ حدیث (برق) ہے، جس میں اُنہوں نے علماء کی سطح پر حدیث کو قبول کرنے کا غیر مشروط اقرار کیا ہے اور بطور کفارہ انہوں نے ایک کتاب تاریخِ حدیث سے متعلق لکھی، جس میں محدثین کی خدمات کا تعارف کرایا ہے۔

راہ نما قوم کے سادہ بھی ہیں پرکار بھی ہیں!
سعی تخریب بھی ہے کوشش تعمیر بھی ہے

حدیث کے مقابلے میں ڈاکٹر صاحب کے نزدیک تمام صحف سابقہ تورات وزبور اور انجیل وغیرہ میں کوئی تحریف نہیں ہوئی چنانچہ وہ اپنے مزعوم تاریخی شواہد کی بنا پر لکھتے ہیں:

صحف سابقہ میں کوئی تحریف نہیں ہوئی۔[3]

خنزیر کے متعلق برق صاحب کا نظریہ

جمہور اہل اسلام کے نزدیک خنزیر نجس العین ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے "انہ

---

[1] ۔ المرجع السابق۔ ص 73۔

[2] ۔ دو اسلام، ص 108۔

[3] ۔ ایک اسلام، ص 122۔

رجس" اور اس کے تمام اجزاء ناپاک اور حرام ہیں، محدثین نے لکھا ہے کہ کسی نبی کے زمانہ میں خنزیر حلال نہیں تھا، حضرت عیسی علیہ السلام کی شریعت کی طرف جو اس کی حلت منسوب کی جاتی ہے بالکل غلط ہے، ان کی شریعت میں بھی خنزیر حرام تھا، حدیث میں آتا ہے کہ آخری زمانہ میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو خنزیر کو قتل کریں گے، اس کے تحت علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ ان کی شریعت میں خنزیر حرام تھا اور اس میں ان عیسائیوں کی بھی تکذیب ہے جو خنزیر کی حلت کو اپنی شریعت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

ومما يستفاد من الحديث ما فيه قاله ابن بطال: دليل على أن الخنزير حرام في شريعة عيسى عليه الصلاة والسلام، وقتله له تكذيب للنصارى أنه حلال في شريعتهم۔ [1]

لیکن برق صاحب اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

سور کا گوشت لحم خنزیر کبھی آپ نے غور فرمایا کہ کس طرح سور کے بال ہمارے تمدن کا جزو اعظم ہیں ہر قسم کی بوتلیں خواہ وہ دوا کی ہوں شربت یا شراب کی ایسے برش سے صاف کی جاتی ہیں جو سور کے بالوں سے تیار کردہ ہوتا ہے نیز کپڑے اور دانت صاف کرنے کے برش انہی بالوں سے تیار کئے جاتے ہیں چونکہ غیب دان اللہ کو علم تھا کہ سور کے بال تیرہ سو برس کے بعد انسانی تمدن کا حصہ بن جائیں گے اس لئے سور کو حرام کرتے وقت لحم الخنزیر کے لفظ استعمال فرمائے یعنی سور کا گوشت حرام قرار دے دیا اور بالوں کے متعلق خاموشی اختیار فرمالی۔ [2]

---

[1] - عمدة القاري شرح صحيح البخاري 12/35۔

[2] ۔ جہان نو، ص 143، 144۔

حالانکہ علماء امت نے اس بات کی بھی تصریح کردی ہے کہ خنزیر کے بال بھی نجس اور ناپاک ہیں انہیں بغیر ضرورت شدیدہ کسی بھی صورت میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور جو مواضع برق صاحب نے بیان فرمائے ہیں وہ ضرورت شدیدہ میں شامل نہیں کیونکہ ان کاموں کے لئے متبادل اشیاء موجود ہیں ملاحظہ فرمائیں:

"وأما شعر الخنزير فهو نجس، هو الظاهر في مذهب أبي حنيفة رحمة الله عليه، وروي أنه رخص للخرازين استعماله لأن منفعه الخرز عادةً لاتحصل إلا به، وجرت العادة في زمن الصحابة رضوان الله عليهم إلى يومنا هذا في استعماله في الخرز من غير نكير منكر، وعن أبي يوسف رحمه الله، أنه لايفسد إلا أن يغلب"۔[1]

"وما ذكر في بعض المواضع من جواز صلاة الخرازين مع شعر الخنزير وإن كان أكثر من قدر الدرهم ينبغي أن يخرج على القول بطهارته في حقهم. أما على قول أبي يوسف فلا، وهو الوجه فإن الضرورة لم تدعهم إلى أن يعلق بهم بحيث لايقدرون على الامتناع منه ويجتمع في ثيابهم هذا المقدار. فتح"۔[2]

لیکن قرآن کریم کی صحیح بصیرت اور فہم تو محدثین عظام اور فقہاء کرام اور مفسرین پر اعتماد کرنے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے اور یہ وہ مہنگا سودا ہے جو برق صاحب کو کسی قیمت نہیں بھاتا اس لئے بلا ضرورت شدیدہ غیر مسلموں خوشنودی کے لئے اس طرح کی حجت بازی درست نہیں۔

---

[1] ۔ المحيط البرهاني في الفقه النعماني 1/476۔

[2] ۔ الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار) 5/72۔

برق صاحب کا غیر نبی کو نبی کے برابر قرار دینا

قرآن کریم کی نصوص قطعیہ ، احادیث متواترہ اور تمام امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہود ونصاریٰ نے اپنی کتب میں تحریف کی ہے اور یہ بھی منصوص ہے کہ اسلام کے علاوہ اب کوئی بھی مذہب خدا تعالیٰ کی رضاجوئی تک پہنچانے کا کفیل نہیں ہے " ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ " وغیرہ آیات اس پر دال ہیں اور یہ بھی قطعیات سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ تمام انبیاء سے اعلی وافضل ہیں لیکن برق صاحب حضور نبی کریم ﷺ کے علاوہ رام، کرشن ، سقراط، اور بدھ وغیرہ سب کو قطعی طور پر نبی مانتا ہے اور حضور ﷺ کے ہم پلہ قرار دیتا ہے اور اہل اسلام پر بطور طنز کے لکھتا ہے:

> گزشتہ تیرہ سو برس سے ہم تورات اور انجیل اور دیگر صحائف کی تردید و تحریف پر تقریر و تحریر کے دریا بہا رہے ہیں ہر قوم کے ہر فرد کو کافر و جہنمی قرار دے رہے ہیں اپنے ہر خطبے میں اپنے رسول کو خیر الانبیاء کہہ کر لا نفرق بین احد منھم کی صریح خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ [1]

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

> دوسری اقوام کے انبیاء پر ایمان لانا ان کے اسوہ ہائے حسنہ پر چلنا ان کے مناقب بیان کرنا انہیں ہر لحاظ سے محمد ﷺ کے ہم مرتبہ ثابت کرنا اور ان کی تعلیمات کو تعلیمات قرآن کہنا ہمارا کام تھا لیکن اسے کر رہے ہیں غیر مسلم۔۔۔الخ۔ [2]

یعنی یہ کام مسلمانوں کا تھا کہ وہ ہر لحاظ سے دیگر انبیاء علیہم السلام کو بھی نبی کریم ﷺ کے ہم پلہ

---

[1] ۔ جہان نو، ص 135۔

[2] ۔ ایک اسلام ص 24۔

اور ہم مرتبہ قرار دیتے تف ہے ایسی عقل پر کیونکہ جیسے نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم خاتم النبیین ہیں اسی طرح دوسروں کو بھی خاتم النبیین ماننا لازم آئے گا اور یہ محال ہے جس طرح نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قیامت تک انسان و جنات کے نبی ہیں اور آپ کی شریعت قیامت تک قابل عمل ہے ایسے ہی دوسرے انبیاء کی شرائع کو مانا جائے تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی شریعت اور دوسری شرائع سابقہ کے مختلف فیہا احکامات پر ایک ہی وقت میں عمل کیسے ممکن ہو گا، اور بعد ازاں مسلمانوں سے شکوہ بھی کرتے ہیں کہ یہ کام مسلمانوں کو کرنا چاہیئے تھا لیکن اب غیر مسلم کر رہے ہیں۔

قوام قوم کا مذہب ہی ہے زمانہ میں
کہاں کی قوم جب اس کا کوئی قوام نہیں

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

مثلاً موسیٰ و عیسیٰ، ابراہیم و محمد (علیہم السلام) رام و کرشن، سقراط و کینفوشش اور زرتشت و بدھ علیہم السلام۔[1]

یعنی یہ سب انبیاء اور جن کا قطعی طور پر نبی ہونا بھی معلوم نہیں وہ سب انبیاء کے مرتبہ میں برابر ہیں حالانکہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سب سے بلند مقام و مرتبہ پر فائز ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افضل الانبیاء ہونے کی مختصر بحث

بلاشبہ رسولِ اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم علیہ وسلم محبوبِ دوجہاں، خاتم النبین، اور تمام انبیاءِ کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے سردار اور سب سے افضل وبرتر ہیں، اس پر تمام امت کا اجماع ہے، نیز دیگر انبیاء کرام علیہم السلام میں سے بعض کو بعض پر اللہ تعالیٰ نے بعض اعتبار سے فضیلت عطا فرمائی ہے، ہمارے لیے حکم یہ ہے کہ ہم انبیاء کرام علیہم السلام کی صفات و خصوصیات کا ذکر مثبت انداز میں

---

[1] ۔ ایک اسلام، ص25۔

کریں، امتی کے لیے ایک نبی کا دوسرے نبی سے موازنہ کرنا اور ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا خصوصاً جب کسی نبی علیہ السلام کی شان میں کمی آتی ہو، اس سے ہمیں منع کیا گیا ہے، ورنہ رسولِ اکرم ﷺ نے خود اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے اپنی فضیلت واشگاف الفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں، اور (اپنا مقام بیان کرنے میں مجھے) کوئی فخر نہیں ہے۔ باقی بعض روایات سے جو آپ کی دیگر انبیاء سے افضلیت کی نفی ہوتی ہے، اس کی وضاحت کے لیے متعلقہ مسئلہ کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو:

یہاں دو مسئلے الگ الگ ہیں:

1۔ افضلیتِ انبیاء، یعنی کسی نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت ہے یا نہیں؟

2۔ یونس علیہ السلام کا تخصیص کے ساتھ ذکر کرنے کی وجہ۔

1۔ حدیث مبارک میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی موقع پر ایک مسلمان اور ایک یہودی کے درمیان بدکلامی ہوئی، مسلمان نے کہا: اللہ کی قسم جس نے محمد ﷺ کو سارے جہاں کے لوگوں میں سے بہتر قرار دیا، اس کے جواب میں یہودی نے یہ کہا کہ اس اللہ کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو جہاں کے لوگوں میں سب سے بہتر قرار دیا، اس پر مسلمان نے (طیش میں آکر) یہودی پر ہاتھ اٹھا دیا اور اس کے گال پر طمانچہ مارا، یہودی (شکایت لے کر) نبی کریم ﷺ کے پاس گیا اور آپ ﷺ کے سامنے اپنا اور اس مسلمان کا پورا واقعہ رکھا، نبی کریم ﷺ نے مسلمان کو طلب فرمایا اور اس سے صورتِ حال کی تحقیق کی، اس نے (یہودی کے بیان کردہ واقعہ کی تردید نہیں کی بلکہ) آپ ﷺ کو جوں کی توں ساری بات بتادی۔ نبی کریم ﷺ نے (فریقین کے بیانات سن کر) فرمایا: مجھ کو موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو؛ اس لیے کہ قیامت کے دن (صور پھونکے جانے پر) جب سب لوگ بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے تو ان کے

ساتھ میں بھی بے ہوش ہو کر گر جاؤں گا، پھر سب سے پہلے ہوش میں آنے والا شخص میں ہوں گا ،لیکن (جب میں ہوش میں آؤں گا تو) دیکھوں گا کہ موسی علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں اور میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا اس وقت یہ ہو گا کہ موسی بے ہوش ہو جانے والے لوگوں میں شامل ہوں گے اور ان کی بے ہوشی مجھ سے پہلے ختم ہو چکی ہو گی یا یہ ہو گا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دے دیا ہو گا (اور بے ہوش ہو کر گر پڑنے والے لوگوں میں شامل ہی نہیں ہوں گے) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اور میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا اس وقت یہ ہو گا کہ طور پر موسی علیہ السلام کی بے ہوشی کو (قیامت کے دن کی) اس بے ہوشی کے حساب میں شمار کر لیا جائے گا یا یہ ہو گا کہ (بے ہوش ہو کر گر پڑنے والوں میں وہ بھی شامل ہوں گے مگر) وہ مجھ سے بھی پہلے ہوش میں آجائیں گے (پھر آپ ﷺ نے فرمایا) اور میں تو یہ بھی نہیں کہتا کہ کوئی شخص یونس بن متی سے افضل ہے۔"

اور حضرت ابو سعید کی روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے (دونوں فریق کے بیانات سن کر) فرمایا تم انبیاء میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہ دو" (بخاری و مسلم) اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "تم اللہ کے نبیوں میں سے کسی کو کسی پر فضیلت نہ دو"۔

اس حدیث مبارک میں آپ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت بیان کی ہے؛ اس لیے کہ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق اگر یہ ہو گا کہ تمام لوگوں کی طرح حضرت موسی علیہ السلام بھی بے ہوش ہو جائیں گے، تو میرا ہوش میں آنے کے بعد ان کو اس طرح دیکھنا کہ وہ عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں، یہ ثابت کرے گا کہ وہ مجھ سے بھی پہلے ہوش میں آگئے تھے، اس صورت میں مجھ پر ان کی فضیلت بالکل ظاہری بات ہے اور اگر یہ ہو گا کہ حضرت موسی علیہ السلام کو بے ہوش ہو جانے والوں میں شامل نہیں کیا جائے گا اور وہ سرے سے بے ہوش ہی نہیں ہوں گے،

حال آں کہ مجھ پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی، تو یہ صورت بھی ان کی فضیلت کو ظاہر کرنے والی ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس معاملہ میں حضرت موسی علیہ السلام کو مجھ پر فضیلت حاصل ہے تو پھر مجھ کو ان پر فضیلت دینے کے کیا معنی ہیں۔اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "تم اللہ کے نبیوں میں سے کسی کو کسی پر فضیلت نہ دو"۔

"وَعَنْهُ (أي أبي هريرة) قَالَ: اسْتَبَّ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَرَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ، فَقَالَ الْمُسْلِمُ: وَالَّذِي اصْطَفَى مُحَمَّدًا عَلَى الْعَالَمِينَ، فَقَالَ الْيَهُودِيُّ: وَالَّذِي اصْطَفَى مُوسَى عَلَى الْعَالَمِينَ، فَرَفَعَ الْمُسْلِمُ يَدَهُ عِنْدَ ذَلِكَ فَلَطَمَ وَجْهَ الْيَهُودِيِّ، فَذَهَبَ الْيَهُودِيُّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ بِمَا كَانَ من أمره وأمرِ الْمُسلم، فَدَعَا النَّبِي صلى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمَ، فَسَأَلَهُ عَنْ ذَلِكَ، فَأَخْبَرَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُخَيِّرُونِي عَلَى مُوسَى؛ فَإِنَّ النَّاسَ يُصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأُصْعَقُ مَعَهُمْ، فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ، فَإِذَا مُوسَى بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ، فَلَا أَدْرَى كَانَ فِيمَنْ صُعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِي أَوْ كَانَ فِيمَنِ اسْتَثْنَى اللَّهُ. وَفِي رِوَايَةٍ: " فَلَا أَدْرِي أَحُوسِبَ بِصَعْقَةِ يَوْمِ الطُّورِ أَوْ بُعِثَ قَبْلِي؟ وَلَا أَقُولُ: أَنَّ أَحَدًا أَفْضَلَ مِنْ يُونُسَ بنِ مَتَّى ". وَفِي رِوَايَةِ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: لَا تُخَيِّرُوا بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي رِوَايَةِ أَبِي هُرَيْرَةَ: لَا تفضلوا بَين أَنْبِيَاء الله" (متفق عليه)[1]

---

[1] - مشکاۃ المصابیح،3/1591۔

لیکن دوسری طرف خود قرآن پاک میں ارشاد ہے : ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾(البقرة:253)یعنی اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسولوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، نیز خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

عن أبي سعيد، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنا سيد ولد آدم يوم القيامة ولا فخر"۔ [1]یعنی میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں، لیکن مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔

تو ان دونوں قسموں کی نصوص میں علماء کرام نے مندرجہ ذیل طریقوں سے تطبیق دی ہے:

1۔ آپ ﷺ نے یہ ممانعت اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب کہ آں حضرت ﷺ کی افضلیت کو ظاہر کرنے والی وحی نازل نہیں ہوئی تھی، اور آپ کو اپنے تمام انبیاء سے افضل ہونے کا علم نہیں تھا، اس وحی کے نزول کے بعد یہ ممانعت ختم ہوگئی اور یہ بات ثابت قرار پائی کہ آں حضرت ﷺ تمام انبیاء سے افضل ہیں اور آپ ﷺ کو کسی بھی نبی کے مقابلہ پر افضل واشرف کہنا درست ہے، لیکن یہ توجیہ زیادہ قوی نہیں ہے۔

2۔ آپ کو یہ معلوم تھا کہ آپ تمام انبیاءِ کرام سے افضل ہیں اور ان کے سردار ہیں، لیکن آپ ﷺ نے تواضع، عاجزی اور انکساری کے طور پر اس طرح ارشاد فرمایا تھا۔

3۔ نفسِ نبوت کے اعتبار سے کسی نبی کو کسی نبی کے مقابلہ پر فضیلت نہ دو، کیوں کہ اصل مرتبہ نبوت کے اعتبار سے تمام انبیاء برابر ہیں، خصائص وصفات کے لحاظ سے افضل اور مفضول ہونے سے انکار نہیں ہے، جیسا کہ خود سورۂ بقرہ میں مؤمن کی یہ شان بیان کی گئی ہے کہ ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ﴾(البقرة:285) یعنی ہم کسی نبی اور رسول کے درمیان فرق نہیں

---

[1] - سنن الترمذي-5/308۔

کرتے اور یہ نہیں کرتے کہ خدا کے سچے نبیوں میں ایک کو مانیں اور دوسرے کا انکار کریں۔
4۔ یا یہ مراد ہے کہ نبی کو کسی نبی کے مقابلہ میں اس طرح بڑھا چڑھا کر پیش نہ کرو اور کسی نبی کی افضلیت کو اس انداز میں بیان نہ کرو کہ دوسرے نبیوں کی تحقیر و توہین لازم آئے، یہ جواب سب سے قوی ہے، اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ بلا شبہ انبیاء اور رسولوں کے درمیان فرقِ مراتب ہے، انبیاء میں سے بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے، اور اسی طرح تمام انبیاء کے درمیان فضیلت دینے کی ممانعت بھی مذکور ہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی نبی کو اس طرح دوسرے نبی پر فضیلت دینا ممنوع ہے کہ جس سے دوسرے نبی کی تنقیص لازم آتی ہو، اسی طرح ایسے موقع پر فضیلت دینے کی ممانعت کی گئی جب کہ مسئلہ مجادلہ اور مناظرہ کی شکل اختیار کرلے، کیوں کہ ایسی صورت میں احتیاط کے باوجود انسان بے قابو ہو کر دوسرے پیغمبر کے متعلق ایسی باتیں کہہ جائے گا جو ان کی توہین کا سبب بنے گی، اور پیغمبر کی توہین کفر ہے۔
2۔ اور خاص کر یونس علیہ السلام کا ذکر فرمایا جیسا کہ حدیث مبارک میں ہے حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں یونس علیہ السلام ابن متی سے بہتر ہوں" (بخاری و مسلم) اور بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص یہ کہے کہ میں یونس ابن متی سے بہتر ہوں تو یقیناً وہ جھوٹا ہے۔
اس جملہ کے دو مطلب ہیں:
1۔ کوئی عام شخص اپنے بارے میں کہے وہ یونس علیہ سے بہتر ہے، اس صورت میں یہ جائز نہ ہونا بالکل ظاہر ہے کی کسی بھی امتی کے لیے ایسا کہنا قطعاً جائز نہیں۔
2۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی آپ ﷺ کو ان پر فضیلت دے، اس صورت میں اس کی وہی توجیہات ہیں جو گزشتہ سطور میں ذکر ہوئیں ہیں، اور ان روایات میں خصوصیت کے ساتھ

حضرت یونس علیہ السلام کا جو ذکر ہے، یہ صرف اس لیے ہے کہ جو شخص بھی یونس علیہ السلام کے حالات اور واقعات کا مطالعہ کرے اس کے دل میں آپ کی ذاتِ اقدس کی تنقیص کا پہلو نہ آئے کہ جب ان کی قوم نے ان کی بات نہ مانی اور ان کو ایذا پہنچائی تو یونس علیہ السلام ان کو عذاب سے ڈرا کر غصہ میں قوم کو چھوڑ کر نکل گئے اور کشتی میں جا بیٹھے تھے، لہٰذا ان کا یہ طرزِ عمل لوگوں کو اس گمان میں مبتلا کر سکتا تھا کہ ان کے مقابلہ پر کسی نبی کو فضیلت دینا درست ہے، لیکن آں حضرت ﷺ نے ارشاد کے ذریعہ اپنی امت کے لوگوں کو اس گمان سے بھی باز رکھا اور واضح کیا کہ یہ حضرت یونس علیہ السلام کی ذات پر طعن اور ان کی تحقیر کے مرادف ہے، لہذا ان کی عظمت کے اس پہلو کو نمایاں کر کے تنقیص کے اس خدشہ کا سدباب کیا۔

"قال العلماء: إنما قال صلى الله عليه وسلم ذلك تواضعاً إن كان قاله بعد أن أعلم أنه أفضل الخلق، وإن كان قاله قبل علمه بذلك فلا إشكال، وقيل: خص يونس بالذكر؛ لما يخشى على من سمع قصته أن يقع في نفسه تنقيص له، فبالغ في ذكر فضله؛ لسد هذه الذريعة"۔[1]

"وَقَالَ الْخطابِيّ: معنى قَوْله لَا يَنْبَغِي لأحد إِلَى آخِره لَيْسَ لأحد أَن يفضل نَفسه على يُونُس، وَيحْتَمل أَن يُرَاد لَيْسَ لأحد أَن يُفَضِّلُنِي عَلَيْهِ قَالَ هَذَا مِنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم على مَذْهَب التَّوَاضُع والهضم من النَّفس وَلَيْسَ مُخَالفا لقَوْله ﷺ: أَنا سيد ولد آدم لِأَنَّهُ لم يقل ذَلِك مفتخراً وَلَا متطاولاً بِهِ على الْخلق، وَإِنَّمَا قَالَ ذَلِك ذَاكِرًا للنعمة ومعترفاً بالمنة، وَأَرَادَ بالسيادة مَا يكرم بِهِ فِي الْقِيَامَة، وَقيل: قَالَ ذَلِك قبل الْوَحْي بِأَنَّهُ

---

1 - فتح الباري لابن حجر، 6/452۔

سيد الْكل وَخَيرهمْ وأفضلهم، وَقيل: قَالَه زجراً عَن توهم حط مرتبته لما فِي الْقُرْآن من قَوْله ﴿وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ﴾ وَهَذَا هُوَ السَّبَب فِي تَخْصِيص يُونُس بِالذكر من بَين سَائِر الْأَنْبِيَاء عَلَيْهِم الصَّلَاة وَالسَّلَام قَوْله: " لَيْلَة أسرِي بِهِ " وَفِي رِوَايَة الْكشميهني : لَيْلَة أسرِي بِي على الْحِكَايَة قَوْله: " طوال " بِضَم الطَّاء قَوْله: " جعد الشّعْر " الْجَعْد خلاف السبط؛ لِأَن السبوطة أَكْثَرهَا فِي شُعُور الْعَجم، قَوْله: " وَذكر مَالِكًا " أَي وَذكر النَّبِي ﷺ لَيْلَة أسرِي بِهِ مَالِكًا خَازِن النَّار، وَذكر أَيْضاً الدَّجَّال، وَهَذَا الحَدِيث وَاحِد عِنْد أَكثر الروَاة، فَجعله بَعضهم حديثين: أَحدهمَا مُتَعَلق بِيُونُس، وَالْآخر بالبقية الْمَذْكُورَة". [1]

"قال العلماء في نهيه صلى الله عليه وسلم عن التفضيل بين الأنبياء: إنما نهى عن ذلك من يقوله برأيه لا من يقوله بدليل أو من يقوله بحيث يؤدي إلى تنقيص المفضول أو يؤدي إلى الخصومة والتنازع، أو المراد لا تفضلوا بجميع أنواع الفضائل بحيث لا يترك للمفضول فضيلة، فالإمام مثلاً إذا قلنا: إنه أفضل من المؤذن، لا يستلزم نقص فضيلة المؤذن بالنسبة إلى الأذان، وقيل: النهي عن التفضيل إنما هو في حق النبوة نفسها، كقوله تعالى: ﴿لا نفرق بين أحد من رسله﴾ ولم ينه عن تفضيل بعض الذوات على بعض؛ لقوله: ﴿تلك الرسل فضلنا بعضهم على

---

[1] - عمدة القاري شرح صحيح البخاري، 15/293.

بعض﴾. وقال الحليمي: الأخبار الواردة في النهي عن التخيير إنما هي في مجادلة أهل الكتاب وتفضيل بعض الأنبياء على بعض بالمخايرة؛ لأن المخايرة إذا وقعت بين أهل دينين لا يؤمن أن يخرج أحدهما إلى الإزدراء بالآخر؛ فيفضي إلى الكفر. فأما إذا كان التخيير مستنداً إلى مقابلة الفضائل لتحصيل الرجحان"۔[1]

برق صاحب کا نظریہ کہ ایمان بالرسل نجات کے لئے ضروری نہیں

برق صاحب کے نزدیک انبیاء ورسل پر ایمان لانا نجات کے لئے ضروری نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص صرف اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لائے تو وہ مومن اور ناجی ہے ملاحظہ فرمائیں:

اللہ تعالیٰ نے "آمنوا باللہ والیوم الآخر" کو قبول اعمال کی بنیادی شرط قرار دیا ہے اس میں ایمان بالرسل شامل نہیں۔[2]

اس سے آگے بڑھ کر فرماتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا بھی ضروری نہیں اپنی کتاب ایک اسلام میں لکھتے ہیں:

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ اللہ تعالیٰ آیت ولو انھم اقاموا میں نیک یہود ونصاریٰ کو مژدہ رحمت سنا رہا ہے یہ لوگ خدا او آخرت پر تو ایمان رکھتے تھے لیکن ہمارے رسول کی رسالت کے قائل نہ تھے ممکن ہے ملا میری اس تحریر سے بھڑک اٹھے اور کہے کہ لو جی یہ زندیق اور ملحد نجات کے لئے ایمان بر محمد کو ضروری نہیں سمجھتا، اجی حضرت مولانا! مجھ پر مت برسیئے میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہہ رہا قران سنا رہا ہوں

---

[1] - فتح الباري لابن حجر، 6/ 446۔

[2] - ایک اسلام، ص، 48۔

اللہ کا فیصلہ پیش کر رہا ہوں۔[1]

یہ ہیں وہ برق صاحب جنہوں نے دوسری قوموں کے انبیاء پر ایمان لانا مسلمان کا کام بتلایا مگر اب اپنا لکھا بھول گئے اور انبیاء کو برابر تو کیا صرف ان پر ایمان لانے سے ہی مکر گئے حالانکہ تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے اور قطعی عقیدہ ہے اس کے بغیر نجات کسی حال میں ممکن ہی نہیں ہے۔

سچ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ میری امت میں اختلاف رونما ہو گا اور ایک فرقہ ایسا پیدا ہو گا جو بات تو اچھی اور معقول کہے گا مگر پرلے درجے کا بدعمل ہو گا وہ قران تو پڑھے گا مگر اس کے حلق سے نیچے قرآن نہیں اترے گا دین سے وہ ایسا نکل جائے گا جیسے تیر شکار کو چھید کر آگے نکل جاتا ہے وہ خدا کی ساری مخلوق سے بدتر ہو گا۔

عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنهما عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ: سَيَكُوْنُ فِي أُمَّتِي اخْتِلَافٌ وَفُرْقَةٌ قَوْمٌ يُحْسِنُوْنَ الْقِيْلَ وَيُسِيْئُوْنَ الْفِعْلَ يَقْرَأُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ مُرُوْقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ لَا يَرْجِعُوْنَ حَتّٰى يَرْتَدَّ عَلٰى فُوْقِهٖ هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيْقَةِ طُوْبٰى لِمَنْ قَتَلَهُمْ وَقَتَلُوْهُ يَدْعُوْنَ إِلٰى كِتَابِ اللهِ وَلَيْسُوْا مِنْهُ فِي شَيْئٍ مَنْ قَاتَلَهُمْ كَانَ أَوْلٰى بِاللهِ مِنْهُمْ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ، مَا سِيْمَاهُمْ؟ قَالَ: التَّحْلِيْقُ۔[2]

---

[1] ۔ المرجع السابق، ص،46۔

[2] ۔ أخرجہ أحمد بن حنبل في المسند، 3/ 224، الرقم/ 13362، وأبو داود في السنن، کتاب السنة، باب في قتال الخوارج، 4/ 243، الرقم/ 4765، وابن ماجہ في السنن، المقدمة، باب في ذکر الخوارج، 1/ 60، الرقم/ 169، والحاکم في المستدرک، 2/ 161، الرقم/ 2649۔

اس زمانے میں وہ گروہ اہل قرآن کہلانے والوں کا ہے اور ان متجددین کا جو دین کے نام پر احادیث کا انکار اور لوگوں میں گمراہی پھیلا رہے ہیں۔

عیسائی اور یہودی بھی خدا اور رسول کے صحیح پیروکار ہیں

برق صاحب کے نزدیک جب نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا ضروری نہیں تو دوسری اقوام کی طرح یہودی اور نصرانی کیوں جہنمی ہوں اور ان کے اعمال کیوں خراب ہو جائیں؟ اور ان کو ناحق اور باطل پر کیونکر کہا جائے اس لئے برق صاحب کے قلم سے یہ شگوفہ بھی پھوٹا اور انہوں نے یہود ونصاریٰ کو بھی صحیح قرار دیا ملاحظہ فرمائیں:

> اسلام کسی زبانی اقرار کا نام نہیں بلکہ نیکی کا نام ہے اگر ایک عیسائی نیکی کر رہا ہے تو وہ قرآن کی رو سے مسلمان ہے رسول و قرآن کا صحیح پیرو وہی ہے جو نیک ہے نہ کہ وہ جو کلمہ پڑھ کر سارے جہان کی بدمعاشیاں کرتا پھرے، آپ کے ہاں اسلام چند عقائد کا نام ہے اور قران کے نزدیک صرف نیکی کا، اس لئے خدا اور رسول کا صحیح پیرو وہ ہے جو ان احکام پر عمل کر رہا ہے خواہ اس پر عیسائیت کا لیبل لگا ہوا ہو یا یہودیت کا نہ وہ جو خدا اور رسول کا صرف زبانی قائل ہو اور عملاً کافر۔[1]

لیجئے برق صاحب کے افکار و نظریات اس ارشاد میں نیکی سے مراد کیا ہے یہ عقدہ بھی حل کرنے کے لائق ہے کہ یہود و نصاریٰ اس پر گامزن ہو کر قران کی رو سے مسلمان اور خدا اور رسول کے صحیح پیرو ہوں اور وہ مسلمان جو بدعمل ہے اور باوجود مجرم اور گناہ گار ہونے کے اسلامی عقائد کا اقرار کرتے ہوئے بھی نا مسلمان رہے بلکہ کافر کہلائے، اسی طرح برق صاحب لکھتے ہیں:

---

[1] ۔ دو اسلام، ص193۔

اور اس لئے یہ کہنا کہ سب عیسائی اور یہودی بلا استثناء کافر و جہنمی ہیں گناہ ہے۔[1]

یہ ہے انکار حدیث اور یورپی اقوام کے دلدادہ ہونے کا انجام کار کہ مسلمان کو کافر اور کافر کو مسلمان کہہ دیا، سچ کہا تھا مرحوم حسرت موہانی نے:

خرد کا نام جنوں پڑ گیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

شفاعت للمومنین کا انکار

نصوص قرآنی اور احادیث نبویہ سے یہ ثابت ہے اور نیز امت مسلمہ کا بھی اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ قیامت کے روز اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے اسی طرح ملائکہ، انبیاء اور اولیاء بھی اپنے مرتبہ اور مقام کے مطابق شفاعت کریں گے اور اس شفاعت سے جہاں نیک لوگ مستفید ہوں گے وہیں امت کے گناہ گار بھی بشرطیکہ مسلمان ہوں اس شفاعت سے بہرہ مند ہوں گے، دیگر منکرین کی طرح برق صاحب بھی اس کے منکر ہیں اور مسلمانوں سے اتنے نالاں ہیں کہ ان کے لئے شفاعت کا وسیع دروازہ بند کر دینا چاہتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

> مسلمانوں کو یقین ہونا چاہیئے کہ بدکاروں، جھوٹوں اور دغابازوں کی شفاعت کبھی نہیں ہوگی اگر میری اس گذارش پر آپ چیں بہ جبیں ہو رہے ہیں تو الٰہی فیصلہ سنیئے "وما للظالمین من حمیم ولا شفیع" (سورۃ المومن آیت نمبر 18) ظالموں کے لئے وہاں کوئی مددگار یا سفارشی نہیں ہوگا۔[2]

اہل علم خوب واقف ہیں کہ یہاں سیاق وسباق کے پیش نظر ظالم لوگوں سے مراد مشرک اور کافر

---

[1] ۔ جہان نو، ص،138۔

[2] ۔ دو قرآن، ص265۔

ہیں نہ کہ مسلمان بھی ان میں شامل ہیں معلوم نہیں برق صاحب مسلمانوں پر اس قدر کیوں گصہ ہیں کہ انہیں ہر حال میں جہنم میں بھیجنا چاہتے ہیں۔

ملا سے نزاع کیوں؟

منکرین حدیث قرآن کا نام لے کر مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر گمراہی کی دلدل میں لے جانا چاہتے ہیں اور اسلام کے بہت سے واضح احکام سے تنگ ہو من مانی کی زندگی بسر کرنے پر راضی اور آمادہ ہوتے ہیں اور اپنی اس ضد میں علماء اسلام پر غصہ نکال کر اپنے جگر کو ٹھنڈ پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں، چنانچہ برق صاحب لکھتے ہیں:

> ملا سے میرا نزاع اس بات پر ہے کہ وہ حدیث کو آگے لا کر بے شمار ظواہر کو جزو اسلام بنانا چاہتا ہے اور میں قرآن کو پیش کر کے ملت کو ان ملائی قید سے آزاد کرانا چاہتا ہوں۔[1]

اور ملا پر اسی غصہ کا اظہار وہ ان الفاظ میں بھی کرتے ہیں:

> کہ اعمال صالحہ وہ نہیں جن کی تفصیل ملا پیش کرتا ہے بلکہ وہ ہیں جن کی تشریح انبیاء کے ستر صحائف میں ملتی ہے۔[2]

ان صحائف میں معلوم نہیں وہ کون سے اعمال صالحہ ہیں جو برق صاحب کو نظر آگئے اور ان پر فریفتہ ہو کر وہ ملا کو الزام دے رہے ہیں شاید وہ یہی اعمال صالحہ ہیں جن کی جھلک ما قبل میں برق صاحب کے نظریات کی صورت میں گزر چکی ہے۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ برق صاحب کا خاندان نسلاً بعد نسل ملا چلا آ رہا ہے اور پہلے برق صاحب حدیث کو بھی بڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، چنانچہ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

---

[1] ۔ دو اسلام، ص114۔

[2] ۔ ایک اسلام، ص379۔

حدیث کا نام سن کر میں ڈر گیا اور بحث بند کر دی۔[1]

یہ وہ زمانہ تھا جب برق صاحب آبائی تقلید میں گرفتار تھے اور پھر جب تقلید کی پر خار وادی سے باہر قدم رکھا ان کی آنکھیں ایک دم روشن ہو گئیں اور تمام علوم ان پر منکشف ہو گئے جن میں سے بعض کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

میری آنکھیں کھل گئیں اندھی تقلید کی وہ تاریک گھٹائیں جو دماغی ماحول پر محیط تھیں یک بیک چھٹنے لگیں اور اللہ کی سنت جاریہ کے تمام گوشے بے حجاب ہونے لگے۔[2]

اور وہ بے حجاب گوشے ما قبل میں بیان ہو چکے ہیں کہ مغربی اقوام اور غیر مسلموں سے ہمدردی اور دین اسلام اور مسلمانوں سے نالاں ہوئے۔

---

[1] ۔ دو اسلام، ص 15۔

[2] ۔ دو اسلام، ص 19۔

حافظ اسلم جیراجپوری

1299ء میں جیراج پور، ضلع اعظم گڑھ (ریاست اُتر پر دیش، بھارت) میں پیدا ہوئے تعلیم سے فراغت کے بعد سن 1906ء میں علی گڑھ یونیورسٹی میں لکچرار لگ گئے، بعد میں جامعہ ملیہ دہلی میں تاریخ اسلام کے استاد مقرر ہوئے ان کے والد مولانا سلامت اللہ مشہور غیر مقلد عالم تھے۔ انکارِ حدیث کے بعد علامہ عنایت اللہ مشرقی اور ڈاکٹر غلام جیلانی برق تو انگریز قوم کے دلدادہ بن گئے تھے مگر آپ ان کے برعکس روس نوازی اختیار فرماتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

اس میں شک نہیں کہ اس زمانے میں سوویت روس میں اہل مذاہب اور مسلمانوں پر مظالم ہوتے ہیں لیکن جو لوگ قرآنی زاویہ نگاہ رکھتے ہیں وہ دیکھ رہے ہیں کہ عالم میں جو کچھ حرب وضرب، شورش و انقلاب، تغیر و تبدل ہو رہا ہے، وہ سب تکمیل دین اور اتمام نور کے لئے ہو رہا ہے اور اسلام کے واسطے زمین تیار کی جارہی ہے کیونکہ انسانیت کو ایک نہ ایک دن ان حقائق ثابتہ پر پہنچنا لازم ہے۔[1]

جے راجپوری صاحب کا حدیث کے بارے نظریہ

آپ انکارِ حدیث کے بڑے ستون ہی نہیں بلکہ بعض وجوہ سے مرکز تھے، پرویز صاحب بھی ان ہی کے علوم سے پروان چڑھے، آپ نے ایک مؤرخ کی حیثیت سے زیادہ شہرت پائی، تاریخ الاُمۃ کئی حصوں میں تحریر کی، آپ حدیث کے اُصولاً خلاف تھے مگر اسوۂ رسول کو اصولاً حجت مانتے تھے، آپ نے بھی حدیث کے خلاف بہت کام کیا ہے، اُسوۂ رسول کے بارے میں ایسی ایسی قیود لگائیں کہ انجام انکارِ حدیث کے ہی قریب رہا چنانچہ فرماتے ہیں:

نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے اور نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے نہ حدیث

---

[1] ۔نوادرات ص114۔

کے راوی پر ہمارا ایمان ہے نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے پھر یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ ایسی بے ایمانی اور غیر یقینی چیز کو ہم قرآن کی طرح دینی حجت مانیں۔ (1)

حالانکہ مسلمانان عالم کا بنیادی عقیدہ ہے کہ حضور خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرنا عین ایمان ہے اور بہت سے احکام و مسائل ایسے ہیں جنکا فیصلہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے زمانہ حیات میں صادر فرمایا اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہر ایسے ارشاد اور حکم کو جو قرآن میں موجود نہ ہو مسلمان حدیث کہتے ہیں اور حدیث کی حجیت کے خلاف آج تک کوئی ٹھوس دلائل نہ لا سکا ہے اور نہ آئندہ قیامت تک حدیث کو رد کیا جا سکتا ہے۔

جے راجپوری صاحب کی نظر میں حدیث کی حیثیت کچھ تاریخ سے زیادہ نہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

کوئی بھی شخص موجودہ مجموعہ احادیث میں سے اگر کوئی حدیث قبول کرنا چاہے تو وہ محض اس کی پسند اور مرضی پر منحصر ہے اور اگر در کر دیتا ہے تو بھی چنداں مضائقہ نہیں۔

مزید "الیوم اکملت لکم دینکم ۔۔۔الایۃ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس تکمیل کے بعد اب دین میں کیا کمی رہ گئی جو روایتوں سے پوری کی جائے اس لئے روایتوں کی جگہ اپنی تاریخ کی الماری ہے ان سے تاریخی اور علمی فائدے حاصل کئے جاسکتے ہیں اور فقہ اسلامی یعنی قوانین و ضوابط کے استنباط میں کام لیا جاسکتا ہے حدیثوں میں آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اقوال، اعمال اور افعال بیان کئے گئے ہیں اور اسی کا نام تاریخ ہے بے شک قرآن کے احکام مثلاً نماز روزہ حج اور زکوۃ وغیرہ پر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جو عمل کر کے دکھایا اور امت کو سکھلایا اور جو سلسلہ بسلسلہ متواتر چلا آرہا ہے وہ یقینی اور دینی ہے کیونکہ تواتر یقینیات کے اقسام میں داخل ہے اور اسی

---

1 ۔ مقام حدیث 1/169۔

کے بارے میں قرآن نے کہا" ولکم فی رسول الله اسوة حسنة"۔ (1)

حجیت حدیث کی مختصر بحث

حالانکہ قرآن کریم پر ایمان اور اس کے مطابق عمل کرنے کی طرح احادیث نبویہ پر ایمان لانا اور ان کے مطابق زندگی گزارنا ایمان کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ عہدہ دیا کہ آپ کی زبان مبارک سے جس چیز کی حلت کا اعلان ہو گیا وہ حلال ہے اور جس کو آپ ﷺ نے حرام فرمادیا وہ حرام ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اپنے پاک کلام میں بیان فرمادیا کہ قرآن کریم کے پہلے مفسر حضور اکرم ﷺ ہیں، جن کی اطاعت قیامت تک آنے والے ہر انسان کے لئے لازم اور ضروری ہے اور حضور اکرم ﷺ کی اطاعت آپ ﷺ کے اقوال وافعال کے مطابق زندگی گزارنا ہی تو ہے اور آپ ﷺ اقوال وافعال ہمیں ذخیرۂ حدیث میں ہی تو ملتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ خود قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ ۔ (2)

یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے کہ لوگوں کی جانب جو حکم نازل فرمایا گیا ہے، آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں، شاید کہ وہ غور و فکر کریں۔

وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ۔ (3)

یہ کتاب ہم نے آپ پر اس لئے اتاری ہے کہ آپ ان کے لئے ہر چیز کو واضح کر دیں جس میں وہ

---

1 ۔ طلوع اسلام، ستمبر 1955ء۔

2 ۔ سورة النحل آیت نمبر 44۔

3 ۔ سورة النحل آیت نمبر 64۔

اختلاف کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آیات میں واضح طور پر بیان فرمادیا کہ قرآن کریم کے مفسر اول حضور اکرم ﷺ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ آپ امت مسلمہ کے سامنے قرآن کریم کے احکام ومسائل کھول کھول کر بیان کریں ان دونوں مذکورہ آیات کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سینکڑوں آیات میں اپنی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے۔ کہیں فرمایا: (اَطِیعُوا اللّٰہَ وَاَطِیعُوا الرَّسُوْلَ)، کہیں فرمایا: (اَطِیعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہ)، کسی جگہ ارشاد ہے: (اَطِیعُوا اللّٰہَ والرَّسُوْلَ) اور کسی آیت میں ارشاد ہے: (اَطِیعُوا الرَّسُوْلَ) ان سب جگہوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں سے ایک ہی مطالبہ ہے کہ فرمانِ الٰہی کی تعمیل کرو اور ارشاد نبوی ﷺ کی اطاعت کرو غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر یہ بات واضح طور پر بیان کردی کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں رسول کی اطاعت کا حکم دیا اور رسول کی اطاعت جن واسطوں سے ہم تک پہونچی ہے یعنی احادیث کا ذخیرہ، اگر ان پر ہم شک وشبہ کریں تو گویا ہم قرآن کریم کی سینکڑوں آیات کے منکر ہیں یا زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی چیز کا حکم دیا ہے یعنی اطاعت رسول، جو ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔

سارے انبیاء کے سردار وآخری نبی حضور اکرم ﷺ نے بھی قرآن کریم کے ساتھ سنت رسول ﷺ کی اتباع کو ضروری قرار دیا ہے، حدیث کی تقریباً ہر کتاب میں نبی اکرم ﷺ کے ارشادات تواتر کے ساتھ موجود ہیں، ان میں سے صرف تین احادیث پیش خدمت ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت

کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو اس سے باز آجاؤ اور جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو حسب استطاعت اس کی تعمیل کرو۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کے تمام افراد جنت میں جائیں گے، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے انکار کیا آپ ﷺ سے کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! دخولِ جنت سے کون انکار کرسکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگیا، اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے (دخول جنت سے) انکار کیا۔ (یہ تینوں احادیث بخاری اور مسلم میں موجود ہیں)

نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں اور انتقال کے بعد صحابۂ کرام کے عمل سے امت مسلمہ نے سنت رسول ﷺ کے حجت ہونے پر اجماع کیا ہے، کیونکہ صحابۂ کرام کسی بھی مسئلہ کا حل پہلے قرآن کریم میں تلاش کیا کرتے تھے، پھر نبی اکرم ﷺ کی سنت میں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، محدثین ومفسرین وفقہاء وعلماء ومؤرخین غرضیکہ ابتداء اسلام سے عصر حاضر تک' امت مسلمہ کے تمام مکاتب فکر نے تسلیم کیا ہے کہ قرآن کے بعد حدیث اسلامی قانون کا دوسرا اہم وبنیادی ماخذ ہے اور حدیث نبوی بھی قرآن کریم کی طرح شریعت اسلامیہ میں قطعی دلیل اور حجت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متعدد مرتبہ ذکر فرمایا ہے۔

نیز قرآن کریم میں ایک جگہ بھی یہ مذکورہ نہیں ہے کہ صرف اور صرف قرآن کریم پر عمل کرو احکام قرآن پر عمل کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کے اقوال وافعال یعنی حدیث نبوی کے مطابق زندگی گزارنا ضروری ہے, حق تو یہ ہے کہ قرآن فہمی حدیث نبوی کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے

کیونکہ اللہ کی جانب سے حضور اکرم ﷺ پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ آپ امت مسلمہ کے سامنے قرآن کریم کے احکام ومسائل کھول کھول کر بیان کریں۔ اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ذمہ داری بحسن خوبی انجام دی ہے مگر عصر حاضر میں مستشرقین نے توریت وانجیل کی حفاظت وتدوین کے طریقوں پر چشم پوشی کرکے حدیث نبوی کی حفاظت وتدوین پر اعتراضات کئے ہیں، مگر وہ حقائق کے بجائے صرف اور صرف اسلام دشمنی پر مبنی ہیں۔

معراج نبوی کے متعلق جے راجپوری صاحب کا نظریہ

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے لے کر آج تک جملہ اہل اسلام اس عقیدے پر متفق چلے آرہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ایک ہی رات میں جسد عنصری کے ساتھ بیداری کی حالت میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اور پھر وہاں سے جہاں تک چاہا سیر کرائی، قرآن کریم کی اصطلاح میں اس واقعہ کو اسریٰ اور احادیث کی رو سے اسے معراج کہا جاتا ہے۔

فقہ اکبر میں ہے :

"وخبرالمعراج حق فمن رده فهوضال مبتدع"

اس کی شرح میں ملا علی قاری علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

"(وخبرالمعراج) ای بجسدالمصطفی صلی الله تعالی علیه وآله وسلم یقظة الی السماء ثم الی ماشاء الله تعالی من المقامات العلی(حق) ای حدیثه ثابت بطرق متعددة(فمن رده) ای ذلك الخبرولم یومن بمقتضی ذلك الاثر(فهوضال مبتدع) ای جامع بین الضلالة والبدعة"۔ [1]

---

1 - فقہ اکبر مع الشرح، بحث فی ان المعراج حق، ص189، مطبوعہ کراچی۔

ترجمہ: اور معراج یعنی نبی کریم ﷺ کا بیداری کی حالت میں آسمان کی طرف اور پھر بلند مقامات سے جہاں اللہ تعالی نے چاہا وہاں تشریف لے جانے کی خبر یعنی حدیث حق ہے یعنی طرق متعددہ سے ثابت ہے پس جس نے اس خبر کا رد کیا اور اس کے مقتضی پر ایمان نہ لایا تو وہ گمراہ بدعتی ہے یعنی گمراہی اور بدعت کا جامع ہے۔

شرح العقائد النسفیہ میں ہے:

"والمعراج لرسول الله ﷺ فی الیقظة بشخصه الی السماء ثم الی ماشاء الله تعالی من العلی حق ای ثابت بالخبر المشهور حتی ان منکره یکون مبتدعا"۔ [1]

ترجمہ: اور رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے لیے بیداری میں جسم کے ساتھ آسمان تک پھر جن بلند مقامات تک اللہ تعالی نے چاہا وہاں تک معراج حق ہے یعنی خبر مشہور سے ثابت ہے یہاں تک کہ اس کا انکار کرنے والا بدعتی ہو گا۔

اسی طرح فتح القدیر و تبیین الحقائق میں ہے:

ومنکر المعراج إن أنکر الإسراء إلی بیت المقدس فکافر، وإن أنکر المعراج منه فمبتدع۔ [2]

ترجمہ: اور معراج کا منکر اگر بیت مقدس تک رات کو جانے کا انکار کرے تو وہ کافر ہے اور اگر وہاں سے معراج کا انکار کرے تو بدعتی ہے۔

النبراس شرح شرح العقائد میں ہے:

---

1 ۔ شرح العقائد النسفیۃ، مبحث المعراج الخ، ص175، مطبوعہ لاہور۔

2 ۔ فتح القدیر، باب الامامۃ، ج01، ص350، دار الفکر، بیروت

"الجمهور علی ان منکر الحدیث المتواتر کافر و منکر المشهور فاسق و منکر خبر الاحاد اثم ھذا ھو الصحیح"۔[1]

ترجمہ: جمہور اس پر ہیں کہ حدیث متواتر کا انکار کرنے والا کافر ہے اور حدیث مشہور کا انکار کرنے والا فاسق (اعتقادی یعنی گمراہ) ہے اور اخبار احاد کا انکار کرنے والا گنہگار ہے، یہی صحیح ہے۔

لیکن جے راج پوری صاحب اس اجماعی عقیدے کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مگر محققین زیادہ تر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے ہم خیال ہیں اس وجہ سے نہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کے واقعہ کو قیاس سے بعید سمجھتے تھے بلکہ جسمانی معراج کے ثبوت میں تاریخی شہادت کی کمی پاتے ہیں اور اگر اپ ہم سے پوچھیں تو ہم یقین رکھتے ہیں کہ عالم ملکوت کی سیر اور عادیات سے بالاتر جا کر خدائی نشانیوں کو دیکھنا جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہی ہو سکتا ہے۔[2]

یہ ہے جناب کی علمی تحقیق اور دیانت کہ جو مسئلہ قرآن کریم احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اس میں جناب کو تاریخی کمی محسوس ہوئی رہی یہ بات کہ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایات تو وہ اس اجماعی عقیدے کے لئے مضر نہیں ہیں اور جناب نے اپنی تالیفات میں اس زحمت کو گوارہ نہیں فرمایا کہ کم از کم ان روایات کا حوالہ تو نقل کر دیں کہ وہ کن کتب میں منقول ہیں؟ ان کی اسانید کیسی ہیں؟ اور ان کے الفاظ کیا ہیں؟ تمام منکرین حدیث کا یہ نرالہ انداز ہے کہ جو حدیث ان کا استدلال ہوتی ہے وہ جیسی بھی ہو قابل احتجاج ہوتی

---

[1] ۔ النبراس شرح شرح العقائد، ص292، مطبوعہ ملتان۔

[2] ۔ نوادرات، ص17۔

ہے اور دوسری روایات معاذ اللہ لغو اور فضول۔ (استغفر اللہ تعالیٰ)

سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں جیراجپوری صاحب کی خام خیالی

سدرۃ عربی میں بیری اور بیری کے درخت کو کہتے ہیں، المنتہی یعنی آخری حد، یہ بیری کا درخت وہ آخری مقام ہے جو مخلوقات کی حد ہے اس سے آگے حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی نہیں جا پاتے ہیں، سدرۃ المنتہی ایک عظیم الشان درخت ہے، اس کی جڑیں چھٹے آسمان میں اور اونچائیاں ساتویں آسمان سے بھی بلند ہیں، اس کے پتے ہاتھی کے کان جتنے اور پھل بڑے گھڑے جیسے ہیں، اس پر سنہری تتلیاں منڈلاتی ہیں، یہ درخت جنت سے باہر ہے، رسول للہ ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اسی درخت کے پاس ان کی اصل صورت میں دوسری مرتبہ دیکھا تھا، جبکہ آپ ﷺ نے انہیں پہلی مرتبہ اپنی اصل صورت میں مکہ مکرمہ میں مقامِ اجیاد پر دیکھا تھا۔

احادیث میں "سدرۃ المنتہی" اور "السدرۃ المنتہی" دونوں طرح استعمال ہوا ہے، قرآن کریم میں "سدرۃ المنتہی" استعمال ہوا ہے اور اس درخت کا یہ نام رکھنے کی وجہ صحیح مسلم میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اوپر سے جو احکام نازل ہوتے ہیں وہ اسی پر منتہی ہو جاتے ہیں اور جو بندوں کے اعمال نیچے سے اوپر جاتے ہیں وہ وہاں پر ٹھہر جاتے ہیں، [1] یعنی آنے والے احکام پہلے وہاں آتے ہیں، پھر وہاں سے نازل ہوتے ہیں اور نیچے سے جانے والے جو اعمال ہیں وہ وہاں ٹھہر جاتے ہیں، پھر اوپر اٹھائے جاتے ہیں، قرآن پاک میں ارشاد ہے:

---

[1] ۔ عن عبد الله، قال: لما أسري برسول الله صلى الله عليه وسلم، انتهي به إلى سدرة المنتهى، وهي في السماء السادسة، إليها ينتهي ما يعرج به من الأرض فيقبض منها، وإليها ينتهي ما يهبط به من فوقها فيقبض منها۔ (صحيح مسلم ، باب ما جاء فی ذكر سدرة المنتهیٰ، 157/1، ط ، دار إحياء التراث العربي بيروت)

وَلَقَدْ رَآہ نَزْلَۃَ أُخْرَی عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھی عِنْدَھا جَنَّۃُ الْمَأْوٰی ۔ (1)

ترجمہ: اور بخدا اس تمہارے نبی نے تو اس (ملکی رسول) کو ایک مرتبہ اور اُترتے وقت سدرۃُ المنتہٰی کے پاس جس کے قریب جنت الماویٰ ہے دیکھا ہے۔

مگر جے راج پوری صاحب اس عقیدے کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اور تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سدرۃ المنتہٰی جس کا ذکر قرآن میں معراج کے بیان میں ہے اس سے علم بنوت کی انتہائی حد مراد ہے۔ (2)

معجزات نبوت کے متعلق جے راج پوری صاحب کا افسانہ

قرآن کریم، احادیث متواترہ، اور تمام امت کا اس بات پر اتفاق چلا آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو قرآن کریم کے علاوہ اور بھی بہت سے معجزات عطاء فرمائے ہیں جن کا انکار کوئی ملحد اور زندیق ہی کرسکتا ہے لیکن جے راج پوری صاحب معجزات نبوت کے متعلق لکھتے ہیں:

یہی حال معجزات کا ہے کہ قرآن نے تصریح کے ساتھ کہا کہ خاتم النبیین کو عقلی معجزہ قرآن کریم دیا گیا ہے جس کو اہل بصیرت قیامت تک دیکھ سکتے ہیں نہ کہ دیگر انبیاء کی طرح حسی معجزہ۔ (3)

اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ ان باتوں کی تفصیل ہمارے کتاب تعلیمات قرآن میں ملاحظہ فرمائیں۔

اور پھر آگے یوں فرماتے ہیں:

---

[1] ۔ سورۃ النجم: آیت نمبر ۱۵، ۱۴، ۱۳۔

[2] ۔ نوادرات، ص، 170۔

[3] ۔ مقام حدیث، 1/179۔

مگر ان صریح آیات کے ہوتے ہوئے بھی راویوں نے آنحضرت ﷺ کے حسی معجزات کی روایات کے انبار لگا دیئے۔[1]

خلاصہ کلام یہ کہ حافظ اسلم صاحب کے نزدیک نبی کریم ﷺ کو ایک بھی حسی معجزہ نہیں دیا گیا یہ سب حدیث کے راویوں کا کام ہے کہ اتنی روایات اس بارے میں وضع کر ڈالیں (معاذ اللہ) اور معجزات تراش تراش کر آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کو صاحب معجزات قرار دے دیا ورنہ بات تو دراصل کچھ بھی نہیں یہ سب خود ساختہ اور من گھڑت باتیں ہیں جو راویان حدیث کے صدری نسخے ہیں (معاذ اللہ)

یہ ہے جے راج پوری صاحب کا نظریہ اسلام اور قرانی بصیرت و دعوت ایمانی جس کو لے دنیا میں پھیلانے کے لئے سطح ارضی پر نمودار ہوئے۔ فوااسفا

راز ہستی نہیں کھلتا محبت کے بغیر   اقتدائے روش عقل مقدم ہی سہی

جے راج پوری صاحب کے نزدیک اطاعت رسول کا مفہوم

ابتداء اسلام سے مسلمانوں کا یہ عقیدہ اور نظریہ رہا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری ضروری ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ کی اطاعت بھی فرض ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی اطاعت کے ساتھ اپنے محبوب ﷺ کی اطاعت کو کو بھی کامیابی کے لئے شرط قرار دیا ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مستقل اطاعت اللہ کی اور اس کے رسول کی ہے باقی اولوا الامر یعنی حکام یا مجتہدین کی اطاعت اس کے ضمن میں ہے اور کوئی مسلمان آج تک نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا منکر نہیں ہوا، لیکن جے راج پوری صاحب اس بارے میں اپنا نیا عقیدہ اور نظریہ پیش کرتے ہیں لکھتے ہیں:

---

[1] ۔ مقام حدیث، 1/181۔

قرآن میں جہاں جہاں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد امام وقت یعنی مرکش ملت کی اطاعت ہے جب تک محمد ﷺ امت میں موجود تھے ان کی طاعت اللہ اور رسول کی اطاعت تھی (اور یہ امت ہمیشہ آپ کی ہی امت رہے گی، کیونکہ آپ کے اوپر ایمان لائی ہے) اور آپ کے بعد آپ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت ہو گی اور اطاعت عربی میں کہتے ہیں زندہ کی فرمانبرداری کو رسول کی اطاعت یہ ہرگز نہیں ہے کہ ان کے بعد جو کوئی ان کے نام سے کچھ کہہ دے ہم اس کی تعمیل کرنے لگیں۔۔۔الخ۔ (1)

جیراجپوری صاحب کا یہ نظریہ کئی وجوہ سے باطل ہے:

1۔ اللہ تعالیٰ کا مقصود جب مرکز ملت اور امام وقت کی اطاعت کا حکم دینا تھا تو "اطیعوا الله واطیعوا الرسول" کے اس کا نام بھی ذکر فرمادیتے یا اللہ اور رسول کی اطاعت لوگوں کو امام وقت کی اطاعت پر برانگیختہ کرنے کے لئے ذکر فرمائی۔

2۔ اسی طرح اگر مقصود اطاعت امام یا مرکز ملت ہے تو الگ سے "واولی الامر" کہنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ جو اطاعت مقصود تھی وہ تو پہلے ذکر ہو چکی۔

3۔ اسلم صاحب ذرا یہ بھی بتا دیں کہ خلفاء راشدین کے بعد امت کا وہ کون سا خلیفہ یا امام گزرا ہے جس کی اطاعت مسلمانوں پر واجب تھی۔

4۔ اگر طاعت صرف زندہ کی ہی ہوتی ہے تو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اطیعوا الرسول کا تو وجود ہی نہیں رہا گویا یہ طاعت کا حکم صرف محدود وقت کے لئے تھا معاذ اللہ۔

5۔ یہ اسلم صاحب کی نری خوش فہمی ہے اطاعت کا لفظ لغت عرب میں کہیں بھی صرف زندہ کی

1۔ مقام حدیث، 155/1۔

فرمانبرداری کے لئے نہیں آتا بلکہ علی الاطلاق فرمانبرداری کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے البتہ اگر جے راج پوری صاحب نے اپنی اصطلاح بنالی ہے تو لا مشاحۃ فی الاصطلاح۔

رکھ لیا ہے نام اس کا آسماں تحریر میں

جے راج پوری صاحب کا ملت روسیہ کی اقتداء کرنا

ایک عرصہ سے روس نے جو مسلم کش پالیسیاں اور اسلامی ممالک کے خلاف محاذ آرائی شروع کر رکھی ہے وہ کسی باہوش غیور مسلمان پر پوشیدہ نہیں ہے اور روسی اقوام کی دہریت والحاد پرستی اور مذہب سے بے پرواہی و دشمنی کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا مگر اسلم جیراجپوری صاحب ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

ملت روسیہ نے بھی اسلام کے دور اول کا کام کیا اور زیادہ سختی کے ساتھ کیا کیونکہ تاج کے ساتھ تمام تعلقات نوابی، جاگیرداری، زمینداری، اور ہر قسم کی سرمایہ داری کو بھی ختم کر دیا یہی نفی "لا" ہے جو اسلام کا اولین قدم اور اس کے کلمے کا پہلا حرف ہے، قرآن وحدت نفس انسانی کا مبلغ ہے جو اخوت سے بھی بالاتر ہے اس لئے خاص انسانیت کے حقوق میں سے کسی قسم کا امتیاز قرآن کی رو سے ممکن نہیں ہے روسیوں نے بھی یہی امتیاز مٹایا ہے اور یہی نفی "لا" ہے۔

جملہ مذاہب (نہ کہ دین) اشخاص پرستی سے پیدا ہوئے ہیں ان کی تاریخ بنی آدم میں سوائے تفرقی اندازی، سفک دم، اور عداوت پیدا کرنے کے اور کچھ نہیں رہی ہے، اس کا مٹانا اسلام کا فریضہ ہے اور یہی روسیوں نے کیا اور یہی نفی "لا" ہے۔ (1)

ظاہر ہے کہ روسیوں نے جو کچھ کیا نہ تو اسلام کے لئے کیا اور نہ اسلام کے مطابق کیا پھر اسلام سے

---

[1] ۔ نوادرات، ص115، اسلم جیراجپوری۔

اس کی تطبیق کیونکر ممکن ہے، نیز اسلم صاحب مزید لکھتے ہیں:

ایک صاحب نے جو قرآن کا عمیق علم رکھتے ہیں اور کسی زمانہ میں روس کے اعلیٰ سیاسی طبقے سے روشناس رہے ہیں مجھ سے مکہ معظمہ میں بیان کیا کہ انہوں نے مسٹر لینن اور ان کے رفقاء کار سے کہا کہ تم نے جو شکست وریخت کی ہے وہ عین اسلام کے مطابق ہے اس نے کہا کہ مسلمان علماء تو ایسا نہیں کہتے انہوں نے کہا کسی کے کہنے نہ کہنے کی کیا بات ہے روسی زبان میں قرآن کا ترجمہ موجود ہے میں آیات خود تم کو دکھا دیتا ہوں جب اس نے دیکھ لیا تو کہا کہ تعجب ہے کہ پھر مسلمان کیوں ہمارے خلاف ہیں انہوں نے کہا کہ لادینی کی وجہ سے جہاں تم نے باطل شکنی کی ہے اگر حق کا بھی اقرار کر لو تو پھر تم سے بڑھ کر کوئی مسلمان نہیں کیونکہ اسلام کا پیغام صرف یہ ہے کہ "باہم بھائی بھائی بن جاؤ اور اکیلے اللہ کے بندے" مگر ابھی وہاں نفی کا بحران ہے اثبات تک پہنچنے میں نہ جانے کتنا زمانہ لگے گا۔[1]

یہ بھی محض جیراجپوری صاحب کی خام خیالی اور خوش فہمی ہے، اور جس روس کی یہ تعریف کر رہے ہیں یہ وہی سنگدل اور ظالم لوگ ہیں جنہوں نے بوسنیا، ہرزیگونیا، سرویا اور مانٹی نیگرو وغیرہ میں بے گناہ مسلمان ترکیوں ان کی عورتوں اور بچوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا اور ننھے معصوم بچوں کو اینٹوں اور پتھروں سے کچلا، اور لوگوں کو آگ میں جلایا جس کی وجہ سے اب تک عالم اسلام کے دل سینوں میں غمگین ہیں اور آنسو ہیں کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے اور کفار کے دل بھی پگھل رہے ہیں، مصطفیٰ کامل مصری کی کتاب "المسئلۃ الشرقیہ" کا مطالعہ فرمائیں اور پھر دل تھام کر جے راج پوری صاحب کے یہ فرمان بھی ملاحظہ فرمائیں۔

[1] ۔نوادرات ص1116۔

"اس میں شک نہیں کہ اس زمانے میں سوویت روس میں اہل مذاہب اور مسلمانوں پر مظالم ہوتے ہیں لیکن جو لوگ قرآنی زاویہ نگاہ رکھتے ہیں وہ دیکھ رہے ہیں کہ عالم میں جو کچھ حرب وضرب، شورش وانقلاب، تغیر و تبدل ہو رہا ہے، وہ سب تکمیل دین اور اتمام نور کے لئے ہو رہا ہے اور اسلام کے واسطے زمین تیار کی جا رہی ہے کیونکہ انسانیت کو ایک نہ ایک دن ان حقائق ثابتہ پر پہنچنا لازم ہے۔"[1]

ایسی وحشیت اور بربریت کا نام نہ تو اسلام ہے اور نہ ہی ایسے سفاکانہ کام کی اسلام اجازت دیتا ہے اسلام میں تو مغلوب قوم کی عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں کو امن حاصل ہے اور ان ظالموں نے تو سسکتے بچوں پر بھی رحم نہیں کیا اگر اسلم صاحب اسی کو اسلام اور کلمہ طیبہ کا مفہوم بتاتے ہیں تو یہ انہیں کو مبارک ہو اسلام یہ تعلیم ہرگز نہیں دیتا۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

---

[1] ۔ نوادرات، ص:114۔

عبداللہ چکڑالوی

اس کا نام ابتداءً قاضی غلام نبی تھا اور یہ چکڑالہ ضلع میانوالی کا رہنے والا تھا، مگر نبی اور حدیث کی نفرت کی وجہ سے اس نے اپنا نام غلام نبی سے بدل کر عبد اللہ رکھ لیا، ضلع گورداسپور کے موضع چکڑالہ میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے چکڑالوی کہلاتے ہیں اپنی تبلیغ کا مرکز لاہور کو بنایا ابتداءً غیر مقلد تھے بعد میں حجیت حدیث کا نکار کر کے سر سید احمد خان سے بھی ایک قدم آگے بڑھ گئے اور حجیت حدیث کو شرک فی الکتاب قرار دیا۔

عبد اللہ چکڑالوی برصغیر میں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کھل کر حدیث کا انکار کیا اور فرقہ "اہل قرآن" کی بنیاد رکھی ہے، اس کے بعد مولوی احمد الدین امرتسری نے انکارِ حدیث کے فتنے کا بیڑا اٹھایا، اور حافظ اسلم جیراج پوری نے اس نظریہ کو مزید آگے بڑھایا، آخر میں غلام احمد پرویز نے انکارِ حدیث کو ایک منظم نظریہ اور مکتبِ فکر کی صورت میں پیش کیا۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

> ہندوستان میں سب سے پہلے سر سید احمد خان علی گڑھی نے حدیث کی حجیت سے انکار کی آواز اٹھائی، ان کے بعد پنجاب میں مولوی عبد اللہ چکڑالوی مقیم لاہور نے ان کا تتبع کیا بلکہ سر سید مرحوم سے ایک قدم آگے بڑھے، کیونکہ سر سید حدیث کو شرعی حجت نہ جانتے تھے لیکن عزت واحترام کرتے تھے۔ واقعاتِ نبویہ ﷺ کا صحیح ثبوت کتبِ احادیث سے دیتے تھے، برخلاف ان کے مولوی عبد اللہ چکڑالوی حدیثِ نبوی ﷺ کو "لہو الحدیث" سے موسوم کیا کرتے۔[1]

عبد القیوم ندوی لکھتے ہیں:

---

[1] ۔ حجیت حدیث اور اتباع رسول ﷺ، ثناء اللہ امرتسری، ط، کتب خانہ ثنائیہ ہندوستان، ۱۹۲۹ء ص ا۔

حجیتِ حدیث کا کھلا انکار مولوی عبد اللہ صاحب چکڑالوی نے کیا، اس سے پہلے صراحتاً انکار ملحدین اور زنادقہ سے بھی نہ ہو سکا۔ (1)

ابتداء میں یہ خود اپنی مسجد میں بخاری شریف کا درس دیتے رہے مگر پھر آہستہ آہستہ حدیث کا بالکل انکار کرنا شروع کر دیا، سید قاسم محمود صاحب اسلامی انسائیکلوپیڈیا میں تحریر کرتے ہیں:

ایک عرصہ تک بخاری شریف کا اس نے درس جاری رکھا، مگر طبعی اضطراب نے بخاری اور قرآن کا توازن شروع کر دیا، بعض احادیث کو خلافِ آیات اللہ قرار دے کر اعلان کر دیا کہ جب قرآن ایک مکمل ہدایت ہے تو حدیث کی ضرورت ہی کیا ہے؟ (یہ سن کر) چینیاں والی مسجد کے مقتدی کچھ عرصہ تک تو برداشت کرتے رہے، پھر ایک دن مسجد سے نکال دیا، جب عبد اللہ چکڑالوی کو مسجد سے نکال دیا گیا تو ایک متشدد مقتدی محمد غبش عرف چٹو چھدالی ان کو سییانوالی بازار اپنے مکان میں گیا جہاں احاطہ میں ایک مسجد بنا کر اہل قرآن کے مسائل کی تشہیر شروع کر دی۔ (2)

ایک مرتبہ لوگوں نے موقع دیکھ کر اس کو سنگسار کر دیا کہ اتنا پتھروں سے مارا کہ وہ مرنے کے قریب ہو گیا، جب لوگوں نے دیکھا کہ یہ مرنے کے قریب ہے تو نیم مردہ حالت میں اس کو ملتان سے اس کے آبائی گاؤں چکڑالہ لے گئے، پھر چند ہی دنوں کے بعد دنیا سے رخصت ہو گیا۔ (3)

چکڑالوی صاحب کا انکارِ حدیث

اس کے متبعین خود کو "اہل قرآن" کہتے ہیں، چنانچہ ایک جگہ خود چکڑالوی صاحب لکھتے ہیں:

پس کتاب اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے یہ مراد ہے کہ جس طرح کتاب اللہ کے

---

[1] ۔ فہم حدیث، عبد القیوم ندوی، ط، کراچی، ص۱۳۸۔

[2] ۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص، 173۔

[3] ۔ المرجع السابق۔

احکام کو مانا جاتا ہے اسی طرح کسی اور کتاب یا شخص کے قول یا فعل کو دین اسلام میں مانا جائے خواہ فرضاً جملہ رسل و انبیاء کا قول یا فعل ہی کیوں نہ ہو جس طرح شرک موجب عذاب ہے اسی طرح مطابق "ان الحکم الا للہ" اور "الا لہ الحکم والامر" اور "ولا یشرك فی حکمہ احداً" کے شرک فی الحکم یعنی مسائل دین میں اللہ کے حکم کے سوا اور کسی کا حکم ماننا بھی اعمال کا باطل کرنے والا باعث ابدی و دائمی عذاب ہے، افسوس شرک فی الحکم میں آج کل اکثر لوگ مبتلا ہیں۔[1]

ملاحظہ فرمائیے جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی سے کوئی رائندہ درگاہ ہوتا ہے اور اپنے عقل پر بھروسہ کر کے دین میں رسوخ رکھنے والوں کو نظر انداز کرتا ہے اور ایک ہی پہلو پر اپنی سوچ مرکوز کر لیتا ہے تو دین کی باقی تمام چیزیں اسے لغو اور فضول نظر آنے لگتی ہیں مذکورہ حوالہ میں جو تین آیات کی طرف چکڑالوی صاحب نے اشارہ کیا ہے ان کا مفہوم اتنا ہے کہ حکم صرف اللہ کا ہو گا اور قرآن کریم کی بیسیوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے رسول ﷺ کی اطاعت اور اتباع و پیروی کا حکم دیا ہے جو چکڑالوی صاحب نے نظر انداز کر دیا اور جھٹ سے شرک کا فتویٰ لگا دیا، غور کرنے کی بات ہے کہ جس چیز کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وہ شرک فی الحکم کیسے ہو گئی؟

اسی طرح ایک اور جگہ یوں رقمطراز ہیں:

کتاب اللہ کے مقابلے میں ابنیاء اور رسولوں کے اقوال وافعال یعنی احادیث قولی و فعلی و تقریری پیش کرنے کا مرض ایک قدیم مرض ہے محمد رسول اللہ سلام اللہ علیہ کے مقابل و مخاطب بھی قطعی اور یقینی طور پر اہل حدیث ہی تھے۔[2]

---

[1] ۔ ترجمۃ القرآن ص 98۔

[2] ۔ ترجمۃ القرآن بآیات القرآن، ص 97، تحت قولہ تعالیٰ: وما کان من المشرکین ۔

یعنی نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دور کے سب مشرکین بشمول ابو جہل، عتبہ، شیبہ، ابو لہب اور امیہ بن خلف کے سبھی لوگ اہل حدیث تھے (معاذ اللہ)

گہر جو دل میں نہاں ہیں خدا ہی دے تو ملیں

اسی کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی

انکار حدیث کی بنا پر چکڑالوی صاحب بھی دوسرے منکرین حدیث کی طرح معجزات نبوت، شفاعت، عذاب قبر، ایصال ثواب اور تعدد ازواج وغیرہ کا بھی منکر تھا چند ایک حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں جس سے اس کے نظریات واضح ہو جائیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعدد ازواج کے متعلق چکڑالوی نظریہ

قرآن کریم، احادیث متواترہ اور تمام امت کے اتفاق سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نکاح میں بیک وقت نو ازواج مطہرات تھیں، اور قرآن کریم میں نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ازواج کو "یانساء النبی" اور خود نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو "یا ایھا النبی قل لازواجك" وغیرہ کے الفاظ سے خطاب فرمایا گیا ہے جو واضح دلیل ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نکاح کئی عورتیں موجود تھیں اور عام مسلمانوں کو کچھ شرائط کے ساتھ ایک وقت میں چار تک نکاح کرنے کی بھی اجازت دی گئی ہے لیکن چکڑالوی صاحب ان آیات میں تحریف کر کے یوں لکھتے ہیں:

> تعدد ازواج بحوالہ قرآن زنا میں داخل ہے (معاذ اللہ) جس سے انبیاء علیہم السلام اور ان کی امت پاک ہے اور ان پر سراسر افتراء اور بہتان ہے۔[1]

لیجئے چکڑالوی صاحب کس دلیری سے صرف نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق افتراء اور بہتان اور خلاف قرآن وحدیث بات کے نظریہ کی بنیاد رکھ کر امت کو گمراہ کر رہا

---

[1] ۔ اشاعۃ القران، ج1، ش7، ص18، ماہ مئی 1922ء۔

ہے اور تعدد ازواج کے فاعلین حضرات کو مرتکب زنا ٹھہرا رہا ہے (العیاذ باللہ)

نبی کریم ﷺ کے سید الانبیاء ہونے کا انکار

جمیع امت از اول تا حال اس بات پر متفق چلی آرہی ہے کہ نبی کریم ﷺ سید المرسلین و فخر العالمین ہیں لیکن چکڑالوی صاحب ایسا کہنے کو لغویات اور خرافات گردانتے ہیں اور مسلمانوں پر تنقید کرتے ہوئے میں لکھتے ہیں:

> یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنے پیٹ پر تین تین دن پتھر بھوک کے مارے باندھے پھرتے تھے اور ان کو اس دنیا فانی نان جویں بھی اللہ تعالیٰ کے اتنے بڑے بڑے خزانوں میں سے مرزوق نہیں ہوئی تھی اور بمقابلہ اس کے مریم کی شان وشوکت یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہمیشہ اس کو جنت الفردوس کے میوہ جات اور نعمتیں منزل من اللہ ہو کر مرزوق و موہوب ہوا کرتی تھیں م باوجود اس قدر ذلت و حقارت وتوہین وہانت کے محمد رسول اللہ سلام علیہ پر طوطے کی طرح سید المرسلین و فخر العالمین وغیرہ وغیرہ اسی قسم کے اور بہت سے خرافات ولغویات خطابات بھی بکتے رہتے ہیں۔[1]

اسی طرح ایک اور جگہ ایک سائل کے جواب میں لکھتے ہیں:

> آپ نے اپنے مسلمہ قرآن ، بخاری اور صحاح ستہ کے خلاف رسول اللہ ﷺ کو نبیوں کا سردار لکھا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں متبع اور مقتدیٰ کل انبیاء کا عموماً اور ابراہیم علیہ السلام کا خصوصاً لقب مرحمت فرمایا۔۔۔۔۔۔اور پھر آپ نے ان نبیوں کا سردار بنا کر دوسرے انبیاء کی تحقیر وتذلیل کر کے "لا نفرق بین احد من

---

[1] ۔ ترجمۃ القرآن ص142، تحت آیت: قالت ھو من عنداللہ۔

رسلہ" کا کفر کیا یا نہیں؟[1]

چکڑالوی صاحب کے ان فرمان میں چند باتیں قابل غور ہیں:

1۔ چکڑالوی صاحب کو "لا نفرق "والی آیت تو قرآن کریم میں نظر آ گئی مگر اللہ تعالیٰ کا فرمان "تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض" کیوں نظر نہ آیا؟

2۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو سابقہ انبیاء کی شریعت کے اتباع کا حکم نہیں دیا بلکہ ان کی ہدایت کی اتباع کا حکم دیا اور یہ ہدایت منزل من اللہ ہے اور سب انبیاء کرام پر ایک جیسی ہی نازل ہوئی ہے، اور جو ابراہیم علیہ السلام کی ملت کے تباع کا ذکر فرمایا اس ملت سے مراد قیام دین ہے اور دین کے قیام میں انبیاء کو جو مشکلات پیش آئی ہیں ان پر سابقہ انبیاء کے صبر وثبات کا حوالہ دے کر آپ ﷺ کو صبر وثبات کی تلقین اور تسلی دی گئی ہے تو اس سے آپ ﷺ کا درجہ کیسے کم ہو گیا؟

3۔ پھر بخاری اور صحاح ستہ وغیرہ میں چکڑالوی صاحب کو یہ حدیث "انا سيد ولد آدم ولا فخر "[2] کہیں بھی نظر نہیں آئی، اسی حدیث کی رو سے بنی کریم ﷺ تمام نبی نوع انسان کے سردار ہیں جس میں تمام انبیاء ورسل بھی شامل ہیں۔

تعجب کی بات ہے کہ چکڑالوی صاحب کو اپنا مدعا تو نظر آ جاتا ہے لیکن دوسری اطراف سے یکسر نظر عنایت چندھیا جاتی ہے اور بالکل دھیان نہیں جاتا الغرض یہاں دو باتیں الگ الگ ہیں ایک ہے انبیاء علیہم السلام میں سے کچھ پر ایمان لانا اور کچھ پر نہ لانا یہ تو صریح کفر ہے اور دوسری بات انبیاء کے درجات میں تفاوت یہ بہر حال ثابت ہے لیکن اس میں ہر کس وناکس کو بحث کرنے کی

---

[1] ۔ اشاعۃ القرآن، ص12،14 مئی 1922ء۔

[2] ۔ سنن ابن ماجه، باب ذكر الشفاعة، 1440/2، ط، دار إحياء الكتب العربية۔

اجازت نہیں ہے، اور علی الاطلاق اس کا نکار کر دینا نری جہالت و گمراہی، الحاد اور زندقہ ہے اور ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

نبی کریم ﷺ کی شفاعت للمومنین کا انکار

شفاعت کا مسئلہ بھی ایسا بے غبار، واضح اور امت مسلمہ کا متفق علیہ ہے کہ اس پر دوسری رائے کی گنجائش نہیں، قرآن کریم نے اثبات شفاعت کو دو اصولوں کے ساتھ ذکر کیا ہے:

پہلا یہ کہ شفاعت سے پہلے اذن الٰہی یعنی کسی کی شفاعت میں کلام کرنے سے پہلے اجازت خداوندی حاصل ہو، دوسرا یہ کہ شفاعت کرنے والے کا نہایت صادق و راست باز ہونا اور پوری معقول اور ٹھیک بات کہنا، ایسے شخص کی شفاعت کرنا جس کے حق میں شفاعت پر اللہ کی رضا بھی ہو۔

اسی طرح احادیثِ مبارکہ اور کتبِ عقائد کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شفیع دو قسم کے ہوں گے ایک وہ اعمال جو اپنے کرنے والے کے لیے شفاعت کریں گے، مثلاً: نماز، روزہ، تلاوت کلام اللہ وغیرہ اعمال روز قیامت صرف شفاعت ہی نہیں، بلکہ حجت ہوں گے۔

دوم اشخاص جیسے انبیاءِ کرام علیہم السلام، اولیاءِ کرام، وعلماء وشہداء، وفقراء کی شفاعت اللہ رب العزت اپنے رحم وکرم سے قبول فرمائیں گے، حفاظ کرام، حجاج اپنے اپنے متعلقین کی شفاعت کریں گے، نابالغ بچے جو مر گئے ہیں اپنے ماں باپ کی شفاعت کریں گے، اسی عام ایمان والے بھی آخر میں سفارش کریں گے اور بعض احادیث میں ہے کہ فرشتے بھی سفارش کریں گے، لیکن چکڑالوی صاحب اس کے بر خلاف یوں لکھتے ہیں:

> جملہ رسل انبیاء اور ملائکہ مقربین وملاء اعلیٰ کسی طرح ذراہ بھر سفارش نہ کر سکیں گے۔[1]

---

[1] ۔ ترجمۃ القرآن، ص2 تحت قولہ: ولا شفاعۃ۔

نیز لکھتے ہیں:

چونکہ عموماً اس مسئلہ شفاعت اور خصوصاً رسل انبیاء کی شفاعت کی وجہ سے تھوڑے دنوں بعد عذاب دوزخ سے رہائی پا جانے کا ایک غلط خیال عوام کالانام میں بے طرح پھیلا ہوا ہے جس کے اصل بانی مبانی اہل حدیث صاحبان ہی ہیں جنہوں نے خواہ مخواہ ایسے بہتان وافتراء بشکل احادیث خدا کے برگزیدہ بندوں رسل وانبیاء پر لگار کھے ہیں۔ (1)

مزید اس سے بڑھ کر اس عقیدے کا انکار واضح الفاظ میں یوں کرتے ہیں:

اس شفاعت کا بھی میں بے شک منکر ہوں کیونکہ عقلاً ونقلاً بے انصافی وظلم ہے۔ (2)

عقل تو غالباً یہاں خود چکڑالوی صاحب کی ہی مراد ہو گی جس میں کوئی بات گھستی ہی نہیں ہے اور نقل سے مراد اللہ ہی بہتر جانے کیا ہے کیونکہ شریعت اسلامیہ میں کہیں عقل ونقل سے چکڑالوی صاحب کی بات ثابت نہیں ہوتی بلکہ بے شمار نصوص شفاعت کو ثابت کرنے والی موجود ہیں۔

چکڑالوی صاحب نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ اپنے ملعون قلم سے پوری امت مسلمہ کو ناپاک اور نجس کہتے ہوئے لکھتا ہے:

غرضیکہ شفاعت مروجہ معروفہ کا وہم وخیال تک کرنا نہایت ہی بڑھ کر اعلیٰ درجہ و اول نمبر کی خباثت ونجاست ہے۔ (3)

معاذاللہ کس طرح چکڑالوی صاحب نے امت مسلمہ کو اول نمبر کی خبیث اور نجس ہونے کا خطاب دیا ہے اور اس کا نام دعوت قرآنی اور قرآنی بصیرت رکھا ہے اور اس کا وافر حصہ اپنے ہمنوا

---

[1] ۔ ترجمۃ القرآن، ص125، تحت قولہ تعالیٰ: الا ایاماً معدودات۔

[2] ۔ اشاعۃ القرآن مطبوعہ، 1320ھ ص2۔

[3] ۔ ترجمۃ القرآن ص125۔

اور خوشہ چیں لوگوں میں بانٹا ہے، سچ ہے جیسی روح ویسے فرشتے۔

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے

جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

عذاب قبر کے متعلق چکڑالوی صاحب کا نظریہ

دلائل قاطعہ اور متواترہ سے قبر میں ثواب اور عذاب کا میت پر مرتب ہونا ثابت ہے انسان کے مرنے کے بعد اس کا تعلق اس ظاہری اور دنیوی عالم سے نہیں رہتا، بلکہ اس کا تعلق ایک اور عالم سے ہو جاتا ہے، جس کو عالمِ برزخ (اور عرفِ عام میں عالمِ قبر) کہتے ہیں، اب جو کچھ اس پر گزرتا ہے وہ دنیوی عالم میں نہیں، بلکہ اس دوسرے عالم میں ہوتا ہے اور اس دوسرے عالم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے عام انسانوں سے مخفی رکھا ہوا ہے لہٰذا اس پر اچھا یا بُرا جو کچھ گزرتا ہے، اس کا اس دنیا میں مشاہدہ عام طور پر نہیں ہوتا، مردہ ہمارے سامنے ہوتا ہے اور اس پر عذاب یا راحت کا معاملہ ہوتا ہے؛ مگر اس کے باوجود چوں کہ یہ معاملہ عالمِ برزخ کا ہے؛ اس لیے ہم کو محسوس و مشاہد نہیں ہوتا، اور ہمارے نہ دیکھنے یا محسوس نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مردے کو تکلیف یا راحت محسوس نہیں ہو رہی، بلکہ اسے راحت اور تکلیف بھی محسوس ہوتی ہے، لیکن یہ سب اللہ تعالیٰ نے ہم سے مخفی رکھا ہے، تاکہ ایمان بالغیب باقی رہنے کی بدولت انسان اجر وثواب کا مستحق بھی ہو اور اس کی آزمائش بھی ہو، حدیثِ پاک میں ہے کہ قبر میں جو عذاب دیا جاتا ہے انسان اور جنات کے علاوہ تمام مخلوقات اسے محسوس کرتی ہیں۔ چوں کہ انسان اور جنات مکلف ہیں اس لیے انہیں یہ دکھایا نہیں جاتا، تاکہ آزمائش اور انسان کا اپنا اختیار مکمل باقی رہے، اور اپنے اختیار سے اچھی یا بری راہ منتخب کرنے کی صورت میں اجر وثواب اور سزا کا مستحق بنے۔

قرآن کی کئی آیات میں عذاب قبر کا بیان آیا ہے جیسا کہ:

فَوَقٰهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَامَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْئُ الْعَذَابِ۔ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا۔ وَّ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۔ [1]

اسی طرح حدیث شریف سے بھی اس کا ثبوت ہے اور قبر میں عذاب وراحت اور فرشتوں کے سوال کے بارے میں احادیث متواتر ہیں اور کثیر صحابہ سے منقول ہیں، مثلاً حضرت عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان، زید بن ثابت، انس بن مالک، براء بن عازب، تمیم داری، ثوبان، جابر بن عبداللہ، حذیفہ، عبادۃ بن صامت، عبداللہ بن رواحہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود، عمرو بن العاص، معاذ بن جبل، ابوامامہ، ابو الدرداء ابوہریرہؓ اور عائشہ رضی اللہ عنہا و عنہم پھر ان سے بے شمار لوگوں نے روایت کیا۔ بطور نمونہ چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

"عن البراء بن عازب يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت فى الحيوة الدنيا وفى الآخرة قال نزلت فى عذاب القبر۔ [2]

قال الله تعالىٰ النار يعرضون عليها غدوا وعشيا الآية وتظاهرت به الاحاديث الصحيحة عن النبى ﷺ من رواية جماعة من الصحابة فى مواطن كثيرة۔ [3]

عن عائشة رضى الله عنها ان يهودية دخلت عليها فذكرت عذاب القبر فسالت عائشة رسول الله ﷺ عن عذاب القبر فقالت نعم عذاب القبر حق

---

[1] ۔ سورۃ غافر آیت نمبر 45، 46۔

[2] ۔ صحیح مسلم :386/2

[3] ۔ شرح نووی علی المسلم :386/2۔

فقالت عائشة رضی اللہ عنہا فمارایت رسول اللہ ﷺ بعد صلی صلوۃ الا تعوذ من عذاب القبر زادغندر عذاب القبر حق۔ [1]

اور اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اس کا انکار کرنے والا بدعتی گناہ گار اور اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہے:

ومن ينكر الشفاعة أو الرؤية أو عذاب القبر أو الكرام الكاتبين وأمامن يفضل علیافحسب فهو من المبتدعة". [2]

بيان استنباط الاحكام الاول فيه أن عذاب القبر حق يجب الإيمان به والتسليم له وعلى ذلك أهل السنة والجماعةثم المعذب عند أهل السنة الجسد بعينه أو بعضه بعد إعادة الروح إلى جسده أو إلى جزئه وخالف في ذلك محمد بن جرير وطائفة فقالوا لا يشترط إعادة الروح وهذا أيضا فاسد۔ [3]

مگر چکڑالوی صاحب اس کے برخلاف یوں فرماتے ہیں:

باب ہفتم عذاب قبر وسوال منکر نکیر: جب یہ بات ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ مرنے کے بعد روح کے لئے بھی بقاء نہیں ہے اور یہ بات بھی بہ دلائل پختہ بیان ہونے والی ہے کہ مرنے کے بعد روز قیامت تک درمیانی زمانہ میں کوئی جزاءوسزا نہیں ہے تو عذاب قبر کا غلط اور من گھڑت ہونا صاف ظاہر ہے عذاب قبر وسوال منکرونکیر کی

---

1 - صحیح بخاری: 183/1۔

2 - حلبی کبیری: 443۔

3 - عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج2ص598،597۔

بنیاد جھوٹی حدیثوں پر ہے۔۔۔الخ۔[1]

دیکھئے کس قدر صریح اہل حق سے بغاوت اور گمراہی ہے کہ ایک تواتر سے ثابت شدہ عقیدے سے انحراف کیا ہے۔

ایصال ثواب سے چکڑالوی صاحب کا انکار

اہلِ سنت والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ جو لوگ اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں ان کے لیے دعا بھی کی جاسکتی ہے اور ان کو اعمال ہدیہ بھی کیے جاسکتے ہیں خواہ پڑھ کر بخشا جائے یا خیرات اور حسنات بخشے جائیں، میت کے لیے نمازِ جنازہ اور دیگر مواقع پر دعا کرنا تو قرآن وحدیث کی بہت سے نصوص سے ثابت ہے، اعمال کا ایصالِ ثواب بھی کئی صحیح احادیث سے ثابت ہے:

"وعن سعد بن عبادة قال: يا رسول الله إن أم سعد ماتت، فأي الصدقة أفضل؟ قال: "الماء" . فحفر بئراً وقال: هذه لأم سعد. رواه أبو داود والنسائي"۔[2]

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے، ان کے لیے کیا صدقہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا" پانی" انہوں نے ایک کنواں کھدوایا، اور فرمایا کہ یہ سعد کی والدہ کے لیے ہے۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے پانی کے صدقہ کا ثواب پہنچانے کا امر فرمایا، معلوم ہوا کہ صدقے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم میں حدیث ہے:

1۔ ترجمۃ القرآن، ص95، تحت آیت: اذ جاء احدکم الموت۔

2۔ سنن ابی داؤد، باب فی فضل سقی الماء، 130/2، ط، المکتبۃ العصریۃ، صیدا بیروت

"عن أبي هريرة، أن رجلاً قال للنبي صلى الله عليه وسلم: إن أبي مات وترك مالاً، ولم يوص، فهل يكفر عنه أن أتصدق عنه؟ قال: "نعم"۔[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی علیہ السلام سے پوچھا: میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے اور انہوں نے اپنے پیچھے مال چھوڑا ہے، لیکن کوئی وصیت نہیں کی۔ اگر میں ان کی جانب سے صدقہ خیرات کر دوں، کیا ان کے گناہوں کے لیے معافی کا ذریعہ ہو جائے گا؟ فرمایا: ہاں! تمہارے صدقات سے ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

معلوم ہوا کہ ایصالِ ثواب کا میت کو فائدہ ہوتا ہے، سنن ابی داؤد میں حضرت اسید بن علی کی روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں:

عن أسيد بن علي بن عبيد، مولى بني ساعدة عن أبيه، عن أبي أسيد مالك بن ربيعة الساعدي، قال: بينا نحن عند رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذ جاء ه رجل من بني سلمة، فقال: يا رسول الله، هل بقي من بر أبوي شيء أبرهما به بعد موتهما؟ قال: نعم الصلاة عليهما، والاستغفار لهما، وإنفاذ عهدهما من بعدهما، وصلة الرحم التي لا توصل إلا بهما، وإكرام صديقهما"۔[2]

حضرت ابو اُسید مالک بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے پاس موجود تھے کہ

---

[1] ۔ صحيح مسلم، باب وصول ثواب الصدقات الى الميت 1254/3، ط، دار إحياء التراث العربي ۔

[2] ۔ سنن أبي داود، 4/ 336۔

اتنے میں بنو سلمہ کا ایک شخص آیا اور اُس نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا یارسول اللہ! میرے والدین کی وفات کے بعد بھی ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی کوئی صورت ہے، جس کو میں اختیار کروں؟ فرمایا: ہاں! ان کے لیے دُعاو اِستغفار کرنا، ان کے بعد ان کی وصیت کو نافذ کرنا، ان کے متعلقین سے صلہ رحمی کرنا، اور ان کے دوستوں سے عزّت کے ساتھ پیش آنا۔

اس طرح کی اور بھی کئی روایات ثابت ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایصالِ ثواب برحق ہے اور اعمال کا مرحومین تک پہنچنا بھی برحق ہے

مگر چکڑالوی صاحب لکھتے ہیں کہ:

یہ بے شک میرا اعتقاد ہے کہ مردہ کو بدنی عبادات یامالی صدقہ وغیرہ کسی چیز کا ثواب نہیں پہنچ سکتا۔[1]

چکڑالوی صاحب کو یہ اعتقاد مبارک ہو اہل اسلام اس کو باطل اور مردود جانتے ہیں۔

تراویح کے متعلق چکڑالوی صاحب کا باطل نظریہ

چکڑالوی صاحب کہتے ہیں:

نماز تراویح پڑھنا ضلالت ہے۔[2]

اور اس پر ایک رسالہ "**البیان الصریح لاثبات کراہۃ التراویح**" بھی لکھا ہے۔

حالانکہ تراویح کا ثبوت احادیث سے ثابت ہے "صحیح بخاری" میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک میں ایک الگ جگہ بنائی، وہ چٹائی کا ایک چھپر

---

[1] ۔ اشاعۃ القرآن ص 4 مطبوعہ 1320ھ۔

[2] ۔ اشاعۃ القرآن ص 13 مطبوعہ 1320ھ۔

تھا، آپ ﷺ نے وہاں کئی راتیں نماز پڑھی، آپ کے صحابہ نے آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھائی اور آپ کی اقتدا میں لوگوں نے بھی نماز پڑھنا شروع کردی، اگلی دن لوگوں زیادہ ہوگئے، تیسرے دن لوگ جمع ہوئے، لیکن نبی کریم ﷺ باہر نہ نکلے، جب صبح ہوئی آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے وہ دیکھا جو تم لوگوں نے کیا، مجھے تم لوگوں کے پاس آنے سے صرف یہ بات رکاوٹ تھی کہ یہ نماز تم پر فرض کردی جائے گی، یہ رمضان کا واقعہ تھا۔

"عن زيد بن ثابت: أن النبي صلى الله عليه وسلم اتخذ حجرة في المسجد من حصير فصلي فيها ليالي، حتى اجتمع عليه ناس. ثم فقدوا صوته ليلةً، وظنوا أنه قد نام، فجعل بعضهم يتنحنح ليخرج إليهم. فقال: "مازال بكم الذي رأيت من صنيعكم ،حتى خشيت أنيكتب عليكم، ولو كتب عليكم ما قمتم به، فصلوا أيها الناس في بيوتكم، فإن أفضل صلاة المرء في بيته إلا الصلاة المكتوبة"۔ متفق عليه"۔ [1]

مصنف ابن ابی شیبہ، معجم طبرانی اور بیہقی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ رمضان میں وتر کے علاوہ بیس رکعات پڑھتے تھے، ان روایات سے معلوم ہوا کہ باجماعت تراویح کا ثبوت نبی کریم ﷺ ثابت ہے، فرضیت کے اندیشہ سے آپ ﷺ نے عمداً مداومت نہیں فرمائی۔

عہدِ صحابہ میں جب یہ اندیشہ نہ رہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کو ایک امام پر اکھٹا کرکے باجماعت تراویح کا فیصلہ کیا، چناں چہ "موطا امام مالک" میں ہے کہ عبد الرحمن بن عبد القاری فرماتے ہیں

---

[1] - شرح المشكاة للطيبي الكاشف عن حقائق السنن ،4/ 1233۔

کہ میں رمضان المبارک کے مہینے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی جانب نکلا، دیکھا کہ لوگ مختلف جماعتوں میں بٹے ہوئے ہیں، کچھ اکیلے نماز پڑھ رہے ہیں، کچھ کے ساتھ ایک چھوٹی جماعت شریک ہے، یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری رائے یہ ہے کہ اگر یہ لوگ ایک قاری کے پیچھے جمع ہو کر نماز پڑھیں تو زیادہ مناسب ہو گا، پھر آپ نے اس کا پختہ ارادہ فرمایا اور سب کو حضرت ابی بن کعب پر جمع فرمایا، جب اگلی رات مسجد کی جانب نکلے تو لوگ اپنے قاری یعنی حضرت ابی بن کعب کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ نیا کام بہت ہی اچھا ہے۔ اور وہ نماز جس کے وقت تم سوتے ہو وہ اس سے بہتر جو تم قائم کرتے ہو، یعنی رات کے آخری پہر کی نماز، اور لوگ اس وقت رات کے ابتدائی حصے میں یہ قیام کیا کرتے تھے۔

"حَدَّثَنِي مَالِك عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ أَنَّهُ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُونَ، يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ، وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ، فَقَالَ عُمَرُ: وَاللَّهِ إِنِّي لَأَرَانِي لَوْ جَمَعْتُ هَؤُلَاءِ عَلَى قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ، فَجَمَعَهُمْ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ: ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً أُخْرَى وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ، فَقَالَ عُمَرُ: نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ، وَالَّتِي تَنَامُونَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنْ الَّتِي تَقُومُونَ يَعْنِي آخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ أَوَّلَهُ"۔ [1]

"موطا امام مالک" میں یزید بن رومان رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہما

---

[1] - موطأ امام مالك، 2/158۔

کے زمانے میں رمضان میں وتر کے ساتھ تیئیس رکعات پڑھا کرتے تھے۔

"و حَدَّثَنِي عَنْ مَالِك عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ أَنَّهُ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ رَكْعَةً"۔[1]

کتاب وسنت لازم وملزوم ہیں اب اگر کوئی شخص سنت سے انکار کرتا ہے تو اس کی اس فکر کا لازمی نتیجہ انکار قرآن پر نکلے گا یہ لوگ بعض آیات تو اپنے مذہب کی تائید میں پیش کرتے ہیں لیکن بعض کا سرے سے انکار کر دیتے ہیں یہی حال انہی اہل قرآن یعنی چکڑالویوں کا بھی ہے اور چکڑالوی صاحب قرآن کریم کی جزئیات کی تعیین میں نہایت بے بس ہو گئے تھے۔

اسی طرح نماز کے بارے میں ان کا طریقہ یہ تھا کہ قیام کرکے چند آیات تلاوت کرتے اور نماز ختم جیسا نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے، یہی منکرین حدیث نماز کے بارے میں لکھتے ہیں:

نماز مجوسیوں سے لی ہوئی ہے قرآن مجید نے نماز پڑھنے کے لئے نہیں کہا بلکہ قیام صلوٰۃ یعنی نماز کو قائم کرنے کا حکم ہے، مطلب یہ ہے کہ معاشرے کو ان بنیادوں پر قائم کرنا چاہیئے جن سے اللہ کی ربوبیت کی عمارت قائم ہو جائے۔[2]

اسی طرح حضرت عیسی علیہ السلام کے معجزات، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ نار اور انبیاء کا شیطانی وساوس سے محفوظ ہونے کا بھی چکڑالوی نے انکار کیا ہے، مزید تفصیل کے لئے امام اہلسنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ کی کتاب انکار حدیث کے نتائج کا مطالعہ فرمائیں۔

---

[1] - موطأمالك،2/159۔

[2] ۔ قرآنی فیصلے، ص240 / نظام ربوبیت ص87۔

مسٹر غلام احمد پرویز

موصوف کا پورا نام غلام احمد پرویز اور والد کا نام چودھری فضل دین تھا، متحدہ ہندوستان کے معروف شہر بٹالہ (ضلع گورداس پور) میں 9 جنوری 1903ء میں پیدا ہوئے، ان کے دادا حکیم مولوی رحیم بخش اپنے وقت کے مانے ہوئے صوفی بزرگ تھے اور اور چشتیہ نظامیہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

ابتدائی تعلیم اور مذہبی تعلیم پرویز نے اپنے گھر پر ہی والد اور دادا کی زیر نگرانی حاصل کی، ایک انگریزی اسکول Alady of England سے ۱۹۲۱ء میں میٹرک پاس کیا، پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ۱۹۲۴ء میں B.A. کی ڈگری حاصل کی، ۱۹۲۷ء میں گورنمنٹ آف انڈیا کے مرکزی سکریٹریٹ میں ملازمت اختیار کیا اور بہت جلد ترقی پاکر Heme Department کے Stablishment Division میں ایک عہدہ پر کام کیا، کچھ عرصہ بعد غلام احمد پرویز کی ملاقات حافظ اسلم جیراجپوری (جو کہ بذات خود منکرین حدیث میں شمار کئے جاتے تھے) سے ہوئی اور صحبت کیونکہ عادات کو منتقل ہونے میں معاون ہوتی ہے، لہٰذا جو سوچ اسلم جیراجپوری کی تھی اس سوچ نے پرویز کی تنکیرِ حدیث کی سوچ کو مزید جِلا بخشی اور ویس اسلم جیراجپوری کا ایک جانشین تیار ہوتا چلا گیا، جو کہ بعد میں فتنہ انکارِ حدیث کے نشر و اشاعت کا بڑا ذریعہ بنا، پرویز نے ۱۹۳۸ء میں "طلوعِ اسلام" رسالہ جاری کیا، اس کا پہلا شمارہ اپریل ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا اور یہی در اصل وہ مرکز بنا جہاں سے لوگوں کے ذہنوں کو اسلام، دین اور علماء سے متنفر کرنے کا آغاز ہوا اور اسلام کے لبادے میں قرآنی فکر اور قرآنی بصیرت جیسے خوبصورت الفاظ کو استعمال کرکے لوگوں شرعی حدود و قیود میں آزاد زندگی کے سبز باغ دکھائے گئے۔

بچپن ہی سے پرویز کی تربیت اتنے متنوع ماحول میں ہوئی، وہ خود لکھتے ہیں:

میں جس جذب و شوق سے میلاد کی محفلوں میں شریک ہوتا تھا، اسی سوز و گداز کے ساتھ عزاداری کی مجلسوں میں بھی حاضری دیتا تھا اور قوالی تو خیر تھی ہی جزوِ عبادت، اسی قسم کے اضداد کا مجموعہ تھا، میرے بچپن اور ابتدائے شباب زمانہ"۔ (1)

اس صفحہ کے حاشیہ پر علامہ پرویز نے لکھا ہے کہ: "ویسے بھی صوفی آدھا شیعہ ہوتا ہے" پرویز کے نظریات کے اس قدر کفر آمیز ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے بغیر کسی عالم کے کے تفسیر پڑھی، پھر ان کی تربیت بھی غیر دینی ماحول میں ہوئی، اول تو انگریزی ماحول تعلیم تھا، پھر سر سید کے خیالات کا مطالعہ، اس طرح ان کے ذہن میں انکارِ حدیث کے فتنہ جڑ پکڑ لی۔

بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد انگریزی ادب، فلسفہ، تاریخ، سائنس، ٹیکنالوجی اور معاشیات کے علوم پر توجہ دینی شروع کردی، ساتھ ہی ساتھ سیاست اور اقوامِ عالم کی سیاسی اور مذہبی تحریکوں کا مطالعہ شروع کردیا۔ (2)

دراصل دین کو ہر آدمی نے اپنی میراث سمجھ رکھا ہے، نہ مدرسہ کی تعلیم، نہ علماء کی صحبت، نہ صحیح ستہ کی رہنمائی، نہ ائمہ اربعہ کی تقلید، بلکہ یکسر سب کی نفی اور اس پر مور یہ کہ ہم بھی تو مسلمان ہیں، قرآن ہماری بھی ہے، ہم کو ہر وہ معنی اخذ کرنے کا اختیار ہے جو ہمارے مقاصد کا مدد و معاون ہو، حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے انکارِ حدیث کے ذریعہ انکارِ قرآن کی بنیاد رکھی ہے، جب ان سے پوچھا جاتا ہے: "کیا دوسرے مسلمان نہیں؟" تو کہتے ہیں جس کا لازمی مفہوم یہ نکلتا ہے کہ "ایک شخص قرآن پر عمل کرے بغیر اور اس کو مانے بغیر بھی مسلمان ہوتا ہے" تو بھلا مسلم اور کافر میں کیا فرق ہے۔

---

[1] ۔ غلام احمد پرویز، از قاسم نوری: ۲۷۔ ۴۷۔

[2] ۔ غلام احمد پرویز، از قاسم نوری: ۱۲۹۔

پرویز کی موسیقی سے دلچسپی

علامہ پرویز کو بچپن ہی سے شعر و شاعری اور موسیقی سے دلچسپی تھی:

بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ پرویز صاحب پایہ کے انشاء پر دار، مضمون نگار اور شاعر بھی تھے، خوش گلو بھی تھے، لحن و لہجہ بھی حسین تھا اور فن موسیقی سے بھی خوب واقف تھے، کلاسیکی موسیقی سے بہت لگاؤ تھا، ان کے ہاں گراموفون ریکارڈ کا اچھا خاصا ذخیرہ تھا، شعر کہتے سُر میں ڈھالتے اور سازووں سے ہم آہنگ بھی کرتے تھے، صبح کے راگ بہت پسند تھے، خاص طور پر اساوری اور جونپوری من پسند راگ تھے۔[1]

غلام احمد پرویز کا انتقال ۲۴/ فروری ۱۹۸۵ء میں ہوا۔

غلام احمد پرویز مغربی فکر سے تاثر اور سر سید کے زاویہ فکر کو اختیار کر کے مخصوص تناظر میں اسے مزید وسعت دینے میں خاصے نمایاں ہیں، پروفیسر عزیز احمد نے انہیں سر سید سے لے کر لمحہ موجود تک کے تمام جدید پسندوں میں مغربی نقطہ نظر کے سب سے زیادہ قریب قرار دیا ہے۔[2]

جناب غلام محمد پرویز کے دور میں فتنہ انکارِ حدیث پورے عروج کو پہنچا ہے، آپ کا اندازِ تصنیف کچھ زیادہ سلیقہ دار اور اُلجھا ہوا ہے، جس میں جھانک کر اصل فتنے کی نشاندہی کرنا ایک مشکل کام ہے، انہوں نے تفسیر "مفہوم القرآن" کئی جلدوں میں تحریر کی ہے جو اردو عبارت اور حسن طباعت میں نفیس کتاب ہے، لیکن اس میں کس طرح اسلام کے قطعی نظریات سے کھیلا ہے، وہ مطالعہ سے ہی پتہ چلتا ہے، انہوں نے نہایت وسیع پیمانے پر مغربی نتائج فکر میں تطابق کی کوشش

---

[1] ۔ غلام احمد پرویز، از قاسم نوری، ص28۔

[2] ۔ برصغیر میں اسلامی جدیدیت، پروفیسر عزیز احمد (مترجم، ڈاکٹر جمیل جالبی) ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، سن 1979ء ص322۔323۔

کی اور حدیث کی حجیت و ثقاہت کے حوالے سے استشراقی فکر کو بھر پور انداز میں پیش کیا، پرویز نے اپنے خیالات کی اشاعت میں اپنی سرکاری پوزیشن بھی استعمال کی اور افسران کے ایک حلقے کو جو پہلے سے علماء سے بغض رکھتا تھا متاثر کیا اور جدید تعلیم یافتہ لوگ کسی درجے میں اس کے گرد جمع ہو گئے پرویز نے اپنے اس موقف پر ادبی انداز میں خاصا لٹریچر میلا کیا ہے۔

مسٹر پرویز صاحب کے بنیادی افکار و نظریات میں انکار حدیث، نظریہ ارتقاء، نظام ربوبیت یعنی معاشیات وغیرہ اور مکافات عمل شامل ہیں پھر انہی نظریات کی روشنی میں پرویز صاحب نے قرآن کی تشریح و تفسیر شروع کی اور شریعت محمدیہ کا ایک اور الگ رخ پیش کیا جیسا کہ ان کی تحریرات سے آپ اندازہ لگائیں گے۔

مسٹر پرویز اینڈ کمپنی چونکہ اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں جس سے عموماً یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ قرآنی تعلیات پر سختی سے عمل پیرا اور کاربند ہیں اور عوام کے ذہن میں صرف یہی بات ہے کہ وہ صرف منکر حدیث ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ منکر قرآن بھی ہیں اس نے قرآنی تعلیمات کے اصل اور متوارث متعین معانی و مفاہیم کو اپنی مرضی سے بدل کر دوسرے خود ساختہ معانی گھڑے ہیں اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ، کلمہ، نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ اور قربانی وغیرہ کے بھی وہ معنیٰ نہیں ہیں جو شریعت نے عملاً بتلائے ہیں اور جو لغت عرب اور مسلمانوں میں عہد نبوی سے لے کر تا حال مشہور و متعارف ہیں بلکہ اصل معانی ان کے نزدیک وہ ہیں جو ایک عجمی نام نہاد مفکر نے سمجھے ہیں (نعوذ باللہ)

پرویز کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں نظریہ

مسٹر غلام احمد پرویز جو فرقہ طلوعِ اسلام کے بانیوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتا ہے، اور کیسے وہ ساری زندگی عقیدۂ توحید کو مسخ کرنے کی کوشش میں مصروف رہا ہے۔

اگرچہ مسٹر پرویز اپنی تالیفات میں 'اللہ' یا 'خدا' کا لفظ بکثرت استعمال کرتے ہیں، جس سے عام لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ پرویز کے نزدیک بھی تصورِ خدا وہی ہے جو اہل اسلام کے ہاں ہے حالانکہ حقیقتِ حال اس کے بالکل برعکس ہے مسٹر پرویز کے ہاں اللہ یا خدا سے مراد وہ ذات نہیں ہے جو عرش پر مستوی ہے اور جس پر تمام مسلمانوں کا ایمان ہے، بلکہ انہوں نے عقیدۂ توحید اور ایمان باللہ کے مفہوم کو ایسا مسخ کیا ہے کہ کوئی مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا، اور اس پر ان کی تالیف کردہ کتابیں گواہ ہیں جیسا کہ وہ اپنی کتاب 'سلیم کے نام' میں اپنے متبنّیٰ 'سلیم' کو اللہ پر ایمان لانے کا مفہوم سمجھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں نے تمہیں اپنے سابقہ خط میں بتایا تھا کہ خدا پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ جو معاشرہ اس کے قوانین کے مطابق قائم ہو، اسے صفاتِ خداوندی کا مظہر ہونا چاہئے"۔[1]

دیکھئے مسٹر پرویز نے خدا پر ایمان کو معاشرہ پر ایمان لانے سے تعبیر کر دیا، اور اِس معاشرہ پر ہی صفاتِ خداوندی کو چسپاں کر دیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کامل اور بلا کیف مانی جاتی ہیں جبکہ معاشرہ اور مخلوق کی صفات ناقص ہیں اور ان کی کیفیت بھی ہمارے لئے منکشف ہے۔

مسٹر پرویز اپنی اسی کتاب کے دوسرے مقام پر اہل اسلام کے ہاں عقیدۂ خدا کو ردّ کرتے ہوئے اور مارکس کے نظریۂ خدا کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انسانوں کے خود ساختہ مذہب کے پیدا کردہ خدا پر ایمان لانے اور اس کے دعاویٰ پر توکل رکھنے سے وہ یقین کسی طرح پیدا نہیں ہو سکتا جو انسان کو احتیاج کی فکر سے بے خوف کر دے، یہی وہ خدا تھا جس کے متعلق مارکس نے کہہ دیا تھا کہ اس کا تصور

---

[1] ۔ سلیم کے نام، 1/225۔

سرمایہ داروں کی مصلحت کوشیوں کا پیدا کردہ ہے، لیکن 'خدا' کے تصور کا ایک مفہوم وہ ہے جسے (بزعم پرویز) خود خدا نے متعین کیا ہے اور جو قرآن کے حروف و نقوش میں جگمگ جگمگ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس تصور کی رو سے ان مقامات پر خدا سے عملاً مفہوم، وہ نظام ہے جو اس کے قوانین کو نافذ کرنے کے لئے متشکل ہوتا ہے اور اس طرح وہ تمام ذمہ داریاں اپنے سر پر لے لیتا ہے، جنہیں خدا نے اپنی طرف منسوب کیا ہے"۔[(1)]

اس عبارت پر غور کیجئے، مسٹر پرویز مارکس کی تقلید میں اندھا ہو کر کیسے خدا پر ایمان کے اسلامی مفہوم کو بے فائدہ بتا رہا ہے اور خدا پر ایمان سے مراد وہ نظام بتاتا ہے جو اس کے قوانین کا نفاذ کرے، اگرچہ قوانین خداوندی کے نفاذ سے انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن خدا سے مراد ہی نظام لے لینا بے دین ذہن کی اختراع ہے۔

اسی طرح مسٹر پرویز فرماتے ہیں:

"سلیم اگر تم ایک اہم نکتہ کو سمجھ لو تو قرآن فہمی میں تمہاری بہت سی مشکلات کا حل خود بخود نکل آئے گا یعنی ان مقامات میں جہاں قرآن کریم میں لفظ 'اللہ' استعمال ہوا ہے، 'اللہ' کی جگہ اگر تم 'اللہ کا قانون' کہہ لیا کرو تو بات بالکل واضح ہو جائے گی"۔[(2)]

بزم پرویز میں اگر کوئی شخص عقل سے کام لینے والا موجود ہو تو وہ ان حضرات سے پوچھے کہ جب قرآنِ کریم کے دیگر مقامات میں اللہ تعالیٰ کے قوانین اور ان کی پیروی کی اہمیت واضح الفاظ میں ذکر کر دی گئی ہے تو 'اللہ' کے اسم گرامی کو قانون کے معنی میں لینے کی ضرورت کیا ہے؟ کیا اللہ اور

---

[1] ۔ سلیم کے نام، از پرویز، 1/299۔

[2] ۔ سلیم کے نام: 1/137۔

قانون دونوں مترادف ہیں؟ اور اس کے باوجود اگر آپ لوگ 'اللہ' کو قوانین کے معنی لیتے ہیں تو یہ صرف اس لئے ہے کہ مسلمانوں کے ہاں اللہ تعالیٰ پر ایمان کے عقیدے کو مسخ کر دیا جائے اور اہل اسلام کے دلوں سے عظمتِ خدا کے تصور کو ختم کر دیا جائے اور مرکزی حکومت کے قوانین کو خدا کے قوانین کا نام دے کر ان کی اہمیت کو دلوں میں راسخ کر دیا جائے۔

مسٹر پرویز صاحب ایسے خدا کی تلاش میں سرگرداں ہے جو کسی تنظیم کی شکل میں کائنات کے اندر ہی موجود ہو حالانکہ قرآنی نصوص سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات سے جدا ہے جسے ان دنیاوی آنکھوں سے دیکھا نہیں جاسکتا، اور ہر چیز سے بڑھ کر اس سے اور اس کی شریعت سے محبت کرنا مسلمانوں کے ایمان کا جز ہے، لیکن پرویز ایسے خدا سے محبت کو محال اور دشوار شمار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"جس قسم کی محبت انسانی محبوب سے کی جاتی ہے، اس قسم کی محبت خدا سے کی ہی نہیں جاسکتی، تم کسی اَن دیکھی چیز سے محبت کر ہی نہیں سکتے۔۔۔۔۔۔ محسوسات کا خوگر انسان کسی غیر مرئی وغیر محسوس حقیقت سے محبت نہیں کر سکتا"۔[1]

مسٹر پرویز کا یہ دعویٰ آیت ﴿وَالَّذِينَ ءامَنوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾[2] اور اس جیسی دیگر متعدد آیات کے خلاف ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا خدا مخلوقات کے اندر ہی تلاش کرنے کی کوشش میں تھے جو محسوس اور مرئی یعنی دنیا میں ہی نظر آنے والا ہو، لہٰذا وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گئے اور اس نے محسوس اور دنیا میں ہی نظر آنے والا خدا تلاش کر لیا جس کی بشارت وہ اپنے حواریوں کو دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

1 ۔ سلیم کے نام: 3/89۔

2 ۔ سورۃ البقرۃ آیت نمبر 165۔

"ہم اس مقام پر ایک اہم نکتہ کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں، جسے آگے بڑھنے سے پہلے سمجھ لینا ضروری ہے، ہم نے ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ کی آیت میں بھی اور مذکورہ صدر آیت میں بھی 'اللہ' سے مراد لیا ہے "وہ معاشرہ جو قانونِ خداوندی کو نافذ کرنے کیلئے متشکل ہو"۔[1]

دوسرے مقام میں وہ اسلامی حکومت کے منشور کو 'میثاقِ خداوندی' کا نام دیتے ہوئے اور اپنے حواریوں کو محسوس اور مرئی خدا کا مشاہدہ کرواتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"چونکہ عمال حکومتِ اسلامیہ کا عہد نامہ ان کے اور حکومت کے اقتدارِ اعلیٰ (یعنی ان کے خدا) کے مابین ہو گا، اس لئے ہم نے اس کا عنوان 'میثاقِ خداوندی' مناسب سمجھا ہے"۔[2]

اس کے بعد انہوں نے میثاقِ خداوندی کی تفصیل نقل کی ہے لیکن ان کے سابقہ اقتباس پر غور فرمائیں جس میں انہوں نے اقتدارِ اعلیٰ کو ہی خدا قرار دیا ہے اور اربابِ اقتدار کو عمالِ حکومت کا خدا بنا کر کفر کا ارتکاب کیا ہے اور اپنے اس کفر کو برملا لوگوں پر مسلط کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"قرآن میں جہاں 'اللہ اور رسول' کے الفاظ اکٹھے آتے ہیں، وہاں اس سے مراد کیا ہوتی ہے؟ اس سے مراد 'اسلامی نظامِ حکومت' ہے جو خدا کے احکام نافذ کرنے کے لئے متشکل ہوتا ہے"۔[3]

اللہ تعالیٰ کے احکام کے نفاذ سے کسی کو انکار نہیں ہے اور نہ ہی اس پر کسی کو کوئی اعتراض ہو سکتا ہے

---

[1] ۔ نظامِ ربوبیت، صفحہ 157۔

[2] ۔ سلسبیل، ص122۔

[3] ۔ قرآنی فیصلے، 1/237۔

لیکن 'اللہ' اور 'رسول' کے مقدس کلمات سے نظام حکومت مراد لینا مسٹر پرویز کے کفر والحاد اور ان کی منافقت کی غمازی کرتا ہے، جس کی جرأت اس سے پہلے کسی مسلمان کو نہیں ہوئی۔

مسٹر پرویز کا مفسرین پر جھوٹ

جھوٹے آدمی کو اپنی بات سچ باور کرانے کے لئے دیگر متعدد جھوٹوں کا سہارا درکار ہوتا ہے جیسا کہ مسٹر پرویز نے 'اللہ و رسول' کے مقدس کلمات کو مرکزی حکومت کے لئے استعمال کر کے کذب بیانی کی، اور اسے سچ بنانے کے لئے دوسرا جھوٹ یہ بولا کہ وہ مفسر ابن جریر طبریؒ کو بھی اس میدان میں کھینچ لائے اور یہ دعویٰ کر دیا کہ "یہ بات کہ قرآنِ کریم میں جہاں اس ضمن میں 'اللہ اور رسول' کے الفاظ آئے ہیں، اس سے مراد 'اسلامی نظام' ہے، ہماری اختراع نہیں؛ یہ خیال متقدمین کا بھی تھا، اور خود ہمارے زمانے کے مفسرین کا بھی ہے، مثلاً قرآنِ کریم کی آیت ہے ﴿يَسۡـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلۡأَنفَالِۖ قُلِ ٱلۡأَنفَالُ لِلَّهِ وَٱلرَّسُولِۖ﴾ اے رسول تم سے پوچھتے ہیں اَنفال (مال غنیمت) کے متعلق، کہہ دو کہ اَنفال اللہ اور رسول کے لئے ہے۔

امام ابن جریر طبریؒ جن کی تفسیر کو اُمّ التفاسیر کہا جاتا ہے، اللہ و رسول کی تفسیر میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد اپنا فیصلہ یہ لکھتے ہیں:

> وأولى هذه الأقوالِ بالصَّواب في معنى الأنفالِ قول من قال هي زياداتٌ يزيدها الإمامُ لبعض الجيشِ أو جميعِهم۔[1]
>
> "انفال کے معنی کے متعلق ان تمام اقوال میں سے قرین صواب ان لوگوں کا قول ہے جنہوں نے کہا ہے کہ یہ وہ اضافے ہیں جو امامِ وقت بعض یا کل فوج کے لئے کرتا ہے۔"

[1] ۔ تفسیر طبری لابن جریر، 360/13، ط، مؤسسة الرسالة۔

اس کے بعد مسٹر پرویز حق کا خون کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"یہاں انفال کے معنی سے بحث نہیں، مدعا صرف یہ ہے کہ 'اللہ و رسول' کی تفسیر انہوں نے امامِ وقت لکھی ہے"۔[1]

مستشرقین کے اس ہندی شاگرد نے یہاں ابن جریر طبریؒ کے سر وہ جھوٹ تھوپنے کی کوشش کی ہے جس کا ان کے ذہن میں پوری زندگی تصور بھی نہیں آیا اور نہ ہی انہوں نے اللہ و رسول کے مقدس الفاظ کو امامِ وقت کے لئے استعمال کیا ہے، بلکہ وہ مذکورہ عبارت میں لفظ اَنفَال کا معنی اور اس کی تفسیر و تشریح بیان کر رہے ہیں اور ان کے یہ الفاظ "وأولى هذه الأقول بالصواب في معنى الأنفال" اس پر دلیل کے لئے کافی ہیں اور اَنفال کے بارہ میں وہ راجح قول یہ ذکر کر رہے ہیں کہ اس سے مراد "وہ اضافی مال ہے جو امامِ لشکر مجاہدین میں سے بعض یا سب کو ان کی کارکردگی کے پیش نظر دیتا ہے" لیکن ان صاحب نے اَنفال کی تشریح میں آنے والے لفظ 'امام' کو 'اللہ و رسول' کی تفسیر بنا دیا اور اِسے ابن جریر طبریؒ کے سر منڈھ دیا ہے، حالانکہ مفسر طبریؒ اپنی مذکورہ عبارت میں 'اللہ و رسول' کی تفسیر نقل نہیں کر رہے، بلکہ وہ تو صرف اَنفال کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں، اس لئے ان کے کلام کی ابتدا میں یہ لفظ آئے ہیں:

قال أبوجعفر: اختلف أهل التأويل في معنى الأنفال۔[2]

یعنی ابن جریر طبریؒ کے نزدیک اَنفال کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے جسے وہ بیان کر رہے ہیں، اور اس بارے میں مختلف اقوال میں سے راجح قول کو ذکر کر رہے ہیں اور ان کے نزدیک اللہ اور رسول کی مراد میں کسی مسلمان کا اختلاف ہی نہیں جسے ذکر کرنے کی انہیں ضرورت در پیش

---

[1] ۔ قرآنی فیصلے از پرویز، ج2/ 222۔

[2] ۔ تفسیر طبری لابن جریر، 365/13، ط، مؤسسة الرسالة۔

ہو، اور نہ ہی اللہ ورسول کا مفہوم ان کے نزدیک امامِ وقت یا مرکزی حکومت ہے، لیکن یہ صاحب ان کے قول کی غلط توجیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں " یہاں اَنفال کے معنی سے بحث نہیں " حالانکہ امام طبریؒ بحث ہی 'انفال' کے معنی سے کر رہے ہیں، اللہ ورسول کا معنی تفسیر طبری میں زیر بحث ہی نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں امتِ مسلمہ کا کبھی اِختلاف ہی واقع نہیں ہوا۔

مسٹر پرویز کی مثال ساون کے اندھے کی سی ہے جسے ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے، اس نے اِمامِ وقت یا حکومتِ وقت کو اپنا اللہ اور خدا بنا رکھا ہے، اس لئے جہاں کہیں اسے 'امام' کا لفظ نظر آجاتا ہے وہ اس کی تعبیر اللہ ورسول سے کرنے کے درپے ہو جاتا ہے، جیسا کہ وہ امام رازیؒ کو اپنے کفریہ موقف کی تائید میں گھسیٹتے ہوئے لکھتا ہے:

> "امام رازی نے آیت ﴿إِنَّما جَزٰؤُا الَّذینَ یُحارِبونَ اللّٰهَ وَرَسولَهُ﴾ کے تحت امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے "إذا قَتَل وأَخَذَ المالَ فالإمام مُخَيَّرٌ فيه بين ثلاثةِ أشياء" امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ "اگر باغی یا ڈاکو نے قتل بھی کیا ہے اور مال بھی لیا ہے تو 'امام' کو اختیار ہے کہ تینوں سزائوں (قتل، قطع اور صلیب) میں سے جو سزا چاہے، اس کو دے"۔ (1)

مسٹر پرویز نے صغریٰ امام رازیؒ سے اور اس کا کبریٰ امام ابو حنیفہؒ سے لے کر یہ نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام رازیؒ کے نزدیک بھی اللہ سے مراد امامِ وقت ہے۔ کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا!

حالانکہ امام رازیؒ لفظ 'اللہ' کو مخلوقات میں سے کسی دوسرے پر استعمال کرنے کے بالکل خلاف ہیں، اس لئے وہ اپنی کتاب کے آغاز اور سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے تحت

---

[1] ۔ قرآنی فیصلے، 2/223۔

لفظ اللہ کی یہ خصوصیت ذکر کرتے ہیں:

أطبق جميعُ الخلق على أن قولنا 'الله' مخصوص بالله سبحانهٗ وتعالى وكذٰلك قولنا 'الإله' مخصوص بهٖ سبحانه وتعالىٰ۔[1]

اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق اس بات پر متفق ہے کہ لفظ اللہ ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، ایسے ہی لفظ 'الٰہ' اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، تفسیر رازیؒ میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اس وضاحت کے ہوتے ہوئے بھی مسٹر پرویز کا یہ دعویٰ کر دینا کہ امام رازیؒ کے نزدیک 'اللہ' سے مراد امامِ وقت یا وقت کی گورنمنٹ ہے، بہت بڑی جہالت اور حماقت کی بات ہے اور وہ اپنے کفریات کو لوگوں میں رائج کرنے کے لئے علمائے اسلام کو استعمال کرنا چاہتے ہیں جبکہ امام رازیؒ کا مسلک تو یہ ہے کہ کلمہ اسلام (جو کفر سے اسلام میں داخل ہونے کے لئے پڑھا جاتا ہے) میں لفظ 'اللہ' کی جگہ اگر باری تعالیٰ کا ہی کوئی دوسرا نام استعمال کیا جائے تو یہ جائز نہیں ہے، اور نہ ہی اس طرح کوئی شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہو سکتا ہے، مثال کے طور پر اگر کوئی غیر مسلم «لا إله إلا الله» کی بجائے «لا إله إلا الرحمٰن» کہے تو امام رازیؒ کے نزدیک ایسا شخص مسلمان نہیں ہو گا، ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

الخاصية الثانية أن كلمة الشهادة التي بسببها ينتقل الكافر من الكفر إلى الإسلام لم يحصل فيها إلا بهذا الإسم فلو أن الكافر قال: أشهد أن لا إله إلا الرحمٰن أو إلا الرحيم أو إلا الملك أو إلا القدوس، لم يخرج من الكفر ولم يدخل في الإسلام أما إذا قال: أشهد أن لا إله إلا

---

[1] ۔ تفسیر رازی: 1/ 163۔

الله فإنه يخرج من الكفر و يدخل في الإسلام وذلك يدلّ على اختصاص هٰذا الاسم بهذه الخاصية۔ (1)

یعنی کلمہ توحید جسے پڑھ کر کافر اسلام میں داخل ہوتا ہے، وہ کلمہ "لا إله الا الله" ہے اگر کوئی شخص لفظ 'اللہ' کی جگہ کوئی دوسرا نام ذکر کرے، اور "لا اله إلا الرحمٰن" یا "لا إله إلا الرحيم" وغیرہ پڑھے تو وہ کفر سے نہیں نکلے گا اور نہ ہی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گا۔ کفر سے نکل کر وہ مسلمان تب ہی کہلائے گا جب "لا إله إلا الله" پڑھے اور یہ لفظ 'اللہ' کے ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونے کی دلیل ہے۔

ملاحظہ فرمائیں امام رازیؒ کلمہ توحید میں لفظ اللّٰہ کی جگہ اسماءِ الٰہی سے ہی کوئی دوسرا اسم گرامی استعمال کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتے، اور مسٹر پرویز ان سے لفظ 'اللہ' کو امامِ وقت یا حکومتِ وقت پر استعمال کرنے کے جواز کو ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں، اور اس طرح وہ اپنی ضلالت کی تائید میں امام رازیؒ کو سہارا بنانا چاہتے ہیں۔

اسی طرح مسٹر پرویز امام سیوطیؒ کو بھی اپنے کفریہ موقف کی تائید میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسی آیت کی تفسیر میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ الدرّ المنثور میں یہ روایت درج کرتے ہیں: عن سعيد بن المسيب والحسن والضحاك في الأية قالوا: الإمام مخيّر في المحارب يصنع به ما شاء، سعید بن مسیب، حسن بصری اور ضحاک علیہم الرحمہ نے کہا ہے کہ 'محارب' کے معاملہ میں امام کو اختیار ہے کہ جو چاہے کرے"۔ (2)

---

1 ۔ التفسیر الکبیر از امام رازی: 1/164۔

2 ۔ قرآنی فیصلے: 2/223۔

آخر میں مسٹر پرویز ان مفسرین سے نقل کردہ کلام کا نتیجہ ذکر کرتے ہیں کہ:

"ان حضرات کے اَقوال سے دو باتیں ظاہر ہو گئیں، ایک یہ کہ ان کے نزدیک "اللہ اور رسول" سے مراد امامِ وقت ہے۔[1]

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ امام سیوطی کے نزدیک آیت ﴿إِنَّمَا جَزٰؤُا الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ میں اللہ ورسول سے مراد امامِ وقت نہیں ہے، بلکہ ان کے نزدیک 'اللہ' سے وحی نازل کرنے والی ذات اور رسول سے وحی قبول کرنے والی شخصیت ہی مراد ہے۔ اور ان کی مذکورہ عبارت میں 'امام' سے مراد امیر المومنین ہے، جسے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف بغاوت اختیار کرنے والے مجرم کو آیتِ بالا میں ذکر ہونے والی سزاؤں میں سے کوئی ایک سزا دینے کی اجازت ہے۔

لیکن اگر مسٹر پرویز کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا جائے تو بات بالکل اُلجھ جاتی ہے کیونکہ اس کے نزدیک 'اللہ اور رسول' سے مراد امامِ وقت سے الگ ہستیاں نہیں ہیں بلکہ امامِ وقت ہی اللہ ورسول ہے، تو اس طرح آیتِ بالا کا مفہوم یہ بن جاتا ہے کہ جو مجرم اللہ ورسول (یعنی امامِ وقت) کے خلاف بغاوت اختیار کرے، تو اس کی سزا میں امامِ وقت (یعنی اللہ ورسول) کو اختیار ہے وہ اُسے جو سزا چاہے دے سکتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ بقول پرویز امامِ وقت (اللہ ورسول) اپنے خلاف ہونے والی بغاوت کے مجرم کو خود ہی سزا دے سکتا ہے اور اپنے مقدمہ کا فیصلہ خود ہی کر سکتا ہے کیونکہ بزعم پرویز امامِ وقت سے مراد اللہ ورسول ہے اور اللہ ورسول ہی امامِ وقت ہے، گویا مدعی خود ہی قاضی بن کر اپنے کیس کا فیصلہ ثالث کی بجائے خود ہی کر سکتا ہے، بلکہ خود ہی مجرم کو سزا دینے کا اختیار بھی حاصل

---

[1] ۔ قرآنی فیصلے: 2/224۔

کر لیتا ہے حالانکہ جس طرح قاضی اپنے ذاتی کیس کا فیصلہ خود نہیں کر سکتا، اسی طرح امامِ وقت سے بھی لازماً 'اللہ و رسول' مراد نہیں ہو سکتا۔

مسٹر پرویز کے نزدیک اللہ اور رسول سے مراد مرکزِ ملت ہے

مسٹر پرویز نے اپنی پوری کوشش "اللہ و رسول" کی اطاعت و فرمانبرداری سے لوگوں کو ہٹانے میں صرف کر دی، اور ان مقدس کلمات کے مفاہیم کو بگاڑنے میں دن، رات وہ کولہو کے بیل کی طرح جتے رہے اور قرآنِ کریم کی تحریفِ معنوی کرنے کے لئے انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں جانے دیا۔ قرآنی آیت ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ﴾[1] کے الفاظ پر اپنا کافرانہ موقف مسلط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اس آیتِ مقدسہ کا مفہوم بالکل واضح ہے، اس میں 'اللہ و رسول' سے مراد مرکزِ ملت یعنی نظامِ خداوندی (Central Authority) اور اولوالامر سے مفہوم افسرانِ ماتحت ہیں۔۔۔۔۔ قرآنِ کریم میں مرکزِ ملت کو 'اللہ اور رسول' کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے"۔[2]

مسٹر پرویز نے چونکہ مرکزی حکومت کو اپنا اللہ اور رسول بنا لیا تھا، اس لئے قرآنِ کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے وہاں اس کے نزدیک مرکزی حکومت کی اطاعت و فرمانبرداری مراد ہے، جیسا کہ اس نے لکھا ہے:

> "حکومت کے انتظامی امور کے لئے ایک مرکز ہو گا اور اس مرکز کے ماتحت افسرانِ مجاز، قرآنِ کریم میں اس کے لئے 'خدا اور رسول' کی اصطلاح آئی ہے یعنی وہ نظامِ

---

[1] ۔ سورۃ النساء آیت نمبر59۔

[2] ۔ معراجِ انسانیت از پرویز: ص323،322۔

خداوندی جسے رسول اللہ نے متشکل فرمایا، خدااور رسول کی اطاعت سے مقصود اسی مرکزِ حکومتِ خداوندی کی اطاعت تھی"۔ (1)

دوسرے مقام پر لکھتاہے:

"رسول اللہ کے بعد خلیفۃُ الرسول رسولُ اللہ کی جگہ لے لیتاہے، اب خدااور رسول کی اطاعت سے مراد اسی جدید مرکزِ حکومت کی اطاعت ہوتی ہے"۔ (2)

اگر بقولِ پرویز مرکزی حکومت کو اللہ و رسول تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرکزِ حکومت وحی نازل کرنے والا ہے اور خود ہی وحی وصول کرنے والا بھی ہے اگر مسٹر پرویز کی عقل کا دیوالیہ نہ نکل گیا ہوتا تو وہ ضرور سوچتے کہ جب قرآنِ کریم اور حدیثِ نبویؐ میں اُمرا اور مسلمان حکمرانوں کی بات ماننے کا حکم بصراحت موجود ہے تو اللہ و رسول کی اطاعت پر مشتمل آیات سے مرکزی حکومت کی اطاعت مراد لینے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

ایک اور مقام پر خدا کو ایک قوت بتاتاہے اور کہتاہے:

"قرآنی تعلیم کی بنیاد خدا کی وحدت پر ہے، یعنی اس حقیقت کے اعتراف پر کہ کائنات میں صرف ایک قوت ہے جس کا اقتدار واختیار ہے"۔ (3)

اللہ تعالیٰ قائم بالذات، واجبُ الوجود ہے، لیکن اگر کہا جائے کہ وہ ایک قوت ہے، جیسے پرویز نے کہاہے، تو اس طرح اللہ تعالیٰ کے قائم بالذات ہونے کی نفی ہو جاتی ہے کیونکہ قوت ایک عَرَض ہے جو قائم بالغیر ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ کو ایک قوت بنانے والا ذاتِ باری تعالیٰ کے وجود سے انکار

---

[1] ۔ قرآنی قوانین، ص6۔

[2] ۔ معراجِ انسانیت: ص357۔

[3] ۔ لغات القرآن: 4/1690۔

کرنا چاہتا ہے، اور یہ نظریہ بھی مسٹر پرویز کا اپنا نہیں بلکہ اسے انہوں نے مستشرق میتھو آرنلڈ سے چرایا ہے جو کہتا ہے:

"خدا اس قوت کا نام ہے جو سب کی مسبّب ہے"۔ [1]

اسلامی تعلیمات کی بنیاد ایمان باللہ پر ہے، اس لئے مسٹر پرویز نے نظریہ خدا کو لوگوں کے دلوں میں سے مسخ کرنے کے لئے سر توڑ کوشش کی، اور اس بارے میں وہ مختلف تضادات کا شکار ہوئے ہیں، کبھی وہ خدا کو مرکزِ حکومت بناتے ہیں اور کبھی اسے معاشرہ اور کبھی قوت کہتے ہیں۔

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں امام راغب کی المفردات کا اقتباس نقل کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ اللہ کو مخلوقات میں سے کسی فرد و معاشرہ کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور المفردات راغب وہ کتاب ہے جسے مسٹر پرویز کی طرف سے بھی شرفِ قبولیت حاصل ہو چکا ہے جیسا کہ انہوں نے خود لکھا ہے:

"مفردات امام راغب کے علاوہ، نظر سے کوئی ایسی کتاب نہیں گزری جسے خالص قرآنی الفاظ کا لغت کہا جا سکے"۔ [2]

یہی امام راغبؒ 'الہ' کے مادہ کے تحت لفظ 'اللہ' کے بارہ میں فرماتے ہیں:

" خُصّ بالباري تعالىٰ ولِتخصّصه به" قال تعالىٰ﴿هَل تَعلَمُ لَهُ سَمِيًّا﴾ لفظ 'اللہ' ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس کی خصوصیت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: بھلا تم اس کا کوئی ہم نام پاتے ہو؟۔ [3]

---

[1] ۔ انسان نے کیا سوچا، ص387۔

[2] ۔ لغات القرآن، 1/20۔

[3] ۔ المفردات للراغب اصفہانی، ص21۔

امام راغبؒ کی طرح تمام اہل اسلام لفظ 'اللہ' کو اس ذاتِ باری تعالیٰ کا ذاتی نام مانتے ہیں جو اپنی مخلوقات سے بلند عرش پر مستوی ہے، اور اس لفظ کو خالق کائنات سے مخصوص سمجھتے ہیں اور اس کا استعمال مخلوق میں سے کسی فرد یا جماعت کے لئے حرام جانتے ہیں، لیکن مسٹر پرویز کا لفظ 'اللہ' کو مخلوق میں سے مرکزِ حکومت یا مرکزِ ملت کے لئے استعمال کرنا، کبھی اس سے معاشرہ اور کبھی قوت مراد لینا ان کی منافقت کی دلیل ہے، چونکہ اس قسم کے نظریات انہوں نے مستشرقین کی تالیفات سے اَخذ کئے ہیں جو قرآن اور اسلام کو ان کی تحریفِ معنوی کرنے کے لئے پڑھتے ہیں اور وہ سب کافر و ملحد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، تو ان کے نقش قدم پر چل کر قرآن اور اسلام کی تحریف معنوی کرنے والا غلام احمد پرویز مسلمان کیسے ہو سکتا ہے؟

مسٹر پرویز نے چونکہ اپنے حواریوں کو جدید مرکزی حکومت کی صورت میں اس دنیا میں ہی خدا دکھا دیا تھا، اس لئے اس کے عقیدت مند اس پر بڑے خوش ہوتے اور خط و کتابت کے ذریعے وہ اپنی مسرت کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ جیسا کہ ایک عقیدت مند نے تفصیلی خط لکھ کر مسٹر مذکور کے ہاں اپنی خوشی کا اظہار ان الفاظ سے کیا:

> "وہ خدا جو وہموں کے پردے میں تھا، آپ کی کتابوں کے مطالعہ سے اب وہ ظاہر ہو چکا ہے"۔[1]

پرویزیوں پر ظاہر ہو جانے والا خدا وہی ہے جسے یہ لوگ جدید مرکزی حکومت یا مرکز ملت سے تعبیر کرتے ہیں، ان کے کفر و ارتداد پر اس سے بڑھ کر اور کون سی دلیل درکار ہے؟

نبوت اور رسالت کے متعلق مسٹر پرویز کا نظریہ

تمام مسلمانوں کے ہاں یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ نبوت و رسالت وہبی چیز ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جسے

---

[1] ۔ قرآنی فیصلے، 4/110۔

چاہا، اُسے اپنی وحی کے لئے منتخب فرمایا ہے کوئی شخص اپنی ذاتی محنت وکاوش سے یا عبادت وریاضت سے منصبِ نبوت ورسالت کو حاصل نہیں کر سکتا یہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہے جو اس کے ذاتی اختیار پر منحصر ہے، جملہ اہل اسلام کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد بے شمار انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں لیکن اب نبوت ورسالت حضرت محمد ﷺ پر مکمل ہوگئی ہے اب آپ ﷺ ہی نبی اور رسول ہیں، کوئی شخص آپ ﷺ کے بعد نبی یا رسول کا لقب حاصل نہیں کر سکتا، قرآنِ کریم کی آیت ﴿وَما مُحَمَّدٌ إِلّا رَسول﴾[1] میں کلمہ حصر اس بات پر فیصلہ کن دلیل ہے کہ رسول صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں، اور اُمت میں جو شخص اسلامی نظام کے نفاذ میں انتھک محنت کرنے والا ہو یا عملاً اسے نافذ کر دینے والا ہو، وہ رسول اللہ ﷺ کا ادنیٰ اُمتی ہونے سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے اس کے برعکس جو شخص محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے یا کسی اُمتی کو رسول کا لقب دینے لگے، بلکہ وہ قرآنی آیات جو 'رسول' کے لفظ پر مشتمل ہیں انہیں مرکزِ حکومت پر منطبق کرنے لگے، وہ ختم نبوت کا منکر اور مسلمانوں کے اِجماع کے مطابق وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

اب دیکھیں، مسٹر پرویز کیسے اس منصبِ رسالت پر ڈاکے ڈالتے رہے اور اُمت کے بعض افراد کو 'رسول' کے مقدس لقب سے نوازتے رہے۔ جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿فَلا وَرَبِّكَ لا يُؤمِنونَ حَتّىٰ يُحَكِّموكَ فيما شَجَرَ بَينَهُم﴾[2] کے تحت لکھتے ہیں:

"قرآن سے فیصلہ انفرادی طور پر نہیں لیا جائے گا، بلکہ اس کے لئے ایک زندہ اور محسوس ثالث اور حاکم کی ضرورت ہوگی۔ اس فیصلہ کرنے والی اتھارٹی کو قرآن میں

---

[1] ۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر 144۔

[2] ۔ سورۃ النساء آیت نمبر 65۔

'اللہ اور رسول' کی جامع اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے"۔ (1)

پرویز نے 'اللہ و رسول' کو جامع اصطلاح بنا دیا اور اس میں بے شمار افراد کو داخل کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے، حالانکہ کوئی مسلمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی اُمتی کو رسول کا لقب دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

دوسرے مقام پر وہ رسول کے لفظ سے اپنی مراد کو بیان کرتے ہوئے یوں گویا ہیں:

"اللہ اور رسول سے مراد وہ مرکزِ نظامِ اسلامی ہے جہاں سے قرآنی احکام نافذ ہوں"۔ (2)

لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ مسٹر پرویز کے ہاں قرآنی احکام سے مراد وہ اَحکام نہیں ہوتے جو قرونِ اولیٰ سے مسلمانوں میں مسلم چلے آرہے ہیں اور جو صحابہ کرامؓ اور رسول اکرم ﷺ کے زیر عمل رہے ہیں، بلکہ مسٹر مذکور کے ہاں اس سے مراد وہ احکامات ہوتے ہیں جنہیں وہ فرنگیوں کے افکار کی روشنی میں گھڑتے ہیں اور پھر انہیں بڑی کھینچا تانی سے قرآنی آیات میں ٹانکنا شروع کر دیتے ہیں اس کے بعد انہیں 'مفہومُ القرآن' یا 'مطالبُ الفرقان' کے نام سے منظر عام پر لے آتے ہیں، ذہنی لحاظ سے یورپ سے مرعوب لوگ ایسے افکار کو اسلامی اور قرآنی سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں اور قرآن و سنت کی سمجھ رکھنے والے حضرات جب یہ دیکھتے ہیں کہ متن قرآن میں جن لوگوں کی مذمت ہو رہی ہے، مسٹر پرویز کی مفہومُ القرآن یا مطالبُ الفرقان میں انہی کو ہیرو بنا کر پیش کیا جا رہا ہے تو وہ ان کی اس ہیرا پھیری پر سر پیٹتے رہ جاتے ہیں۔

یہ افکار ملحد مستشرقین کی عقلی غلاظتیں اور ان کی ذہنی نجاستیں ہیں جنہیں مسٹر پرویز اپنی ساری

1۔ سلیم کے نام، 2/328۔

2۔ معراجِ انسانیت، 318۔

زندگی قرآنی اور اسلامی احکام کے طور پر متعارف کرانے کی حماقت کرتے رہے جیسا کہ وہ اللہ اور رسول سے مرکزِ حکومت اور افسرانِ مجاز جیسی اپنی مراد کو اپنی کتابوں میں لائے ہیں اور لکھتے ہیں:

"حکومت کے انتظامی اُمور کے لئے ایک مرکز ہو گا اور اس مرکز کے ماتحت افسرانِ مجاز، قرآنِ کریم میں اس کے لئے 'خدا اور رسول' کی اصطلاح آئی ہے"۔[1]

وہ اپنے خود ساختہ 'خدا اور رسول' یعنی افرادِ حکومت کو اللہ تعالیٰ کے مبعوث کردہ رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں کو کینسل کرنے اور منسوخ بنانے کا اختیار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"(اسلامی نظام) سابقہ اَدوار کے فیصلوں میں خواہ وہ رسول اللہ کے زمانے میں ہی کیوں نہ صادر ہوئے ہوں، ردّوبدل کر سکتا ہے اور بعض فیصلوں کو منسوخ بھی کر سکتا ہے"۔[2]

مسٹر پرویز کی طرف سے منصبِ رسالت پر اس ڈاکہ زنی کا مذکورہ کتاب کے نام (شاہکارِ رسالت) سے جو کھلا ہوا تضاد ہے، اس سے قطع نظر اگر بقولِ پرویز اسلامی نظام کی علمبردار حکومت اور اس کے افسروں کو رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے فیصلوں کو تبدیل یا منسوخ کرنے کا اختیار دے دیا جائے تو اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ پر وحی کا نزول بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔
مسٹر پرویز کو نجانے ایسے کفریہ عقائد اپنانے اور انہیں لوگوں تک پہنچانے میں کیا لذت آتی تھی کہ وہ ان سے توبہ کرنے کی بجائے اُلٹا انہیں اپنی سب تصنیفات میں دہراتے رہتے تھے، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

---

[1] ۔ قرآنی قوانین: ص6۔

[2] ۔ شاہکارِ رسالت، ص281۔

"قرآن میں جہاں 'اللہ اور رسول' کے الفاظ اکٹھے آتے ہیں، وہاں اس سے مراد اسلامی نظامِ حکومت ہے جو خدا کے احکام نافذ کرنے کے لئے متشکل ہوتا ہے"۔[1]

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جب خدا اور رسول کا نام اکٹھا آئے تو یہ معنٰی مراد ہوتے ہیں بلکہ مسٹر پرویز کے نزدیک رسول کا لفظ خواہ لفظ اللہ سے مل کر استعمال ہو یا اُس سے جدا ہو کر، بہر حال اس سے ہر دور کی 'مرکزی اتھارٹی' ہی مراد ہوتی ہے جیسا کہ اس نے آیت ﴿وَإِذا جاءَهُم أَمرٌ مِنَ الأَمنِ أَوِ الخَوفِ أَذاعوا بِهِ ۖ وَلَو رَدّوهُ إِلَى الرَّسولِ وَإِلىٰ أُولِي الأَمرِ مِنهُم لَعَلِمَهُ الَّذينَ يَستَنبِطونَهُ مِنهُم ﴾[2] کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ان کے دعوائے اطاعت کوشی کی یہ کیفیت ہے کہ جب کہیں سے امن یا خوف کی اُڑتی ہوئی سی بات سن پاتے ہیں تو اسے لے دوڑتے ہیں اور خوب پھیلاتے ہیں۔ حالانکہ نظام سے وابستگی اور اطاعت کا تقاضا ہے کہ ایسی باتوں کو رسول (یعنی مرکزی اتھارٹی) یا اپنے افسرانِ ماتحت تک پہنچایا جائے تا کہ وہ لوگ جو بات کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر لیں"۔[3]

دیکھئے یہاں لفظ 'رسول' کو مسٹر پرویز نے مرکزی اتھارٹی سے تعبیر کیا ہے، اس لئے کہ لفظ 'رسول' خواہ لفظ 'اللہ' سے مل کر آئے یا اُس سے جدا ہو کر، دونوں صورتوں میں مسٹر مذکور کے ہاں اس سے مرکزی اتھارٹی یا مرکزِ ملت مراد ہوتا ہے اس کے ہاں ان سے مراد ذاتِ باری تعالیٰ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت ہرگز نہیں ہوتی۔

---

[1] ۔ قرآنی فیصلے، 1/237۔

[2] ۔ سورۃ النساء آیت نمبر 83۔

[3] ۔ مفہوم القرآن 1/205۔

حالانکہ پرویز کے ہاں صحت کے اعتبار سے شرفِ قبولیت حاصل کرنے والی کتاب المفردات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پانے والی شخصیت کو ہی نبی کہا گیا ہے، امام راغبؒ فرماتے ہیں:

النبوة سفارة بين الله وبين ذوي العقول من عباده لإزاحة علتهم في أمر معادهم ومعاشهم۔[1]

"نبی اللہ تعالیٰ اور اس کے اہل عقل بندوں کے درمیان پیغامبر ہوتا جو ان کی دنیا اور آخرت کے معاملات میں واقع ہونے والے فساد کا اِزالہ کرنے کے لئے بھیجا جاتا تھا"

اور قرآنِ کریم کی متعدد آیات میں آپ ﷺ پر وحی کے نزول کی صراحت موجود ہے۔

یوم آخرت کے متعلق پرویز کا عقیدہ

اسلامی عقائد میں، 'یومِ آخرت' پر ایمان لانے کو جو اہمیت حاصل ہے، اس سے ہر صاحبِ ایمان شخص بخوبی واقف ہے، اور وہ علی وجہِ البصیرت اس بات کو جانتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد موت ہے اور موت کے بعد قیامت کے دن ہر شخص کو زندہ کرکے اُٹھایا جائے گا اور ہر مردوزَن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہو کر اچھے یا برے اعمال کا حساب دے گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت کی کتابوں کے ذریعہ اور انبیائِ کرام کو مبعوث کرکے اچھے یا برے اَعمال سے لوگوں کو آگاہ کردیا، لہٰذا آخرت کے دن نیک اَعمال سرانجام دینے والے لوگ مقامِ جنت میں اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے اور وہ اپنے اچھے عملوں کی جزا دیئے جائیں گے، اور شریعتِ الٰہیہ سے ہٹ کر زندگی گزارنے والے لوگ جہنم رسید کئے جائیں گے اور اپنے بُرے اعمال کی سزا پائیں گے۔ اور قرآن کریم واشگاف الفاظ میں اس بات کی طرف راہنمائی کرتا ہے کہ جنت اور جہنم دو مقام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نیک اور بدلوگوں کی جزا اور سزا کے لئے تیار کررکھے ہیں، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

---

1 - المفردات: ص482۔

﴿فَأَمَّا مَن طَغىٰ ۔ وَاٰثَرَ الحَیوٰةَ الدُّنیا ۔ فَإِنَّ الجَحِیمَ هِیَ المَأویٰ ۔ وَأَمَّا مَن خافَ مَقامَ رَبِّهِ وَنَهَی النَّفسَ عَنِ الهَوی ۔ فَإِنَّ الجَنَّةَ هِیَ المَأویٰ﴾[1]

"جس شخص نے سرکشی اور شرارت کی زندگی گذاری اور دنیا کی زندگی کو ہی ترجیح دی تو جہنم اس کا مقام ہو گا، لیکن جو شخص اپنے ربّ کے سامنے حساب دینے سے ڈر کر زندگی بسر کرتا رہا اور اپنے آپ کو نفسانی خواہشات سے روکتا رہا تو اس کا مقام جنت ہو گا۔"

اب دیکھیں، پرویز مسلمانوں کے ہاں مسلمہ عقیدۂ آخرت کی کیسے تحریف کرتا ہے اور جنت و جہنم کے دو مقام ہونے سے انکار کرتا ہے، بلکہ وہ جنت و جہنم کو اپنے قلم کے زور سے دنیا میں ہی کھینچ لانے کے درپے ہے، اور لکھتا ہے:

"جہنم انسان کی قلبی کیفیت کا نام ہے، لیکن قرآنِ کریم کا انداز یہ ہے کہ وہ غیر محسوس، مجرد حقائق کو محسوس مثالوں سے سمجھاتا ہے"۔[2]

مسٹر پرویز جہنم کو حقیقت سے خالی، غیر محسوس قلبی کیفیت کا نام دیتا ہے، اور اس کے مخصوص مقام کا نام ہونے سے انکار کرتا ہے، اور اس کا یہ نظریہ فرمانِ الٰہی کے خلاف ہے جس میں فاسق و فاجر لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی صراحت پائی جاتی ہے، اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كَلَّا إِنَّهُم عَن رَبِّهِم يَومَئِذٍ لَمَحجوبون ۔ ثُمَّ إِنَّهُم لَصالُوا الجَحِيمِ ۔ ثُمَّ يُقالُ هـٰذَا الَّذی کُنتُم بِهِ تُكَذِّبونَ﴾[3]

---

[1] ۔ سورۃ النازعات، آیت نمبر 37 تا 41۔

[2] ۔ جہانِ فردا: ص235۔

[3] ۔ سورۃ المطففین، آیت نمبر 15 تا 17۔

"وہ (مجرم لوگ) اس (قیامت کے) دن اپنے ربّ تعالیٰ (کے دیدار) سے روک دیئے جائیں گے، اس کے بعد وہ جہنم میں داخل ہوں گے پھر ان سے کہا جائے گا یہ وہی جہنم ہے جسے تم (دنیا میں) جھٹلایا کرتے تھے۔"

مسٹر پرویز کو سوچنا چاہئے تھا کہ اگر جہنم غیر محسوس قلبی کیفیت کا نام ہے، جیسا کہ ان کا زعم باطل ہے تو اس میں داخل ہونے کا کیا معنی ہے؟ اور کسی شخص کو قلبی کیفیت میں داخل ہونے کا حکم کیسے دیا جاسکتا ہے؟ قرآنِ کریم میں مجرمین کے جہنم میں داخل ہونے کا فرمان موجود ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جہنم قلبی کیفیت نہیں ہے، بلکہ ایک مقام کا نام ہے، جس میں مجرم لوگ داخل کئے جائیں گے اور داخلہ کسی محسوس مقام میں ہی ہوتا ہے قلبی کیفیت میں نہیں۔

مسٹر پرویز جہنم کی طرح جنت کے بارہ میں بھی اپنا ایسا ہی باطل نظریہ اپنے حواریوں پر ٹھونستے ہوئے لکھتے ہیں:

"جہنم کی طرح اُخروی جنت بھی کسی مقام کا نام نہیں، کیفیت کا نام ہے"۔ (1)

حالانکہ قرآن کریم میں ان دونوں مقامات کی تصریح کی گئی ہے، ایک مقام پر وہ اپنے حجرے میں بیٹھے قلم کے زور سے جنت کو عالم بالا سے دنیا میں کھینچ لانے کی کوشش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"جنت کی آسائشیں اور زیبائشیں وہاں کی فراوانیاں اور خوشحالیاں اس دنیا کی زندگی میں حاصل ہو جاتی ہیں، مرنے کے بعد کی جنت کے سلسلہ میں ان کا بیان تمثیلی ہے"۔ (2)

مسٹر پرویز کی جنت چونکہ خود ساختہ ہے اور خلافِ قرآن بھی، اس لئے قرآنِ کریم کی روشنی میں

---

[1] ۔ جہانِ فردا: ص270۔

[2] ۔ نظامِ ربوبیت: ص82۔

پرویزی جنت پنپ نہیں سکتی، کیونکہ قرآنی جنت تو وہ ہے جو موت کے بعد قیامت کے دن حاصل ہو گی اور اس جنت میں داخل ہونے کے بعد کبھی موت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، اور نہ ہی جنتی کو اس سے کبھی نکالا جائے گا۔

مسٹر پرویز نے اس جنت کو جو دنیاوی موت ﴿الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ﴾ کے بعد تھی، موت سے پہلے ہی دنیا کی زندگی میں تراشنے کی سعی لاحاصل کی ہے جو قرآنِ کریم کی آیات کے خلاف ہے۔ ان کے دل میں اگر خوفِ خدا کی رمق باقی ہوتی تو وہ ایسا غلط نظریہ پیش کرنے کی جسارت ہر گز نہ کرتے اور غیر قرآنی چیز کو قرآنی بنانے کی کوشش نہ کرتے، اس پر مستزاد یہ کہ مسٹر مذکور نے مرنے کے بعد حاصل ہونے والی جنت کے متعلق قرآنی آیات کو تمثیل قرار دے کر (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کو ڈرامہ باز بنانے کی حماقت کی ہے کیونکہ عربی لغت میں 'تمثیل' کا معنی ڈرامہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، لہٰذا ایسے شخص کو جو اللہ تعالیٰ کے فرامین کو حقائق پر محمول کرنے کی بجائے انہیں تمثیلی قرار دے، دین اسلام کے بارے میں ہر گز مخلص تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

پرویز چونکہ اپنی خیالی دنیا میں جنت اور جہنم کو اس دنیا میں لے آئے تھے، اس لئے لازم تھا کہ وہ اس جنت اور جہنم کو تیار کرنے والا بھی خود انسان کو بناتے، لہٰذا وہ اس بات کا اعلان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ کوئی ایسی چیز ہے، جسے خدا نے وہاں اپنے طور پر الگ تیار کر رکھا ہے، اس کا مفہوم وہی ہے جسے اوپر بیان کیا گیا ہے، یعنی ہر شخص اپنی جنت یا جہنم زندگی کے ہر سانس میں ساتھ کے ساتھ تیار کرتا رہتا ہے"۔ (1)

مسٹر پرویز کا یہ نظریہ بھی قرآنی نصوص سے متصادم ہے، قرآن کریم کی وضاحت کے مطابق

---

1 - لغات القرآن: 3/1119۔

جنت و جہنم کو تیار کرنے والا کوئی انسان نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّـٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا الأَنْهَـٰرُ خَـٰلِدِينَ فِيهَا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾

"یعنی ان (کامیاب ہونے والوں) کے لئے جنت کے مقامات اللہ تعالیٰ نے خود تیار کئے ہیں، جن میں نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ ان کی بڑی کامیابی ہوگی"۔[1]

اور جہنم کے بارے میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾[2]

ان قرآنی آیات میں اس بات کی صراحت پائی جاتی ہے کہ جنت و جہنم کو تیار کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، اس کے برعکس مسٹر پرویز کے مذکورہ اقتباس کو دیکھئے کہ وہ کیسے سینہ زوری سے قرآن کریم کی صریح آیات کی مخالفت کرتے ہیں اور جنت اور جہنم کا خالق اور ان کا تیار کرنے والا انسان کو بنانے کی کوشش میں ہیں۔

مسٹر پرویز اپنی ساری زندگی مسلمانوں کو ہی گمراہ بناتے رہے، اور اہل اسلام کے اسلاف کو سازشی قرار دیتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے جہنم کے حقدار بھی مسلمانوں کو ہی بناڈالا جس کا اظہار کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"قرآن کریم نے جو کہا تھا کہ جہنم میں اکثریت ان لوگوں کی ہوگی جو اپنے جرائم کا بوجھ بھی اپنی پیٹھ پر لادے ہوں گے، اور ان لوگوں کے جرائم کا بوجھ بھی جو ان کی

---

[1] ۔ سورۃ التوبہ، آیت نمبر 89۔

[2] ۔ سورۃ الفتح آیت نمبر 61۔

وجہ سے غلط راہوں پر چل نکلے تو مجھے تو اس کے مخاطب ہم مسلمان ہی دکھائی دیتے ہیں"۔[1]

چنانچہ اس محرفِ قرآن نے ساعت اور قیامت کی طرح 'آخرت' کے مفہوم کو بھی مسخ کرنے کی کوشش کی ہے، جیسا کہ وہ اپنے متبنّٰی سلیم کو آخرت کا مفہوم سمجھاتے ہوئے لکھتا ہے:

"جو فائدہ پوری نوعِ انسانی کے اندر گردش کرتا ہوا افراد تک پہنچتا ہے، اسے مآلِ کار، آخر الامر یا مستقبل کا فائدہ کہا گیا ہے جس کے لئے قرآن میں آخرت (مستقبل) کی اصطلاح آئی ہے"۔[2]

سلیم کو چاہئے تھا کہ وہ پرویز سے پوچھتا کہ یہ آخرت جو آپ نے پیش کی ہے، ان لوگوں کی ہے جو نوعِ انسانی کو فائدہ پہنچاتے ہیں، لیکن جو لوگ نوعِ انسانی کو راہِ راست سے گمراہ کرکے انہیں نقصان پہنچاتے ہیں ان کی آخرت کون سی ہے؟ کیا ایسے لوگ آخرت سے دوچار نہیں ہوں گے جو کسی بھی طرح لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں؟ چاہئے تو تھا کہ آخرت کی تعریف ایسی کی جاتی جو نفع اور نقصان پہنچانے والے دونوں قسم کے لوگوں پر صادق آتی اور اہل شر کے انجام کو بھی شامل ہوتی، لیکن مسٹر پرویز نے 'آخرت' کی ناقص بلکہ بھونڈی تعریف پیش کرکے اپنے جہل مرکب میں گرفتار ہونے کا ثبوت دیا ہے۔

پرویز کے ذہن پر چونکہ دنیاوی مفاد اور دنیاوی خوشحالیاں سوار تھیں اور وہ دنیا کے عیاش لوگوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو لتاڑا کرتے اور ان پر جہنمی ہونے کے فتوے داغا کرتے تھے، اسلئے انہوں نے 'آخرت' کی پہچان کرواتے ہوئے بھی اسکے مفہوم میں دنیا کے سازوسامان کو داخل

---

[1] ۔ نظام ربوبیت، ص267۔

[2] ۔ سلیم کے نام: 1/213۔

کر دیاہے جیسے کہ وہ کہتاہے:

"سامانِ آخرت سے مقصود ہے وہ متاع جسے (انسان) آنے والی نسلوں کیلئے جمع کرتا ہے"۔[1]

پرویز اگر اسلام کے ساتھ مخلص ہوتے تو قرآنی آیات کو بنیاد بناکر ان کے خلاف آنے والے اہل استشراق کے آراء وافکار کو ردّ کرنے کی جرأت کرتے، اس کے برعکس انہوں نے خلاف قرآن ان افکار واقوال کو اصل بنالیااور قرآنی آیات کی معنوی تحریف کرکے کفر کاارتکاب کیاہے، اور گمراہ لوگوں کو اپناپیشوابناکر غلامانہ ذہنیت کاثبوت دیاہے۔

فرشتوں کے متعلق مسٹر کا اعتقاد

فرشتوں پر ایمان لانا بھی مسلمانوں کے بنیادی عقائد میں شامل ہے۔ اور قرآن کریم کے متعدد مقامات پر اس بات کی صراحت موجود ہے کہ فرشتے اپناخارجی وجود اور ذاتی تشخص رکھتے ہیں۔ وہ غیبی مخلوق ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، کی روایت کے مطابق فرشتے نور سے تخلیق کئے گئے ہیں، لہٰذاان پر ایمان لاناایمان بالغیب کاایک جزہے۔ سب فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہیں، اور ان میں سے کسی میں بھی خدائی صفات نہیں پائی جاتیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طاعت اور فرمانبرداری کے لئے پیدافرمایاہے، وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں، اور کسی بات میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے، بلکہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان رہتے ہیں۔

وہ آسمان سے نیچے بھی اُترتے ہیں، اور زمین سے اوپر آسمان کو بھی چڑھتے ہیں، جبرئیلؑ اور میکائیلؑ انہی میں سے ہیں۔ پھر کچھ فرشتے دودو، تین تین، چارچار پروں والے بھی ہیں، فرشتوں نے بدر

---

[1] ۔اسبابِ زوالِ امت:ص26۔

کے میدان میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمانوں کی نصرت بھی کی تھی۔ یہ سب چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ فرشتوں کا خارجی وجود ہے، لیکن چونکہ وہ محسوسات اور مشاہدات کی زَد سے باہر ہیں، اس لئے بعض لوگ ان کے خارجی وجود کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں جیسا کہ فرشتوں کے خارجی وجود سے انکار کرتے ہوئے پرویز لکھتے ہیں:

"ملائکہ ہماری اپنی داخلی قوتیں ہیں یعنی ہمارے اعمال کے وہ اثرات جو ہماری ذات پر مرتب ہوتے رہتے ہیں"۔ (1)

وہ ملائکہ کی مادّی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ملائکہ یعنی کائنات کی قوتیں جن سے رِزق پیدا ہوتا ہے، انسان کے تابع فرمان ہیں"۔ (2)

ایک حقیقت پسند شخص اس کے تضادات کو دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے کہ وہ ان کی کس بات کا اعتبار کرے اور ان کی کس رائے کو حتمی قرار دے۔ یہی کام انہوں نے ملائکہ کی تعبیر سے متعلق دکھایا ہے۔ پہلے تو وہ انہیں انسان کی داخلی قوتیں بناتے رہے جن سے رزق پیدا ہوتا ہے، لیکن اب وہ اسکے بر خلاف انہیں خارجی قوتیں بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فرشتے 'ملائکہ' وہ کائناتی قوتیں ہیں جو مشیتِ خداوندی کے پروگرام کو بروئے کار لانے کے لئے زمانے کے تقاضوں کی شکل میں سامنے آتی ہیں"۔ (3)

لیکن متعدد قرآنی آیات سے نظریۂ پرویز کی تردید ہوتی ہے اور ان سے ملائکہ کو کائناتی قوتیں بنانے کا عقیدہ باطل قرار پاتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] ۔ ابلیس و آدم از پرویز: ص162۔

[2] ۔ ابلیس و آدم' از پرویز: ص52۔

[3] ۔ اقبال اور قرآن، از پرویز: ص165۔

﴿الحَمدُ لِلَّهِ فاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالأَرضِ جاعِلِ المَلٰئِكَةِ رُسُلًا أُولى أَجنِحَةٍ مَثنىٰ وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ يَزيدُ فِى الخَلقِ ما يَشاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلىٰ كُلِّ شَىءٍ قَديرٌ﴾[1]

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سزاوار ہیں جو آسمانوں وزمین کو پیدا کرنے والا ہے اور فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے جن کے دو دو اور کسی کے تین تین اور کسی کے چار چار پر ہیں اور وہ اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے"۔

دور نبوی دور وحشت ہے

مسلمان اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام کا سب سے زرین دور عہد مآب تھا' اس زمانہ میں جاہلیت کے اندھیرے چھٹے اور اسلام کا نور چار سو پھیلا' خود آنحضرت نے اپنے زمانہ کو خیر القرون کا لقب دیا ہے' مگر پرویز اس تیرہ سو سال قبل کے زرین عہد کو وحشت کا دور کہتا ہے' اپنی کتاب قرآنی فیصلے میں لکھتا ہے:

"آپ (علماً) اپنی قوم کے دامن پکڑ کر آج سے تیرہ سو سال پہلے کے دورِ وحشت کی طرف گھسیٹ رہے ہیں"

مسٹر پرویز کا انکار حدیث

نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات کو ناقابل اتباع واطاعت ٹھہرا کر مسٹر پرویز نے بالکل ہی حدیث کا انکار کر دیا حالانکہ جس قرآن کی طرف یہ لوگ اپنی نسبت کرتے ہیں اسی قرآن میں نبی کریم ﷺ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور حضور کی اتباع بغیر حدیث مانے ممکن ہی نہیں ہے چنانچہ مسٹر پرویز لکھتا ہے:

---

[1] ۔سورۃ فاطر آیت نمبر1۔

"مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنے کے لیے جو سازش کی گئی اس کی پہلی کڑی یہ عقیدہ پیدا کرنا تھا کہ رسول اللہ کو اس وحی کے علاوہ جو قرآن میں محفوظ ہے ایک اور وحی بھی دی گئی تھی جو قرآن کے ساتھ بالکل قرآن کے ہم پلہ ہے۔ یہ وحی روایات میں ملتی ہے"۔[1]

"یہ جھوٹ مسلمانوں کا مذہب بن گیا۔ وحی غیر متلو اس کا نام رکھ کر اسے قرآن کے ساتھ مثل قرآن ٹھہرایا گیا"۔[2]

نیز قرآن ہی حضور ﷺ کی باتوں کو وحی (غیر متلو) قرار دیتا ہے "وما ینطق عن الھوی، ان ھو الا وحی یوحی" آپ ﷺ اپنی خواہش سے کوئی بھی بات نہیں کرتے، یہ (آپ کی باتیں) تو وحی ہیں جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

قرآن موقف کے خلاف نظریہ ارتقاء کی تبلیغ اور حضرت آدم علیہ السلام کی ذات کا انکار

قرآن کریم کی ایک آیت کا ترجمہ پرویز کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

"واذ قال ربك للملائكة انى جاعل فى الارض خليفة"۔[3]

درست ترجمہ: اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں بنانیوالا ہوں زمین میں ایک نائب۔

پرویزی ترجمہ:

جب زندگی اپنی ارتقائی مناظر طے کرتی ہوئی پیکر انسانی میں پہنچی اور مشیئت کے

---

[1] ۔ مقام حدیث جلد 1 صفحہ 421۔

[2] ۔ مقام حدیث جلد 2، صفحہ 122۔

[3] ۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر 30۔

پروگرام کے مطابق وہ وقت آیا کہ اپنے سے پہلی آبادیوں کی جگہ زمین میں آباد ہو۔[1]

یہاں پرویز نے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو زبردستی ٹھونسا ہے، پرویز کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کا وجود ہی نہیں تھا' انسان مختلف ارتقائی مراحل طے کرکے بندر سے موجودہ شکل انسانی تک پہنچا ہے، ایک اور جگہ لکھتا ہے:

"آدم کوئی خاص فرد نہیں تھا' بلکہ انسانیت کا تمثیلی نمائندہ تھا' قصہ آدم کسی خاص فرد کا قصہ نہیں' بلکہ خود آدمی کی داستان ہے' جسے قرآن نے تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے۔۔۔۔ الخ"۔[2]

ملائکہ اور ابلیس کا انکار

قرآن کریم کی آیت کے ترجمہ میں پرویز صاحب لکھتے ہیں:

واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم فسجدو الا ابلیس۔[3]

اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان۔

پرویزی ترجمہ:

اس پر کائناتی قوتیں سب انسان کے آگے جھک گئیں' لیکن ایک چیز ایسی بھی تھی جس نے اس کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا، اس نے سرکشی اختیار کی یہ تھے انسان کے خود اپنے جذبات جس کے غالب آجانے سے اس کی عقل و فکر ماؤف ہو جاتی ہے۔[4]

---

[1] ۔ مفہوم القرآن ص:12۔

[2] ۔ لغات القرآن جلد1 صفحہ 214۔

[3] ۔ سورة البقرة آیت نمبر 34۔

[4] ۔ مفہوم القرآن ص:13۔

اگر ابلیس انسان کے اندر کے سرکش جذبات کا نام ہے تو ملائکہ کے سجدہ کے وقت پھر انکار کس نے کیا تھا؟ پرویز نے ملائکہ کا ترجمہ "کائناتی قوتوں" سے کرکے فرشتوں کے وجود کا انکار کیا ،دوسری جگہ انہیں نفسیاتی محرکات قرار دیتا ہے اور لکھتا ہے:

"ملائکہ سے مراد وہ نفسیاتی محرکات ہیں جو انسانی قلوب میں اثرات مرتب کرتے ہیں۔۔۔۔الخ"۔[1]

پرویز صاحب کا انکار واقعہ معراج

جس طرح مرزا قادیانی کی شیطانی وحی والہام میں عجیب وغریب خرافات وکفریات ہیں اس طرح پرویز کی تفسیری نکات میں بھی آپ کو اسی طرح کے لطیفے نظر آئیں گے،سورۃ البقرہ کی آیت(ویسألونكَ عن المَحيض،ترجمہ :اور تجھ سے پوچھتے ہیں حکم حیض کا) پرویز اسکا ترجمہ کرتا ہے'اس کا مطلب ہے سرمایہ دارانہ معاشی نظام جیسے خرافات وضلالات نظر آئیں گے'۔اس طرح سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کے حوالے سے لکھتا ہے۔

"واقعۂ اسراء" اگر یہ خواب کا نہیں تو یہ حضور کی شب ہجرت کا بیان ہے اس طرح مسجد اقصیٰ سے مراد مدینہ کی مسجد نبوی ہوگی جسے آپ نے وہاں جاکر تعمیر فرمایا"۔[2]

دوسروں کو ملائیت اور دقیانوسیت کا طعنہ دینے والے پیران نابالغ بتلاتے ہیں کہ 'مسجد اقصی' سے مراد 'مسجد نبوی' ہے۔

پرویزی شریعت اور حلال حرام

پرویز صاحب اپنے خود کاشتہ حلال وحرام کے اصول بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

---

1 ۔ لغات القرآن جلد 1 صفحہ 244۔

2 ۔ معارف القرآن جلد 4 صفحہ 732۔

قرآن کی رو سے صرف مردار، بہتا خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کی طرف منسوب چیزیں حرام ہیں ان کے علاوہ کچھ حرام نہیں، ہمارے مروجہ اسلام میں حرام وحلال کی جو طولانی فہرستیں ہیں وہ سب انسانوں کی خود ساختہ ہیں۔ (1)

یوں شریعت پرویز میں کتے، بلے، گدھے، سانپ، کچھوے، مینڈک، کیڑے سب حلال ہیں۔

پرویز صاحب کے نزدیک نماز کی حقیقت

قرآن کریم کی ایک آیت کا ترجمہ لکھتے ہوئے کہتا ہے:

"وارکعوا مع الراکعین"۔ سورۃ البقرۃ:43۔

درست ترجمہ: نماز پڑھو نماز والوں کے ساتھ (آیت میں نماز باجماعت کی تاکید ہے)

پرویزی ترجمہ:

اور اسی طرح تم بھی اب ان کے ساتھی بن جاؤ جو قوانینِ خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ (2)

نماز اور دیگر عبادات کے بارے میں پرویز کی مزید تعلیمات ملاحظہ فرمایئے۔

"ہماری صلوٰۃ وہی ہے جو (ہندو) مذہب میں پوجا پاٹ کہلاتی ہے ہمارے روزے وہی ہیں جنہیں مذہب میں برت ہماری زکوٰۃ وہی شئے ہے جیسے خیرات ہمارا حج مذہب کی یاترا ہے ہمارے ہاں یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ اس سے ثواب ہوتا ہے یہ تمام عبادات اس لئے سر انجام دی جاتی ہیں کہ یہ خدا کا حکم ہے ان امور کو نہ افادیت سے

[1] ۔ حلال وحرام کی تحقیق، ماہنامہ طلوع اسلام مئی 1952۔

[2] ۔ مفہوم القرآن ص:16۔

کچھ تعلق ہے نہ عقل و بصیرت سے کچھ واسطہ آج ہم اسی مقام پر ہیں جہاں اسلام سے پہلے دنیا تھی"۔[1]

یہی منکرین حدیث نماز کے بارے میں لکھتے ہیں:

نماز مجوسیوں سے لی ہوئی ہے قرآن مجید نے نماز پڑھنے کے لئے نہیں کہا بلکہ قیام صلوٰۃ یعنی نماز کو قائم کرنے کا حکم ہے، مطلب یہ ہے کہ معاشرے کو ان بنیادوں پر قائم کرنا چاہیئے جن سے اللہ کی ربوبیت کی عمارت قائم ہو جائے۔[2]

پرویز صاحب کا انکار زکوٰۃ

پرویز نے "اقیموا الصلوٰۃ" کی باطل اور من گھڑت تشریح کیساتھ اسلام کے دوسرے عظیم الشان حکم "واتوا الزکوٰۃ" کی بھی باطل تاویل کی ہے، زکوٰۃ کو سرے سے فرض ہی نہیں سمجھتا، اسے ایک ٹیکس قرار دیتا ہے:

"زکوٰۃ اس ٹیکس کے علاوہ کچھ نہیں جو اسلامی حکومت مسلمانوں پر عائد کرے' اس ٹیکس کی کوئی شرح مقرر نہیں کی گئی"۔[3]

پرویز کا انکار معجزات

نبی کریم ﷺ کے جمیع معجزات کا نکار کرتے ہوئے لکھتا ہے:

رسول اکرم کو قرآن کے سوا کوئی معجزہ نہیں دیا گیا۔[4]

---

[1] ۔ قرآنی فیصلے ص:301۔

[2] ۔ قرآنی فیصلے، ص240 / نظام ربوبیت ص87۔

[3] ۔ قرآنی فیصلے ص:35۔

[4] ۔ معارف القرآن جلد4 صفحہ 731۔

قربانی کے بارے پرویز صاحب کی ہرزہ سرائی

اسلام کے اہم حکم قربانی کو لغو اور فضول قرار دیتے ہوئے پرویز صاحب اپنا فلسفہ جھاڑتے ہوئے کہتا ہے:

قربانی کے لئے مقامِ حج کے علاوہ اور کہیں حکم نہیں اور حج میں بھی اس کی حیثیت شرکائے کانفرنس کے لئے راشن مہیا کرنے سے زیادہ نہیں ہے (پرویز کے ہاں حج کا مفہوم ایک بین الاقوامی کانفرنس ہے) مقامِ حج کے علاوہ کسی دوسری جگہ قربانی کے لئے کوئی حکم نہیں ہے یہ ساری دنیا میں اپنے اپنے طور پر قربانیاں ایک رسم ہے ذرا حساب لگایئے اس رسم کو پورا کرنے میں اس غریب قوم کا کس قدر روپیہ ہر سال ضائع ہو جاتا ہے۔[1]

یہ چند کفریات "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر ذکر کئے گئے، ان میں ہی واضح ہے کہ پرویز نے سارا اسلام قرآن، حدیث، تمام عبادات، تمام احکامِ شرعیہ بیک جنبش قلم ختم کر دیئے ہیں پھر بھی اصرار ہے کہ اسے اور اسکے ماننے والوں کو مسلمان اور اہل حق کہا جائے تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ "ضروریاتِ دین" (جن کا دینِ اسلام سے ہونا قطعی ہے) کا صریح انکار کرنے والا، ان میں چودہ سو سال سے راجح تعبیر کے خلاف تاویل کرنے والا یا انکا مذاق اڑانے والا کافر ہو جاتا ہے جیسے مرزا غلام احمد قادیانی اپنے سینکڑوں کفریات کے علاوہ ختمِ نبوت اور نزولِ مسیح علیہ السلام کے معنی میں تاویل کرنے کی وجہ سے باتفاق امت کافر ہے۔

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد فرمانے پر مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ نے پرویزیت کے خلاف ایک فتویٰ لکھا

---

[1] ۔ قرآنی فیصلے ص:69۔

ہے جس میں ان کے عقائد کو بھی واضح کر کے قرآن و حدیث اور کتب عقائد سے ایک ایک عقیدہ کا جواب دیا ہے اور پھر اس فتویٰ کی تمام عالم اسلام کے ہر ملک کے تقریباً ۱۰۵۰/ مشاہیر علماء نے تصدیق کی کسی نے بھی ان کے کفر سے انکار نہیں کیا، متفقہ فیصلہ کے نام سے شائع ہو چکا ہے جس میں عالم اسلام کے تمام ہی مسلک والوں نے فرقہ پرویزیت کو کافر کہا ہے۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن

ڈاکٹر فضل الرحمٰن 21 ستمبر 1919ء کو برطانوی ہند کے صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختون خواہ) کے علاقہ ہزارہ میں واقع ضلع ہری پور کے قصبے سرائے صالح میں پیدا ہوئے۔

ان کے والد، شہاب الدین، ہندوستان کے مشہور دینی مدرسے دار العلوم دیوبند کے فارغ التحصیل عالم تھے، ڈاکٹر فضل الرحمان نے دس سال کی عمر میں قرآن حفظ کرنے کے بعد اپنے والد سے روایتی دینی علوم کی تحصیل کی، 1934ء میں ان کا خاندان ہزارہ سے لاہور منتقل ہو گیا، 1942ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے عربی کے اختیاری مضمون کے ساتھ بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد فضل الرحمن نے 1944ء میں پنجاب یونیورسٹی ہی سے اعلی اعزاز کے ساتھ عربی زبان میں ایم اے کیا، جس کے بعد سکالرشپ پر آکسفورڈ یونیورسٹی میں ممتاز اسکالر ایچ آر گیب کی زیر نگرانی قرون وسطی کے مسلمان فلسفی بو علی سینا پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، اس کے بعد انھوں نے انگلینڈ کی ڈرہم یونیورسٹی اور کینیڈا کی میک گیل یونیورسٹی میں پڑھایا۔

ڈاکٹر فضل الرحمان نے 1961ء میں صدر ایوب خان کی درخواست پر پاکستان آکر ادارہ تحقیقات اسلامی کی صدارت سنبھالی۔

استشراقی آراء کی بناپر شدید مخالفت کی وجہ سے 1968ء میں انھیں انسٹی ٹیوٹ سے استعفیٰ دے کر ملک چھوڑنا پڑا، چھبیس جولائی 1988ء کو امریکہ کے شہر شکاگو میں فوت ہوا۔

تجددپسندوں کا طریقہ واردات

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے بہت ہیں بہترین بات لکھی ہے کہ مثل مشہور ہے کہ:

"کسی نے بچھو سے پوچھا کہ جناب کے معزز گھرانے میں نیش زنی کے فن میں سب سے ماہر کون ہے؟ اس نے سنجیدگی سے جواب دیا کہ جس کی پشت پر ہاتھ رکھو گے

وہی سب سے بڑا ماہر فن ثابت ہو گا"

اسلام کا نام لے کر اسلام کو ڈسنا، اسے تحریفی نشتر لگانا، اس پر جرح و تنقید کی مشق کرنا اور محض مفروضات سے اس کے قطعی مسائل کو پامال کرنا ہر دور کے ملاحدہ اور زنادقہ کا طرہ امتیاز رہا ہے پہلی صدی کے خوارج ہوں یا مابعد کے باطنیہ، تیسری صدی کے اصحاب العدل والتوحید ہوں یا دور حاضر کے ارباب فکر و نظر، دوسری صدی کا ابن المقنع ہو یا چودھویں صدی کا غلام احمد پرویز، اکبر کے دور کے ابوالفضل اور فضی ہوں یا ہمارے دور کے برق اور جے راج پوری سب کا مشترکہ مقصد، مشترک نقطہ نظر اور مشترک سرمایہ اسلام کی مقدس چہار دیواری میں رخنہ اندازی کرنا ہے۔

جناب ڈاکٹر فضل الرحمان صاحب بھی کئی سال سرکاری وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے "اسلامی تحقیقات" کے نام پر دین اسلام پر مشق ستم فرماتے رہے اولاً موصوف نے اس کار خیر کے لئے اپنے بڑوں اور اساتذہ کی زبان انگریزی منتخب کی اور اس کے بعد جولائی 1963ء سے "فکر و نظر" کے پہلے ہی شمارے سے ان کے مضامین عالیہ اردو زبان کے "چولے" میں منظر عام پر آئی اس وقت ان کے خیالاے صرف اہل علم اور ادارہ تحقیقات اسلامی تک محدود تھے مگر جون 1966ء سے موصوف نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور اردو اور انگریزی اخبارات میں "زکوٰۃ" کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا اسلام کے ساتھ اس کھلے عمل جراحی سے پوری ملت اسلامیہ کا تڑپ اٹھنا ایک فطری امر تھا اس لئے ملک کے گوشے گوشے سے قراردادیں بھیجی گئیں کہ ڈاکٹر صاحب کو ادارہ تحقیقات اسلامیہ کی ڈائریکٹری اور اسلامی مشاورت کونسل کی رکنیت سے الگ کیا جائے۔

اب معلوم نہیں کہ جمہور کی یہ آواز "جمہور کے نمائندوں" نے ارکان دولت کے کانوں تک پہنچائی یا نہیں؟ اگر پہنچی ہے تو اسے لائق توجہ ہی نہیں سمجھا گیا اور اگر سمجھا گیا تو اس پر غور و فکر کا کوئی نتیجہ بھی بر آمد ہوا یا نہیں اللہ ہی کو خبر ہے؟

ہم ان شاء اللہ مختصراً ڈاکٹر صاحب کے اعتقادات و نظریات کی فہرست پیش خدمت کرتے ہیں جس سے واضح ہو گا کہ موصوف کی "تحقیقات اسلامیہ" کا خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ "اسلام" قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کا خود ساختہ ہے اور موجودہ زمانے میں ناکارہ، لیکن اس سے قبل ان کی تحریک کا پس منظر اور ان کی تحریفات کے رہنما اصول پیش کرتے ہیں تاکہ اس کی افکار کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

ڈاکٹر صاحب کی تحریک کا پس منظر

صوبہ پنجاب اس لحاظ سے خاصی اہمیت کا حامل رہا ہے کہ یہاں گزشتہ صدی اور اس کے بعد سے "تجدید اسلام" کے عنوان سے دیرینہ اسلام کو غلط ثابت کرنے والی کئی تحریکوں نے جنم لیا، ڈاکٹر صاحب کا مکتب فکر اس حیثیت سے امتیازی مقام رکھتا ہے کہ اس نے "انکار دین قدیم" اور تکریب دین کی تحریک کو مستشرقین کی طرز پر ایک علمی اور فلسفی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی اور بہت محنت بھی کی۔

ڈاکٹر صاحب انکار دین قدیم اور تخریب اسلام کے لئے جس کو وہ نہایت دلفریب انداز و عنوان "اسلام کی تعمیر نو Re_Construction of Islam " سے تعبیر کرتے ہیں اور جو فلسفہ انہوں نے پیش کیا ہے وہ مغربی اصطلاح میں "فلسفہ ارتقاء اسلام" اور مشرقی اصطلاح میں "فتنہ استشراق" کہلاتا ہے یہ فلسفہ اور فتنہ صرف موصوف کی اختراع ہی نہیں بلکہ کافی مدت سے یہودیوں اور مسیحیوں کا چبایا ہوا لقمہ ہے جس کا مقصد ابتداء ہی سے یہ تھا کہ اسلام کی موجودہ شکل کو ارتقاء کی شعبدہ بازی قرار دے کر اسلام اور عیسائی کلیسا کو ہم رنگ اور ہم شکل ثابت کیا جائے تاکہ جس طرح مغربی نسل "یورپین اقوام" نے عیسائیت کا ہار گلے سے اتار پھینکا اور مادر پدر آزاد ہو بیٹھے اسی طرح مسلمانوں کی آنے والی نسل بھی اسلام اور اس کی صحیح تعلیمات کا جُوّا آسانی سے

اتار پھینکے اور پابندی اسلام سے آزاد ہو جائے۔

دین اسلام کے متعلق ڈاکٹر صاحب کا نظریہ

ڈاکٹر صاحب جس مکتب فکر کے نقیب ہیں ان کے نزدیک اسلام کا مفہوم بظاہر بہت سادہ اور مختصر لیکن بے حد پر پیچ ہے ایک مقام پر لکھتے ہیں:

> اسلام نام ہے چند معیاروں اور نصب العینوں کا جن کو مختلف معاشرتی مظاہر اور ظروف احوال میں "ترقی پسندانہ" انداز میں عملی جامہ پہنانا ہوتا ہے۔[1]

لیکن ڈاکٹر صاحب آج تک ان چند معیاروں اور نصب العینوں کی تفصیل و تشریح نہ فرما سکے۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

> یہ اسلام جو ہمیشہ نو بنو صورتیں تازہ بتازہ شکلیں تلاش و اختیار کرتا رہا ہے یہی اسلام زندہ اسلام کہلانے کا مستحق ہے۔[2]

ڈاکٹر صاحب کے مکتب فکر کا اسلام کے بارے میں خیال بھی ملاحظہ فرمائیں:

> اسلام کی اصل روح پہلی صدی کے وسط میں یا آخر میں دفن ہو کر رہ گئی تھی اور اب جو مدون اسلام چودہ صدیوں سے یا تیرہ صدیوں سے مسلمانوں کے پاس ہے یہ وہ اسلام نہیں جو محمد ﷺ نے پیش کیا تھا بلکہ یہ اسلام "مردہ کا ورثہ" اور زندگی کی حرارت سے محروم بے جسد و بے روح ہے۔[3]

اسی طرح ایک اور مقام پر یوں گوہر افشانی کرتے ہیں:

---

[1] ۔ فکر و نظر، جلد 3 شمارہ 11 ص 696۔

[2] ۔ فکر و نظر، جلد 2 شمارہ 11 ص 696۔

[3] ۔ فکر و نظر جلد 1۔2، شمارہ، 3۔6۔10، ص 8۔153۔

یہ اسلام محض پوست ہے مغز سے خالی ظاہری رسمی ڈھانچہ ہے روح سے خالی۔ (1)

یہ اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں انتہا پسندی اور غلو کی چکی میں پسا ہوا ہے۔ (2)

یہ اسلام قانون مبرم کا زخم خوردہ ارتقائی اور فکری محاظ سے انتہائی نقصان رسیدہ اور زوال پذیر ہے۔ (3)

یہ اسلام صرف تعزیروں اور پابندیوں کا مجموعہ قدامت پرستی کے اطوار کا شاہکار (4)

اور ہمیشہ سے انتہا پسندانہ نظریات کا شکار ہے۔ (5)

یہ اسلام روشن ضمیری کی محرومی کی بپتا کا مارا ہوا کور بخت اسلام ہے۔ (6)

اور ہر تمدنی ڈھانچے کے لئے اس کا وجود تباہ کن ہے۔ (7)

یہ ہے ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اسلام کا تصور اب معلوم نہیں جب یہ اسلام اپنا حقیقی تشخص کھو کر بالکل رائندہ درگاہ ہو چکا ہے تو نیا اسلام یا اسلام کی تعمیر نو کے لئے وہ کون سی شخصیت آئے گی جو پھر سے اسلام میں روح پھونکے گی ڈاکٹر صاحب خود تو اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے اور اسلام کی تجدید نہ کر سکے۔

حالانکہ خدا کے نزدیک دین معتبر قیامت تک فقط اسلام ہی ہے آج اسلام کے علاوہ کوئی بھی دین

---

[1] ۔ فکر و نظر جلد 2 شمارہ 3 ص 153

[2] ۔ فکر و نظر جلد 2 شمارہ 3 ص 156

[3] ۔ فکر و نظر جلد 2 شمارہ 3 ص 156

[4] ۔ فکر و نظر جلد 1 شمارہ 9 ص 92

[5] ۔ فکر و نظر جلد 2 شمارہ 3 ص 156

[6] ۔ فکر و نظر جلد 1 شمارہ 1 ص 8

[7] ۔ فکر و نظر جلد 1 شمارہ 1 ص 8

اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں ہے قرآن کریم کی متعدد آیات اور مختلف روایات میں اس مضمون کو کھلے لفظوں میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

ان الدین عنداللّٰہ الاسلام۔ [1] خدا کے نزدیک دین معتبر فقط اسلام ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الاخرة من الخسرین۔ [2]

اسلام کے علاوہ جو کوئی دوسرا دین لے کر آئے گا تو وہ اس سے ہر گز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔

اسی طرح پیارے نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

لا یزال الله یغرس فی هذا الدین غرسا یستعملهم فیه بطاعته إلیٰ یوم القیامة۔ [3]

اللہ تعالیٰ قیامت تک دین اسلام میں ایسے لوگ پیدا کرتا رہے گا جو اس کی اطاعت کرتے رہیں گے۔

ایک اور حدیث میں رسول کریم ﷺ نے اپنی مبارک زبان سے خوش خبری دی ہے کہ:

ولا یزال الله یزید أو قال: یعز الإسلام و أهله، و ینقص الشرك و أهله حتیٰ یسیر الراکب بین کذا یعني البحرین، لایخشي إلا جورا و لیبلغن

---

[1] ۔ سورة آل عمران آیت نمبر 20۔

[2] ۔ سورة آل عمران آیت نمبر 85۔

[3] ۔ سنن ابن ماجه، باب اتباع رسول الله ﷺ، 5/1، ط، دار إحیاء الکتب العربیة۔

هذا الأمر مبلغ الليل۔[1]

اللہ تعالیٰ اسلام کو زیادہ ہی کرتا رہے گا اور مشرکین اور ان کے شرک میں کمی آتی رہے گی حتیٰ کہ سوار سفر کرے گا تو اسے ظلم کے سوا کچھ ڈر نہیں ہو گا، اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ایک دن ایسا آئے گا جب یہ دین وہاں تک پہنچ جائے گا جہاں یہ ستارہ نظر آتا ہے۔

وحی اور حاملین دین کے بارے میں نظریہ

وحی اور نبی کے بارے میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

ادارہ تحقیقات اسلامی کی جانب سے وحی اور نبی کے بارے میں یہ فیصلہ صادر کیا گیا: وحی ہو یا نبی کا عمل وہ تاریخ کے ان واقعات سے بے نیاز نہیں ہو سکتے جو فوری طور پر انہیں پیش آتے ہیں چہ جائیکہ وہ خالص نظریاتی کلیات کے استنباط کی طرف توجہ دے سکیں۔[2]

امت مسلمہ اور حاملین وحی کے بارے میں ڈاکٹر صاحب اور ان کے ہمنواؤں کا انداز فکر دیکھئے:

رحلت نبوی ﷺ سے تقریباً ایک صدی بعد وہ اخلاقی اور عملی رجحان کی بجائے شدید تفکر اور تعمق میں مبتلا ہو کر رہ گئے اور دیگر مذاہب کی طرح اسلام کو بھی یہ حادثہ پیش آیا کہ اس کا عالمی نظریہ اعمال کے بجائے عقائد کے رنگ میں تشکیل پانے لگا اور دوسرے گمراہ فرقوں کی طرح اہلسنت بھی اخلاقی تجاذب کے ایک ہی سرے "افراط" پر زور دے کر غلو اور تشدد میں اس قدر ڈوب گئے اور امتداد زمانہ کے

---

[1] ۔ حلیۃ الاولیاء لابي نعيم 6/107، 108 وسندہ صحیح۔

[2] ۔ فکر و نظر جلد 1 شمارہ 5 ص 16۔

ساتھ انہوں نے جبریت کو روایتی عقائد کا جزو لاینفک بناڈالا۔ [1]

مزید لکھتے ہیں:

اور انہوں نے ایمان و عمل کی تفریق کا نظریہ ۔۔۔۔۔جو مسیحی عقیدہ "استحقاق ایمان بہ نجات" کا عین مین چربہ ہے ۔۔۔اپنا کر انتہا پسندانہ اقدام بلکہ "اخلاقی خودکشی" کا ارتکاب کیاہے۔ [2]

مشاہیر اسلام امام غزالیؒ، امام شاطبیؒ اور امام ابن تیمیہؒ کے بارے میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

فلسفہ سے ٹکراؤان کے لئے ہلاکت آفریں ثابت ہوا۔ [3]

اور غزالی اور ان کے بعد کے تمام علمبرداران "راسخ العقیدگی" نے تمام عالم انسانیت سے روگردانی اختیار کرلی۔ [4]

امام غزالیؒ، امام شاطبیؒ اور امام ابن تیمیہؒ اور شیخ احمد سرہندیؒ اور تمام مشاہیر اسلام جن کی فیرست طویل ہے نے ثبوتی علوم کے بارے میں مہلک رویہ اختیار کیا۔ [5]

اور فلاسفہ پر تنقید کے شوق میں ان مسلمہ عقائد کے حامیوں پر پشت در پشت اور پے درپے انسانی عقل کو ساقط الاعتبار قرار دے کر جو انتہاپسندانہ اور چوطرفہ حملہ کیا یہ نہ صرف غیر صحیح تھا بلکہ خودکشی کے مترادف تھا۔ [6]

---

[1] ۔فکرونظر، جلد1، شمارہ10ص8

[2] ۔ فکرونظر، جلد1، شمارہ10ص9

[3] ۔ فکرونظر، جلد2، شمارہ1ص9

[4] ۔ فکرونظر، جلد2، شمارہ1ص18

[5] ۔ فکرونظر، جلد2، شمارہ3، ص155

[6] ۔ فکرونظر، جلد3، شمارہ3ص155

سنت نبوی کے متعلق ڈاکٹر صاحب کا نظریہ

سنت نبوی کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کی نگرانی میں کام کرنے والے ادارہ تحقیقات اسلامی نے جو فتاویٰ وقتاً فوقتاً صادر فرمائے ہیں ان میں سے چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

سنت نبوی کوئی متعین چیز نہ تھی نہ اس نے انسانی زندگی کی کوئی تفصیلی رہنمائی کی جیسا کہ عہد وسطی کے اسلامی لٹریچر سے سمجھ میں آتا ہے۔[1]

سنت صرف کسی خاص جہت کی طرف اشارہ کرتی ہے وہ منضبط قوانین کا کوئی سلسلہ پیش نہیں کرتی۔[2]

پہلے سے فیصلے طے کر لینے کا اصول رسول کی اجمالی تعلیمات کے خلاف ہے۔[3]

سنت کے مشمولات کا بڑا حصہ ما قبل اسلام کے رسوم ورواج کے تسلسل پر مشتمل ہے جس میں عربوں کا بڑا حصہ ہے۔[4]

سنت کا ایک بڑا حصہ قدیم فقہاء اسلام کے آزادانہ غور وفکر کا نتیجہ ہے۔[5]

سنت کا صحیح مفہوم

سنت کا لغوی معنی: خاص طریقہ، ضابطہ، طرز، وغیرہ۔

سنت کا اصطلاحی معنی محدثین کے نزدیک ہر وہ قول، فعل، تقریر اور صفت ہے (چاہے پیدائشی ہو

---

[1] ۔ فکر ونظر جلد 1، شمارہ 1، ص16

[2] ۔ فکر ونظر جلد 1، شمارہ 1، ص19

[3] ۔ فکر ونظر جلد 1، شمارہ 1، ص19

[4] ۔ فکر ونظر جلد 1، شمارہ 1، ص11

[5] ۔ فکر ونظر جلد 1، شمارہ 1، ص11

یا بعد میں اپنائی ہوئی ہو) جس کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف کی جائے، برابر ہے کہ وہ رسالت ملنے سے پہلے ہو یا بعد میں۔

فقہاء کے نزدیک سنت کی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ فعل جس کو نبی کریم ﷺ نے عبادت کی حیثیت سے ہمیشہ کیا ہو اور کبھی کبھار بغیر کسی عذر کے اس کو چھوڑا بھی ہو۔

لفظ "سنت" جب نبی کریم ﷺ، صحابہ اور کبار تابعین ؒ استعمال فرماتے ہیں تو اس کا معنی ہوتا ہے: "شریعت میں بتایا ہوا ہر وہ طریقہ جس کی دین میں پیروی کی جاتی ہے" اس تعریف میں وسعت ہے اور اس میں فقہاء کی اصطلاحیں: واجب، سنت اور مستحب تمام شامل ہیں، جیسا کہ علامہ جمال الدین قاسمی نے "قواعد التحدیث" میں اس بات کی طرف نشاندہی کی ہے، فرمایا:

ذكرنا أن السنة لغة: الطريقة، والمراد بها في اصطلاح الشارع وأهل عصره ما دل عليه دليل من قوله صلى الله عليه وسلم أو فعله أو تقريره ولهذا جعلت السنة مقابلة للقرآن، وبهذا الاعتبار تطلق على الواجب، كما تطلق على المندوب، وأما ما اصطلح عليه الفقهاء وأهل الأصول من أنها خلاف الواجب فهو اصطلاح حادث وعرف متجدد۔[1]

یہ بھی واضح رہے کہ سنت کا معنی حدیث میں "الطریقة المسلوكة في الدين" ہے، یعنی شریعت کا بتایا ہوا ہر وہ طریقہ و انداز جس کی پیروی کی جاتی ہے، سنت کی اس تعریف کو علامہ جرجانی ؒ نے اپنی تصنیف "کتاب التعریفات" میں ذکر کیا ہے، ہمارے معاشرے میں بعض لوگوں سے جب کہا جاتا ہے کہ آپ نے فلاں سنت ترک کر دی تو جواب ملتا ہے: جی سنت ہی تو ہے، جبکہ سنت میں کرنے کا پہلو بھی ہے، اس طرف توجہ نہیں ہوتی، جبکہ ہمارے بڑے تو شریعت کے ہر حکم کی بجا

---

[1] ۔ قواعد التحدیث، ص:146۔

آوری میں کوشاں رہتے تھے اور یہ نہیں دیکھتے تھے کہ یہ فرض ہے، واجب ہے، سنت ہے یا مستحب، بلکہ کر گزرتے تھے، سنتوں پر عمل پیرا ہونا فرائض وواجبات کی حفاظت کا سبب ہے اور اللہ جل شانہٗ اوراس کے رسول ﷺ سے عشق ومحبت کی علامت ہے۔

فقہاء کرام کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کے خیالات

فقہاء کرام کے بارے میں ان کا انداز فکر اس سے بھی زیادہ متشدد ہے ملاحظہ فرمایئے:

قدیم فقہاء نے نہ صرف اپنے ذاتی آراء و افکار کو بلکہ بیرونی عناصر کو بھی جن کا ماخذ "یہودی روایات" اور "بازنطینی اور ایرانی" انتظامی معاملات تھے ان کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کر دیا۔[1]

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

امام ابو یوسفؒ نے تمام تر احتیاطی تدابیر کے باوجود بہت سی احادیث جن کا فرضی سلسلہ ذات نبوی ﷺ سے ملایا جاچکا تھا کتاب الآثار میں روایت کی ہیں۔[2]

امام شافعیؒ نے نہ صرف یہ کہ حدیث اور اجماع سے متعلق بہت سی مشکوک اور فرضی احادیث ذات نبوی سے منسوب کی ہیں۔[3]

مزید لکھتے ہیں:

بلکہ ان کی روشن دماغی اور تیز طبعی نے ایک ایسے مشینی نظام کو جنم دیا جس نے اسلام کو جدت فکر کی تخلیق سے محروم کر دیا اور اسے زندہ طاقت اور اپنی تقدیر کا خود مالک

---

[1] ۔ فکر و نظر جلد 1 شمارہ 1 ص 12

[2] ۔ فکر و نظر جلد 1 شمارہ 3 ص 18

[3] ۔ فکر و نظر جلد 1 شمارہ 5 ص 14

نہ رہنے دیا بلکہ اسے ایک اثر پذیر وجود کی حیثیت سے زندگی بھر تھپیڑوں کی نظر کر دیا۔[1]

حالانکہ واضح رہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر مکمل طور پر بسہولت عمل کرنے کے لیے چاروں اماموں میں سے کسی ایک امام کی تقلید و پیروی کرنا شرعاً ضروری ہے اس لیے کہ تکوینی طور پر اللہ رب العزت نے دین فہمی و نصوصِ شرعیہ سے استنباطِ مسائل کا جو ملکہ ان حضرات کو عطا کیا تھا وہ ان کے بعد والوں میں سے کسی کو حاصل نہ ہوا، اور ان حضرات کے مسالک کو جو قبولیتِ عامہ حاصل ہوئی وہ کسی اور مجتہد عالم کو حاصل نہ ہوئی، یہی وجہ ہے کہ ان ائمہ فقہ کے مقلدین میں بڑے بڑے محدثین کے نام ملتے ہیں جو احادیث سے مسائل استنباط کرنے میں اور ان پر عمل کرنے میں ان چار ائمہ فقہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرتے تھے اور ان حضرات فقہاءِ کرام کے مقلدین ساری دنیا میں موجود ہیں اور تعلیمِ دین اور دین پر صحیح طریقہ پر عمل کرنے میں مصروف ہیں، پس ان ائمہ فقہ میں سے کسی ایک کی بھی تقلید نہ کرنا اور اپنے آپ کو قرآن و حدیث سے آزادانہ طور پر از خود مسائل سمجھنے اور ان سے مسائل استنباط کرنے کے قابل سمجھنا، ناسمجھی، خودپسندی اور کم علمی کی دلیل ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسے افراد عموماً بعض روایات کو سامنے رکھ کر بقیہ نصوصِ شرعیہ کو پس پشت ڈال کر ایسے ایسے مسائل بیان کرتے ہیں جو اجماعِ صحابہ و اجماعِ امت کے صریح خلاف ہوتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید امر لازمی ہے، اگر یہ آزادی دی جائے کہ جس مسئلہ میں چاہیں کسی ایک امام کا قول اختیار کر لیں، اور جس میں چاہیں کسی دوسرے کا قول لے لیں، تو اس کا لازمی اثر یہ ہونا تھا کہ لوگ اتباعِ شریعت کا نام لے کر اتباعِ ہویٰ میں مبتلا

---

[1] ۔ فکر و نظر جلد 1 شمارہ 1 ص 30

ہو جائیں کہ جس امام کے قول میں اپنی غرضِ نفسانی پوری ہوتی نظر آئے اس کو اختیار کر لیں اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا کرنا کوئی دین و شریعت کا اتباع نہیں ہو گا، بلکہ اپنی اغراض و ہویٰ کا اتباع ہو گا، جو باجماعِ امت حرام ہے۔

اور جو لوگ ائمہ اربعہ میں سے کسی کی بھی تقلید نہیں کرتے ایسے افراد "سوادِ اعظم" سے خارج شمار ہوں گے۔ جیسا کہ "العقد الجید" میں ہے:

"ولما اندرست المذاهب الحقة إلا هذه الأربعة كان اتباعاً للسواد الاعظم، و الخروج عنها خروجاً عن السواد الأعظم"۔ [1]

"خلاصة التحقيق في بيان حكم التقليد و التلفيق "میں ہے:

"أما تقليد مذهب من مذاهبهم (أي من مذاهب المتقدمين من الصحابة و التابعين) الآن غير المذاهب الأربعة فلايجوز، لا لنقصان في مذهبهم و رجحان المذاهب الأربعة عليهم، لأن فيهم الخلفاء المفضلين علي جميع الأمة بل لعدم تدوين مذاهبهم وعدم معرفتنا الآن بشروطها و قيودها و عدم وصول ذلك إلينا بطريق التواتر، حتي لو وصل إلينا شيء من ذلك كذلك جاز لنا تقليده لكنه لم يصل كذلك". [2]

تقلید کیوں ضروری ہے؟ اور عدمِ تقلید کی صورت میں کیا نقصان ہے؟ اور ائمہ اربعہ میں سے ہی کسی ایک کی تقلید کیوں لازم ہے وغیرہ وغیرہ ان تمام موضوعات کی تفصیل کے لیے دیکھیے: اجتہاد و تقلید کا آخری فیصلہ افادات حضرت تھانوی رحمہ اللہ ترتیب: مولانا زید مظاہری صاحب اور آپ

---

[1] ۔ عقد الجيد، ص 38۔

[2] - خلاصة التحقيق في بيان حكم التقليد و التلفيق، ص 3۔

کے مسائل اور ان کا حل جلد اول، ص /۲۷ تا ۳۲ از مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی۔

حضرات محدثین کے بارے میں نظریات

حضرات محدثین کے بارے میں ڈاکٹر صاحب اور ان کے ہمنواؤں کے نظریات یہ ہیں کہ:

انہوں نے نہ صرف بعض اقوال شافعی کو حدیث بناڈالا۔[1]

بلکہ وہ سیاسی جنگوں اور کلامی بحثوں سے پیدا ہونے والے تمام آراء و افکار کو عقائد کا نام دے کر حدیث کی شکل میں آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرتے رہے۔[2]

اسی طرح ایک اور مقام پر لکھا ہے:

احادیث احکام، احادیث اجماع، احادیث فتن، احادیث صبر و قدر، احادیث ایمان و عمل اور احادیث تصوف وغیرہ کا تمام ذخیرہ (معاذاللہ) اسی نسبت کی وجہ سے وجود میں آیا ہے۔[3]

ان تمام انسانی آراء کو۔۔۔ جو زمانہ مابعد کی پیداوار تھیں درجہ اسناد بخشنے، تقدس کا نام دینے اور ابدی صداقت قرار دینے کے لئے یوں ہی خدا اور رسول ﷺ کے احکام باور کرایا جاتا رہا۔[4]

باوجودیکہ قدماء محدثین خود اس معلوم حقیقت کا اشتہار دیا کرتے تھے کہ اخلاقی امثال پند و نصائح اور جوامع الکلم کے ذات نبوی سے منسوب کر دیئے ہیں خواہ یہ

---

[1] ۔ فکر نظر جلد 1، شمارہ 1 ص 30

[2] ۔ فکر و نظر جلد 1 شمارہ 6 س 8

[3] ۔ المرجع السابق

[4] ۔ فکر و نظر جلد 2 شمارہ 5 ص 299

انتساب درست ہو یا نہ درست کوئی حرج نہ سمجھا جائے البتہ فقہ وعقائد کی احادیث میں صحت کا خیال رکھنا ضروری سمجھنا چاہیئے۔[1]

اسکے باوجود یہ متعصب محدثین۔۔۔۔الخ۔[2]

سب سے زیادہ فقہی اور کلامی احادیث کو ہی ان کے قطعی مشکوک، نا قابل اعتماد اور غیر صحیح ہونے کے باوجود حضور ﷺ کی طرف منسوب کرنے میں کامیاب ہوگئے۔[3]

الغرض محدثین کی اس جرآت رندانہ کے طفیل حدیث کا کام تاریخ نویسی نہیں بلکہ تاریخ سازی بن کر رہ گیا تھا۔[4]

یہی نا قابل اعتماد اور خود ساختہ تاریخ ہے جس پر مبادیات دین اسلام کی ساری عمارت کی بنیاد قائم ہے۔[5]

یعنی بقول ڈاکٹر صاحب امت مسلمہ گذشتہ تیرہ صدیوں سے اسی مشکوک اسلام کے موافق اپنے ایمان وعمل، فقہ وعقائد، احسان وتصوف اور سیاست ومعاشرت کے نقشے تیار کر رہی ہے۔

نہایت معذرت کے ساتھ کہ ہم اپنے قارئین کو کچھ دیر اس متعفن اور غلاظت بھری افکار سے روشناس کراتے رہے جس سے یقیناً دماغی دباؤ اور پھٹن کا احساس ہوتا ہے لیکن کیا کیا جائے کہ امت مسلمہ کی حفاظت کے لئے اس کی ضرورت پیش آتی ہی ہے ہم اس بحث میں نہیں جانا چاہتے کہ یہ سب کچھ اختیاری طور کہا گیا یا کچھ مجبوریوں اور سیاسی حالات کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کے

---

1 ۔ فکر ونظر جلد1 شمارہ5 ص13

2 ۔ فکر ونظر جلد1 شمارہ7 ص22

3 ۔ فکر ونظر جلد1 شمارہ7 ص9

4 ۔ فکر ونظر جلد1 شمارہ5 ص17

5 ۔ فکر ونظر جلد1 شمارہ7 ص10

ذہن خامہ پرسان میں ان نظریات نے جنم لیا؟اس کا منشاء غلط فہمی ہے یا دیدہ دانستہ مغالطہ اندازی ہے؟اور یہ فیضان نظر ہے یا کہ اس فکرو نظر کی کرامت؟

لیکن اتنی بات ضرور صاف صاف کہیں گے اور اسی میں پاکستان کے نظریاتی تشخص اور ملت اسلامیہ کی بھلائی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی یہ مذہب بیزاری، دینی تشکیک و تذبذب، تمام امت اسلامیہ کی تجہیل و تحمیق اور قدیم علماء امت اور حاملین دین کو ناقابل اعتماد اور مجرم قرار دینا پوری اسلامی تاریخ کو تاریک در تاریک دکھلانا ہے اور بہت بڑا ظلم ہے۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کے قلم سے جتنی تحقیقات صفحہ قرطاس پر آئی ہیں ان کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ معروف و مسلم اسلام قطعاً مشکوک، ناقابل اعتماد اور فرض بناوٹی ہے معاذ اللہ من ذلک الہفوات، اللہ تعالیٰ امت مسلمہ ان جیسے فتنوں سے محفوظ فرمائے۔

تصحیح روایت میں محدثین پر اعتماد

محدثین میں حدیث کی تصحیح کے دونوں طریقے رائج رہے ہیں:

1۔ راویوں کی ثقاہت ان کے باہمی اتصال اور شذوذ و نکارت سے سلامتی معلوم کرکے بھی کسی حدیث کو صحیح کہہ سکتے ہیں۔

2۔ کبھی ان تفصیلات میں جائے بغیر اکابر علمائے فن کی تصحیح پر اعتماد کرکے بھی کسی حدیث کو صحیح کہا جاسکتا ہے۔ لیکن قبولیت روایت میں اصل الاصول اعتماد ٹھہرا تو جس طرح سے بھی یہ اعتماد حاصل ہوسکے روایت قابلِ قبول ہو جاتی ہے۔

ہر فن میں اکابرِ فن کی تقلید کی جاتی ہے، اس سے انسان اسی وقت نکلتا ہے جب خود براہِ راست راویوں کی جانچ پڑتال کرسکے اور اس کی جملہ طرق پر نظر ہوسکے، اس کے بغیر اعتماد سے چارہ نہیں، اس اعتماد کو بھی علم کی ہی ایک شان سمجھنا چاہیے، جس بات میں خود مضبوط علم حاصل نہ ہو

تقلید سے چارہ نہیں، ہاں جب کسی بات کی براہِ راست تحقیق ہو جائے اور اس میں کوئی شک اور دغدغہ نہ رہے تو پھر تقلید درست نہیں لیکن جب تک راویوں کا پورا علم خود حاصل نہ ہو محدثین کرام جو ائمہ فن ہیں ان کی تصحیح اور ان کی تضعیف سے بھی علماءِ حدیث کسی روایت کو صحیح یا ضعیف کہہ سکتے ہیں۔

جب تک راویانِ حدیث اپنی سند سے حدیثیں روایت کرتے رہے تحقیق حدیث کا طریق راویوں کی جانچ پڑتال ہی رہا؛ لیکن جب سند والی کتابیں مدون ہو چکیں اور اس جمع شدہ ذخیرے سے ہی حدیث آگے چلی تو اس دور میں علیحدہ علیحدہ راویوں کی جانچ پڑتال کے ساتھ حاذق محدثین کی تحقیق اور اکابر اساتذہ فن کا ذوق بھی ساتھ Instinct چلنے لگے تو اب راویوں کی بجائے اساتذہ فن کے فیصلوں پر اعتماد کے بغیر آگے نہیں چل سکتے؛ یہاں اہلِ فن کی تقلید سے چارہ نہیں، ہر شخص کا ذوق اس درجے میں پختہ نہیں ہوتا کہ محض راویوں کے حالات جان کر پوری سند ع اور پوری حدیث پر وہ کوئی حکم لگا سکے۔

اس لئے ڈاکٹر صاحب بے چارے حیران و سرگردان ہیں اور برسوں اسی تحقیق میں رہے کہ آخر حضرات محدثین نے کس طرح اتنے علوم کو محفوظ رکھا ہو گا اور اسی سوچ میں انہوں نے وہ ٹھوکریں کھائیں جن کا اندازہ آپ گذشتہ تحریر میں لگا چکے ہوں گے۔

عمر احمد عثمانی

عمر احمد عثمانی مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیٹا ہے اور ادارہ تحقیقات اسلامیہ کی بزم "فکر و نظر" کے رفیق ہیں، ادارہ تحقیقات میں ان کی مقبولیت کا اندازہ اس اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے:

> ہمارے فاضل وفقیہ مقالہ نگار نے عنوان بالا پر اپنے پر مغز مقالے کی پہلی دو قسطوں میں آیات قرآنی اور ان کی ائمہ سلف سے تفاسیر کی روشنی میں یہ واضح کیا تھا ۔۔۔۔۔ہمارے فاضل دوست کے طرز تحریر کا امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ ہر مسئلے کے ہر گوشے پر شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں اور اس سلسلہ میں اپنی ذاتی تنقید کو ائمہ سلف کی تنقیدات کا ہمیشہ تابع رکھتے ہیں۔[1]

اسی کے ساتھ فاضل مقالہ نگار کا یہ وصف بھی ملحوظ خاطر رہے کہ موصوف مسٹر پرویز کی سلطنت کفر والحاد میں برسوں تک وزارت عظمیٰ کے منصب پر بھی فائز رہے ہیں اور مسٹر پرویز کی تحریک انہی کی کوشش کی بدولت پروان چڑھی ہے اور ملت اسلامیہ سے پرویز کا رشتہ کٹنے کے بعد ان کی خدمات ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے لئے وقف ہو گئیں۔

فاضل مقالہ نگار عمر احمد عثمانی صاحب کے چار ضخیم مقالے ادارہ تحقیقات راولپنڈی کے "فکر و نظر" سے تقریباً 225 صفحات میں شائع ہوئے ہیں ان شاء اللہ انہی مقالہ جات سے موصوف کے افکار و نظریات پر ہم مختصراً بحث کریں گے۔

یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ ادارہ تحقیقات اسلامیہ راولپنڈی نے اپنی "مجلس ادارت" اور "بزم فکر و نظر" کے لئے چن چن کر متجددین کی بھیڑ جمع کی ہے اور اب یہ ادارہ انہی لوگوں کی تحقیقات کو اسلام کی تعمیر قرار دیتا ہے۔

---

[1] ۔ فکر و نظر جلد 2 ش 5،6، ص 315۔

قرآنی مفہوم کی مخالفت

قرآن کریم کی آیت:

وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ۔ [1]

اس آیت کا ترجمہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس طرح فرماتے ہیں:

اور تم یتیموں کا آزمالیا کرو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر پہنچ جائیں پھر اگر ان میں ایک گونہ تمیز دیکھو تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو۔

اور عمر احمد عثمانی صاحب اپنا ایک نظریہ قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مولانا تھانویؒ نے حاشیہ میں فوائد تحریر فرماتے ہوئے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ یعنی "بالغ ہو جائیں" کیونکہ نکاح کی پوری قابلیت بلوغ سے ہوتی ہے اس آیت کریمہ میں اس قسم کے تراجم دیگر تمام مترجمین نے بھی کئے ہیں اس آیت کریمہ میں آپ نے دیکھ لیا کہ یتیموں کو ان کے اموال حوالے کرنے کے لئے جو حد مقرر فرمائی گئی ہے وہ آزمائش کے بعد ایک گونہ تمیز اور صلاحیت کا پیدا ہو جانا ہے مگر یہ آزمائش اسی وقت کی جانی چاہیئے جب وہ بالغ ہو جائیں۔ [2]

یہاں قرآن کریم نے آزمائش کی حد یعنی انتہاء بلوغ بتائی ہے اور فاضل مقالہ نگار عثمانی صاحب آزمائش کی حد ابتداء بلوغ کو ارشاد فرمارہے ہیں کہ بلوغت کے بعد آزمائش کی جائے اور اتنا صاف بھی نہ سمجھ پائے کہ حتی ابتداء غایت کے لئے نہیں بلکہ انتہاء غایت کے لئے آتا ہے، اگر اسی کو لیا

---

[1] ۔ سورة النساء آیت نمبر 6۔

[2] ۔ فکر و نظر قسط اول شمارہ نمبر 7۔8، جنوری فروری 1964ء۔

جائے کہ بلوغت کے بعد آزمائش کا وقت ہو تو مال حوالے کب کیا جائے گا؟

فقہاء نے مطلب نہیں سمجھا

عثمانی صاحب نے اسی تناظر میں فقہاء کرام کو قرآنی بصیرت اور تفہیم سے محروم قرار دیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

> اس آیت سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ یتیموں کا ان کے مال کب حوالے کرنے چاہیئں وہیں اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قرآن کریم کی نظر میں نکاح کی بھی ایک عمر مقرر ہے اور وہ ہے بلوغ کی عمر۔۔۔۔۔۔۔۔لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ بات اتنی صاف تھی تو سلف سے لے کر خلف تک تمام فقہاء امت اور علماء امت بالا جماع صغر سنی کی شادیوں کے قائل کیسے چلے آئے ہیں کیا قرآن کریم کی یہ صراحت اور عرب معاشرے میں صغر سنی کی شادیوں کا کوئی رواج نہ پایا جانا ان کے سامنے نہیں تھا؟ یہ سوال بڑا اہم ہے اور اس یونہی سر سری طور پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔[1]

یعنی قرآن کریم کی اس نظر کا انکشاف چودہ سو سال بعد ہوا ہے اور پہلے تمام امت ایک ناجائز فعل میں مبتلا رہی بلکہ موصوف کے نزدیک تو صغر سنی کے نکاح کو جائز قرار دینے والے ائمہ دین میں تحریف سے بھی بدترین گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

> اگر ایسا اجماع جس کی سند قرآن و حدیث سے نہ مل سکے بقول حضرت شاہ صاحبؒ کے ناجائز اور اسباب تحریف میں شامل ہے تو ایسے اجماع کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو قرآن کریم کی نص صریح کے بھی خلاف ہو پہلے بتایا جا چکا ہے کہ قرآن کریم

---

[1] ۔ قسط اول فکر و نظر ص40، 41۔

نے نکاح کی عمر بلوغ کو قرار دیا ہے اور یہ نص صریح ہے تو اگر نص صریح کے خلاف اجماع کو ثبوت بھی ہو جائے تو اسے کسی طرح بھی جائز نہیں کہا جا سکتا اور ایسا اجماع یقیناً اسباب تحریف سے بھی کچھ زیادہ ہی سخت شمار کیا جائے گا۔[1]

صغر سنی کی شادی پر اجماع کا حوالہ غلط ہے

علامہ ابن عبد البر کہتے ہیں:

"علماء کرام کا اس پر اجماع ہے کہ والد کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی چھوٹی بچی سے مشورہ کیے بغیر اس کی شادی کر دے، نبی ﷺ نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے چھ یا سات برس کی عمر میں نکاح کیا اور یہ نکاح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد نے کیا تھا"۔[2]

اس اجماع کو کثیر علماء نے ہمیشہ بیان کیا ہے اور کسی سے کبھی کسی دور میں اس کی مخالفت ثابت نہیں۔ چنانچہ اس اجماع کو امام احمد (المسائل: 3/129)، امام مروزی (اختلاف العلماء: ص125)، علامہ ابن المنذر (الاجماع: ص91)، امام بغوی (شرح السنۃ: 9/37)، امام نووی (شرح صحیح مسلم: 9/206) اور حافظ ابن حجر عسقلانی (فتح الباری: 12/27) جیسے جید اور مستند آئمہ محدثین نے بھی نقل کر رکھا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

عورت کی اجازت کے بغیر کوئی بھی عورت کی شادی نہیں کر سکتا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے، اور اگر وہ اسے ناپسند کرے تو اسے نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا،

---

[1] ۔ المرجع السابق ص42۔

[2] ۔ الاستذکار، ج16 ص50،49۔

لیکن چھوٹی عمر کی کنواری بچی کو، اس کی شادی اس کا والد کریگا، اور اس (بچی) کو اجازت کا حق نہیں۔[1]

برصغیر کے مشہور اسلامی دارالعلوم دیوبند سے جاری ہونے والے فتویٰ میں کہا گیا:

"نابالغوں کا نکاح جو ولی کریں صحیح ہے، نابالغوں کو سمجھنے کی ضرورت نہیں۔ اولیاء کا سمجھنا اور اجازت دینا کافی ہے، عمر کی کچھ تحدید لازمی نہیں ہے"۔[2]

لیکن عمر احمد عثمانی صاحب اجماع امت کی تغلیط کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

چونکہ (تمام امت اور) فقہاء امت کے جم غفیر کے خلاف ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ ،ابن شبرمہ رحمۃ اللہ علیہ اور خوش قسمتی سے امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال (شاذہ) موجود ہیں اس لئے اجماع امت کا دعویٰ غلط ہے۔[3]

حالانکہ خود حضرت شاہ صاحبؒ نے اجماع کے مقابلے میں اقوال شاذہ پیش کرنے والوں کو ازالۃ الخفاء میں بہت سخت سست کہا ہے اور مسئلہ جب اجماع سے ثابت ہو جائے اور کوئی خفا باقی نہ رہے تو اقوال شاذہ کی پیروی زندقہ اور الحاد کی مثل ہے۔[4]

اور بقول عثمانی صاحب صغر سنی کی شادی پر اجماع عجمی سازش ہے ملاحظہ فرمائیں:

اسی کے ساتھ اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ جب تدوین فقہ کا دور آیا تو بیشتر علمی مسندوں پر وہ علماء اور ائمہ قابض ہو چکے تھے جن کا تعلق ملک عرب سے نہیں تھا بلکہ عجمی ممالک سے تھا بلکہ تدوین فقہ کے دور سے بہت پہلے ہی علمی

---

1 - مجموع الفتاویٰ، ج32 ص39۔

2 - فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج7 ص48، دارالاشاعت کراچی۔

3 - المرجع السابق، ص42،48، بحوالہ دور حاضر کے تجدد پسندوں کے افکار، ص،215۔

4 - ملاحظہ فرمائیں ازالۃ الخفاء 1/ 99 از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔

مسندیں عربوں کے قبضہ سے نکل چکی تھیں عبد المالک اور زہری کا وہ مکالمہ جو اکثر مؤرخین نے نقل کیاہے اس صورت حال پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہے۔ (1)

مزید عمر احمد عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

ان حضرات کا جم غفیر جسے "اجماع کے غلط لقب" سے یاد کیا گیاہے یہ نہیں کہہ رہا کہ صغر سنی کی شادیاں ضرور کی جانی چاہیئں وہ زیادہ سے زیادہ یہی بتارہاہے کہ اگر "ایسی حماقت" کرلی جائے تو اس کا شرعی حکم کیاہو گا۔ (2)

ملاحظہ فرمائیں کیسے الفاظ موصوف استعمال فرمارہے ہیں حالانکہ اجماع کا لقب غلط نہیں بلکہ بقول شاہ صاحبؒ اسے غلط قرار دینا زندقہ ہے۔

سیدہ عائشہ کی شان میں دریدہ دہنی

ادارہ تحقیقات اسلامیہ کی مہذب زبان کا اندازہ اس اقتباس سے لگایئے کہ اپنے مؤقف کے خلاف بات کس حد تک برداشت کرتے ہیں اور ردعمل میں یہ بھی نہیں سوچتے کہ آخر اس کا نتیجہ کیا نکلنے والاہے:

عقل انسانی اسے کسی طرح باور نہیں کرتی کہ ایک نو سال کی "الہڑ لڑکی" اپنے میکہ میں ان تما علوم و فنون میں اس قدر مہارت کی مالک ہو سکتی ہے کہ اس کا علم پوری امت کی عورتوں سے بڑھ جائے۔ (3)

ادارہ تحقیقات کی وساطت سے جس شخصیت کو نعوذ باللہ "الہڑ لڑکی" کے الفاظ سے ذکر کیا جارہاہے خود رسول اللہ ﷺ نے ان کے مقام کی طرف اشارہ ان الفاظ میں فرمایاہے:

1۔ قسط اول فکر و نظر ص49۔

2۔ المرجع السابق ص52۔

3۔ قسط دوم فکر و نظر، ص48۔

فضل عائشة علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام۔[1]

عائشہ کی فضیلت عورتوں پر اس طرح ہے جس طرح تمام کھانوں سے ثرید افضل ہے۔

تعدد ازدواج کے متعلق عثمانی صاحب کا موقف

بقول عثمانی صاحب تعدد ازواج کا قائل ہونا تمام مدافعین اسلام کی سادہ لوحی اور حماقت ہے:

یورپ کے مستشرقین نے اس بات کو سامنے رکھ کر کہ اسلام تعدد ازدواج کا حامی ہے اسلام کے خلاف زہریلہ پروپیگنڈا کرنے کے لئے اب تک ہزارہا صفحات سیاہ کر ڈالے ہیں دوسری طرف اسلام کی طرف سے مدافعت کرنے والوں نے بھی اپنی سادہ لوحی سے اس "غلط تہمت" کو قبول کر کے ان کے جوابات کے سلسلے میں کچھ کم صفحات سیاہ نہیں کئے ان مدافعت فرمانے والوں کا انداز بلکل ایسا ہی ہے جیسے سپنے دامن پر کچھ ناخوشگوار دھبے دیکھ کر دل ہی دل میں شرمارہے ہوں۔[2]

مزید عمر احمد عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ اسلام کی نظر میں بہر حال ایک ناقابل حمایت برائی ہے:

اسلام نے جن حالات میں تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے اس کی حیثیت قطعاً ایسی ہی ہے جیسا کہ ہم کسی بڑی برائی سے بچنے کے لئے بعض اوقات کسی چھوٹی برائی کو اختیار کر لیتے اور اس کی اجازت دے دیتے ہیں لیکن اس اجازت سے قطعاً یہ نہیں سمجھا جاتا کہ ہم اس برائی کی حمایت کر رہے ہیں برائی بہر حال برائی ہی رہتی ہے اور ہر صورت میں ناقابل حمایت۔[3]

---

[1] ۔ صحیح بخاری: 3770، صحیح مسلم: 2446۔

[2] ۔ فکر و نظر جلد 1 شمارہ 11۔

[3] ۔ فکر و نظر ج 4 ش 1۔

لیکن قابل نظر بات یہ ہے انبیاء کرام اور صحابہ و اولیاء امت نے اس برائی کو کیوں نہیں سمجھا اور مسلسل اس پر فرضی ضرورت کی آڑ میں عمل کرتے رہے دیکھئے عثمانی صاحب کیا فرماتے ہیں:

کہا جاتا ہے کہ تعدد ازدواج انبیاء علیہم السلام اور اسلاف کی سنت رہی ہے جہاں تک انبیاء علیہم السلام کا تعلق ہے تو ضروری نہیں کہ انہوں نے جو کام کئے ہوں وہ سب کے سب ہمارے لئے بھی سنت کا درجہ رکھتے ہوں، اور رہ گئے اسلاف و اکابر تو ان تمام حضرات کا ادب واحترام ملحوظ رکھتے ہوئے ہمیں ان حالات کا جائزہ بھی لینا چاہیئے جن میں انہوں نے تعدد ازدواج پر عمل فرمایا تھا اگر انہوں نے واقعتاً کسی بڑی برائی سے بچنے کے لئے یا کسی بلند تر مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس کو اختیار فرمایا تھا تو ضروری نہیں کہ ہم بھی ان کی پیروی کریں الا یہ کہ ہم بھی انہیں جیسے حالات سے دوچار نہ ہو گئے ہوں۔ [1]

مزید لکھتے ہیں کہ ان حضرات کا یہ عمل متواتر قانون فطرت کے خلاف ہے ملاحظہ فرمائیں:

اگر وحدت ازدواج قانون فطرت نہ ہوتا تو ظاہر ہے کہ قدرت کو کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی تھی کہ آدم کے لئے ایک سے زیادہ بیویاں پیدا کر دی جاتیں اور اس طرح نسل انسانی کو جلد از جلد بڑھنے اور پھلنے پھولنے کے مواقع مہیا کر دیئے جاتے لیکن اس وقت بھی جب کہ ضرورت تھی قدرت نے ایسا کوئی انتظام نہیں فرمایا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قانون فطرت یہی ہے کہ مرد کے لئے ایک ہی بیوی ہونی چاہیئے۔ [2]

علاوہ ازیں قرآن کریم کے مطالعے سے بھی یہ بات نہایت وضاحت سے معلوم ہو

---

[1] ۔ المرجع السابق۔

[2] ۔ المرجع السابق ص 21۔

جاتی ہے کہ قانون قدرت بھی یہی ہے کہ ایک نر کے لئے ایک مادہ ہو قدرت نے انسانوں کو اسی انداز سے پیدا کیا۔۔۔۔۔لہذا جب قانون قدرت یہی ہے کہ وہ ہر چیز کے جوڑے جوڑے پیدا کرتا ہے ایک نر اور ایک مادہ نباتات ، حیوانات اور انسانوں میں سب میں یہی قانون کارفرمااور بقائے نسل کے لئے وہ اسی کو کافی سمجھتا ہے چنانچہ طوفان نوح کے سلسلہ میں اس نے ہر چیز کا ایک ایک جوڑا رکھنا ہی کافی سمجھا تھا تو ایک مرد کے لئے ایک سے زیادہ بیویوں کا ہونا قانون قدرت کے بھی خلاف ہے۔[1]

الغرض مقالہ نگار عثمانی صاحب اور ان کے متبعین و موکلین کا مؤقف یہ ہے کہ اسلام کی نظر یہ ایک ناقابل حمایت برائی ہے جسے خصوصی حالات اور ہنگامی صورت میں جائز قرار دیا گیا ہے حالانکہ امت مسلمہ کا مؤقف یہ ہے کہ اسلام میں ایمرجنسی کی شرط کے بغیر بھی تعدد ازدواج کی اجازت ہے۔

تاریخ عالم کے مسلمات میں سے ہے کہ اسلام سے پہلے تمام دنیا میں یہ رواج تھا کہ ایک شخص کئی کئی عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھتا تھا اور یہ دستور تمام دنیا میں رائج تھا حتی کہ حضرات انبیاء بھی اس دستور سے مستثنیٰ نہ تھے، حضرت ابراہیمؑ کی دو بیبیاں تھیں حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ حضرت اسحاق کی بھی متعدد بیویاں تھیں حضرت موسیٰ کے بھی کئی بیویاں تھیں اور سلیمان (علیہ السلام) کے بیسوں بیویاں تھیں اور حضرت داوٗد (علیہ السلام) کے سو بیویاں تھیں اور توریت وانجیل ودیگر صحف انبیاء میں حضرات انبیاء کی متعدد ازواج کا ذکر ہے اور کہیں اس کی ممانعت کا ادنی اشارہ بھی نہیں پایا جاتا صرف حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ایسے نبی گزرے

---

[1] ۔المرجع السابق ص23۔

ہیں کہ جنہوں نے بالکل شادی نہیں کی ان کے فعل کو اگر استدلال میں پیش کیا جائے تو ایک شادی بھی ممنوع ہو جائے گی۔

اس سے بڑھ کر خود قرآن محدود تعداد میں عورتوں سے شادی کی اجازت دیتا ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا۔ [1]

چنانچہ تم ان عورتوں سے شادی کرو جو تمھیں اچھی لگیں دو دو، تین تین یا چار چار (عورتوں) سے، لیکن اگر تم کو اس کا خوف ہو کہ تم (ان کے ساتھ) انصاف نہ کر سکو گے تو صرف ایک سے (نکاح کرو)۔

طلاق سنت کے بارے میں نظریہ

طلاق کی ماڈرن تفسیر کرتے ہوئے سورۃ البقرۃ آیت نمبر 229 کے تحت عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

ان آیات سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی رو سے طلاق کا طریقہ یہ ہے کہ ہر طرح کی مصالحتی کوشش بروئے کار آنے کے بعد جب یہ ثابت ہو جائے کہ میاں بیوی کے درمیان کوئی صورت نباہ کی نہیں نکل سکتی تو شوہر طلاق دے کر معاہدہ نکاح کو ختم کرنے کا اعلان کر سکتا ہے، اس پہلی بار اعلان کے بعد شوہر کو پھر بھی یہ اختیار باقی رہتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو عدت کے دوران طلاق سے رجوع کر لے قریب تین ماہ کا عرصہ کچھ کم نہیں ہوتا شوہر اس عرصے میں اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر سکتا ہے بیوی بھی شوہر کو منانے اور راضی کرنے کی کوشش کر سکتی ہے اگر اس عرصہ عدت میں شوہر نے طلاق سے رجوع کر لیا فبہا ورنہ عدت گزر جانے کے بعد رشتہ نکاح بالکلیہ

---

[1] ۔ سورۃ النساء آیت نمبر 3۔

منقطع ہو گیا تاہم اب بھی میاں بیوی کو اس کی اجازت ہے کہ اگر وہ چاہیں تو تجدید معاہدہ کے ساتھ از سر نو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں اگر شوہر نے عدت کے دوران رجوع کر لیا تھا یا عدت گزر جانے کے بعد تجدید نکاح کر لی تھی لیکن مزید تجربہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ دونوں کا نباہ ممکن نہیں اور وہ ایک دوسرے کے حقوق وواجبات کما حقہ ادا نہیں کر سکتے اور شوہر دوسری مرتبہ بھی طلاق دے دیتا ہے تو اس دوسری مرتبہ کی طلاق کے بعد بھی اس کی گنجائش رہتی ہے کہ دونوں اب بھی اپنی اصلاح کر لیں جو باتیں ایک دوسرے کے لئے وجہ شکایت ہوں ان کا ازالہ کر لیں لہذا اگر صورت حال سدھر جانے کی توقع ہو تو شوہر کو اس مرتبہ بھی یہ حق باقی رہتا ہے کہ وہ عدت کے زمانے میں طلاق سے رجوع کر لے اگر عدت گزر چکی ہے تو پھر میاں بیوی باہمی رضامندی سے تجدید معاہدہ کے ذریعے از سر نو نکاح کر سکتے ہیں اگر اس مرتبہ بھی تجربے سے یہی ثابت ہوا کہ وہ دونوں واقعی نباہ نہیں کر سکتے اور شوہر تیسری مرتبہ بھی طلاق دے دیتا ہے تو اب یہ عورت اس کے لئے قطعاً حرام ہو گئی اب وہ نہ عدت کے دوران اس سے رجوع کر سکتا ہے اور نہ عدت کے بعد تجدید نکاح کر سکتا ہے اب یہ عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کرے لیکن اگر اس کا گزارا وہاں بھی نہ ہو سکے اور دوسرا شوہر بھی اسے طلاق دے دے یا وفات پا جائے تو اب یہ عورت اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے کیونکہ اس قدر دھکے کھا لینے کے بعد اب توقع کی جا سکتی ہے کہ شوہر کو بھی اپنی حماقتوں کا احساس ہو گیا ہو گا اور وہ بھی واقعتاً اس کے ساتھ نباہ کر لینے کے لئے تیار ہو گیا ہو گا۔[1]

---

[1] ۔ فکر و نظر جلد 2، شمارہ 2 ص 99، 100۔

عثمانی صاحب کی اس عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک طلاق کے بعد جب تک رجعت نہ کرلی جائے یا بعد عدت کے تجدید نکاح نہ کرلیا جائے نہ تو مزید طلاق دینے کی اجازت ہے اور نہ ہی مزید کوئی طلاق واقع ہو گی، یہ قرآن اور شریعت کے قانون کے خلاف ہے کیونکہ قرآن نکاح کو بالکلیہ ختم کرنے کے لئے ایک نکاح کو تین طلاق کا اختیار دیتا ہے اور موصوف کا خود تراشیدہ عائلی قانون ایک نکاح کو ایک طلاق کا اختیار دیتا ہے۔

مزید لکھتے ہیں کہ تین طہروں میں تین طلاقیں تلاعب بالقرآن ہے اور یہ شخص ایک مجلس میں تین طلاق دینے والے سے بھی زیادہ گناہ گار ہو گا ملاحظہ فرمائیں:

> اگر ذرا گہری نظر سے دیکھا جائے تو اس شخص کا جرم جو اپنی بیوی کو تین طہروں میں تین طلاقیں دے کر اسے اپنے اوپر حرام کرلیتا ہے اس شخص کے مقابلے میں زیادہ شدید ہے جو بیک وقت تین طلاقیں دے کر اسے اپنے اوپر حرام کرلیتا ہے کیونکہ یہ دوسرا شخص خدا کے صرف ایک حکم کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے مگر پہلا شخص قرآن کے الفاظ سے کھیلتا ہے اور قرآن کے منشاء کے خلاف عمل کرتے ہوئے خود قرآن ہی کے الفاظ کی آڑ لیتا ہے۔[1]

اس سے مزید آگے تحریر فرماتے ہیں کہ تین طہر میں تین طلاق کے قائلین قرآنی منشاء سے انحراف کرنے والے ہیں اور یہودی ذہنیت کے مالک ہیں اور قرآنی روح کے پامال کنندہ نہیں خطرہ ہے کہ کہیں انہیں بندر نہ بنا دیا جائے ملاحظہ فرمائیں:

> یہ وہی یہودی ذہنیت ہے جو وحی الٰہی کے منشاء کے خلاف وحی کے الفاظ سے کھیلنے کی عادی رہ چکی ہے ۔۔۔۔بعینہ یہ حال ان لوگوں کا ہے کہ وہ بھی یہودیوں کی طرح

---

1 ۔ فکر و نظر جلد 2، شمارہ 3، ص 165۔

قرآن کی روح کو پامال کر کے قرآن کریم کے الفاظ سے کھیلنا چاہتے ہیں ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی صورتیں مسخ کر کے ان کو ذلیل بندر بنا دیا تھا۔[1]

صرف یہی نہیں بلکہ اس مسلک کو قرآن کریم کے خلاف بھی بتا رہے ہیں:

یہ طریقہ جسے بدقسمتی سے طلاق مسنون کہا جاتا ہے قرآن کریم کے الفاظ کے خلاف ہے۔[2]

مزید لکھتے ہیں:

صرف اتنا ہی نہیں مروجہ مسلک قران کریم کے خلاف ہے بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو عقل وبصیرت کے خلاف بھی معلوم ہوتا ہے۔[3]

ملاحظہ فرمایئے کس طرح دین کے ساتھ تلاعب اور دین کی روح کو مسخ کیا گیا ہے کہ امت کے مسلمہ اور متفقہ مسائل کو دین کے خلاف کہہ کر اپنی عاقبت برباد کی جارہی ہے بلاشبہ یہ سب کچھ اسلام دشمن قوتوں کے ہی ایماء پر ہی کیا جاتا ہے۔

امام ابو بکر جصاص فرماتے ہیں:

قَالَ أَصْحَابُنَا: أَحْسَنُ الطَّلَاقِ أَنْ يُطَلِّقَهَا إِذَا طَهُرَتْ قَبْلَ الْجِمَاعِ ثُمَّ يَتْرُكَهَا حَتَّى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا، وَإِنْ أَرَادَ أَنْ يُطَلِّقَهَا ثَلَاثًا طَلَّقَهَا عِنْدَ كُلِّ طُهْرٍ وَاحِدَةً قَبْلَ الْجِمَاعِ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ. وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: وَبَلَغَنَا عَنْ

---

[1] ۔ فکرو نظر جلد 2 شمارہ 3 ص 165، 166۔

[2] ۔ المرجع السابق۔

[3] ۔ المرجع السابق، ص 167۔

إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُمْ كَانُوا يَسْتَحِبُّونَ أَنْ لَا يَزِيدُوا فِي الطَّلَاقِ عَلَى وَاحِدَةٍ حَتَّى تَنْقَضِيَ الْعِدَّةُ، وَأَنَّ هَذَا عِنْدَهُمْ أَفْضَلُ مِنْ أَنْ يُطَلِّقَهَا ثَلَاثًا عِنْدَ كُلِّ طُهْرٍ وَاحِدَةً۔ [1]

یعنی شریعت نے مرد کو آسانی دیتے ہوئے اس کا بہترین طریقہ بھی بتادیا ہے، تاکہ کل کو اگر جانبین اپنے اس فعل پر نادم اور پشیمان ہوں تو انہیں اس غلطی کی تلافی کرنا ممکن ہو، وہ بہترین صورت یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں اس نے اپنی بیوی سے تعلقات قائم نہ کیے ہوں، پھر اسے چھوڑدے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے، اس کے بعد دوسرا درجہ یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو ایسے طہر (پاکی) میں طلاق دے جس میں اس نے اپنی بیوی سے تعلق قائم نہ کیا ہو، اس کے بعد اس کے قریب نہ جائے، جب دوسرا طہر (پاکی) آئے تو اس میں دوسری طلاق دے، اور پھر تیسری پاکی میں تیسری طلاق دے دے، ان دونوں طریقوں میں مرد اور عورت کو سوچنے اور اپنی غلطیاں سدھارنے کا موقع مل جاتا ہے۔

طلاق ثلاثہ کے بارے میں موقف

طلاق ثلاثہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عربی عصبیت کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے موصوف کہتے ہیں کہ خلیفہ راشد نے تعصب کی بنا پر قرآن کا حکم بدل دیا تھا (معاذ اللہ) ملاحظہ فرمائیں:

> حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے مزاج سے خوب واقف تھے وہ جانتے تھے کہ اگرچہ وقتی جوش کے ماتحت عرب نوجوان عجمی عورتوں کے حسن وجمال کے گرویدہ ہو رہے ہیں لیکن ان کی عربی عصبیت کا ایک ابھرتی ہوئی قوم کے لئے اپنی قومی عصبیت کا

---

[1] ۔ أحكام القرآن للجصاص ط: العلمية، 1/459۔

تحفظ بھی انتہائی ضروری ہوتا ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے اس عربی عصبیت کو برقرار رکھنے کے لئے اس سے (تین طلاقوں کے نافذ کرنے سے) یہ فائدہ اٹھایا۔ (1)

اور مزید لکھتے ہیں کہ یہ فیصلہ قرآنی حکم کی روح کو پامال کرنے اور اس کے استخفاف واستہزاء پت مشتمل ہے نعوذ باللہ:

اس مضمون کی پچھلی قسط میں ہم لکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم کی رو سے طلاقیں صرف تین مرتبہ الگ الگ وقفہ کے ساتھ ہو سکتی ہیں اور ایک عدت کے شروع میں ایک طلاق ہی ہو سکتی ہے پہلی دو مرتبہ کی طلاقوں میں مرد کو رجوع کرنے کا حق ہوتا ہے اور تیسری مرتبہ کی طلاق میں رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا قرآن کریم کی رو سے کئی طلاقیں ایک وقت میں نہیں دی جاسکتیں اور نہ مختصر وقفوں کے ساتھ ہی ایک ایک طہر میں ایک ایک طلاق کر کے دی جاسکتی ہیں یہ صورت قرآنی حکم کی روح کو پامال کرنے اور اس کے استخفاف واستہزاء پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بیک وقت کئی طلاقیں دے دینے سے بھی بُری ہے۔ (2)

اور موصوف یہ بھی فرماتے ہیں کہ صحابہ و تابعین کا فیصلہ حضرت عمؓر کے فیصلہ کے تابع تھا جو کہ ایک محرف فیصلہ تھا یعنی دین کے حکم میں تحریف کی گئی تھی:

صحابہ تابعین اور ائمہ فقہاء کی اکثریت کا فیصلہ دراصل حضرت عمر کے اس فیصلے کے ماتحت تھا لہذا اگر وہ وجوہ موجود نہیں جو حضرت عمر کے اس فیصلہ کا باعث بنی تھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ قرآن کریم، سنت رسول اور قیاس اور مصالح عامہ کو مسلسل نظر

---

[1] ۔ فکر و نظر جلد 2 شمارہ 7 ص 422، 423 بحوالہ دور حاضر کے تجدد پسندوں کے افکار ص 250۔

[2] ۔ المرجع السابق ص 224، 225۔

انداز کیا جاتا رہے اور جو فیصلہ کے ماتحت کسی ایک وقت میں ضرورتاً کر لیا گیا تو اسے دوامی حیثیت دے دی جائے۔ (1)

اور آخر میں نتیجہ نکالتے ہوئے موصوف فرماتے ہیں:

لہذا چونکہ وہ ضرورتیں اور مصلحتیں جو حضرت عمر کے زمانہ میں پیدا ہو گئیں تھیں اب باقی نہیں رہیں اس لئے ہمیں اصل حکم کی طرف لوٹنا چاہیئے جو شریعت اسلامی نے ہمارے لئے مقرر کیا ہے۔ (2)

یعنی موصوف یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ہمیں بھی معاذاللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ و تابعین کی طرح شریعت کے اصل حکم کو تبدیل کر کے ان قبیح جرائم کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیئے اور جو عورتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ اور تابعین کے فیصلے کے مطابق مطلقہ اپنے شوہروں پر بالکلیہ حرام ہو چکی ہیں انہیں شوہروں کے پاس ٹھہرنے پر مجبور کیا جائے۔

حالانکہ علامہ نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

وَقَدِ اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِيمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا فَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَمَالِكٌ وَأَبُو حَنِيفَةَ وَأَحْمَدُ وَجَمَاهِيرُ الْعُلَمَاءِ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ يَقَعُ الثَّلَاثُ۔ (3)

یعنی جو شخص اپنی بیوی کو کہے "أنت طلاق ثلاثا" تجھے تین طلاق ہیں اس کے حکم میں اختلاف ہے، امام شافعی، امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام احمد اور جمہور علماء فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

---

1 ۔المرجع السابق ص426۔

2 ۔المرجع السابق، ص127۔

3 - شرح النووي على مسلم، 474/1، قديمی۔

یتیم پوتے میں کی وراثت کا مسئلہ

پوتا علی الاطلاق محروم نہیں ہوتا بلکہ اس وقت محروم ہوتا ہے جبکہ دادا کی مذکر اولاد موجود ہو اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ شریعت نے ترکے کی تقسیم میں اقرب فالا قرب کا اعتبار کیا ہے، ترکہ کی تقسیم میں وارثین کے محتاج ہونے یا نہ ہونے کو معیار نہیں بنایا گیا ہے؛ اس لئے کہ یہ ایسا معیار ہے کہ جس کو طے کرنا کسی کے بس میں نہیں ہے، حاصل یہ ہے کہ قریب کا تعلق بعید کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے، شاخ کا حق پہلے ہے، شاخ در شاخ کا بعد میں، بیٹا چونکہ پوتے کے مقابلہ میں اقرب ہے، اس لئے اصولاً وہی مستحق وراثت ہے؛ البتہ اگر میت کے وفات کے وقت اس کا کوئی بیٹا حیات نہ رہتا اور پوتے پوتیاں حیات رہتے تو یہی پوتے پوتیاں اس کے وارث بنتے، کیوں کہ اب ان سے اقرب کوئی موجود نہیں، یہ تو قانونی اور اصولی بات ہے، جس کو پیش نظر رکھے بغیر تقسیم ترکہ کا نظام قائم نہیں رہ سکتا، البتہ ایسی صورت میں اخلاقی طور پر میں دادا کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ پوتوں کی گذر بسر کے لئے کوئی انتظام کر کے جائے خواہ وہ رجسٹرڈ وصیت کی شکل میں ہو یا زندگی میں ہبہ کے ذریعہ ہو، نیز چچا کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بھتیجوں اور بھتیجیوں کے ساتھ شفقت وہمدردی اور ایثار کا معاملہ کرے، اور یتیموں کی کفالت کے متعلق جو بشارتیں آئیں ہیں ان کا مستحق بنے، اب بالفرض اگر کوئی دادا یا چچا ان بچوں کے حقوق کا خیال نہ کرے تو یہ اس کی اپنی کوتاہی ہوگی، ان کے اس رویہ کی بنا پر شریعت کے اصول پر انگلی اٹھانا ہرگز درست نہیں ہے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألحقوا الفرائض بأهلها فما بقي فهو لأولى رجل ذكر۔ [1]

وقد ذكر الإمام أبو بكر جصاص الرازي في أحكام القرآن، والعلامة

[1] ۔ صحيح البخاري 997/2۔

العيني في عمدة القاري: الإجماع على أن الحفيد لا يرث مع الابن۔ [1]

ولو كان مدار الإرث على اليتم والفقر والحاجة لما ورث أحد من الأقرباء والأغنياء، وذہب الميراث كله إلى اليتامىٰ والمساكين . . . وأن معيار الإرث ليس ہو القرابة المحضة ولا اليُتم والمسكنة، وإنما ہو الأقربية إلى الميت۔ [2]

یتیم پوتے کی وراثت کے بارے میں جناب عمر احمد عثمانی صاحب کی تحریفات ملاحظہ فرمائیں موصوف نے لکھاہے کہ دادا کی میراث میں سے یتیم پوتے کو حصہ نہ دینا یہ حضرات فقہاء کی من پسند ہے کہ قانون مستنبط فرما کر جہاں چاہیں اسے نافذ کر دیتے اور جہاں نہ چاہیں نافذ نہیں کرتے:

مسائل میراث کے عمیق مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ہمارے فقہاء کرام نے یہ قانون تو مستنبط فرمالیا ہے لیکن اس کے نفاذ میں انہوں نے کسی باقائدگی کو مد نظر نہیں رکھا بلکہ جہاں ان کا جی چاہا اس قانون کو نافذ فرمالیا اور جہاں ان کا جی چاہا اسے نظر انداز کر دیا۔ [3]

موصوف الاقرب فالاقرب کے مفہوم کو ماڈرن مفہوم کہہ کر لکھتے ہیں:

اگر اس قانون کو صحیح ماننا ہے تو ہمیں اس کا ایسا مطلب لینا ہو گا جس سے یہ قانون ہر جگہ فٹ بیٹھ جائے اس لئے لازماً اس قانون کا یہی اور صرف یہی مطلب لینا ہو گا کہ اقرب وہ رشتہ دار ہے جو بلاواسطہ میت سے رشتہ رکھتا ہو یا بالواسطہ رشتہ رکھتا ہو لیکن

---

[1] ۔ تکملة فتح الملہم 18/2۔

[2] ۔ تکملة فتح الملہم 18/2، 17۔

[3] ۔ فکر و نظر جلد 3 شمارہ 6 ص 408۔

مورث کی وفات کے وقت وہ رشتی ناقہ نہ رہا ہو۔ [1]

ملاحظہ فرمایئے الاقرب فالاقرب کا ماڈرن مفہوم کہ بیٹا بلاواسطہ رشتہ دار اور پوتا بالواسطہ رشتہ دار لیکن پھر بھی دونوں ایک ہی درجے میں شمار کئے جائیں فیا للاسف و لضیعۃ العقل۔

آخر میں نتیجہ بیان کرتے ہوئے خلاصہ کلام یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

> لہذا ہم نہایت دیانت داری کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یتیم پوتوں کی اپنے دادا کی وراثت سے محرومی کسی صحیح بنیاد پر مبنی نہیں ہے لہذا ہمیں اپنی فقہ کی اس فروگزاشت کو تسلیم کر کے ان مظلوموں کے ساتھ انصاف برتنے میں کسی قسم کی علمی عصبیت کو رکاوٹ نہیں بننے دینا چاہیئے اور ہمیں کھلے دل کے ساتھ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ یتیم پوتے اپنے دادا کی میراث کے حصہ پانے کے ہر اعتبار سے مستحق ہیں ۔۔۔الخ۔ [2]

سوچنے کی بات ہے کہ شریعت کے حکم کے مقابلے میں اتنی ہمت اور جرأت کہ اسے فقہ اور فقہاء کی فروگزاشت کہہ کر رحمت عالم ﷺ اور صحابہ و تابعین کے نقش قدم کو ہی چھوڑ دیا گیا نبی کریم ﷺ اور صحابہ و تابعین نے موصوف کے فرضی مظلوموں کو انصاف سے محروم کیا ہے؟

اور رہی بات فقہاء پر علمی عصبیت کا الزام تو یہ علمی عصبیت نہیں بلکہ ایمان کا تقاضا ہے۔

---

[1] ۔المرجع السابق ص415۔

[2] ۔المرجع السابق ص217۔

کیپٹن مسعود الدین عثمانی

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی، ایم بی بی ایس (MBBS) ڈاکٹر اور فاضل درس نظامی تھے، شروع میں جماعت اسلامی میں بھی رہے ہیں، ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی تحریروں میں بھی ان کا ذکر ملتا ہے۔ بعد میں علیحدہ ہوگئے اور اپنا دعوت تبلیغ کا کام شروع کر دیا، شروع میں ادارہ توحید و سنت کے نام سے اپنے تیئں توحید کی تبلیغ کا کام کرتے رہے، بعد میں 1970ء میں حزب اللہ کے نام سے ایک جماعت بھی بنالی تھی جو چل نہ سکی، 1986ء میں ان کی وفات ہوئی ہے، کراچی میں کیماڑی کے علاقے سے تعلق تھا، ان کے فرقے سے منسلک افراد کو کچھ لوگ "برزخی فرقہ" اور کچھ "عثمانی فرقہ" بھی کہہ دیتے ہیں، اب یہ خود بھی دو حصوں میں بٹ گئے ہیں، اور ایک گروہ دوسرے کے پیچھے نماز کا قائل نہیں ہے۔

تاریخ انسانی گواہ ہے کہ جب بھی کوئی آدمی گمراہ ہوا ہے اس کی بنیادی وجہ اسلاف سے بے اعتمادی ہی بنی مرزا غلام احمد قادیانی ہو یا غلام احمد پرویز، منکرین فقہ ہوں یا نام نہاد اشاعتی و توحیدی الغرض ان تمام کی گمراہی کی بنیادی وجہ اسلاف پر عدم اعتماد ہے، ترک تقلید اور اسلاف پر بے اعتمادی کی وجہ سے جو فتنے نمودار ہوئے ہیں ان میں سے ایک فتنہ کیپٹن مسعود الدین عثمانی کا ہے جو اپنے علاوہ کسی اور کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے موصوف لکھتے ہیں:

> گذشتہ اٹھارہ سال سے تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ وہ دن بھی لے آئے جب دنیا والوں کے سامنے توحیدی اور اتحادی دین کا فرق واضح ہو جائے۔[1]

ایک اور موقع پر موصوف ایک سوال اٹھا کر اس کا جواب دینے کی کوشش میں لکھتے ہیں:

کہ جب ملک میں دینی جماعتیں کام کر رہی ہیں تو آپ نے الگ جماعت اور الگ مسجد کیوں بنائی؟

---

[1] ۔ابتدائیہ ایمان خالص، ص5۔

خلاصۃً ان کا جواب یہ تھا کہ:

> اس وقت تمام دینی جماعتیں عموماً اور اہلسنت والجماعت دیوبند خصوصاً جس دین کی بات کرتے ہیں وہ قرآن و سنت والا اسلام نہیں بلکہ تصوف اور مراقبوں والا ہے اور خالص مشرکانہ نظریات کا حامل ہے اور ہم ان مشرکانہ نظریات سے برأت کا اعلان کرتے ہیں۔(1)

کیپٹن مسعود الدین کے ہمنوا حواریوں نے ایک پوسٹر "فرقہ پرستی" کے عنوان سے لکھا اس میں اجتہادی اختلاف کی مذمت اور ائمہ کی طرف نسبت کرنے کو مشرکانہ فعل کہا گیا اس پوسٹر میں چند آیات و احادیث کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

> اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کے بر خلاف آج ان کلمہ پڑھنے کی پہچان حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ۔۔۔۔۔ اور نہ جانے کیا کیا ہے، اور اسی مناسبت سے دیگر گروہ بھی بنے ہوئے ہیں جہنم کی آگ سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ ان فرقوں اور گروہوں سے فوری طور پر تعلق ختم کر کے صرف ایسی جماعت سے وابستگی اختیار کی جائے جس کی پہچان اللہ کا دیا ہوا نام "مسلم" ہو اور جس کے عقائد اور اعمال کی بنیاد مسلک کی کتابیں نہیں بلکہ صرف قرآن و احادیث صحیحہ ہوں۔(2)

مسعود الدین کا انکار عقیدہ حیات النبی ﷺ

اسی طرح ایک موقع پر مسعود الدین عثمانی سے کسی نے سوال کیا کہ کیا علماء حرمین صحیح مسلک پر ہیں تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:

---

[1] ۔ دعوت الی اللہ ص14،15۔

[2] ۔ اس لنک پر مذکورہ پوسٹر ملاحظہ فرمائیں: http://emanekhalis.com/poster-firqah-parasti/

صحیح مسلک پر نہیں ہیں جیسا کہ میں نے بارہا بتایا ہے ان میں دو باتیں کفر و شرک کی موجود ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کو مدینہ والی قبر میں زندہ مانتے ہیں درود و سلام سننے کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں اور یہ بھی کہ جو درود و سلام دور سے پڑھا جائے فرشتے اسے پہچادیتے ہیں۔[(1)]

حالانکہ عقیدہ حیات النبی ﷺ امت کے اجماع اور دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ واضح عقیدہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں اعلیٰ ترین درجہ کی حیات کے ساتھ تشریف فرماہیں اور یہ حیاتِ برزخی ایسی قوی ہے کہ اس کے اثرات دنیوی حیات تک رونماہوتے ہیں، مثلاً:

انبیاء علیہم السلام کی وفات کے بعد ان کی وراثت میں میراث جاری نہیں ہوتی۔

انبیاء علیہم السلام کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ان کی ازواج مطہرات کو نہ تو عدت گزارنے کا حکم ہے اور نہ ہی ان کا کسی سے نکاح حلال ہوتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارکہ بعینہٖ قبر میں محفوظ رہتے ہیں اور ان کا روح سے ایسا خاص تعلق ہوتا ہے کہ وہ اپنی قبر پر حاضر ہو کر سلام کرنے والوں کا جواب مرحمت فرماتے ہیں، البتہ یہ زندگی دنیوی حیات سے بایں معنی جداگانہ ہے کہ وفات کے بعد انہیں احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا مکلف قرار نہیں دیا جاتا لیکن اگر وہ چاہیں تو اپنی مرضی سے عبادات بطور تلذذ کے انجام دے سکتے ہیں۔

عن أنس بن مالك رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون۔[(2)]

---

[1] ۔ رسالہ "حبل اللہ" اکتوبر 2001ء ص 68۔

[2] ۔ مسند أبي يعلى: 216/3۔

صح خبر "الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون"۔[1]

لا شك فی حیاته ﷺ بعد وفاته وکذا سائر الأنبیاء علیهم السلام أحیاء فی قبورهم حیاة أکمل من حیاة الشهداء التی أخبره الله بها فی کتابه العزیز۔[2]

لا عدة علی أزواجه لأنه حی فتزوجه باقیة۔[3]

عن ابن مسعود رضی الله عنه قال قال النبی ﷺ إن لله ملائکة سیاحین فی الأرض یبلغونی من أمتی السلام۔[4]

قال النبی ﷺ من صلی عليّ عند قبری سمعته و من صلی عليّ نائیا أبلغته۔[5]

حیات النبی ﷺ اور متعلقہ دیگر عقائد احادیث صحاح سے ثابت اور خیر القرون سے لے کر عہدِ حاضر کے علماءِ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد متفقہ میں داخل ہیں اور علماءِ دیوبند کا عقیدہ یہی ہے کہ آپ علیہ السلام اپنی قبر مبارک میں حیات ہیں اور قبر مبارک کے قریب پڑھا گیا صلوۃ و سلام خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا گیا صلوۃ و سلام فرشتے آپ تک پہنچاتے ہیں نیز آپ علیہ السلام کی ذاتِ عالیہ کے توسل سے دعا نصوص کثیرہ سے ثابت ہے۔

علماءِ دیوبند کے سرخیل قاسم العلوم والخیرات بانی دارالعلوم دیوبند الامام الکبیر حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی کتاب "آبِ حیات" اسی موضوع پر ہے۔ حیات النبی ﷺ کا انکار نصوص صریحہ اور

1۔ مرقاۃ المفاتیح :2/261۔

2۔ وفاء الوفاء :2/407

3۔ شرح زرقانی علی المواهب:5/334

4۔ سنن النسائی:1/189

5۔ کنز العمال:1/249، رقم:2162

عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ سے انحراف اور ضلال ہے۔

(ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء) فيه اشارة الى ان العرض على مجموع الروح والجسد منهم بخلاف غيرهم ومن فى معناهم من الشهداء والأولياء فان عرض الامور ومعرفة الاشياء انما هو بارواحهم مع اجسادهم۔۔۔ (فنبى الله حى يرزق) رزقا معنويا فان الله تعالىٰ قال فى حق الشهداء من امة بل احياء عند ربهم يرزقون فكيف سيدهم بل رئيسهم لانه حصل له ايضا مرتبة الشهادة مع مزيد السعادة باكل الشاة المسمومة۔۔۔۔ الخ۔[1]

عندنا وعند مشائخنا حضرة الرسالةﷺ حى فى قبره الشريف وحيوتهﷺ دنيوية من غير تكليف وهى مختصة بهﷺ وبجميع الأنبياء صلوات الله عليهم والشهداء لا برزخية كما هى حاصلة لسائر المؤمنين بل لجميع الناس۔۔۔ الخ۔[2]

اگر ان کے لٹریچر پر نظر کی جائے تو پوری امت مسلمہ سوائے ان کے ایمان سے محروم نظر آتی ہے جو شخص قبر میں تعلق و اعادہ روح کا قائل ہو یا اس جسم عنصری پر عذاب و ثواب کے ترتب کا قائل ہو وہ کافر، جو حضور ﷺ کی حیات فی القبر اور سماع عند القبر کا قائل ہو وہ بھی کافر و مشرک، دعا میں وسیلہ کو جائز سمجھنے والا ایمان سے محروم اور تعویز کے جواز کا قائل مشرک الغرض ان کے نزدیک اگر کوئی مسلمان ہے تو وہ مسعود الدین صاحب اور اس کے متبعین ہی ہیں باقی ساری امت

---

[1] ۔ مرقاة المفاتيح، باب الجمعة :241/3، امدادية

[2] ۔ المهند على المفند السوال الخامس ،ص:30، ط: ميزان

معاذ اللہ کافر و مشرک ہے۔

انہوں نے اہلسنت والجماعت سے کئی عقائد اور مسائل میں اختلاف کیا اور انہی میں سے اکثر کو بنیاد بنا کر مسعود الدین اینڈ کمپنی نے امت مسلمہ کی تکفیر کی ہے بطور نمونہ اب ہم اس فرقے کے کچھ دیگر عقائد و مسائل پر مختصراً نظر کرتے ہیں:

عقیدہ ظہور امام مہدیؒ

امام مہدی کے ظہور کو قرب قیامت کی علامات میں سے بیان کیا گیا ہے، امام مہدی کے نام، نسب، ظہور کا زمانہ اور خصوصی علامات احادیث متواترہ سے ثابت ہیں، ان کے ظہور کا وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول من السماء کے زمانہ سے کچھ پہلے ہو گا، ان کا نام محمد بن عبد اللہ اور ان کی والدہ کا نام آمنہ ہو گا، مدینہ منورہ میں پیدا ہوں گے پھر مکہ تشریف لائیں گے تو لوگ ان کو پہچان کر مقام ابراہیم اور حجر اسود کے درمیان بیعت کریں گے اور اپنا بادشاہ بنائیں گے۔ اس وقت غیب سے یہ آواز آئے گی "هذا خليفة الله المهدي فاسمعوا له وأطيعوا" امام مہدی خلیفہ ہونے کے بعد روئے زمین کو عمل اور انصاف سے بھر دیں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام انھیں کے زمانہ میں نزول فرمائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اصحاب کہف حضرت مہدی کے مددگار ہوں گے۔

امام مہدی ملک شام جا کر دجال کے لشکر سے جہاد و قتال کریں گے اس وقت دجال کے ساتھ ستر ہزار یہودیوں کا لشکر ہو گا، یہ سب علامات اور اس کے علاوہ اور بھی علامات احادیث متواترہ سے ثابت ہیں امام مہدی کا ظہور کوئی ڈھکے چھپے انداز پر نہیں ہو گا بلکہ برملا ان کا شہرہ ہو گا اور احادیث میں بتلائی ہوئی علامات ان پر من و عن صادق آئیں گے کہ کسی قسم کا خفا باقی نہیں رہے گا۔

ابن حجر مکیؒ نے ابو الحسین آجریؒ کے حوالے سے لکھا ہے:

قال ابو الحسن الآجری قد تواترت الاخبار واستفاضت بکثرۃ رواتھا علی المصطفی ﷺ بخروجہ۔ (1)

اور شارح شرح العقائد علامہ عبد العزیز پرھاڑوی فرماتے ہیں:

تواترت الاحادیث فی خروج المہدی وافردھا بعض العلماء بالتالیف۔ (2)

مسعود الدین اینڈ کمپنی نہ صرف یہ کہ اس عقیدے کا انکار کرتے ہیں بلکہ اسے مسلک پرستی والا عقیدہ قرار دیتے ہیں مسعود الدین کا ہمنوا اور مقلد منور سلطان لکھتا ہے:

مسلک پرستوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ قرب قیامت میں امام مہدی ظاہر ہوں گے اور وہ تمام برائیوں کا خاتمہ کر دیں گے اس مسئلہ پر تمام مسالک متفق ہیں۔ (3)

یہی منور سلطان شہید اسلام حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے بارے میں لکھتا ہے:

انہوں نے اس خلاف قرآن وحدیث عقیدے کو امام ابو حنیفہؒ سے منسوب کر دیا۔ (4)

اسی طرح مزید لکھتا ہے کہ: ظہور مہدی خالص شیعی عقیدہ ہے۔ (5)

اہلسنت والجماعت کے اس عقیدے پر مزید افسوس کرتے ہوئے یہی موصوف لکھتا ہے:

افسوس کہ ان شیعوں ہی کے ایک عقیدے ظہور مہدی کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں ۔۔۔۔ان کے علامہ اقبال صاحب ان کے انتظار میں اشعار کہتے ہیں۔ (6)

---

[1] ۔ الصواعق المحرقہ، ص 254۔

[2] ۔ النبراس ص 315۔

[3] ۔ اسلام یا مسلک پرستی، ص 167۔

[4] ۔ المرجع السابق

[5] ۔ اسلام یا مسلک پرستی، ص 168۔

[6] ۔ اسلام یا مسلک پرستی، ص 170۔

اس معذور ذہنیت کو ذرا دیکھیں کہ جس عقیدے کی احادیث کو علماء نے متواتر قرار دیا ہے یہ حضرات اسے شیعوں کا اور من گھڑت خلاف قرآن وحدیث عقیدہ بتلا رہے ہیں۔

افضلیت نبوی کے متعلق عقیدہ

نبی کریم ﷺ کی افضلیت کے مسئلے میں بھی مسعود الدین اینڈ کمپنی نے امت مسلمہ سے اختلاف کیا ہے اہلسنت والجماعت کا نظریہ ہم ماقبل میں ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے عقائد و نظریات میں تفصیل سے بیان کر آئے ہیں یہاں ان موصوف کا نظریہ مختصراً ذکر کرتے ہیں۔

قرآن وحدیث اور اسلاف امت کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ بلا شک افضل المرسلین ہیں، اس کے برخلاف دور حاضر کے متجددین فرقہ عثمانی، نام نہاد جماعت المسلمین اور جاوید احمد غامدی وغیرہ کا نظریہ یہ ہے کہ انبیاء کرام میں سے کسی کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں چنانچہ فرقہ عثمانی کا نام نہاد محقق منور سلطان اپنی کتاب میں ایک عنوان "اللہ کے رسول ﷺ کی محبت میں غلو" قائم کر کے اس کے ذیل میں لکھتا ہے:

ہمارا کیا حق اور استحقاق کہ ہم ان پاکیزہ ہستیوں کے درجے متعین کرتے پھریں مقام مقرر کریں ایک کو دوسرے سے افضل بتائیں کسی کی حیثیت دوسرے سے بڑھائیں؟ ہمارا تو وہ انداز ہونا چاہیئے جو اللہ نے قرآن میں ایمان والوں کی صفات بیان کرتے ہوئے بتایا کہ "لا نفرق بین احد منھم، لا نفرق بین احد من رسلہ" ہم ان رسولوں میں کسی میں کوئی فرق نہ کریں کسی بھی قسم کی تفریق سے دور رہیں کسی کے درجے، حیثیت، رتبے، منصب و مقام کا تعین نہ کریں۔۔۔۔اطاعت رسول ﷺ کا لازمی تقاضا ہے کہ ہم بعض کو بعض پر فوقیت دینے سے بھی مجتنب رہیں۔ (1)

---

[1] ۔ اسلام یا مسلک پرستی، ص 113، 114۔

کیپٹن اینڈ کمپنی کا عقیدہ ثواب وعذاب قبر

قرآن کریم ، احادیث متواترہ ، اجماع امت اور اسلاف امت کے فرامین کی روشنی میں تمام اہلسنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ "موت کے بعد قیامت سے پہلے قبر میں (جہاں کہیں میت یا اس کے اجزاء موجود ہوں) جسد عنصری کو بتعلق روح ثواب وعذاب ہوتا ہے" ماقبل میں عبداللہ چکڑالوی کے عقائد ونظریات کے تحت ہم اس پر تفصیلی بحث کرائے ہیں۔

مسعود الدین اینڈ کمپنی بھی عذاب قبر کی صحیح صورت کا انکار کرتے ہیں انہوں نے اپنے ایک رسالہ "عذاب برزخ" میں کئی مقامات پر اس کا اظہار کیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

یہی وہ اصلی قبر ہے جہاں روح کو دوسرے (برزخی) جسم میں ڈال کر قیامت تک رکھا جائے گا اور اسی پر راحت یا عذاب کا پورا دور گذرے گا۔[1]

روح کو جسم (برزخی) ملتا ہے اور روح اور اس جسم کے مجموعے پر راحت وعذاب کا دور گزرتا ہے اس مجموعے کو قیامت تک باقی رکھا جائے گا اور اس پر سارے حالات قیامت تک گزریں گے۔[2]

سچی بات تو یہ ہے کہ جو شخص بھی وفات پا جاتا ہے اس کو حسب حیثیت ایک برزخی جسم ملتا ہے جس میں اس کی روح کو ڈال دیا جاتا ہے، اور اس جسم اور روح کے مجموعے پر سوال وجواب اور ثواب وعذاب کے سارے حالات گذرتے ہیں اور یہی اس کی اصلی قبر بنتی ہے۔[3]

---

1 ۔عذاب برزخ ص2۔

2 ۔عذاب برزخ ص6۔

3 ۔عذاب برزخ ص9۔

اللہ کا فیصلہ ہے کہ قیامت سے پہلے مردی جسم میں روح واپس نہیں آسکتی اور ظاہر ہے کہ بغیر روح کے عذاب وراحت بے معنیٰ ہیں۔ (1)

اب اگر کوئی بضد ہو کہ اس مردے کے ساتھ جامٹی کے ساتھ مل کر مٹی ہو جاتا ہے ہڈیوں کا ڈھانچہ بھی نہیں رہتا عذاب وراحت کا معاملہ اس زمینی گڑھے میں ہوتا ہے تو یہ محض جہالت، ضد اور ہٹ دھرمی اور قرآن وحدیث کا صریح انکار ہے جو یقیناً اللہ تعالیٰ کے عذاب اور آخرت سے لاپرواہی کا نتیجہ ہے قران کی نظر میں ایسے عقیدے کا حامل شخص سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن مومن نہیں ہو سکتا۔ (2)

مسعود الدین صاحب کی ان عبارات سے چند چیزیں ثابت ہوتی ہیں مثلاً:

1۔ قبر اسی زمینی گڑھے کا نام نہیں بلکہ آسمان کے اوپر یا زمین کے نیچے کسی جگہ علیین کا سجیین کا نام ہے جو قرآن کریم کی اصطلاح کے بالکل خلاف ہے۔

2۔ برزخ روحوں کے مقر (رہنے کی جگہ) کو کہتے ہیں۔

3۔ موت ودفن کے بعد اسی دنیاوالے جسم سے نہ تو روح کا تعلق ہوتا ہے اور نہ ہی اعادہ۔

4۔ قبر میں سوال وجواب کے لئے روح کو دوسرا جسم دیا جاتا ہے جسے جسم مثالی کہتے ہیں اور راحت وعذاب کا معاملہ بھی اسی جسم مثالی کے ساتھ ہوتا ہے۔

5۔ دنیاوالے گڑھے کو قبر ماننا، روح کا اس جسم سے تعلق کا قائل ہونا اور دنیاوی جسم کی سزا وجزا کا عقیدہ رکھنا شرک کی بنیاد اور قرآن کریم کی مخالفت وانکار ہے۔

---

[1] ۔ عذاب برزخ ص17۔

[2] ۔ قبر پرستی کا شرک اور اس کی بنیاد، ص17۔

مسعود الدین کا نظریہ ایصال ثواب

دیگر مسائل کی طرح ایصال ثواب کے مسئلہ میں بھی مسعود الدین صاحب نے امت مسلمہ سے متضاد عقیدہ اپنایا ہے اور تمام امت کی اس مسئلہ میں تجہیل و تغلیط کی ہے ما قبل میں چکڑالوی کے عقائد و نظریات کے ذیل میں ہم نے اس مسئلہ کی بھی تفصیل لکھ دی ہے وہاں اہلسنت والجماعت کا اس مسئلہ کے بارے میں مؤقف دیکھ لیا جائے یہاں ہم مسعود الدین صاحب کے نظریات اس مسئلہ کے بارے میں پیش کرتے ہیں۔

عثمانی فرقے کا مبلغ اور مسعود الدین کا مقلد منور سلطان اپنے اس عقیدے کا اظہار کئی مقامات پر کرتا ہے اپنی کتاب "اسلام یا مسلک پرستی" میں ایصال ثواب کا عنوان قائم کر کے لکھتا ہے:

مسلک پرستوں کا مشہور عقیدہ ہے کہ صدقات و خیرات اور اعمال صالحہ خیر کا ثواب زندہ، مردہ میں لوگوں کو ایصال کیا جا سکتا ہے یہ عقیدہ دراصل اس لئے بنایا گیا ہے تا کہ دین کو کھانے کمانے کا ذریعہ بنانے والے لوگوں کی دکان چلتی رہے۔ [1]

قرآن اس بات پر فیصل ہے کہ ایک آدمی کا کیا ہوا عمل صرف اسی ذات تک محدود ہے دوسرے کو منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ [2]

توحید الٰہی اور سنت رسول اللہ ﷺ کی اشاعت اور قرآن و حدیث سے تمسک کے دعویداروں کا توحید و سنت کے منافی اعمال کی ترویج اور قرآن و حدیث سے دوری کی مزید مثالوں میں ایصال ثواب، تعویزات اور دعا بعد الفرائض بھی شامل ہیں ۔۔۔۔ متعدد آیات اس پر شاہد ہیں کہ ایک انسان کے اعمال کا بدلہ اسی کو ملتا ہے

---

[1] ۔ اسلام یا مسلک پرستی، 43۔

[2] ۔ اسلام یا مسلک پرستی ص 48۔

اعمال صالحہ کا ثواب کسی دوسرے کو منتقل نہیں کیا جا سکتا۔[1]

احادیث صحیحہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایک آدمی کوئی اچھا عمل کرے اور اس کا ثواب کسی میت کو ایصال کر دے مردوں کو ایصال ثواب کی اصطلاح اور اس کی نیت کے ساتھ قرآن خوانی کرنے، کھانے پکانے اور کھلانے اس کی قرآن و سنت سے کوئی دلیل نہیں ہے۔[2]

دینی امور پر اجرت کے متعلق نظریہ

اس موضوع پر کیپٹن مسعود الدین نے ایل مستقل رسالہ لکھا "دینداری یا دکانداری" جس میں دینی امور پر اجرت لینے والوں کو بنی اسرائیل کے تحریف کرنے والے علماء کے برابر قرار دیا ہے اور اجرت علی الطاعت کو قرآن وحدیث کے خلاف اور آخرت میں ثواب سے محرومی کا ذریعہ بتایا ہے مشتے نمونہ از خروارے ملاحظہ فرمائیں ایک جگہ طنز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان کے یہاں نماز بکتی ہے ان کے امام اور مؤذن بغیر اجرت کے یہ امور انجام نہیں دیتے قرآن و حدیث کا بیوپار کیا جا رہا ہے قرآن پڑھنا اور سکھانا ایک پیشہ بن گیا ہے جس کو دنیا کمانے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے مولوی صاحب قرآن کی تعلیم بغیر اجرت لئے نہیں دیتے مفتیان دین باقاعدہ تنخواہ لے کر فتویٰ دیتے ہیں نکاح خوشی کا موقع ہوتا ہے تو قاضی صاحب نکاح پڑھانے کی زیادہ سے زیادہ اجرت نہ لے لیں خوش ہی نہیں ہوتے۔[3]

---

[1] ۔ رسالہ "حبل اللہ" اکتوبر 2001ء تحریر منور سلطان۔

[2] ۔ حبل اللہ ص 20۔

[3] ۔ دین داری یا دکانداری، ص 3۔

یہ تھا انبیاء علیہم السلام کا طرز عمل جنہوں نے دنیاوالوں سے دین پر کسی قسم کی کوئی اجرت نہیں لی بلکہ وہ اپنی معاش اپنے ہاتھوں سے کسب کر کے حاصل کرتے تھے تو پھر یہ کیسے ورثۃ الانبیاء ہیں جو دین کے ایک ایک کام پر اجرت نذرانے اور وظیفے وصول کرتے ہیں۔[1]

طرفہ تماشا یہ ہے کہ دینی امور پر اجرت وصول کرنے کے باوجود یہ سب سے زیادہ دیندار، پرہیز گار اور متقی سمجھے جاتے ہیں۔[2]

مسعود الدین کا تربیت یافتہ اور اس کے مشن کو آگے بڑھانے والا منور سلطان لکھتا ہے:

دینی امور پر اجرت اگر اہل یہود کے لئے حرام ہے تو اہل اسلام کے لئے بھی کسی آیت یا حدیث کی روشنی میں حلال نہیں۔[3]

پس ثابت ہوا کہ کسی بھی دینی خدمت پر معاوضہ وصول کرنا ازروئے قرآن وحدیث جائز نہیں اس لئے دین کو پیشہ بنانے والوں کو اس حرام کمائی سے توبہ کرنی چاہیئے۔[4]

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ دینی امور پر اجرت لینا مسعود الدین اینڈ کمپنی کے نزدیک دین کو بیچنا ہے اور حرام ہے قرآن و حدیث اور دین کہیں اس کی گنجائش نہیں ہے ایسی حرام کمائی سے توبہ کرنا ازحد ضروری ہے۔

---

[1] ۔ دین داری یا دکانداری ص6۔

[2] ۔ المرجع السابق۔

[3] ۔ اسلام یا مسلک پرستی، ص152۔

[4] ۔ اسلام یا مسلک پرستی ص158۔

دینی امور پر اجرت کا مسئلہ

اجرت علی الطاعات (یعنی دینی امور مثلاً: امامت، اذان، تعلیمِ قران پر تنخواہ لینا) فقہاء کے ہاں مشہور مسئلہ ہے، اس مسئلہ میں علماء کے دو دور پائے جاتے ہیں۔

1۔ حضراتِ متقدمین (وہ علماء جو تیسری صدی کے ختم ہونے سے قبل گزرے ہیں اُن) کا دور:

اس دور میں علماء کا اس مسئلہ کے بارے میں اختلاف رہا ہے، چنانچہ امام ابو حنیفہؒ، صاحبینؒ اور امام احمدؒ، اُجرت علی الطاعات کو ناجائز کہتے تھے، جبکہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس کو جائز فرماتے تھے اور اس اختلاف کا سبب احادیث و روایات کا اختلاف ہے، بعض روایات سے جواز ثابت ہوتا ہے اور بعض روایات سے عدمِ جواز ثابت ہوتا ہے، ایک مسئلہ سے متعلق جب روایات مختلف ہوں تو حضراتِ محدثین و مجتہدین، اُصولِ حدیث کو سامنے رکھ کر اُس اختلاف و تعارض کو ختم کرتے ہیں، چنانچہ مذکورہ مسئلہ میں بھی جانبین کی طرف سے ایسا ہی ہوا ہے، جس کی تفصیل کتبِ حدیث میں مذکور ہے۔

2۔ حضراتِ متاخرین (تیسری صدی کے بعد کے علماء) کا دور:

اِس دور کے علماء اور خاص کر حضراتِ حنفیہ نے اپنے خداداد ملکہِ اجتہاد کی بنیاد پر حالاتِ زمانہ کو دیکھتے ہوئے ضرورت کی وجہ سے اہلِ مدینہ کے مذہب پر فتوی دیا، اور اب اس دور میں حضراتِ حنفیہ کا بھی وہی مذہب ہے جو مالکیہ اور شافعیہ کا ہے۔

ضرورت کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے زمانے کے لوگوں میں للّٰہیت اور فکرِ آخرت کا غلبہ اور دین وامورِ دین میں رغبت تھی، اس وجہ سے وہ لوگ خالص ثواب کی نیت سے یہ اعمال انجام دیتے تھے، اسی طرح جب بیت المال صحیح قائم تھا تو وہاں سے معلّمین کے وظائف مقرر تھے اور وہ حضرات یکسو ہو کر دین کی خدمت میں مشغول تھے، لیکن زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں

میں اُمورِ دین کے سلسلے میں سستی پیدا ہوتی گئی اور اخلاص اُس درجہ کا نہ رہا، اسی طرح بیت المال کا حال خراب ہو گیا اور وہاں سے مستحقین کو وظائف دینا بند ہو گئے، اب ایسا مرحلہ آیا کہ اگر اُجرت علی الطاعات کی اِجازت نہ دیجاتی تو شعائرِ دین کے ضائع ہونے کا اندیشہ تھا، کیونکہ دین کی خدمت کرنے والے اگر حقوقِ واجبہ کی ادائیگی کے لیے کوئی ذریعہِ معاش اختیار کریں تو اپنے اوقات کو دین کی اشاعت کے لیے صرف نہ کر سکیں گے، جس کی وجہ سے شعائرِ دین ضائع ہو جائینگے۔

الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستئجار عليه عندنا وعند الشافعي رحمه الله يصح في كل ما لا يتعين على الأجير لأنه استئجار على عمل معلوم غير متعين عليه فيجوز ولنا قوله عليه الصلاة والسلام اقرأوا القرآن ولا تأكلوا به وفي آخر ما عهد رسول الله عليه الصلاة والسلام إلى عثمان بن أبي العاص وإن اتخذت مؤذنا فلا تأخذ على الأذان أجرا ولأن القربة متى حصلت وقعت عن العامل ولهذا تعتبر أهليته فلا يجوز له أخذ الأجر من غيره كما في الصوم والصلاة ولأن التعليم مما لا يقدر المعلم عليه إلا بمعنى من قبل المتعلم فيكون ملتزما مالا يقدر على تسليمه فلا يصح وبعض مشايخنا استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم لأنه ظهر التواني في الأمور الدينية ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن وعليه الفتوى۔ [1]

لہذا اب جس عمل میں درج ذیل شرائط پائی جائیں اُس پر اُجرت (تنخواہ) لینا جائز ہے:

1۔ اس کام کی منفعت، مستاجر (تنخواہ پر مقرر کرنے والے) کو حاصل ہو یا کم از کم دونوں میں مشترک ہو، صرف اجیر کے ساتھ خاص نہ ہو۔

---

1 - الهداية شرح بداية المبتدی، 3/240۔

2۔وہ کام قابلِ نیابت ہو۔

3۔وہ کام شعائرِ دین میں سے ہو۔

4۔اُس کام کو چھوڑنے سے اس میں خلل واقع ہوتا ہو۔

5۔وہ کام دوام یا پابندی چاہتا ہو۔

لہذا امامت، اذان اور تعلیمِ قرآن و فقہ وحدیث میں چونکہ یہ شرائط پائی جاتی ہیں، اس لیے ان پر اُجرت لینا جائز ہے، جبکہ نماز، روزہ، ذکر واذکار اور قراۃِ قرآن میں یہ شرائط موجود نہیں ہیں، اس لیے ان پر اُجرت لینا جائز نہیں۔

عن أبي بن كعب قال: علمت رجلا القرآن فأهدى إلي قوسا فذكرت ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال إن أخذتها أخذت قوسا من نار فرددتها۔ [1]

عن ابن عباس أن نفرا من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم مروا بماء فيهم لديغ أو سليم فعرض لهم رجل من أهل الماء فقال هل فيكم من راق إن في الماء رجلا لديغا أو سليما فانطلق رجل منهم فقرأ بفاتحة الكتاب على شاء فبرأ فجاء بالشاء إلى أصحابه فكرهوا ذلك وقالوا أخذت على كتاب الله أجرا حتى قدموا المدينة فقالوا يا رسول الله أخذ على كتاب الله أجرا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن أحق ما أخذتم عليه أجرا كتاب الله۔ [2]

---

[1] - سنن ابن ماجه، 6/382۔

[2] - صحيح البخاري، 18/15۔

تعویزات اور دم کے متعلق عثمانی صاحب کا نظریہ

منکرین دم و تعویزات قائلین پر شرک کا فتویٰ لگاتے ہیں اور بطور دلیل ان احادیث کو ذکر کرتے ہیں جن میں شرکیہ جادو اور منتر وغیرہ کی ممانعت کی گئی ہے، چنانچہ کیپٹن صاحب نے بھی اس مسئلہ پر ایک رسالہ تحریر کیا جس کا نام انہوں نے " تعویزات اور شرک " رکھا اور ان کے مقلد جناب منور سلطان صاحب نے بھی اپنی کتاب "اسلام یا مسلک پرستی" میں کھوٹے اور کھرے میں فرق کئے بغیر فتویٰ دیا کہ:

قرآنی غیر قرآنی ہر قسم کا تعویز شرک ہے۔[1]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

بے شک قرآن میں شفاء ہے لیکن وہ جسمانی امراض کے لئے نہیں کہ اس کا تعویز لٹکایا جائے بلکہ یہ شفاء ان بیماریوں کے لئے ہے جو قلب و صدور میں ہوتی ہیں یعنی ضعیف الاعتقادی، نفاق، شقاق، معصیت وغیرہ۔[2]

مزید لکھتے ہیں:

وہ تعویز بھی ناجائز ہے جس میں قرآن لکھا ہوا ہو۔[3]

تعویز اور دم کی شرعی حیثیت

عملیات اور تعویذات بھی دیگر علاج و معالجہ کی طرح علاج کی ایک قسم ہے، تعویذات اور عملیات کے ذریعے علاج کرنا اور کروانا اور تعویذ استعمال کرنا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے:

1۔ ان کا معنیٰ و مفہوم معلوم ہو۔

---

[1] ۔ اسلام یا مسلک پرستی، ص59۔

[2] ۔ اسلام یا مسلک پرستی، ص60۔

[3] ۔ المرجع السابق

2۔ان میں کوئی شرکیہ کلمہ نہ ہو۔

3۔ان کے مؤثر بالذات ہونے کا اعتقاد نہ ہو۔

4۔عملیات کرنے ولا علاج سے واقف اور ماہر ہو، فریب نہ کرتا ہو۔

5۔کسی بھی غیر شرعی امر کا ارتکاب نہ کرنا پڑے، مثلاً: اجنبیہ عورتوں سے اختلاط و بے پردگی وغیرہ۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما، "اللہ تعالی کی قدرت و کبریائی پر مشتمل کلماتِ تعوذ اپنے سمجھ دار بچوں کو یاد کراتے تھے اور جو بچہ سمجھ دار نہ ہوتا تھا اُس کے گلے میں وہ کلمات لکھ کر تعویذ کی شکل میں ڈال دیتے تھے"۔

"عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده، قال: قال رسول الله ﷺ: إذا فزع أحدكم في نومه فليقل: بسم الله، أعوذ بكلمات الله التامات من غضبه وسوء عقابه، ومن شر عباده، ومن شر الشياطين وأن يحضرون. فكان عبد الله يعلمها ولده من أدرك منهم، ومن لم يدرك كتبها وعلقها عليه"۔ (1)

اور یہی تعویذ کی حقیقت ہے اُن کے اِس عمل سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت پر مشتمل کلمات کا تعویذ میں استعمال جائز ہے البتہ جو افراد مسنون دعائیں اور حفاظت کے اوراد وغیرہ خود پڑھ سکتے ہوں ان کے لیے بہتر یہ ہے کہ تعویذ کے بجائے وہ خود پڑھنے کا اہتمام کریں۔ باقی حدیث میں جن تعویذ کے استعمال کرنے کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد وہ تعویذ ہیں جن میں شرکیہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہوں یا اس کے مؤثر بالذات ہونے کا عقیدہ رکھا جاتا ہو یا کلماتِ مجہولہ یا نامعلوم منتر اس میں ہوں۔

حاصل یہ ہے کہ ایسے تعویذ اور عملیات جو آیاتِ قرآنیہ، ادعیہ ماثورہ یا کلمات صحیحہ پر مشتمل

---

[1] - مصنف ابن ابي شيبه، 44/5۔

ہوں ان کو لکھنا، استعمال کرنا اور ان سے علاج کرنا شرعاً درست ہے، اور جن تعویذوں میں کلماتِ شرکیہ یا کلماتِ مجہولہ یانامعلوم قسم کے منتر لکھے جائیں یاانہیں موئثرِ حقیقی سمجھاجائے ان کااستعمال شرعاً جائزنہیں ہے،لہذا نظر اور سحر کاعلاج قرآنی آیات کی تلاوت سے کرواناجائزہے۔

(فرع) في المجتبى: التميمة المكروهة ما كان بغير العربية.(قوله: التميمة المكروهة) أقول: الذي رأيته في المجتبى: التميمة المكروهة ما كان بغير القرآن، وقيل: هي الخرزة التي تعلقها الجاهلية ـ فلتراجع نسخة أخرى. وفي المغرب: وبعضهم يتوهم أن المعاذات هي التمائم، وليس كذلك! إنما التميمة الخرزة، ولا بأس بالمعاذات إذا كتب فيها القرآن، أو أسماء الله تعالى، ويقال: رقاه الراقي رقياً ورقيةً: إذا عوذه ونفث في عوذته، قالوا: إنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب، ولا يدرى ما هو، ولعله يدخله سحر أو كفر أو غير ذلك، وأما ما كان من القرآن أو شيء من الدعوات فلا بأس به ـ قال الزيلعي: ثم الرتيمة قد تشتبه بالتميمة على بعض الناس: وهي خيط كان يربط في العنق أو في اليد في الجاهلية لدفع المضرة عن أنفسهم على زعمهم، وهو منهي عنه، وذكر في حدود الإيمان أنه كفر . وفي الشلبي عن ابن الأثير: التمائم جمع تميمة، وهي خرزات كانت العرب تعلقها على أولادهم يتقون بها العين في زعمهم، فأبطلها الإسلام، والحديث الآخر: من علق تميمة فلا أتم الله له، لأنهم يعتقدون أنه تمام الدواء والشفاء، بل جعلوها شركاء؛ لأنهم أرادوا بها دفع المقادير المكتوبة عليهم وطلبوا دفع الأذى من غير الله تعالى الذي هو دافعه ـ وفي المجتبى: اختلف في الاستشفاء بالقرآن بأن يقرأ على

المريض أو الملدوغ الفاتحة، أو يكتب في ورق ويعلق عليه أو في طست ويغسل ويسقى.وعن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يعوذ نفسه. قال رضي الله عنه : وعلى الجواز عمل الناس اليوم، وبه وردت الآثار"۔[1]

منکرین تعویذ عثمانی و غیر مقلدین جو حدیث پیش کرتے ہیں اس میں تمیمہ سے منع کیا گیا ہے یہ زمانہ جاہلیت میں دعا اور دوا کے علاوہ نقصان سے بچنے کا ایک مزعومہ طریقہ تھا، تمیمہ در حقیقت ایک منکا ہوتا تھا جس کو مریض کے گلے میں لٹکایا جاتا تھا اور وہ لوگ تمیمہ کو نقصان سے بچنے کے لیے مستقل موثر بالذات اور علت تامہ قرار دیتے تھے۔ جو کہ شرک کے ضمن میں آتا ہے اس لیے اسلام نے اس سے منع کر دیا، تعویذات کو تمیمہ قرار دے کر تمیمہ کا حکم لگانا درست نہیں یہ حدیث پاک کی ایسی غلط تشریح ہے جو مزاج نبوت اور اسلاف کی تعبیرات سے میل نہیں کھاتی اس لیے اس تشریح کا سرے سے کوئی اعتبار ہی نہیں، معلوم ہوا کہ دم، جھاڑ، تعویذ کو شرک کہنا کم علمی اور جہالت ہے۔

---

[1] - فتاویٰ شامی ، کتاب الحظر والاباحة، ط: سعید363/6۔

مسعود احمد B.S.C

فرقہ مسعودیہ یعنی جماعت المسلمین نامی نام نہاد انتہا پسند، ضالّ اور مضلّ فرقوں کی فہرست میں ایک جدید اضافہ ہے اسکے فرقے کا بانی، امیر اور امام مسعود احمد BSC ہے جو اس فرقے کی تشکیل سے قبل غیر مقلّدین نام نہاد اہل حدیث کی مختلف فرقہ وارانہ جماعتوں کیساتھ وابستہ رہنے کی وجہ سے کفر و شرک کے دلدل میں بری طرح پھنسا ہوا تھا یہ اعتراف خود مولوی مسعود احمد نے اپنی کتاب خلاصہ تلاشِ حق کے صفحہ نمبر ۴ پر کیا ہے۔

مولوی مسعود احمد اہل حدیث فرقے میں مقبولیت حاصل کرنے کے بعد 1385ھ میں جماعت المسلمین کا قیام عمل میں لایا یہ فرقہ مسعودیہ جو کہ جماعت المسلمین کا قیام عمل میں لایا یہ فرقہ مسعودیہ جو کہ جماعت المسلمین کے نام سے کام کررہا ہے یہ اہل حدیث سے ملتا جلتا ہے اسکے عقائد غیر مقلّدانہ ہیں۔

معاشرے میں دنیاوی معاملات میں ہمیشہ دو قسم کے لوگ رہے ہیں:

1۔ماہرین 2۔ماہرین پر اعتماد کرنے والے

اسی طرح دینی معاملات میں بھی دو قسم کے لوگ ہمیشہ سے رہے ہیں:

1۔ماہرین شریعت 2۔ماہرین شریعت پر اعتماد کرنے والے

خلیفہ راشد، داماد پیغمبر سیدنا عثمان بن عفان کا فرمان ہے کہ امت کو عروج ہمیشہ اسلاف پر اعتماد کرنے سے ہی حاصل ہوا ہے آپ کا ارشاد ہے:

انما بلغتم ما بلغتم بالاقتداء والاتباع فلا تلفتنكم الدنيا عن أمركم۔ [1]

یعنی تم جس مقام پر بھی پہنچے ہو یہ اسلاف کی اتباع و تقلید کی برکت ہے خیال کرنا کہیں دنیا تمہیں

---

[1] ۔ تاریخ طبری (تاریخ الرسل والملوك)، 245/4، ط، دار التراث بیروت

حکم الہی سے غافل نہ کر دے۔

تقلید چھوڑ کر کئی قسم کے نئے نئے فتنوں نے جنم لیا ان میں سے سر فہرست فرقہ غیر مقلدین ہے اس کی ایک شاخ غرباء اہل حدیث بھی تھی جس کے قیام کا مقصد محدثین اور اسلاف امت کی مخالفت تھی چنانچہ مشہور غیر مقلد پروفیسر محمد مبارک اس جماعت کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

جماعت غرباء اہلحدیث کی بنیاد صرف محدثین کی مخالفت کے لئے رکھی گئی تھی صرف یہی مقصد نہیں بلکہ تحریک مجاہدین یعنی سید احمد بریلوی کی تحریک کی مخالفت کرکے انگریز کو خوش کرنے کا مقصد پنہاں تھا۔(1)

اس جماعت کے ایک شخص مولوی عبدالوہاب نے اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور بیعت نہ کرنے والے کو جہالت کی موت مرنے والا کہا، بانی جماعت المسلمین مسعود احمد بی ایس سی بھی پہلے غیر مقلدین کی اسی جماعت غرباء اہلحدیث سے تعلق رکھتا تھا اس نے اس جماعت میں رہتے ہوئے تقلید کے رد میں کتب لکھیں مثلاً تلاش حق اور التحقیق فی جواب التقلید جن کو جماعت غرباء اہلحدیث کراچی نے شائع کیا۔

غرباء اہلحدیث میں سلسلہ امارت دیکھ کر مسعود احمد بی ایس سی کے دل میں بھی امیر بننے کا شوق پیدا ہوا جسے پورا کرنے کے لئے اس نے 1385ھ میں جماعت المسلیمن اہلحدیث کا قیام عمل میں لایا اور دس سال بعد 1395ھ میں اہلحدیث کی دم بھی کاٹ دی اور اپنی جماعت کا نام جماعت المسلمین رکھ دیا اور غرباء اہلحدیث سے توبہ تائب ہونے کا اعلان کیا، موصوف ایک آدمی کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

موصوف کا یہ کہنا کہ ہم نے جماعت کی بنیاد 1385ھ میں رکھی ہے اور ہمارا اسی جماعت سے تعلق

---

[1] ۔ علماء احناف اور تحریک مجاہدین، ص48۔

ہے حالانکہ یہ ایک الزام ہے وہ جماعت ختم ہو چکی ہمارا اس جماعت سے کوئی تعلق نہیں وہ ایک فرقہ کی ذیلی جماعت تھی اور اب ہم فرقہ واریت سے تائب ہو کر مسلم ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم 1395ھ میں اللہ تعالیٰ کی بنیاد ڈالی ہوئی جماعت المسلمین میں شامل ہو گئے۔ (1)

بی ایس سی نے اپنی جماعت کا نام جماعت المسلمین رکھا اور اس کے بارے میں غلو کرتے ہوئے اسے اللہ تعالیٰ کی بنیاد ڈالی ہوئے جماعت کہا اور کہیں حضور ﷺ کی قائم کردہ جماعت قرار دیا (معاذ اللہ) اور اس جماعت سے خروج کو اسلام سے خروج قرار دیا۔

بی ایس سی صاحب کے نزدیک جماعت المسلمین سے خروج اسلام سے خروج ہے

اس بارے میں چند ایک حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

جماعت المسلمین ہی وہ واحد جماعت ہے جس نے اللہ کا رکھا ہوا نام نہیں بدلا۔

جماعت المسلمین ہی وہ واحد جماعت ہے جس کے پاس خالص دین ہے اس میں کسی فتوے، اجتہاد، رائے اور قیاس کی آمیزش ہرگز نہیں۔

جماعت المسلمین ہی وہ واحد جماعت ہے جو کہتی ہے جو کچھ ہمارے پاس ہے اس کا انکار کفر ہے۔

جماعت المسلمین کو چھوڑنا اسلام کو چھوڑنا ہے۔

جماعت المسلمین سے نکلنا اسلام سے نکلنا ہے۔ (2)

بی ایس سی سے قبل جماعت مسلمین کے نام کو اہل اسلام کفار کے مقابلے میں استعمال کرتے تھے

---

[1] ۔ جماعت المسلمین کے متعلق غلط فہمی اور ان کا ازالہ، ص 1 / جماعت المسلمین اپنی دعوت اور تحریک کے آئینے میں، ص 555۔

[2] ۔ جماعت المسلمین کا تعارف، ص 1 تا 6۔

یہ پہلا شخص ہے جس نے اس نام کو حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کے مقابلے میں استعمال کیا۔
فتنوں کے دور میں اہل حق کی جماعت کی نشاندہی خود رسول اللہ ﷺ نے ما انا علیه و اصحابی اور اہل السنة و الجماعة کے مبارک اوصاف سے فرمائی یعنی ہم مسلمان کفار کے مقابلے میں مسلمین اور گمراہ فرقوں کے مقابلے اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔
اس لئے بی ایس سی صاحب کا اس نام کو زبردستی اپنی اوپر چسپاں کرنا بالکل غلط اور محض سینہ زوری ہے اور پھر طرفہ تماشا یہ کہ اپنے علاوہ پوری امت کو کافر قرار دیتے ہیں، کیا چودہ صدیوں سے معاذ اللہ دین کسی کو سمجھ نہیں آیا تھا اور اب انہوں نے سمجھا ہے (معاذ اللہ)

بی ایس سی صاحب کے نزدیک تفسیر کا حق صرف انہی کو ہے

مسعود احمد بی ایس سی صاحب کے نزدیک قرآن کریم کی تفسیر کا حق صرف انہی کو حاصل ہے ان کے علاوہ سب مفسرین نے قرآن کی صحیح ترجمانی نہیں کی بلکہ خطاء کی ہے ملاحظہ فرمائیں:

> قرآن وحدیث کے ترجمے کا حق صرف جماعت المسلمین کو ہے قرآن مجید اور احادیث نبوی کا صحیح ترجمہ معلوم کرنے کے لئے جماعت المسلمین سے رجوع کیجئے یہ ہماری چیزیں ہیں اور ہم ہی ان کے معنٰی کو جانتے ہیں۔[1]

مفسرین وشارحین قرآن کی تغلیط کرتے ہوئے مسعود الدین کہتا ہے:

> بد قسمتی سے یہ سب کچھ فہم قرآن مجید کے زعم میں ہو رہا ہے اس سلسلے میں سب سے بڑا ہاتھ ان مترجمین ومفسرین کا ہے جنہوں نے قرآن کریم کے غلط ترجمے کئے اور یہ تک نہ سوچا کہ لوگ خصوصاً غیر مسلمین ان ترجموں اور تفسیروں اور تفاسیر سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کیا کیا رائے قائم کریں گے؟ غلطیاں بہر حال

---

[1] ۔ تحقیق مزید میں تحقیق کا فقدان ص 13، مصنف اشتیاق احمد امیر جماعت المسلمین۔

غلطیاں ہوتی ہیں خواہ وہ کسی سے بھی سرزد کیوں نہ ہوں اس سلسلے میں سب سے زیادہ حیرت ان مصنفین ومؤلفین پر ہوتی ہے جو محض مکھی پر مکھی مارنے پر اکتفاء کرتے ہیں اور اور غلط ترجموں کو ہی نقل کرتے رہتے ہیں جو ان کے پیش رو کرتے چلے آئے۔[1]

مزید لکھتا ہے:

کاش مترجمین و مفسرین قرآن مجید کی آیات و احادیث کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ محسوس کرتے کہ ان کے غلط ترجمے کس قدر غلط نتائج پیدا کر رہے ہیں۔[2]

ایسی معرکۃ الآراء سند کی موجودگی میں کسی ایک نے بھی اس گمراہ کن ترجمہ کی تردید نہیں کی سب ہی مکھی پر مکھی مارتے چلے گئے۔[3]

حضرات مفسرین کے تراجم پر اسی قسم کے کئی اور حوالہ جات بھی موجود ہیں جو بی ایس سی صاحب کے قلم گوہر افشاں سے نکلے، اسی طرح اہلسنت مفسرین پر بے اعتمادی ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ شیعہ اور رافضی مفسرین کے تراجم کی تحسین اور ان پر اعتماد کا اظہار بھی کیا ہے چند ایک حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

شیعہ مفسرین پر اعتماد اور سنی مفسرین پر بے اعتمادی

مسعود احمد بی ایس سی صاحب شیعہ مفسرین کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور فرماتے ہیں:

علی بن ابراہیم قمی نے اپنی تفسیر میں اور فضل بن حسن طبرسی نے اپنی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادقؒ کا ایک اچھا قول نقل کیا ہے۔[4]

---

[1] ۔ عصمت رسول ص1۔

[2] ۔ المرجع السابق ص9۔

[3] ۔ المرجع السابق ص18۔

[4] ۔ عصمت رسول ص18۔

یہ دونوں مفسرین شیعہ عالم ہیں انہوں نے احترام کو ملحوظ رکھ کر امام جعفر صادقؒ کا قول نقل کیاہے۔[1]

دوسرے علماء کی تفسیروں میں یہ چیز نہیں ملتی جو شیعوں کی تفسیر میں مل رہی ہے گویافاسد باتوں کی تردید شیعہ مفسرین نے کی لیکن دوسرے علماء مکھی پر مکھی مارتے رہے۔[2]

ملاحظہ فرمائیں کس قدر دلیری سے شیعہ مفسرین کی تحسین اور سنی مفسرین کی تغلیط و تحقیر پر بی ایس سی صاحب کمربستہ ہیں اور ترک تقلید کی وجہ سے کس طرح اپنے مطلب کی بات پر روافض کو داد تحسین دے رہے ہیں۔

اسی طرح اہلسنت والجماعت سے کئی مسائل میں مسعود احمد صاحب نے اختلاف کیاہے مزید چند ایک مسائل کے بارے میں ان کے فرامین ملاحظہ فرمائیں۔

افضلیت انبیاء کے بارے میں نقطہ نظر

مسعود الدین عثمانی کی طرح مسعود احمد بی ایس سی بھی انبیاء کرام میں سے کسی کی دوسرے پر افضلیت کے قائل نہیں ہیں بی ایس سی اپنی کتاب میں اس موضوع پر مستقل عنوان قائم کرکے لکھتاہے:

ایک نبی کو دوسرے پر فضیلت نہ دے۔[3]

ایک اور جگہ لکھتاہے:

ہم تمام انبیاءورسولوں پر بلاکسی تفریق کے ایمان رکھتے ہیں۔[4]

اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ سے بعض ایسی باتوں کا صدور ان کے نزدیک ہواہے جو نعوذباللہ نبی

---

1 ۔المرجع السابق ص3۔

2 ۔المرجع السابق ص23۔

3 ۔منہاج المسلمین، ص57۔

4 ۔ہمارے عقائد، ص2۔

کریم ﷺ کی شان کے خلاف تھیں ملاحظہ فرمائیں:

قرآن مجید میں بھی ایسی آیات پائی جاتی ہیں جن سے بظاہر رسول اللہ ﷺ کی منزلت کو بہت بڑا دھکا لگتا ہے۔[1]

اور خود نبی کریم ﷺ پر شریعت کو تبدیل کرنے کا گھناؤنا الزام لگاتے ہوئے لکھتا ہے:

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ معاذاللہ شریعت الہی میں تبدیلی کر دیا کرتے تھے اور وہ بھی محض اپنی بیویوں کو خوش کرنے کے لئے۔[2]

معاذاللہ کتنی دریدہ دہنی اور گستاخانہ سوچ ہے اور کس طرح اللہ کی پھٹکار کے شکنجے میں آئے کہ کسی کو بھی نہ بخشا۔

مسئلہ تقلید اور بی ایس سی صاحب

اہلسنت والجماعت سے اختلاف میں بی ایس سی صاحب نے سب سے زیادہ مسئلہ تقلید کا رد کیا اور مقلدین کو کافر و مشرک اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا چند ایک تحریرات ملاحظہ فرمائیں:

تلاش حق میں اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ تقلید شرک ہے لہذا حنفیت کی وجہ سے ایمان کو جو نقصان پہنچا ہے وہ ظاہر ہے "لہذا تقلید حرام ہوئی اور حرام کو حلال کہنا گناہ ہے"۔[3]

ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید بدعت ہے۔[4]

تقلید کو حق سمجھنے والے شرک فی الشریعت کے مرتکب ہیں۔[5]

---

[1] ۔ تفہیم الاسلام، ص247۔

[2] ۔ المرجع السابق ص248۔

[3] ۔ التحقیق فی جواب التقلید، ص5۔

[4] ۔ المرجع السابق ص8۔

[5] ۔ المرجع السابق ص11۔

فقہ کے گھڑے ہوئے مسائل کی اللہ کی طرف سے کوئی اجازت نہیں لہذا ان کا ماننا شرک ہے اور یہ سب کچھ تقلید کا کرشمہ ہے لہذا تقلید ہی شرک کی اصل ہے۔[1]

جب تقلید شرک ہے تو (مشرک) یعنی مقلد ظاہر ہے ولی نہیں بن سکتا۔[2]

تقلید کی ضرورت واہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امت کے مفسرین، محدثین، شارحین، اصولیین، فقہاء واولیاء وغیرہ اور جلیل القدر علماء باوجود اپنی علمی وسعت کے کسی نہ کسی امام کے مقلد رہے ہیں جو تقلید کے جواز کی واضح دلیل ہے۔

اسی طرح حضرت حذیفہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ بیشک مجھے نہیں معلوم کہ تمہارے درمیان میں میری زندگی کتنی باقی ہے، لہٰذا میرے بعد تم ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرنا، اور عمار بن یاسر ﷺ کے نقش قدم پر چلنا، اور عبد اللہ بن مسعود ﷺ جو بھی بات بیان کریں اس کی تصدیق کرنا، مذکورہ صحیح حدیث شریف سے تقلید کا حکم صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقلید کا حکم فرمایا ہے حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن حذيفة رضى الله عنه قال: كنا عند النبي صلى الله عليه وسلم جلوسًا، فقال: إني لا أدري ما قدر بقائي فيكم، فاقتدوا باللذين من بعدي، وأشار إلى أبي بكر وعمر، وتمسكوا بعهد عمار، وما حدثكم ابن مسعود فصدقوه۔[3]

---

[1] ۔المرجع السابق ص12۔

[2] ۔المرجع السابق، ص16۔

[3] - مسند إمام أحمد بن حنبل 385/5 رقم: 23665، صحيح ابن حبان، دار الفكر 255/4 رقم:

احکام دو قسم کے ہیں: احکام منصوصہ غیر متعارضہ اور متعارضہ معلومۃ التقدیم والتاخیر، ان میں نہ قیاس جائز ہے اور نہ کسی کے قیاس کی اتباع جائز ہے۔

احکام غیر منصوصہ اور متعارضہ غیر معلومہ التقدیم والتاخیر ان میں یا تو کچھ بھی عمل نہ کیا جائے، یا عمل کیا جائے، اگر کچھ عمل نہ کیا جائے تو قولہ تعالی: اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى۔ [1] وقولہ تعالی: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا۔ [2] صریح نص کی مخالفت لازم آئے گی، اور اگر عمل کیا جائے تو بدون علم یا تعیین کے کسی جانب عمل ممکن نہیں، اور علم اور تعیین قیاس ہی سے ہو سکتی ہے، اور ہر کس و ناکس کا قیاس بھی معتبر نہیں ہو سکتا بلکہ بعض کا معتبر اور بعض کا غیر معتبر ہو گا، جس کا معتبر ہو گا اس کو مجتہد کہتے ہیں، اور جس کا غیر معتبر اس کو مقلد کہتے ہیں، پس جس کا معتبر نہیں، یعنی مقلد پر ضروری ہے کہ عمل کرنے کے لئے مجتہد و مستنبط کی تقلید کرے۔ [3]

فتویٰ اور قیاس کے متعلق بی ایس سی صاحب کا نظریہ

فتویٰ اور قیاس کے متعلق بی ایس سی صاحب کا مؤقف یہ ہے کہ قیاس اور فتویٰ حجت نہیں بلکہ یہ افتراق و انتشار امت کا سبب ہیں اور خالص دین کے خلاف ہیں ملاحظہ فرمائیں:

> فتوؤں اور قیاسات سے دور رہو کہ یہی چیز افتراق کا سبب بنتی ہے امت میں اکتلاف فرقے جو اس وقت پائے جاتے ہیں ان کا اصل سبب فتوے اور قیاسات ہیں اگر یہ فتوے اور قیاسات نکال دیئے جائیں تو باقی وہی دین خالص ہو گا جو اللہ تبارک و تعالیٰ

6911، المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن 580/20، رقم: 38204، ترمذي، أبواب المناقب، مناقب عمار بن ياسر، النسخة الهندية 220/2 دار السلام، رقم: 3799۔

[1] ۔ سورۃ القیامۃ آیت نمبر 36۔

[2] ۔ سورۃ المومنون آیت نمبر 15۔

[3] - امداد الفتاوی 4/564، احسن الفتاوی السبک الفرید لسبک التقلید 1/404۔

نے نازل فرمایا تھا اختلاف و افتراق ختم ہو جائے گا فرقے نیست و نابود ہو جائیں گے لیکن ان فرقوں کو یہ کیسے منظور ہے۔[1]

ایک اور مقام پر بی ایس سی صاحب چند آیات و احادیث نقل کر کے لکھتے ہیں:

آیات بالا اور احادیث بالا سے ثابت ہوا کہ علماء و مشائخ کے فتوؤں، قیاسات اور اجتہادات اور آراء کو شریعت کا درجہ دینا شرک ہے۔[2]

اس سے ثابت ہوا کہ بی ایس سی صاحب کے نزدیک فتویٰ اور قیاس شرعی کی کوئی حیثیت نہیں حالانکہ یہ آج کی پیداوار نہیں بلکہ دور صحابہ و تابعین میں بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، فقہ اسلامی کا چوتھا ماخذ قیاس ہے قیاس کے لغوی معنی:

اندازہ کرنا، پیمائش کرنا، مطابق اور مساوی کرنا ہیں، چنانچہ "قَاسَ الثَّوْبَ بِالذِّرَاعِ" کے معنی "قَدَّرَ أَجْزَائَه بِه" کپڑے کی ذراع سے پیمائش کی، اسی طرح "يُقَاسُ فُلَانٌ بِفُلَانٍ فِي الْعِلْمِ وَالنَّسَبِ" کے معنی "يُسَاوِيهِ فِي الْعِلْمِ وَالنَّسَبِ" علم اور نسب میں وہ اس کے برابر ہے۔[3]

اصطلاحِ فقہ میں قیاس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

اِلْحَاقُ أَمْرٍ غَيْرِ مَنْصُوْصٍ عَلٰى حُكْمِه الشَّرْعِيِّ بِأَمْرٍ مَنْصُوْصٍ عَلٰى حُكْمِه لِاِشْتِرَاكِهِمَا فِيْ عِلَّةِ الْحُكْمِ۔[4]

---

1 ۔ توحید المسلمین، ص278، طبع ہفتم 1997ء

2 ۔ توحید المسلمین ص273۔

3 ۔ خطباتِ بہاولپور، ڈاکٹر حمید اللہ، ص75۔

4 - الفقه الاسلامی وادلته، 535/5، الدكتور وهبة الزحيلی۔

حکم کی علت میں اشتراک کے سبب اس معاملہ کو جس کے شرعی حکم کے بارے میں نص وارد نہیں ہوئی، ایسے معاملہ کے ساتھ ملحق کرنا جس کے حکم کی بابت نص وارد ہوئی ہے (فقہ کہلاتی ہے)۔

قرآنِ کریم میں قیاس کی بنیاد کے حوالے سے درج ذیل آیت سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ الىَ الرَّسُوْلِ وَالىٰ أُوْلِي الأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَه مِنْهُمْ﴾ [1] اگر اس کو اللہ کے رسول اور اہل علم تک پہنچادیتے تو ان میں سے جو استنباط کرنے والے ہیں وہ سمجھ جاتے۔

قیاس کی دلیل نبی کریم ﷺ کے عمل سے بھی ملتی ہے؛ چنانچہ جب نبی کریم ﷺ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیج رہے تھے تو پوچھا:

كَيْفَ تَقْضِيْ؟ فَقَالَ أَقْضِيْ بِمَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَانْ لَمْ يَكُنْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالَى قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ فَانْ لَمْ يَكُنْ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ اَجْتَهِدُ رَأْيِيْ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم۔ [2]

جب کوئی مقدمہ تمہارے سامنے پیش ہو گا تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ جواب دیا جیسا کتاب اللہ میں ہے اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پھر سوال کیا کہ اگر کتاب اللہ میں صراحت کے ساتھ ذکر نہ ہو تو پھر کیسے فیصلہ کرو گے؟ جواب دیا پھر سنت رسول اللہ

---

[1] ۔ سورۃ النساء آیت نمبر 83۔

[2] - الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، 50/1۔

ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پھر سوال کیا کہ اگر سنت میں بھی صراحت کے ساتھ ذکر نہ ہو تو پھر کیسے فیصلہ کروگے؟ جواب دیا ایسی حالت میں اپنی رائے سے اجتہاد کر کے فیصلہ کروں گا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ خوش ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے فرستادہ رسول کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جو اس کے رسول کو پسند ہے۔

اسی طرح قیاس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بعض اوقات کسی ایک مسئلہ پر اختلاف بھی رہا ہے جس کی مثالیں کتب اصول فقہ میں درج ہیں اس لئے بی ایس سی صاحب کا نظریہ شرعی اصولوں کے مقابلے میں مردود اور غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا

اسی طرح مسعود احمد بی ایس سی صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ لفظ "خدا" اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنا عجمی سازش ہے اور بڑے بڑے پڑھے لکھے اس میں غیر شعوری طور پر شامل ہو گئے ہیں عام طور پر کہا یہ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو "خدا" کہنے میں بہت قباحتیں ہیں مثلاً یہ نام غیر اللہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

تو اس سلسلے میں گذارش ہے کہ بہت سے الفاظ مختلف زبانوں میں مختلف معانی میں استعمال ہوتے ہیں لیکن جب لفظ خدا کو اردو میں اکیلا استعمال کیا جائے تو اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہوتی ہے اسی طرح جیسے عربی میں اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ "رب" استعمال کیا جاتا ہے تو اس میں بھی یہ تمام باتیں لازم آتی ہیں جو اردو میں لفظ "خدا" استعمال کرنے پر بشکل اعتراض وارد کی جاتی ہیں۔

اور یہ بھی واضح رہے کہ کسی بھی زبان سے تعلق رکھنے والا شخص اگر ایسا لفظ بولے جو معبود حقیقی کی نشاندہی کرتا ہے اس لفظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارنا درست ہے جیسے خدا، ایزد، یزداں، گاڈ

وغیرہ، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے اور لفظ خدا واجب الوجود ہی کی ترجمانی کرتا ہے، کیونکہ لفظ خدا دو لفظوں سے مل کر بنا ہے ایک "خود" دوسرا "آ" تو معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود واجب ہے یعنی بغیر کسی کی احتیاج کے ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ خدا کا استعمال بلا کراہت جائز ہے، نیز اسی طرح لفظ گاڈ سے بھی صاحب لسان کا اللہ ہی کو پکارنا ہوتا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، منع وہ لفظ ہے جو کسی قوم کا شعار بن چکا ہو اور اس سے اس قوم کی پہچان ہو، جیسے لفظ بھگوان کہ اگرچہ اس سے صاحب لسان کا اللہ ہی کو پکارنا ہو، لیکن ان کا یہ شعار بن چکا ہے، لہٰذا اس لفظ سے پکارنے سے احتراز کیا جائے۔

چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے:

الاسم العاشر قولنا واجب الوجود لذاته... وقولهم بالفارسية خداى معناه أنه واجب الوجود لذاته لأن قولنا خداى مركبة من لفظتين فى الفارسية، أحدهما "خود" ومعناه ذات الشيئ ونفسه وحقيقته والثانية قولنا "آى" معناه جاء، فقولنا خداى معناه أنه بنفسه جاء وهو إشارة إلى أنه بنفسه وذاته جاء إلى الوجود لا بغيره وعلى هذا الوجه فيصير تفسير قولهم خداى أنه لذاته كان موجودا۔ [1]

شیخ عبد الوہاب شعرانیؒ اپنی کتاب "الیواقیت والجواہر" میں فرماتے ہیں:

فإن قلت: فهل يعم تعظيم الأسماء جميع الألفاظ الدائرة على ألسنة الخلق على اختلاف طبقاتهم وألسنتهم؟ فالجواب نعم، هى معظمة فى كل

---

[1] - تفسیر کبیر، ص:100، 101، الباب الثالث من هذا الكتاب فى مباحث الاسم۔

لغة مرجعها إلى ذات واحدة فان اسم الله لايعرف العرب غيره وہو بلسان فارسی خدا، أی بلسان الحبشة " واق" وبلسان الفرنجی "کریطر دروا"بحث علی ذلك فی سائر الألسن تجد ذلك اسم الإلٰهی معظما فی کل لسان من حیث لایدل علیه۔ [1]

حضرت تھانوی ؒ امداد الفتاویٰ میں فرماتے ہیں:

من الأسماء التوقیفیة علم ومنها ألقاب وأوصاف وترجة اللفظ بمنزلتہٖ فالأسماء العجمیة ترجمة تلك الألقاب والأوصاف ولذا انعقد الإجماع علی إطلاقها ، نعم لایجوز ترجمة العلم فالله عَلَمٌ والباقی ألقاب وأوصاف بخلاف المرادف العربي للأسماء العربیة لأنها لاضرورة إلی إطلاقها فلا یؤذن فیها ، أما العجم فیحتاجون إلی الترجمة للسهولة فی الفهم ، ہذا ما عندی ولعل عند غیری ماہو أحسن من ہذا۔ [2]

فتاویٰ محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

مگر اس صورت میں ان ہی ناموں کو منع کیا جاسکتا ہے جو غیر قوم کا شعار ہیں اور جو شعار نہیں ان کو منع نہیں جاسکتا، جیسے خدا، ایزد، یزداں کہ یہ نام کسی مخصوص غیر مسلم کے شعار نہیں، بلکہ بکثرت اہل اسلام کی تصانیف میں موجود ہیں۔ [3]

نیز لفظ گاڈ سے کسی شخص کے بے ادبی کرنے سے متعلق سوال کے جواب میں فرمایا:

---

[1] - الیواقیت والجواہر،ص:78،ط:مصری۔

[2] - امداد الفتاویٰ،ج:۴،ص:۵۱۳،۵۱۴،ط:دارالعلوم کراچی مسائل شتی۔

[3] - فتاویٰ محمودیہ،ج:۱،ص:۱۷۲،ط:ادارۃ الفاروق۔

اپنے محاورات اور بول چال میں اللہ تعالیٰ کا ایسا نام لینا اولیٰ اور مناسب ہے جو قرآن شریف اور حدیث شریف سے ثابت ہو، تاہم ہر زبان میں اللہ تعالیٰ کے نام ہیں ان کا بھی ادب واحترام لازم ہے، یہ بات جانتے ہوئے کہ فلاں لفظ اللہ تعالیٰ کا نام ہے اس کی بے ادبی کرنے کا حق نہیں، اس سے پورا پرہیز لازم ہے۔[1]

اور حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کی اس تفسیر سے مراد لفظ خدا وغیرہ کا اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرنے کی نفی کرنا نہیں، بلکہ جو اسماء اللہ رب العزت کے توقیفی ہیں اس لفظ کو چھوڑ کر اسی عربی زبان میں اس کا ہم معنی مترادف لفظ استعمال کرنا درست نہیں، جیسے کہ اللہ رب العزت کی ایک صفت کریم ہے اس کو چھوڑ کر سخی کہنا یا شافی کے بجائے طبیب کہنا یا نور کے بجائے ابیض کہنا درست نہیں، جیسا کہ امداد الفتاویٰ کے گزشتہ حوالے کی عبارت سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے اور حضرت مولانا مفتی شفیعؒ نے خود اس لفظ "خدا" کو صفحہ:۱۳۳ پر استعمال کیا ہے۔ اور لفظ اللہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا اسم ذات ہے جس کا ایک معنی "وہ ذات کہ جو مستحق ہے اس بات کی کہ اس کی عبادت کی جائے" اور ایک معنی "واجب الوجود ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا"۔

چنانچہ تفسیر القرطبی میں ہے:

فالله اسم للموجود الحق الجامع لصفات الإلٰهية المنعوت بنعوت الربوبية المنفرد بالوجود الحقيقي لا إله إلا هو سبحانه وقيل: معناه الذی یستحق أن یعبد ، وقیل: معناه واجب الوجود الذی لم یزل ولا یزال والمعنی واحد۔[2]

---

[1] - فتاویٰ محمودیہ، ج:۱، ص:۲۶۸، ۲۶۷، ط: ادارۃ الفاروق۔

[2] - تفسیر القرطبی، ج:1، ص:102، ط: دار الکتب المصریه، القاہرۃ۔

تفسیر البیضاوی میں ہے:

وقيل علم لذاته المنصوصة لأنه يوصف ولا يوصف به۔ [1]

لہذا ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا بھی درست جیسا کہ ذاتی نام اللہ سے پکارا جائے۔

علماء کو مولانا کہنا

بی ایس سی اینڈ کمپنی کا مقصد چونکہ عوام کو علماء سے متنفر کرنا ہے اس لئے اس لئے دینی اقدار کو مٹانے اور نت نئی تشریحات کر کے امت میں تفریق اور نتشار کا بیج بو رہے ہیں اسی تناظر میں بی ایس سی اینڈ کمپنی کے فتویٰ دیا کہ "غیر اللہ کو مولانا کہنا جائز نہیں ہے" چنانچہ انہوں نے اس موضوع پر دوورقی پمفلٹ لکھا جس میں تحریر کرتے ہیں:

ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے اس لفظ کا استعمال جائز نہیں ۔۔۔۔الغرض اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کو مولانا کہنا جائز نہیں۔ [2]

ایک اور مقام پر چند آیات واحادیث بیان کر کے لکھتا ہے:

مندرجہ بالا آیات واحادیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی مولیٰ نہیں نہ کسی کو مولیٰ سمجھنا چاہیئے، اور نہ کسی کو مولیٰ کہہ کر پکارنا چاہیئے، مولانا یا مولائی کے الفاظ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنے چاہیئں کسی دوسرے کے لئے نہیں۔ [3]

برصغیر میں علماء کرام کو عموماً مولانا یا مولوی کہہ کر پکارا جاتا ہے، بعض لوگوں نے لفظ "مولانا" کے متعلق یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ مولانا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، لہذا کسی انسان کے لئے مولانا کا لفظ

---

[1] - تفسیر البیضاوی، 13/1۔

[2] ۔ مولانا: کیا اس لفظ کا استعمال غیر اللہ کے لئے جائز ہے؟ ص4،2۔

[3] ۔ توحید المسلمین، ص117۔

استعمال کرنا جائز نہیں ہے، حالانکہ ساری کائنات میں سب سے افضل واعلیٰ اور سارے نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفی ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مولانا کہہ کر پکارا۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان حدیث کی معروف کتابوں حتیٰ کہ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔ نعوذ باللہ! ان میں سے بعض متشددین نے کسی انسان کو مولانا کہہ کر پکارنے کو شرک تک کہہ دیا ہے۔

سب سے پہلے "مولانا" لفظ کے معنی سمجھیں یہ دو لفظوں سے مرکب عربی زبان کا لفظ ہے، ایک "مولیٰ" اور دوسرے "نا" یعنی مولانا ایک لفظ نہیں ہے جیسا کہ بعض حضرات سمجھتے ہیں مولیٰ ایک مستقل لفظ ہے جس کی جمع "موالی" ہے، جس کے تقریباً ۲۰ معانی ہیں، جن میں سے چند معانی حسب ذیل ہیں: آقا، مالک، پرورش کرنے والا، دوست، آزاد کرنے والا، آزاد کیا ہوا غلام اور مہربان وغیرہ، لفظ "مولیٰ" کے معانی کے لئے دنیا کی مشہور ومعروف ڈکشنریاں دیکھی جاسکتی ہیں "نا" عربی زبان میں ضمیر (Pronoun) ہے جس کے معنی ہمارے (Our) ہیں۔ "مولای" میں "ی" ضمیر (Pronoun) ہے جس کے معنی میرے (My leader) ہیں، مولاکم میں کُمْ ضمیر (Pronoun) ہے جس کے معنی تمہارے (Your leader) ہیں مولاہ میں ہ ضمیر (Pronoun) ہے جس کے معنی اس کے (His leader) ہیں۔ غرضیکہ مولانا کے معنی ہیں: ہمارے آقا، ہمارے مالک، ہمارے قائد اور ہمارے دوست وغیرہ جس طرح غلام اپنے مالک کو مولای یا مولانا کہہ سکتا ہے، اسی طرح ایک شخص اپنے دینی رہنما کو مولانا کہہ کر پکار سکتا ہے۔ احادیث کی سند (Chain of Narrators) کا ذکر کرتے ہوئے بڑے بڑے محدثین (مثلاً امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ) بعض راویوں کا تعارف اس طرح کراتے ہیں کہ یہ فلاں شخص کا مولیٰ ہے، مثلاً امام بخاریؒ راوی کریب کا تعارف ابن عباسؓ کے مولیٰ اور راوی نافع کا تعارف ابن عمرؓ کے مولیٰ سے کراتے ہیں۔ کتب حدیث میں اس طرح کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں فقہ اور

اصول فقہ کی مشہور و معروف کتابوں میں مولیٰ کا لفظ مختلف معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔ یقیناً ہمارا حقیقی مولیٰ صرف اور صرف اللہ کی ذات ہی ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ لیکن مولیٰ دوسرے معنی میں انسان کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں بھی مولیٰ کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔ صرف مولیٰ کا لفظ تنہا بھی استعمال ہوا ہے، اور متعدد ضمیروں کے ساتھ بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے،(وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ) میں دو جگہ مولیٰ کا لفظ استعمال ہوا ہے، ایک جگہ کُمْ ضمیر (Pronoun) (Your) کے ساتھ، جبکہ دوسری مرتبہ بغیر ضمیر کے اور دونوں جگہوں پر اللہ کی ذات مراد ہے۔ قرآن کریم میں مولیٰ کا لفظ دوسرے معانی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَن مَّوْلًى شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ۔[1] ترجمہ: جس دن کوئی حمایتی کسی حمایتی کے ذرا بھی کام نہیں آئے گا۔ اور ان میں سے کسی کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی) میں مولیٰ اللہ کے لئے نہیں بلکہ دوست کے معنی میں یعنی انسان کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مَأْوَاكُمُ النَّارُ هِيَ مَوْلَاكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ۔[2] ترجمہ: چنانچہ آج نہ تم سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا، اور نہ اُن لوگوں سے جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا، تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے، وہی تمہاری رکھوالی ہے اور یہ بہت برا انجام ہے) میں لفظ مولیٰ کُمْ ضمیر کے ساتھ جگہ یا ٹھکانے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں یہ واضح کر دیا کہ مولیٰ کے متعدد معانی ہیں۔ قرآن کریم میں لفظ مولیٰ نا ضمیر کے ساتھ دو جگہ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۶ اور سورۃ التوبۃ آیت ۵۱) استعمال ہوا ہے، اور دونوں جگہ پر

---

[1] ۔ سورۃ الدخان آیت نمبر ۴۱۔
[2] ۔ سورۃ الحدید آیت ۱۵۔

اللہ کی ذات مراد ہے یعنی(Our Creator) ، لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ مولانا ایک لفظ ہے اور وہ صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ مولیٰ ایک مستقل لفظ ہے اور اس کے ساتھ مختلف ضمیریں استعمال کی جاسکتی ہیں: مولای، مولانا، مولاکم، مولاہ وغیرہ۔

وَإِن تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ۔[1] ترجمہ: اگر نبی کے مقابلے میں تم نے ایک دوسرے کی مدد کی، تو یاد رکھو کہ اُن کا ساتھی اللہ ہے اور جبرئیل ہیں، اور نیک مسلمان ہیں) میں واضح طور پر لفظ مولیٰ ہ ضمیر (Pronoun) کے ساتھ اللہ، حضرت جبرئیل اور نیک لوگوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ غرضیکہ اللہ بھی مولیٰ، جبرئیل بھی مولیٰ اور تمام نیک بندے بھی مولیٰ ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے عام مومنین کو مولیٰ کہا ہے تو ہم نا ضمیر لگا کر علماء دین کو مولانا یعنی Our leader کیوں نہیں کہہ سکتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مولانا عربی زبان کا لفظ ہے اور یہ دو لفظوں سے مرکب ہے، ایک مولیٰ اور دوسرے ضمیر نا۔ مولیٰ کے متعدد معانی ڈکشنریوں میں موجود ہیں قرآن کریم میں بھی یہ لفظ متعدد معانی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ صرف لفظ مولیٰ بھی استعمال ہوا ہے اور اس کے ساتھ متعدد ضمیر (Pronoun) لگا کر بھی استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا علماء دین کو مولانا کہنا بالکل صحیح ہے۔

مشہور ومعروف صحیح حدیث: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ ترجمہ: جس کا میں دوست ہوں، علیؓ اس کے دوست ہیں) میں حضور اکرم ﷺ نے لفظ مولیٰ کو ہ ضمیر (Pronoun) کے ساتھ استعمال فرماکر کل قیامت تک کے لئے یہ ثابت کر دیا کہ انسان بھی مولیٰ ہو سکتا ہے۔ یہ صحیح حدیث حدیث کی مختلف کتابوں میں موجود ہے۔ صحیح بخاری (کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء ذکرہ انس عن النبی ﷺ) کی حدیث میں ہے کہ تمام نبیوں کے سردار محمد العربی ﷺ نے حضرت

---

[1] ۔ سورۃ التحریم آیت ۴۔

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: (اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا) تم ہمارے بھائی اور ہمارے معین و مددگار ہو۔ صحیح بخاری میں مذکور اس حدیث میں فصاحت وبلاغت کے پیکر اور ادیب اسلام محمد ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ کے لئے مولانا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اگر مولانا کا لفظ اللہ کے علاوہ کسی دوسری ذات کے لئے استعمال کرنا ناجائز ہوتا تو کیا محمد العربی کسی انسان کے لئے یہ لفظ استعمال کرتے۔ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے جو یہ کہتے ہیں کہ مولانا کا لفظ کسی انسان کے لئے استعمال کرنا ناجائز یا شرک ہے، حالانکہ سارے نبیوں کے سردار اور تمام انس وجن میں سب سے افضل نے مولانا کا لفظ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لئے استعمال فرمایا ہے۔ اسی طرح بخاری ومسلم ودیگر کتب حدیث میں وارد ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص (کسی غلام سے) یہ نہ کہے کہ اپنے رب کو کھانا کھلاؤ۔ اپنے رب کو وضو کراؤ۔ اپنے رب کو پانی پلاؤ۔ بلکہ صرف سیدی ومولای (میرے سردار، میرے آقا) کہنا چاہئے، اسی طرح کوئی شخص یہ نہ کہے: میرا بندہ، میری بندی، بلکہ یوں کہنا چاہئے: میرا غلام، میرا لونڈی، جب نبی اکرم ﷺ نے کسی انسان کے لئے ضمیر کے ساتھ لفظ مولیٰ کا استعمال کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے، اور آپ ﷺ نے خود استعمال بھی کیا ہے، تو اکیسویں صدی میں کسی شخص کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ کہے کہ لفظ مولیٰ کی نسبت نا ضمیر کے ساتھ کرکے کسی انسان کو مولانا کہنا جائز نہیں ہے۔

بخاری ومسلم سے پہلے لکھی گئی حدیث کی مشہور کتاب (مصنف ابن ابی شیبہ) میں مذکور ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کسی مسئلہ کے متعلق سوال کیا گیا تو حضرت انسؓ نے کہا کہ تم ہمارے مولانا حسن سے مسئلہ پوچھو۔ صحیح مسلم کی سب سے مشہور شرح لکھنے والے امام نوویؒ نے تحریر کیا ہے کہ لفظ مولیٰ کے تقریباً ١٦ معانی ہیں، بعض علماء کرام نے لفظ سیدنا کو استعمال کرنے سے احتراز کیا ہے کیونکہ اس لفظ میں اپنی طاقت دکھانے کا شائبہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ مولانا کا

لفظ استعمال کرتے ہیں جو مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ غرضیکہ علماء کرام کو مولانا کے لقب سے پکارنا زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمارا حقیقی آقا و مولیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ لیکن دوسرے معانی کے اعتبار سے مولیٰ کا لفظ کسی دوسرے انسان کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً اعظم (سب سے عظیم) اور اکبر (سب سے بڑا) صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، لیکن دوسری نسبت سے یہ نام کسی انسان کا بھی رکھا جاسکتا ہے۔ العلی اللہ کا نام ہے، لیکن علی آپ کے چچازاد بھائی اور داماد کا نام بھی ہے۔ غرضیکہ عالم دین کو مولانا کہہ کر پکارا جاسکتا ہے جیسا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر کیا گیا ہے۔ محدث، مفسر، مؤرخ، فقیہ، شیخ، فضیلۃ الشیخ، علامہ، مفتی، مولوی، عالم، ملا، پروفیسر اور ڈاکٹر جیسے القاب نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں موجود نہیں تھے۔ جب ان القاب کا استعمال کرنا صحیح ہے تو عالم دین کے لئے مولانا کا استعمال کرنا کیوں غلط ہوگا، جبکہ بتایا گیا کہ لفظ مولانا ایک لفظ نہیں ہے، بلکہ یہ دو الفاظ سے مرکب ہے۔ اور مولیٰ کے متعدد معانی ہیں، نا ضمیر (Pronoun) ہے، جس کے معنی ہمارے (Our) ہیں، غرضیکہ مولانا کے معنی ہوئے Our Leader نبی اکرم ﷺ نے خود اپنے صحابی کے لئے مولانا کا لفظ استعمال فرمایا ہے تو کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ کہے کہ عالم دین کو مولانا کہہ کر پکارنا جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن وحدیث کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے والا بنائے۔

ابوالاعلیٰ مودودی

سید ابوالاعلیٰ مودودی 1903ء بمطابق 1321ھ میں اورنگ آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آبا و اجداد میں ایک مشہور بزرگ خواجہ قطب الدین مودود چشتی گذرے تھے جو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے شیخ الشیوخ تھے، مودودی کا خاندان انہی خواجہ مودود چشتی کے نام سے منسوب ہو کر ہی مودودی کہلاتا ہے، ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور 1914 کو مولوی فاضل کا امتحان گیارہ سال کی عمر میں پاس کیا، صحافت کا پیشہ بھی اختیار کیا 15 سال کی عمر میں اخبار "مدینہ" بجنور بھوپال میں شمولیت اختیار کی بعد ازاں آپ نے جمعیت علمائے ہند کے ترجمان اخبار "مسلم" کی ادارت سنبھالی اخبار "مسلم" کی بندش کے بعد آپ نے بھوپال میں قیام کیا اور وسیع مطالعہ کا آغاز کیا تقریباً 5 سال بعد جمعیت علماء ہند کے نئے اخبار "الجمعیتہ" دہلی کی ادارت سنبھالی اور چار سال تک اس اخبار کی جان میں جان ڈالی پھر آپ "الجمعیتہ" کی ادارت سے مستعفی ہو گئے تھے، جس وقت آپ کی عمر 24 سال تھی آپ کچھ عرصے کیلئے دہلی سے واپس حیدر آباد تشریف لے گئے، جہاں آپ نے تحقیق و تصنیف کا کام کیا 1932 میں آپ نے رسالہ ترجمان القران حیدر آباد سے جاری کیا، 1941 کو آپ نے ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت زار دیکھتے ہوئے جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی اس کے پہلے امیر منتخب ہوئے، 1950 سے 1960 تک آپ متعدد دفعہ جیل گئے، 1960 سے 1970 اگلے عشرہ میں بھی ایوب خان کے خلاف جدوجہد میں پیش پیش رہے، 1970 سے 1979 تک آپ کی صحت کمزور ہو گئی، مودودی 1979 میں شدید علیل ہو گے اور آپ 22 ستمبر 1979 شام پونے چھ بجے فوت ہو گئے۔

مودودی صاحب نے سب سے ہٹ کر حکومت الہیہ کا نعرہ لگایا اور تحریک آزادی پر خوب تنقید کی ، عرب ممالک میں خصوصاً سعودی عرب کا متاثر کرنے کے لئے اور وہاں کے شیوخ کو اپنا ہمنوا

بنانے کے لئے مختلف انداز سے کام کیا اور تدبیریں کیں، دن بدن انکے شاہکار قلم سے نئے نئے شگوفے پھوٹتے رہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں ناشائستہ الفاظ استعمال کئے "تفہیم القرآن، خلافت وملوکیت اور ترجمان القرآن" وغیرہ ایسی چیزیں نظر آتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ ان کی تحریرات اور تالیفات عہد حاضر کا سب سے بڑا فتنہ ہیں، جماعت اسلامی کے بانی ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریرات میں ایسی خطرناک باتیں موجود ہیں کہ ان سے ناواقف آدمی نہ صرف گمراہ ہی نہیں بلکہ کفر تک کی دلدل میں پھنس سکتا ہے مختصراً ہم ان کے چند نظریات کا تذکرہ کرتے ہیں:

مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام

اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نہ صرف نبوت ملنے کے بعد بلکہ نبوت سے پہلے بھی معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں اور اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک کسی نبی کے بارے میں ایسی تعبیر اختیار کرنا جو اسکی شان رفیع کے شیان نہ ہو جائز نہیں ہے۔

جمہور علماء اہل السنۃ کے نزدیک عصمت کے مختار معنی یہ ہیں کہ عصمت ایک ایسا خلق ہے جو معصوم کو باوجود قدرت علی المعصیۃ کے معصیت سے روکتا ہے اور معصوم ترک معصیۃ میں مجبور نہیں ہوتا، چنانچہ حضرت مولانا دوست محمد کابلی رحمہ اللہ اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

واختلف فی معنی العصمة قال بعضهم انها عباره عن عدم قدرة المعصية والمختار عند الجمهور انها عبارة عن خلق مانع من ارتكاب المعصية غير ملج حتى لا يكون المعصوم مضطرا فی ترك المعصية وفعل الواجب[1].

---

[1] ۔ تحفۃ الاخلاء فی عصمۃ الانبیاء، ص 15۔

ترجمہ: عصمت کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ عصمت عدم قدرت علی المعصیۃ کو کہتے ہیں اور جمہور کے نزدیک مختار معنی یہ ہے کہ عصمت ایک ایسی خصلت کا نام ہے جو معصوم کو ارتکاب معصیۃ سے بلا کسی جبر واکراہ کے منع کرتی ہے حتی کہ معصوم ترک معصیۃ اور فعل واجب میں مجبور نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ عصمت کا معنی یوں بیان کرتے ہیں:

"عصمت" کے معنی یہ ہیں کہ ان کے اقوال ہوں یا افعال، عبادات ہوں یا عادات، معاملات ومقامات ہوں یا اخلاق واحوال، ان سب کو اللہ اپنی قدرت کاملہ سے نفس و شیطان کی دخل اندازی سے محفوظ فرماتا ہے خواہ وہ خطاء ونسیان کی صورت سے ہی کیوں نہ ہو اور حفاظت ونگرانی کرنے والے اپنے فرشتے ان کے ساتھ رکھتا ہے تاکہ غبار بشریت بھی ان کے دامن پاک پر ذرا سا دھبہ نہ لگا سکے۔

مطلب یہ ہوا کہ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ہمہ وقتی حفاظت و نگرانی کا نام "عصمت" ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (م1014ھ) بعض محققین سے نقل فرماتے ہیں:

اِجْمَاعُ الصَّحَابَۃِ رضی الله عنهم عَلَی التَّاَسِّیْ بِہٖ صلی الله علیه و سلم فِیْ اَقْوَالِہٖ وَاَفْعَالِہٖ وَسَائِرِ اَحْوَالِہٖ حَتّٰی فِیْ کُلِّ حَالَاتِہٖ مِنْ غَیْرِبَحْثٍ وَلَا تَفَکُّرٍبَلْ بِمُجَرَّدِ عِلْمِھِمْ اَوْظَنِّھِمْ بِصُدُوْرِذٰلِکَ عَنْہُ دَلِیْلٌ قَاطِعٌ عَلٰی اِجْمَاعِھِمْ عِلٰی عِصْمَتِہٖ وَتَنَزُّھِہٖ عَنْ اَنْ یَّجْرِیَ عَلٰی ظَاہِرِہٖ اَوْبَاطِنِہٖ شَیْءٌلَایُتَاَسّٰی بِہٖ فِیْہِ مِمَّالَمْ یَقُمْ دَلِیْلٌ عَلٰی اخْتِصَاصِہٖ.[1]

---

[1] ۔ المرقات شرح المشکوۃ: ج1ص220۔

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ ﷺ کے اقول، افعال اور تمام احوال میں بغیر کسی بحث و تفکر کے محض یہ جانتے ہوئے کہ یہ عمل آپ ﷺ نے کیا ہے آپ کی اتباع پر متفق ہو جانا واضح دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپ کی عصمت پر اجماع ہے اور اس پر بھی کہ آپ ﷺ سے ظاہراً و باطناً ایسی کوئی چیز صادر نہیں ہو سکتی جس کی اتباع نہ کی جا سکتی ہو جب تک آپ ﷺ کی خصوصیت پر دلیل قائم نہ ہو جائے۔

مودودی صاحب کا نظریہ

جملہ انبیاء کرام کے بارے میں مودودی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

عصمت دراصل انبیاء کے لوازمات ذات سے نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو منصب نبوت کی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کرنے کے لیے مصلحتاً خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ فرمایا ہے ورنہ اگر اللہ کی حفاظت تھوڑی دیر کے لیے بھی ان سے منفک ہو جائے جس طرح عام انسانوں سے بھول چوک اور غلطی ہوتی ہے اسی طرح انبیاء سے بھی ہو سکتی ہے، اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں سرزد ہو جانے دی ہیں، تاکہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھ لیں اور جان لیں کہ یہ بشر ہیں، خدا نہیں ہیں۔[1]

اور تو اور بسا اوقات پیغمبروں تک کو نفس شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آ گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک موقعہ پر تنبیہ کی گئی ہے کہ "وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" (سورۃ ص)، ہوائے نفس کی

---

1 - تفہیمات ج2 ص56، 57 اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور اشاعت اکتوبر 1967ء۔

پیروی نہ کرنا ورنہ یہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گا۔(1)
انبیاء رائے اور فیصلے کی غلطی بھی کرتے تھے، بیمار بھی ہوتے تھے، آزمائش میں بھی ڈالے جاتے تھے حتیٰ کہ قصور بھی ان سے ہو جاتے تھے اور انہیں سزا تک دی جاتی تھی۔(2)

نبی کریم ﷺ کے بارے میں

حضور علیہ السلام نے دجال کے بارے میں جو خبر دی اس کی بابت مودودی صاحب لکھتے ہیں:
یہ کانا دجال وغیرہ تو افسانے ہیں، جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔(3)
حضور علیہ السلام کو اپنے زمانہ میں یہ اندیشہ تھا کہ شاید دجال حضور علیہ السلام کے زمانہ ہی میں ظاہر ہو جائے یا کسی قریب زمانہ میں ظاہر ہو جائے لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضور کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا۔(4)

غور و فکر کا مقام ہے کہ حضور ﷺ وحی الٰہی سے بولتے تھے تو یہ اندیشہ غلط کیسے ہوا؟ مزید یہ بات بھی واضح ہے کہ دجال کے متعلق پیشگوئی والی احادیث متواتر و مشہور ہیں، فقط بخاری مسلم میں 25 بار یہ حدیث آئی ہے۔
رسول اللہ ﷺ نہ فوق البشر ہیں نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر ہیں۔(5)
لیکن وعظ و تلقین میں ناکامی کے بعد داعی اسلام نے ہاتھ میں تلوار لی۔(6)

---

1 - تفہیمات ج1 ص193 اشاعت ستمبر 2013ء اسلامک پبلیکیشنز لاہور۔
2 - ترجمان القرآن ص158 مئی 1955ء۔
3 -ترجمان القرآن ص186 رمضان و شوال 1365ھ، رسائل و مسائل ص53 حصہ اول طبع دوم۔
4 -ترجمان القرآن ص31 ربیع الاوّل 1365ھ۔
5 - ترجمان القرآن اپریل 1976ء، خطبات: ص8۔
6 - الجہاد فی الاسلام: ص174۔

حالانکہ رسول اللہ ﷺ کو عیوب سے مبرا بنایا گیا ہے بشری کمزوریاں اور خامیاں کیسے گوارا کی جائیں؟ مزید جب خدا بھی کہتا ہے کہ میرا رسول غالب ہو گا تو اسے ناکام کہنا کہاں تک درست ہو گا؟

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق مودودی صاحب لکھتے ہیں:

> حضرت داؤد علیہ السلام کے فعل میں خواہش نفسی کا کچھ دخل تھا، اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرماں روا کو زیب نہ دیتا تھا۔ [1]
>
> اور تو اور بسا اوقات پیغمبروں تک کو اس نفسی شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آئے ہیں، چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک موقعہ پر تنبیہ کی گئی۔ [2]

قرآن تو انہیں کہتا کہ "نفس و ہویٰ کی پیروی نہ کرو" مگر بقول مودودی صاحب وہ کرتے تھے تو سوال یہ ہے کہ پھر وہ راہ راست پر کیسے رہے؟

> حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے عہد کی اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہو کر "اوریا" سے طلاق کی درخواست کی۔ [3]

اسرائیلی روایت کا سہارا لے کر ایک نبی معصوم کی ذات پر الزام اہل حق کی سوچ نہیں، نیز نبی اصلاحِ معاشرہ کے لئے مبعوث ہوتا ہے نہ کہ خود اپنی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہونے کے لیے مبعوث ہوتے ہیں۔

---

1 - تعلیم القرآن ص327 ج4 طبع اوّل۔

2 - تفہیمات ج1 ص193 اشاعت ستمبر 2013ء اسلامک پبلیکیشنز لاہور۔

3 - تفہیمات ص42 حصّہ دوم طبع دوم ۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں

بس ایک فوری جذبے نے جو شیطانی تحریص کے زیر اثر ابھر آیا تھا ان پر ذہول طاری کر دیا اور ضبطِ نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔ (1)

یہ سب مودودی صاحب کی خوش فہمی ہے کیونکہ قرآن پاک نے "بھول" کہہ کر مودودی صاحب کی ساری بات کو رد کر دیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں

بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ واشرف انسان بھی تھوڑی دیر کیلئے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے۔۔۔۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اسکو محض اس لیے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے۔ تو وہ اپنے دل سے بے پرواہ ہو کر اس طرزِ فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں جو اسلام کا مقتضا ہے۔ (2)

مودودی صاحب نے یہ غلط کہا کیونکہ ان کا بیٹے کی خاطر دعا کرنا خدا کے فرمان کی وجہ سے تھا جو ان سے کہا گیا تھا کہ تمہارے اہل کو بچائیں گے اس لیے دعا کو جاہلیت کا جذبہ کہنا بد ترین جرم ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں

حضرت یوسف علیہ السلام کے ارشاد مبارک "اِجْعَلْنِي عَلٰى خَزَائِنِ الْأَرْضِ"

---

1 - تفہیم القرآن ص 133 ج 3۔

2 - تفہیم القرآن ج 2 ص 344 طبع سوم۔

کے بارے مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ یہ محض وزیر مالیات کے منصب کا مطالبہ نہیں تھا جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ ڈکٹیٹر شپ کا مطالبہ تھا اور اس کے نتیجے میں سیدنا یوسف علیہ السلام کو جو پوزیشن حاصل ہوئی وہ قریب قریب وہی پوزیشن تھی جو اس وقت اٹلی میں مسولینی کو حاصل ہے۔[1]

سیدنا یوسف علیہ السلام نے دیانت و علم کی بنیاد پر یہ بات کی کہ مجھے علم و دیانت میں سب سے فوقیت ہے اس لیے نظام کو بہتر کرنے کے لیے مجھے وزیر خزانہ بنا دیا جائے، مودودی صاحب کا ایک غیر مسلم کے ساتھ نبی معصوم کا موازنہ کرنا ظلم و جبر کی نسبت معصوم نبی کی طرف کرنے کے مترادف ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں

حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں مودودی صاحب لکھتے ہیں:

حضرت یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئیں تھیں غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا۔[2]

ایک نبی کو بے صبرا کہنا کیونکر روا ہو گا؟ رہا آپ کا تشریف لے جانا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو خدا کی ذات پر یہ امید تھی کہ خدا مجھے اس پر داروگیر نہیں کرے گا۔ لہذا حضرت یونس علیہ السلام کے اس عمل کو بے صبری اور کوتاہی کہنا کسی طرح درست نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں

موسیٰ علیہ السلام کی مثال اس جلد باز فاتح کی سی ہے جو اپنے اقتدار کا استحکام کیے

---

1 ۔ تفہیمات ص 122 حصہ دوم طبع پنجم 1970ء۔

2 ۔ تفہیم القرآن ج 2 ص 313،312. طبع سوم ۱۹۶۴ء۔

بغیر مارچ کرتا ہوا چلا جائے اور پیچھے جنگل کی آگ کی طرح مفتوحہ علاقہ میں بغاوت پھیل جائے۔[1]

کاش مودودی صاحب اسلافِ امت کو دیکھ لیتے کہ انہوں نے کیا تعبیر اختیار فرمائی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام محبوب کی ملاقات کے لیے جلدی چلے تھے، وہ بات نہ تھی جو مودودی صاحب نے سوچی۔

پھر اس اسرائیلی چرواہے کو بھی دیکھئے جس سے وادی مقدس طوٰی میں بلا کر باتیں کی گئیں وہ بھی عام چرواہوں کی طرح نہ تھا۔[2]

عامیانہ انداز جو مودودی صاحب نے اختیار کیا انتہائی غلط ہے۔ کیا اللہ کے نبی کی تعظیم و تکریم کے لیے الفاظ بولنا جرم ہے؟ کیا ان کے پاس کوئی اور الفاظ کا ذخیرہ نہ تھا؟

نبی ہونے سے پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا تھا، انہوں نے ایک انسان کو قتل کر دیا۔[3]

یہ قتل عمداً نہ تھا بلکہ بلا ارادہ تھا، پھر وہ حربی کافر تھا جس کا قتل جائز تھا۔

صحابہ کرام مودودی صاحب کی نظر میں

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد انسانیت میں سب سے زیادہ مقدس جماعت صحابہ کرام کی جماعت ہے جن کے بارے میں اللہ پاک نے قرآن مجید میں اعلان کر دیا کہ:

"رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ"۔[4] ترجمہ: اللہ پاک صحابہ کرام سے راضی ہو گئے اور صحابہ کرام اللہ پاک سے راضی ہو گئے۔

---

1 - ترجمان القرآن ص 5 ستمبر 1946ء۔

2 - رسائل ومسائل ص 31 حصہ اول طبع دوم۔

3 - ایضاً ص 31 حصہ اول۔

4 - سورۃ البینۃ، آیت نمبر 8۔

پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ :

"الله الله فی اصحابي لا تتخذوهم من بعدی غرضا فمن احبهم فبحبی احبهم و من ابغضهم فببغضی ابغضهم من آذاهم فقد آذانی فقد آذی الله و من آذی الله فیوشك ان یا خذه"۔[1]

اللہ سے ڈرو میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرو میرے اصحاب کے بارے میں، میرے بعد انہیں نشانہ نہ بنالینا، جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی اور جس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی تو جلد ہی اللہ تعالیٰ اس کو عذاب میں پکڑے گا۔

اہل سنت الجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ صحابہ کرامؓ معیار حق ہیں یعنی صحابہ کرامؓ نے جو کہا اور کیا وہ ہمارے لئے مشعل راہ اور حجت ہے، صحابہ کرام کے معیار ہونے پر قرآن کی آیات، احادیث نبوی ﷺ اور امت کا اجماع ہے، لیکن جماعت اسلامی کے بانی مودودی، کے نزدیک صحابہ کرامؓ معیار حق نہیں وہ لکھتے ہیں:

"رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو ہر ایک کو خدا کے بتائے ہوئے اسی معیار کامل پر جانچے اور پرکھے، اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو اس کو اسی درجہ میں رکھے"۔[2]

---

[1] ۔ مسند الامام احمد بن حنبل، 357/27، ط، مؤسسة الرسالہ۔

[2] ۔ دستور جماعت اسلامی پاکستان، ص14۔

اس کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں جو زہر مودودی صاحب سے "تجدید و احیائے دین، خلافت و ملوکیت اور تفہیم القرآن" وغیرہ میں لکھا ہے کہ اِسے ہم خالص شیعت کا ہی ذہن سمجھتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"چنانچہ یہ یہودی اخلاق ہی کا اثر تھا کہ مدینہ میں بعض انصار اپنے مہاجر بھائیوں کی خاطر اپنی بیویوں کو طلاق دیکر ان سے بیاہ دینے پر آمادہ ہو گئے تھے"۔ [1]

"حضرت عثمانؓ جن پر اس کار عظیم (خلافت) کا بار رکھا گیا تھا، ان خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیشروؤں کو عطا ہوئی تھیں اس لئے جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا"۔ [2]

"لیکن ان کے بعد جب حضرت عثمانؓ جانشین ہوئے تو رفتہ رفتہ وہ اس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے۔ انہوں نے پے در پے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدف اعتراض بن کر رہیں۔

مثال کے طور پر انہوں نے افریقہ کے مال غنیمت کا پورا خمس (پانچ لاکھ دینار) مروان کو بخش دیا"۔ [3]

"حضرت عثمانؓ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہر حال غلط ہے خواہ وہ کسی نے کیا ہو، اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ

---

1 ۔ تفہیمات، ج ۲، ص ۳۵، طبع دوم۔

2 ۔ تجدید و احیائے دین، ص ۲۳۔

3 ۔ خلافت و ملوکیت، صفحہ و حاشیہ 106، طبع دوم۔

عقل و انصاف کا تقاضہ ہے اور نہ دین کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے"۔[1]

کاتب وحی حضرت امیر معاویہؓ پر جھوٹا الزام لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہؓ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں بر سر منبر حضرت علیؓ پر سب و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے، حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسولؐ پر عین روضہ نبوی کے سامنے حضورؐ کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبہ کو گندگی سے آلودہ کرنا تو دین و اخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا"۔[2]

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے بارے میں لکھتے ہیں:

وہ دونوں نبی ﷺ کے مقابلہ میں کچھ زیادہ جری ہو گئیں تھیں اور حضور ﷺ سے زبان درازی کرنے لگی تھیں"۔[3]

" سود خوری جس معاشرے میں ہوتی ہے وہاں سے غلطیاں ہوتی ہیں جو صحابہ نے کی، کیونکہ صحابہ کرام میں غرور تھا، نفرت والے تھے، کنجوس اور بخیل تھے اور حضرت عثمان ڈرپوک تھے، ان سب پیٹوں میں شراب تھی اور اسی وجہ سے مسلمانوں کو

---

1 ۔ خلافت و ملوکیت، ص116۔

2 ۔ خلافت و ملوکیت، ص174، طبع23۔

3 ۔ ہفت روزہ ایشیا لاہور، ۱۹ نومبر ۱۹۷۶ء بحوالہ دو بھائی ص57۔

غزوہ احد میں شکست ہوئی"۔ (1)

حضرت علیؓ کے بارے میں مودودی صاحب لکھتے ہیں:

جنگ جمل کے بعد انہوں نے قاتلین عثمانؓ کے بارے میں اپنا رویہ بدل دیا۔ انکے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف ایک ہی کام ایسا نظر آیا جس کو غلط کہنے کے سوا چارہ نہیں"۔ (2)

اکابر امت اور سلف صالحین کے متعلق مودودی صاحب کا خیال

امام ابو حنیفہؒ کی فقہ میں آپ بہ کثرت ایسے مسائل دیکھتے ہیں جو مرسل اور معضل اور منقطع احادیث پر مبنی ہیں یا جن میں ایک قوی الاسناد حدیث کو چھوڑ کر ایک ضعیف الاسناد حدیث کو قبول کیا گیا ہے، یا جن میں احادیث کچھ کہتی ہیں اور امام ابو حنیفہ اور انکے اصحاب کچھ کہتے ہیں۔ یہی حال امام مالک کا ہے، امام شافعی کا اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ (3)

تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مجدد کامل پیدا نہیں ہوا ہے قریب تھا کہ عمر بن عبد العزیزؒ اس منصب پر فائز ہو جاتے، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ ان کے بعد جتنے مجدد پیدا ہوئے ان میں ہر ایک نے کسی خاص شعبے یا چند شعبوں ہی میں کام کیا۔ چناچہ مجدد کامل کا مقام ابھی تک خالی ہے۔ (4)

---

1 ۔ تفہیم القرآن، ج 1، ص 288، 1996 ایڈیشن۔

2 ۔ خلافت وملوکیت، ص 146۔

3 ۔ تفہیمات، ج 1، ص 360۔

4 ۔ تجدید واحیائے دین، ص 49۔

اور یہی جہالت ہم ایک نہایت قلیل جماعت (جماعت اسلامی) کے سوا مشرق سے لیکر مغرب تک کے مسلمانوں میں عام دیکھ رہے ہیں خواہ ان پڑھ ہوں یا دستار بند علماء یا خرقہ پوش مشائخ یا کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ حضرات، ان سب کے خیالات اور طور طریقے ایک دوسرے سے بدرجہا مختلف ہیں۔ مگر اسلام کی حقیقت اور اسکی روح سے ناواقف ہونے میں سب یکساں ہیں۔ [1]

میرا طریقہ یہ ہے کہ میں بزرگان سلف کے خیالات اور کاموں پر بے لاگ تحقیقی و تنقیدی نگاہ ڈالتا ہوں، جو کچھ ان میں حق پاتا ہوں، اسے حق کہتا ہوں اور جس چیز کو کتاب و سنت کے لحاظ سے یا حکمت عملی کے عتبار سے درست نہیں پاتا، اس کو صاف صاف نادرست کہتا ہوں۔ [2]

عربی زبان کی تعلیم کا پرانا ہولناک طریقہ اب غیر ضروری ہو گیا ہے۔ جدید طرز تعلیم سے آپ چھ مہینے میں اتنی عربی سیکھ سکتے ہیں کہ قرآن کی عبارت سمجھنے لگیں۔ [3]

میرے نزدیک صاحب علم آدمی کے لئے تقلید ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز ہے۔ [4]

میں نہ مسلک اہل حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت کا پابند ہوں۔ [5]

---

1 - تفہیمات، ج1، ص45۔

2 - رسائل ومسائل، ج1، ص415۔

3 - تفہیمات، ج2، ص295، طبع چہارم۔

4 - رسائل ومسائل، ج1، ص244، طبع دوم۔

5 - رسائل ومسائل، ج1، ص49،، طبع29۔

شاید مودودی صاحب کی اسی آزادانہ روش کا یہ نتیجہ ہے کہ امت کے جلیل القدر ائمہ تو اپنی جگہ حضرات صحابہ کرام اور انبیاء پر تنقید کرتے ہوئے نہ شرمائے اور یہی وجہ ہے جس کی بنا پر اہل تشیع اور روافض کی طرف سے مودودی صاحب کو خوب سراہا گیا، چند ایک حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

شیعہ روافض کی نظر میں مودودی صاحب کی شخصیت

سید مودودی صرف پاکستان ہی کے نہیں پورے عالم اسلام کے قائد تھے ان کے اسلامی فکر نے پوری اسلامی دنیا میں اسلامی انقلاب کی تحریک برپا کر دی۔۔۔ انکے مشن کو آگے بڑھانے کی بہت ضرورت ہے"۔ امام خمینی کا بیان۔[1]

شیعوں نے مودودی صاحب کو شیعہ مذہب کی خدمات کے صلے میں "آیت اللہ" کا خصوصی خطاب دیا ہے جب کہ شیعوں کے ہاں "آیت اللہ" کا خطاب عام شیعوں کے لئے نہیں ہوتا بلکہ یہ صرف قابل اعتماد اور ذمہ دار شیعہ کے لئے ہوتا ہے۔[2]

ایرانی انقلاب کے اہم رکن آیت اللہ نوری کا بیان "مودودی صاحب کا بڑا کارنامہ ہے کہ ہماری شیعہ تہذیب کو دنیا کے سامنے واضح کیا"۔[3]

اور یہ تعریف کیوں نہ ہوتی جب کہ مودودی صاحب نے انہی کی طرف داری کرتے ہوئے پوری امت کو کفر کے دہانے پر لا کھڑا کیا (العیاذ باللہ)

ڈاڑھی کے متعلق مودودی صاحب کی گمراہی

پوری امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ ڈاڑھی ایک مشت رکھنا واجب ہے چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے:

---

[1] ۔ ہفت روزہ "شیعہ" لاہور، ۱۱۸ کتوبر ۱۹۷۹ء۔

[2] ۔ ہفت روزہ صدائے بلتستان یکم مارچ ۱۹۷۹ء۔

[3] - روزنامہ، جسارت، مودودی، صفحہ 64۔

" احفوا الشوارب واعفوا اللحی"۔[1] ترجمہ: مونچھوں کو کٹواؤ اور ڈاڑھی کو بڑھاؤ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے "امام مسلم" اور اصحابِ سنن نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دس چیزیں فطرت میں سے ہیں (پیدائشی سنت ہیں): ایک تو مونچھ خوب کتروانا، دوسری داڑھی چھوڑنا، تیسری مسواک کرنا، چوتھی پانی سے ناک صاف کرنا، پانچویں ناخن کاٹنا، چھٹی انگلیوں کے جوڑوں کو دھونا، ساتویں بغل کے بال اُکھاڑنا، آٹھویں زیرِ ناف کے بال مونڈنا، نویں پانی سے استنجا کرنا۔ زکریاؒ روای کہتے ہیں کہ مصعبؒ نے کہا: میں دسویں چیز بھول گیا، مگر یہ کہ یہ کلی ہوگی۔

" عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " عشر من الفطرة: قص الشارب، وإعفاء اللحية، والسواك، واستنشاق الماء، وقص الأظفار، وغسل البراجم، ونتف الإبط، وحلق العانة، وانتقاص الماء" قال زكريا: قال مصعب: ونسيت العاشرة إلا أن تكون المضمضة"۔[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے "بزار" نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجوسیوں کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں بڑھاؤ۔

" عن أنس أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: خالفوا على المجوس جزوا الشوارب وأوفوا اللحى"۔[3]

---

1 - مسلم، ج1، ص129۔

2 - صحيح مسلم، 1/223۔

3 - مسند البزار، البحر الزخار، 13/90۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں بڑھاؤ، مجوسیوں کی مخالفت کرو۔

"عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: جُزُّوا الشوارب، وأرخوا اللحى خالِفوا المجوس"۔[1]

مذکورہ بالا احادیث میں صراحت سے داڑھی کے بڑھانے کا حکم ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے صریح حکم کی خلاف ورزی ناجائز اور حرام ہے۔

لیکن نام نہاد جماعت اسلامیہ کے بانی ابوالاعلی مودودی صاحب کا پوری امت مسلمہ سے بالکل مختلف ہے وہ لکھتے ہیں:

آپ کا خیال ہے" نبی ﷺ جتنی بڑی ڈاڑھی رکھتے تھے اتنی ہی بڑی ڈاڑھی رکھنا سنت یا اسوہ رسول ہے۔۔۔ مگر میرے صرف یہی نہیں کہ یہ سنت کی صحیح تعریف نہیں ہے بلکہ میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا اور پھر ان کی اتباع پر اصرار کرنا ایک سخت قسم کی بدعت اور ایک خطرناک تحریف دین ہے۔[2]

ڈاڑھی کے متعلق نبیؐ نے کوئی مقدار مقرر نہیں کی ہے، صرف یہ ہدایت فرمائی ہے کہ رکھی جائے۔[3] میرے نزدیک کسی کی ڈاڑھی کے چھوٹے یا بڑے ہونے سے کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوتا۔[4]

---

1 - صحيح مسلم، كتاب الطهارة / باب خصال الفطرة 129/1، رقم:260، بيت الأفكار الدولية۔

2 - رسائل ومسائل، حصہ اول، ص247۔

3 - رسائل ومسائل، ج1، ص147۔

4 - رسائل ومسائل، ج1، ص153۔

مودودی صاحب کی نظر میں تصور اسلام

مودودی صاحب کے نزدیک دین اسلام ایک سیاسی تحریک کا نام ہے جو زمین پر خدا تعالیٰ کی حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ قائم کرنے کے لئے برپا کی گئی ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

اسلامی تحریک میں ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ تنہا لیڈر ہیں جن کی زندگی میں ہم کو اس تحریک کی ابتدائی دعوت سے لے کر اسلامی اسٹیٹ کے قیام تک اور قیام کے بعد اس اسٹیٹ کی شکل و دستور تک ایک ایک مرحلے اور ایک ایک پہلو کی پوری پوری تفصیلات اور نہایت مستند تفصیلات ملتی ہیں۔

اس دوران میں تحریک کے لیڈر نے اپنی تحریک کے اصول کا اور ہر اس چیز کا جس کے لئے یہ تحریک اٹھی تھی پورا پورا مظاہرہ کیا۔[1]

اسلام کو ایک سیاسی تحریک کی حیثیت سے پیش کرنا اور انبیاء کرام کو اس تحریک کے لیڈر قرار دینا دین کا وہ تصور ہے جس سے اس کی روح مسخ ہو کر رہ جاتی ہے اور دین کا پورا نظام مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

بني الإسلام على خمس، شهادة أن لا إله إلا الله، وأن محمدا رسول الله، وإقام الصلاة وإيتاء الزكاة وصوم شهر رمضان وحج البيت۔[2]

کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: 1۔ کلمہ شہادت کا اقرار 2۔ نماز قائم کرنا 3۔ زکوٰۃ دینا 4۔ رمضان کے روزے رکھنا 5۔ حج بیت اللہ کرنا

اور اسلام کے یہ بنیادی ارکان خود مقصود بالذات ہیں اور دین کا سارا نظام انہیں کے گرد گھومتا ہے

---

[1] ۔ اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے، ص23،24،32۔

[2] ۔ مسند الحميدى، 560/1، ط، دار السقا، دمشق سوريا

یہاں تک کہ جہاد اور ہجرت بھی انہیں کی خاطر مشروع ہوئی اور سیاست و حکومت سے مقصود بھی انہیں پر عمل پیرا ہونا ہے اور دین کے باقی تمام اعمال واخلاق گویا انہی پانچ سے نکلتے ہیں اسی وجہ سے جو مرتبہ دین میں ان ارکان کو حاصل ہے وہ کسی اور عمل کو نہیں۔

لیکن مودودی صاحب کے دینی خاکہ میں اصل الاصول زمین پر اسلام کی سیاست و حکمرانی قائم کرنا ہے اور دین کا سارا نظام بقول ان کے حکومت ہی کے گرد گھومتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا دین ایک سیاسی نظام ہے جس کا مقصد حکومت الہیہ قائم کرنا ہے اور یہی مقصود بالذات ہے باقی اعمال نماز وغیرہ اسی کی مشق اور ٹریننگ ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> یہ ہے اس عبادت کی حقیقت جس کے متعلق لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض نماز روزہ اور تسبیح و تحلیل کا نام ہے اور دنیا کے معاملات سے اسے کوئی سروکار نہیں حالانکہ دراصل صوم وصلوٰۃ اور حج وزکوٰۃ اور ذکر و تسبیح انسان کو اس بڑی عبادت کے لئے مستعد کرنے والی تمرینات ہیں۔[1]

یہاں یہ بات سمجھنا بھی ضروری ہے کہ دین اسلام کے مختلف شعبے ہیں جن کو عقائد، عبادات، اخلاق، معاشرت، معاملات اور سیاست کے بڑے بڑے عنوانات پر تقسیم کیا گیا ہے اس لئے سیاست بھی بلاشبہ دین ایک حصہ ہے شریعت نے اس کے احکام وقوانین بھی دیئے ہیں مگر پورے دین کو ایک سیاسی تحریک بنا دینا اور اس کے سارے شعبوں کو اسی ایک محور کے گرد گھما دینا اور عقائد وعبادات تک کو اسی سیاست کے خادم کی حیثیت دے دینا بڑی خطرناک غلطی ہے۔

جن عبادات اور جن اخلاق کو نبی کریم ﷺ نے سب سے زیادہ اہمیت دی اور جن کے بے شمار فضائل اور جن پر بڑی بڑی جنت کی بشارتیں دی گئیں وہ مودودی صاحب کی نظر میں صرف ایک

---

[1] ۔ تفہیمات، ص56، طبع چہارم

ثانوی درجے کی چیز بن کر رہ گئے بلکہ مودودی صاحب ان کا تمسخر بھی اڑاتے ہیں جس سے ایمان کی روح تک کانپ جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:

خواص نے اس کے برعکس دوسرا راستہ اختیار کیا وہ تسبیح و مصلیٰ لے کر حجروں میں بیٹھ گئے خدا کے بندے گمراہی میں مبتلا ہیں دنیا میں ظلم پھیل رہا ہے حق کی روشنی پر باطل کی ظلمت چھارہی ہے خدا کی زمین پر ظالموں اور باغیوں کا قبضہ ہو رہا ہے الٰہی قوانین کی بجائے شیطانی قوانین کی بندگی خدا کے بندوں سے کروائی جارہی ہے مگر یہ ہیں کہ نفل پر نفل پڑھ رہے ہیں تسبیح کے دانوں کو گردش دے رہے ہیں ہو حق کے نعرے لگا رہے ہیں قرآن پڑھتے ہیں محض ثواب تلاوت کی خاطر، حدیث پڑھتے ہیں مگر محض تبرکاً، سیرت پاک اور اسوہ صحابہ پر وعظ فرماتے ہیں مگر قصہ گوئی کا لطف اٹھانے کے سوا کچھ مقصود نہیں، دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل اللہ کا سبق نہ ان کو قران میں ملتا ہے نہ حدیث میں نہ سیرت پاک میں نہ اسوہ صحابہ میں کیا یہ عبادت ہے؟۔[1]

ملاحظہ فرمایئے یہ ہیں مودودی صاحب کے افکار و نظریات امت کو کب ان سے فائدہ ہوتا البتہ اسلام دشمن قوتوں کو ان کے افکار سے بہت فائدہ ہوا چنانچہ ماقبل میں ہم مودودی صاحب کی شخصیت پر روافض کا تبصرہ پیش کر چکے ہیں۔

بادہ عصیاں سے دامن تر بہ تر
پھر بھی دعویٰ ہے کہ اصلاح دو عالم ہم ہی سے ہے

---

[1] ۔ تفہیمات، ص59، طبع چہارم 1947ء

مودودیت اکابر علماء کی نظر میں

ابتداء میں حضرت مولانا منظور نعمانی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور مولانا سید سلیمان ندوی غیرہ کی تائید بھی رہی ان سب کو دیکھ کر لوگوں کی نگاہیں اٹھیں اور ہر طرف سے امیدیں وابستہ ہونے لگی، مگر چھ ماہ کے اندر اندر ہی مولانا منظور نعمانی رحم اللہ اور مولانا ابوالحسن علی ندویؒ مستعفیٰ ہوگئے اور پھر آہستہ آہستہ سب ہی جدا ہوگئے اور پھر تمام اہلِ حق کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ مودودی صاحب کی تحریرات جدید فتنہ انگریز کا سامان مہیا کر رہی ہیں اور جب مودودی صاحب کے قلم سے تفہیم القرآن، ترجمان القرآن، اور خلافت وملوکیت وغیرہ وُجود میں آئی، تو تمامعلماء نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔

مودودی صاحب کے گمراہ ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے دین کو کسی سے پڑھا نہیں اور صرف اپنے مطالعہ پر اعتماد کیا، اس کے ساتھ ساتھ بد قسمتی یہ کہ نیاز فتح پوری جیسے ملحد وزندیق آدمی کی صحبت بھی ملی، اس کے ساتھ اللہ نے ان کو زور قلم اور شوخی تحریر کی آمیزش بھی دی، ایک طرف ذہن آزاد اور دوسری طرف قلم میں وہ طاقت کہ جس طرح چاہے اپنی تحریر کو موڑلیں، اس وجہ سے ان کے قلم سے ایسی تحریرات سامنے آئیں کہ جن کی ایک مسلمان سے امید نہیں کی جاسکتی ہے۔

1۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"میرا دل اس تحریک کو قبول نہیں کرتا"۔ (1)

2۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اب تک ہم نے مودودی صاحب اور ان کی جماعت نام نہاد جماعت اسلامی کی اصولی

---

1 - روزنامہ احسان لاہور، 11 ستمبر 1948۔

غلطیوں کا ذکر کیا ہے جو انتہائی درجہ میں گمراہی ہے، اب ہم ان کی قرآن شریف اور احادیث صحیحہ کی کھلی ہوئی مخالفتوں کا ذکر کریں گے جن سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ مودودی صاحب کا کتاب و سنت کا بار بار ذکر فرمانا محض ڈھونگ ہے، وہ نہ کتاب کو مانتے ہیں اور نہ سنت کو مانتے ہیں بلکہ وہ خلاف سلف صالحین ایک نیا مذہب بنا رہے ہیں اور اسی پر لوگوں کو چلا کر دوزخ میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔[1]

ایک مقام پر کسی سائل کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:

یہ جماعت گمراہ جماعت ہے اس کے عقائد اہلسنت والجماعت اور قرآن وحدیث کے خلاف ہیں۔۔۔۔ یہ لوگ عام مسلمانوں کو دھوکہ دینے اور اپنا ہمدم بنانے کے لیے اسلام اور دین کا نام لیتے ہیں ناواقف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اصلی اور دیندار ہیں ان کے رسائل اور کتابوں میں دینی پیرائے میں وہ بد دینی اور الحاد کی باتیں مندرج ہیں جن کو ظاہر بین اور ناواقف انسان سمجھ نہیں سکتے۔[2]

3۔ محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مودودی صاحب کے رسائل ومقالات وتالیفات میں ایسے خطرناک مواد اور خطرناک تعبیرات موجود ہیں جن سے جدید نسل جو باقاعدہ علوم دین سے ناواقف ہیں وہ گمراہی وضلالت ہی نہیں کفر صریح میں مبتلا ہو جائیں گے۔[3]

4۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ مودودی کی جماعت اسلامی کے بارے

---

[1] ۔ مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت: ص46۔

[2] ۔ مودودی صاحب اور ان کی تحریرات کے متعلق چند اہم مضامین، ص15۔

[3] ۔ مودودی صاحب اور ان کی تحریرات کے متعلق چند اہم مضامین، ص11، ط، دارالاشاعت کراچی

میں فرماتے ہیں:

مودودی جماعت اور جماعت کے لٹریچر سے عام لوگوں پر یہ اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ ائمہ ہدایت کی اتباع سے آزادی اور بے تعلقی پیدا ہو جاتی ہے جو عوام کے لیے مہلک اور گمراہی کا باعث ہے جو حضرات اس کو معمولی سمجھتے ہیں ان کو غالباً جماعت کے افراط سے اختلاف کی نوبت نہیں آتی جس سے ان کو مضرتوں کا اندازہ نہیں ہوتا بہر حال یہ ناکارہ اس جماعت میں شرکت یا ان کے لٹریچر کے پڑھنے کو مسلمانوں کے لیے انتہائی مضر سمجھتا ہے۔ (1)

5۔ حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری مفتی دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ لوگ جماعت اسلامی سے اجتناب کریں اور دوری اختیار کریں اس میں شرکت زہر قاتل ہے اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ لوگوں کو اس جماعت سے روکیں تاکہ گمراہ نہ ہوں اور اس جماعت کا ضرر اس کے نفع سے کہیں زیادہ ہے پس تسامح اور سستی اور غفلت جائز نہیں اور ہر وہ شخص جو اس جماعت کی طرف لوگوں کو دعوت دے گا یا اس کی تائید کرے گا یا اس کسی قسم کی اعانت کرے گا گناہ گار اور عاصی ہو گا اور معصیت کی طرف دعوت دینے والا شمار ہو گا بجائے اس کے کہ وہ ثواب کا متوقع رہے اور اس جماعت کا کوئی آدمی اگر امامت کرے گا کسی مسجد میں اس کے پیچھے نماز مکروہ ہو گی۔ (2)

6۔ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] ۔ المرجع السابق ص 17۔

[2] ۔ الاستاد المودودی ص 50 بحوالہ، مودودی صاحب اور ان کی تحریرات کے متعلق چند اہم مضامین، ص 30

احقر کے نزدیک مولانا مودودی صاحب کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ عقائد اور احکام میں ذاتی اجتہاد کی پیروی کرتے ہیں خواہ ان کا اجتہاد جمہور علماء اہلسنت کے خلاف ہو حالانکہ احقر کے نزدیک منصب اجتہاد کی شرائط ان میں موجود نہیں اس بنیادی غلطی کی بنیاد پر ان کے لٹریچر میں بہت سی باتیں غلط اور جمہور علماء اہلسنت کے خلاف ہیں۔[1]

7۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ:

(مودودی صاحب نے 1948ء میں جہاد کشمیر کے متعلق جب یہ کہا کہ پاکستانی مسلمانوں کے لئے رضاکارانہ طور پر بھی اس میں حصہ لینا جائز نہیں ہے) تو علامہ عثمانی نے ان کو تحریر فرمایا:

بعض احباب نے مجھے ترجمان القرآن کا وہ پرچہ دکھایا جس میں آپ نے کسی شخص کے خط کا جواب دیتے ہوئے جنگ کشمیر کے متعلق اپنے خیالات، شرعی حیثیت سے ظاہر فرمائے ہیں۔ جنگ کشمیر کے اس نازک مرحلے پر آپ کے قلم سے یہ تحریر دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور شدید قلق بھی ہوا کیونکہ میرے نزدیک اس معاملہ میں آپ کی جانب سے ایسی مہلک لغزش ہوئی ہے جس سے مسلمانوں کو عظیم نقصان کا احتمال ہے۔[2]

8۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ:

قطب زمان حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے ایک کتاب "حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب" تحریر فرمائی تھی، اس میں ارشاد فرمایا:

---

[1] ۔ مودودی صاحب اور ان کی تحریرات کے متعلق چند اہم مضامین، ص32۔

[2] ۔ اشرف السوانح: ج4 ص24 ۔

برادران اسلام! مودودی صاحب کی تحریک کو بہ نظر غور دیکھا جائے تو ان کی کتابوں سے جو چیز ثابت ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ مودودی صاحب ایک نیا اسلام مسلمانوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں اور نعوذ باللہ من ذالک نیا اسلام لوگ تب ہی قبول کریں گے جب پرانے اسلام کی درودیوار منہدم کر کے دکھا دیئے جائیں اور مسلمانوں کو اس امر کا یقین دلا دیا جائے کہ ساڑھے تیرہ سو سال کا اسلام جو تم لئے پھرتے ہو وہ نا قابل روایت اور نا قابل عمل ہو گیا ہے۔ اس لئے اس نئے اسلام کو مانو اسی پر عمل کرو جو مودودی صاحب پیش فرما رہے ہیں۔

اے اللہ! میرے دل کی دعائیں قبول فرما! مودودی صاحب کو ہدایت فرما اور ان کے متبعین کو بھی اس جدید اسلام سے توبہ کی توفیق عطاء فرما۔ آمین یا الہ العالمین۔ [1]

خدا جانے مودودی صاحب کو کیا ہو گیا ہے؟! اللہ تعالیٰ کے ہر بندے کی توہین اپنی عادت بنالی ہے۔ اسی لیے تو میں کہتا ہوں اور میرے دل میں اس بات کا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ مودودی صاحب سے ناراض ہے، اسی لئے تو [مودودی صاحب] اللہ کے ہر مقبول بندے کی توہین بڑی دلیری سے کرتے ہیں۔ [(2)]

9۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند)

آپ رحمہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیار حق ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں:

اندریں صورت مودودی صاحب کا دستور جماعت کی بنیادی دفعہ میں عموم و اطلاق کے ساتھ یہ دعویٰ کرنا کہ رسول خدا کے سوا کوئی معیار حق اور تنقید سے بالاتر نہیں

---

[1] ۔ حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب ص:4۔

[2] ۔ حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب ص:43۔

ہے جس میں صحابہ سب کے سب شامل ہوتے ہیں اور پھر ان پر جرح و تنقید کا عملی پر وہ بھی ڈال دینا حدیث رسول کا محض معارضہ ہی نہیں بلکہ ایک حد تک خود اپنے معیار ہونے کا ادعاء ہے جس پر صحابہ تک کو پرکھنے کی جرات کر لی گئی۔ گویا جس اصول کو شد و مد سے تحریک کی بنیاد قرار دیا گیا تھا اپنے ہی بارے میں اسے ہی سب سے پہلے توڑ دیا گیا اور سلف و خلف کے لئے رسول اللہ ﷺ کے سوا خود معیار حق بن بیٹھنے کی کوشش کی جانے لگی۔ (1)

10۔ مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ خلیفہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ و مہتمم خیر المدارس ملتان:

مودودی صاحب اور اس کے متبعین کے بعض مسائل خلاف اہل سنت والجماعت کے ہیں، سلف صالحین کی اتباع کے منکر ہیں، لہذا بندہ ان کو ملحد سمجھتا ہے۔ (2)

11۔ حضرت مولانا شمس الحق افغانی (سابق وزیر معارف قلات):

مودودی صاحب کی تحریرات پر نگاہ ڈالی، موصوف کے متعلق احقر کا تاثر یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے اسلام سے مطمئن نہیں اس لئے اس کو اپنے ڈھب پر لانا چاہتے ہیں جس کے لئے اصلی اسلام میں ترمیم ناگزیر ہے، لیکن اس کا چھپانا بھی ضروری ہے، اس لئے وہ اپنی اسی ترمیم کے تخریبی عمل کو انشاء پردازی، اقامت دین کے نعروں، یورپی طرز کے پروپیگنڈا کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی تخریبی عمل کے محرکات دو ہیں۔ نفسیاتی تعلی اور فقدان خشیت اللہ، اور عوام میں

---

1 ۔ مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت: ص18۔

2 ۔ مودودی صاحب اور ان کی تحریرات کے متعلق چند اہم مضامین، ص، 21، ط، دارالاشاعت کراچی۔

بھی اس دونوں بیماریوں میں مبتلا افراد کی کمی نہیں ہے، یہی باطنی ہم رنگی اس تحریک کی توسع کی اصلی سامان ہے۔ (1)

12۔ اسوۃ الصلحاء شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب (غورغشتوی خلیفہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ):

مودودی صاحب "ضال اور مضل "یعنی خود گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔ (2)

13۔ استادالعلماء حضرت مولانا عبد الحق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، ضلع پشاور):

مودودی صاحب کے عقائد اہل السنت والجماعت کے خلاف اور گمراہ کن ہیں، مسلمان اس فتنے سے بچنے کی کوشش کریں۔ (3)

---

1 - المرجع السابق

2 ۔ المرجع السابق ص22۔

3 ۔ المرجع السابق ص22۔

ڈاکٹر اسرار احمد

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بھارت کے ضلع ہریانہ میں بتاریخ 26 اپریل 1932ء کو پیدا ہوئے قیام پاکستان کے بعد لاہور منتقل ہوئے اور گورنمنٹ کالج سے ایف ایس سی کا امتحان پاس کیا1954ء میں کنگ ایڈورڈ کالج سے ایم بی بی ایس کرنے کے بعد 1965ء میں جامعہ کراچی سے ایم اے کی سند حاصل کی 1971ء تک میڈیکل کی پریکٹس کی دوران تعلیم اسلامی جمیعت طلباء سے منسلک رہے اور اس کے ناظم اعلیٰ بھی مقرر ہوئے تعلیم سے فراغت کے بعد جماعت اسلامی میں شمولیت اختیار کی اور جماعت اسلامی سے انتخابی، سیاسی اور چند ایک فکری اختلافات کی وجہ سے علیحد گی اختیار کرلی اور ازخود اسلامی تحقیق کا سلسلہ شروع کیا۔

1975ء میں باقاعدہ تنظیم اسلامی کی بنیاد رکھی مشہور بھارتی سکالر ڈاکٹر ذاکر نائیک سے ان کے بہت قریبی تعلقات تھے14 اپریل 2010ء کو 78 برس کی عمر میں فوت ہوئے۔

افسوس کا مقام ہے کہ کس طرح بڑے بڑے باصلاحیت لوگ جادہ اعتدال سے ہٹ کر غلطیوں کا شکار ہوجاتے ہیں اور امت کو خالص نفع پہنچانے کی بجائے بہت سی بے اعتدالیوں کا شکار ہو گمراہیوں کی ملاوٹ کر دیتے ہیں ڈاکٹر صاحب کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔

دینی تحریک وجماعت کے سربراہ کے اوصاف

کسی دینی تحریک کے سربراہ کے لئے جو اوصاف ضروری ہیں ڈاکٹر صاحب ان کا خلاصہ یہ نکالتے ہیں کہ:

"ایک یہ کہ وہ باضابطہ اور مستند عالم دین ہو اور دوسرے یہ کہ متقی اور مزکی ہو"۔[1]

اور یہی بات بہت سے علماء نے بھی کہی ہے کہ کسی دینی تحریک وجماعت کا سربراہ ایسا شخص ہونا

[1] ۔جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، ص522۔

چاہیئے جو فقیہ و عالم ہو اور اہل حق کو اس کے دین کے بارے میں مکمل اطمینان ہو اور اس کے اس راہ مستقیم سے پھسلنے کا کوئی اندیشہ نہ ہو اور یہ ضابطہ ان اوصاف نبوت کا ہے جو کار نبوت کے لئے شرط ہیں اگر کسی میں یہ ضابطہ ہی مفقود ہے تو وہ ایسی سربراہی کا اہل ہی نہیں ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اس بارے میں تفصیلاً لکھتے ہیں:

> پس جو شخص علمی رسوخ میں لائق اعتماد نہ ہو جس کا عملی معیار مستند نہ ہو جس نے اہل قلوب اور ارباب باطن کی صحبت میں رہ کر اپنے اخلاق کا تزکیہ اور اپنی باطنی کیفیات کی اصلاح نہ کی ہو اس کے بارے میں یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ وہ کسی دینی تحریک کی قیادت کرتے ہوئے نیابت نبوت کے حقوق ٹھیک ٹھیک ادا کر سکے گا اور وہ کسی افراط و تفریط، خود رائی و کجروی کا شکار نہیں ہو گا، ایک ایسا شخص جس نے علوم نبوت کو کسی ماہر شریعت سے نہیں سیکھا جس نے کسی مرد کامل کی صحبت میں رہ کر اپنا تزکیہ باطن نہیں کرایا، جس نے لائق اعتماد مشائخ سے حکمت دین کا درس نہیں لیا جس نے کتاب و سنت کے اسرار و حقائق کو کسی جاننے والے سے نہیں سمجھا جس نے اپنے علم و عمل عقائد و نظریات اور سیرت و اخلاق کو اسوہ نبوی میں ڈھالنے کی محنت و ریاضت نہیں کی اور جس کا فہم دین جنگل کی خود رو گھاس ہے (کیا) وہ دینی قیادت کا منصب سنبھال سکتا ہے۔[1]

لیکن ڈاکٹر صاحب ان اوصاف کو خود ضروری نہیں سمجھتے اور لکھتے ہیں:

> ان میں سے دوسری چیز یعنی تزکیہ نفس تو کسی ناپ تول میں آنے والی نہیں اور اس کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں ہو سکتا، لہٰذا آخری تجزیے میں شرط واحد یہ رہ جاتی ہے

[1] ۔ ڈاکٹر اسرار احمد، افکار و نظریات، ص 5، دار التقویٰ لاہور

کہ علم دین کا حصول مروجہ معیارات کے مطابق ہو اور مسلمۃ المقام علماء کرام سے سند فراغت حاصل کی ہو اس پر سب سے پہلی گذارش تو یہ ہے کہ کسی ایک ہی ایسے بڑے فتنے کا نام بتا دیا جائے جس کا آغاز کرنے والے مستند عالم دین اور مسلّم حیثیت کے مالک علماء سے فیض یافتہ نہ ہوں چنانچہ کیا مسلم انڈیا کی تاریخ میں دین الٰہی کے مصنف ابو لفضل اور فیضی مسلم عالم دین نہ تھے اسی طرح عصر حاضر کے عظیم فتنوں کے بانیوں میں سے سرسید احمد خان مرحوم وقت کے اعلیٰ ترین معیارات کے مطابق عالم دین اور بہترین علماء کے فیض یافتہ نہ تھے ؟ کیا نور الدین بھیروی نے وقت کے چوٹی کے علماء سے کسب فیض نہیں کیا تھا ؟ ۔۔۔۔۔۔۔ واقعہ یہ ہے کہ ہدایت و ضلالت کا دار و مدار علم پر نہیں بلکہ صرف اور صرف دو چیزوں پر ہے ایک انسان کی اپنی نیت اور دوسرے اللہ کی توفیق و تیسیر ۔۔۔۔۔۔ اس سے توفیق سلب فرمالے تو ایسا انسان جتنا بڑا عالم و فاضل ہو گا اتنا ہی بڑا فتنہ اٹھائے گا۔[1]

ڈاکٹر صاحب کی بات " ہدایت و ضلالت کا دار و مدار علم پر نہیں بلکہ صرف اور صرف دو چیزوں پر ہے ایک انسان کی اپنی نیت اور دوسرے اللہ کی توفیق و تیسیر " بجا ہے لیکن نیت و ارادے کی درستگی کے لئے بھی علم و تزکیہ نفس کی ضروت ہے کس بات کا ارادہ کرنا جائز ہے اور کس کا نہیں حالات کے تغیر سے ارادہ میں کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے یا نہیں اس کا علم بھی ضروری ہے اور حب مال و جاہ یا نفس پرستی آدمی کے ادارے کو خراب نہ کرے یہ بھی تزکیہ سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

اور یہ بھی قابل حیرت بات ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو یہ پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ " کسی ایک ہی ایسے بڑے فتنے کا نام بتا دیا جائے جس کا آغاز کرنے والے مستند عالم دین اور مسلّم حیثیت

---

[1] ۔ جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، ص 523۔

کے مالک علماء سے فیض یافتہ نہ ہوں" لیجئے انہی کی سابقہ منظور نظر جماعت اسلامی، مودودی صاحب اور انکا لٹریچر اور اسے قبول کرنے والے حضرات نہ تو باقاعدہ عالم دین ہیں اور نہ ہی کسی مسلمہ شخصیت کے تربیت یافتہ۔

ماقبل میں مودودی صاحب کے بارے میں علماء امت کے اقوال وارشادات ہم تفصیلاً ذکر کر آئے ہیں وہاں مودودی صاحب کو سمجھنے کے لئے مراجعت کرلی جائے۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے جتنے فتنہ گروں کی گنتی کی ہے ان سب میں فتنہ کی جڑ پہلے سے ہی موجود تھی یعنی اجتہاد کی اہلیت کا نہ ہونا اور اس کے باوجود ترک تقلید اور اپنے کو کسی دوسرے ماہر مجتہد کی رہنمائی کا محتاج نہ سمجھنا، جب اپنے اندر اجتہاد کی اہلیت نہ ہوگی اور دوسرے ماہر کی ضرورت نہ سمجھی جائے گی تو ایسے ہی افکار و نظریات کے حامل لوگ جنم لیں گے اور شیطان کا آلہ کار بنیں گے یہی مرض مودودی صاحب میں بھی تھا اور اسی میں ڈاکٹر صاحب بھی گرفتار ہوئے ہیں اور وہ اس کو مرض نہیں بلکہ اعلیٰ درجے کا کمال سمجھتے ہیں اسی وجہ سے وہ اس کی تشخیص سے بھی عاجز رہے۔

اعمال کی قبولیت کے لئے ایمان شرط نہیں

حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے ہم مختصراً اسی کا خلاصہ پیش کرتے ہیں کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ایک آڈیو کیسٹ بعنوان "حقیقت وماہیت" ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

> قانونی مومن (جس نے زبان سے کلمہ پڑھ لیا ہو) اس کی باطنی اعتبار سے تین قسمیں ہیں:
>
> 1۔ دل میں مثبت طور پر ایمان ہو اس کو وہ حقیقی ایمان (plus value) سے تعبیر کرتے ہیں۔

2۔اس کے برعکس یعنی دل میں کفر ہو یہ منافق ہے اس کو(Minus value) سے تعبیر کرتے ہیں۔

3۔ان دونوں کے بین بین(Zero value) ہے کہ نہ دل میں مثبت طور پر ایمان ہو اور نہ منفی طور پر نفاق ہو بلکہ ایک خلاء کی سی کیفیت ہے اندر کچھ بھی نہیں۔

اس کے بعد کہتے ہیں:

ہم میں سے اکثر کا یہی حال ہے یہ پونجی وراثت میں ملی ہے لیکن دلوں کو ٹٹولیں تو یقین قلبی والا ایمان نہیں، الا ماشاء الله

اور اس کی دلیل سورۃ حجرات کی یہ آیت ہے:

قالت الاعراب آمنا قل لم تومنوا ولكن قولوا اسلمنا ولما يدخل الايمان فى قلوبكم ۔(الآیۃ 14)

بدوی کہتے ہیں ہم ایمان لائے آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کہو کہ ہم فرمانبردار ہوئے اور ابھی تک داخل نہیں ہوا ایمان تمہارے دلوں میں۔

بعض لوگوں کو یہ مغالطہ لگا ہے کہ یہ منافقین کا ذکر ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے اور یہ مغالطہ بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ پھر تو یہ منافق ہوئے کہ ظاہر میں اسلام ہے اور دل میں ایمان نہیں کیونکہ آگے اعمال کے قبول ہونے کا فرمان ہے:

وان تطيعوا الله ورسوله لا يلتكم من اعمالكم شيئا۔(سورۃ الحجرات آیت نمبر 14)

اور اگر تم اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی تو نہیں کمی کرے گا تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی۔

جب کہ منافق کا تو کوئی عمل بھی مقبول نہیں۔
اگرچہ قانون تو یہی بنتا ہے کہ اگر ایمان نہیں تو اطاعت قبول نہ ہو لیکن اللہ اپنی شان غفاری و رحیمی کی وجہ سے قبول کر لیتے ہیں۔[1]

اپنے اسی دعویٰ کی تائید میں ڈاکٹر اسرار صاحب نے اپنے رسالہ میثاق مدینہ شمارہ دسمبر 1990ء میں "ایمان اور اسلام کا فرق اور قانونی مسلمان کی باطنی اعتبار سے تین ممکن حالتیں" کے عنوان کے تحت علامہ ابن تیمیہ کی کتاب الایمان کی ایک فصل کے کچھ ابتدائی حصے کا ترجمہ بھی لکھتے ہیں۔

مذکورہ بالا حوالہ میں ڈاکٹر صاحب ایک طرف تو یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ دین اسلام اور قرآن کو قانون تو یہی ہے کہ بغیر ایمان کے اطاعت قبول نہیں دوسری طرف خود یہ بھی کہتے ہیں کہ "لیکن اللہ اپنی شان غفاری و رحیمی کی وجہ سے قبول کر لیتے ہیں" تو یہ ڈاکٹر صاحب کی کج فہمی ہے یا غلط فہمی، اور یہ بات جو ڈاکٹر صاحب کو سمجھ آئی ہے ان سے پہلے کسی مفسر کو سمجھ نہیں آئی خود علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی نہیں سمجھی تو حقیقت یہی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی اپنی کج فہمی ہی کی بنا پر یہ شگوفہ رونما ہوا ہے۔

سورۃ الحجرات کی اس آیت میں اعراب سے مراد کون لوگ ہیں اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ لوگ منافق تھے ان کو ایمان کی دولت حاصل ہی نہیں ہوئی تھی اور دوسرے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ اعراب مسلمان تھے اور ان کو ایمان بھی حاصل تھا لیکن ایمان اتنا کمزور تھا کہ ان کا دعویٰ بر محل نہ تھا۔

تفسیر روح المعانی میں ہے:

قال مجاهد: نزلت في بني أسد بن خزيمة قبيلة تجاور المدينة أظهروا

---

[1] ۔ حقیقت وماہیت ایمان نمبر 4۔

الإسلام وقلوبهم دغلة إنما يحبون المغانم وعرض الدنيا(وان تطيعوا الله ورسوله) بالاخلاص وترك النفاق۔ [1]

صحابہ اور تابعین اور امام بخاری اور ان کے علاوہ اکثر مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ منافق تھے اور ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ان سب نے غلط سمجھا ہے حقیقت میں ایسا نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اگر دل میں ایمان نہیں اور کوئی نیک عمل کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول بھی کریں گے اور لغزش پر معافی کی صورت میں توبہ بھی قبول کی جائے گی اور نیز یہ بھی فرمایا کہ بعض لوگوں کو اس میں مغالطہ ہوا ہے لیکن حقیقت میں یہ مغالطہ خود ڈاکٹر صاحب کو لگا ہے کیونکہ اگر وہ لوگ صدق دل سے کلمہ پڑھ لیتے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے تو ان کے اعمال ضرور قبول کئے جاتے اس میں کوئی اشکال نہیں۔

گناہ پر اصرار ہمیشہ کے لئے جہنمی بناتا ہے

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

اس کے مقابلے میں ایک معصیت سوچ سمجھ کر calculations کر کے مستقل ڈیرہ ڈال کر کی تو ایسا گناہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنمی بنانے کے لئے کافی ہے "بلى من كسب سيئة واحاطت به خطيئة" وہ گناہ جو انسان کا احاطہ کرے وہ معاشی گناہ ہے کیونکہ یہ اکل حرام ہے جو ریشے ریشے میں سرایت کر جاتا ہے۔ [2]

ڈاکٹر صاحب کے ارشاد "سوچ سمجھ کر مستقل ڈیرہ ڈال کر "معصیت کرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک تو یہ کہ کسی گناہ کو حلال سمجھ کر مستقل کرتا رہے یا شریعت کے حکم کو استہزاء اور

---

[1] ۔ تفسیر روح المعانی ، 317/12، ط، دار الکتب العلمیة بیروت۔

[2] ۔ کیسٹ حقیقت وماہیت ایمان / کیسٹ ایمان اور اسلام

استخفاف کی نظر سے دیکھتا ہے تو یہ کفر ہے اور اس کی بدولت وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا کیونکہ جس گناہ کا حرام ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو اس کو حلال سمجھنا کفر ہے جیسا کہ فتاویٰ شامی میں ہے:

لكن في شرح العقائد النسفية: استحلال المعصية كفر إذا ثبت كونها معصيةً بدليل قطعي، وعلى هذا تفرع ما ذكر في الفتاوى من أنه إذا اعتقد الحرام حلالاً، فإن كان حرمته لعينه و قد ثبت بدليل قطعي يكفر وإلا فلا، بأن تكون حرمته لغيره أو ثبت بدليل ظني . وبعضهم لم يفرق بين الحرام لعينه ولغيره، و قال: من استحلّ حرامًا قد علم في دين النبي عليه الصلاة والسلام تحريمه كنكاح المحارم فكافر. اهـ. قال شارحه المحقق ابن الغرس وهو التحقيق. وفائدة الخلاف تظهر في أكل مال الغير ظلمًا فإنه يكفر مستحلّه على أحد القولين. اهـ. وحاصله: أنّ شرط الكفر على القول الأول شيئان: قطعية الدليل، وكونه حرامًا لعينه. وعلى الثاني يشترط الشرط الأول فقط، وعلمت ترجيحه"۔ [1]

اور دوسری صورت یہ کہ حلت کے اعتقاد اور استخفاف و استہزاء کے بغیر ہی وہ کسی کام کا برابر ارتکاب کرتا رہے تو اس سے دل میں کفر نہیں آئے گا لیکن ڈاکٹر صاحب کے قاعدہ کے مطابق وہ اس صورت میں بھی ہمیشہ کے لئے جہنمی بن جائے گا کیونکہ ڈاکٹر صاحب ایمان تو اس کے دل میں مانتے ہی نہیں اور نفاق نہ ہونے کی وجہ سے اللہ نے اس کے اسلام کو اطاعت کلی کی شرط کے ساتھ قبول کیا تھا اور اطاعت کلی پائی نہیں گئی کیونکہ معصیت اس سے وقتی جذبات اور قلبی ہیجان کی وجہ

---

1 - الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار) مطلب: استحلال المعصية القطعية كفر، 2/292۔

سے صادر نہیں ہوئی اس نے سوچ سمجھ کر کی ہے لہذا وہ اسلام بھی مقبول نہ رہا اور وہ ہمیشہ کا جہنمی بن گیا۔

لیکن اہلسنت والجماعت کے نزدیک جب تک آدمی کفر کا ارتکاب نہیں کرتا ایمان اس کے دل میں موجود رہتا ہے اور وہ اس ایمان کی بدولت جہنم سے ایک نہ ایک دن چھٹکارہ پا کر جنت میں جائے گا البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ اصرار علی المعصیۃ اسے کفر تک پہنچادے اور وہ ہمیشہ کا جہنمی بن جائے۔

مسند امام احمد میں حدیث ہے:

أن أبا ذر، قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليه ثوب أبيض، فإذا هو نائم، ثم أتيته فإذا هو نائم، ثم أتيته وقد استيقظ فجلست إليه، فقال: "ما من عبد قال: لا إله إلا الله، ثم مات على ذلك إلا دخل الجنة" قلت: وإن زنى وإن سرق؟ قال: "وإن زنى وإن سرق" قلت: وإن زنى وإن سرق؟ قال: "وإن زنى وإن سرق" ثلاثا، ثم قال في الرابعة: "على رغم أنف أبي ذر" قال: فخرج أبو ذر يجر إزاره وهو يقول: "وإن رغم أنف أبي ذر. قال: فكان أبو ذر يحدث بهذا بعد، ويقول: وإن رغم أنف ابي ذر۔ [1]

"الا دخل الجنة" کے تحت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

ففيه بشارة إلى أن عاقبته دخول الجنة، وإن كان له ذنوب جمة، لكن أمره إلى الله إن شاء عفا عنه وأدخله الجنة، وإن شاء عذبه بقدر

[1] ۔ مسند الامام احمد بن حنبل، 370/35، ط، مؤسسة الرساله۔

ذنبه، ثم أدخله الجنة۔ [1]

اس حدیث میں کوئی ایسی قید موجود نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ زنا اور چوری وقتی ہیجان کی وجہ سے صادر ہوئے ہوں نہ کہ سوچ سمجھ کر کئے گئے ہوں اور نہ یہ مذکور ہے کہ یہ گناہ اتفاقیہ کبھی سرزد ہو گئے ہوں اصرار اور تکرار سے نہ کئے گئے ہوں بلکہ زنا اور چوری تو ایسی معصیتیں ہیں جو سوچ سمجھ کر کی جاتی ہیں اور ان کی آمدنی بھی حرام ہے اس کے باوجود حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایسے گناہ گار کی موت بھی "لاالہ الااللہ" پر آتی ہے تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔

ڈارون کا نظریہ ارتقاء مخالف حدیث ہونے کے باوجود درست ہے

نظریہ ارتقاء کے قائلین کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اس طرح نہیں ہوئی کہ گارے مٹی سے پہلے پتلا بنایا گیا پھر اس میں روح پھونکی گئی بلکہ ان کے نزدیک آدم اور حوا علیہما السلام انسانوں سے مشابہہ بندروں کی اولاد تھے اور بندر بھی ہمیشہ سے بندر نہیں تھے بلکہ ہو اس سے پہلے کمتر درجے میں تھے ان کے نزدیک دنیا میں حیات کی ابتداء یک خلیاتی (unicellular) صورت میں شروع ہوئی جو کروڑوں اربوں سالوں میں مختلف جانداروں میں ارتقائی منازل طے کرکے انسان تک پہنچی یہ نظریہ محض ایک مفروضہ ہے کیونکہ پہلے یہ خیال تھا کہ حیات کا ابتدائی مظہر امیبا (amoeba) ہے لیکن ارتقائی سوچ سے اس میں ترقی ہوئی اور امیبا سے نکل کر وائرس (virus) تک پہنچ گئی۔

ڈاکٹر اسرار صاحب کی ایک ریکارڈ شدہ تقریر "قرآن اور نظریہ ارتقاء" کے نام سے موجود ہے اس میں نظریہ ارتقاء کو قبول کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے قرآن کریم کی ان آیت سے استدلال کیا "خلقكم من تراب ۔ من طين لازب اورمن صلصال من حماء مسنون" وغیرہ

---

[1] ۔ مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ، كتاب الايمان ، 100/1 ، ط، دار الفكر، بيروت لبنان

اور ان آیات سے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ آخر کہیں تراب کہیں طین لازب اور کہیں حماء مسنون کا ذکر ہے تو اس میں کسی بات کی طرف اشارہ ہے، پھر نتیجہ یہ نکالا کہ کیچڑ سوکھی اور مٹی کھٹکھٹانے لگی یعنی اس میں خمیر پیدا ہوا اور اس سے پہلا جاندار امیبا پیدا ہوا جو عام طور پر تالابوں اور جوہڑوں میں پایا جاتا ہے۔

ارتقاء کے مجوزہ ماہرین کے نزدیک حیات کی ابتداء وائرس سے ہوئی وائرس کی دریافت سے قبل امیبا کو حیات کا مظہر سمجھا جاتا تھا لیکن اب ان ماہرین کے نزدیک وائرس کا وجود کیچڑ اور مٹی کا بھی محتاج نہیں رہا ان کے نزدیک ابتدائی فضائی گیس، برق اور ماورائے بنفشی روشنی کی موجودگی میں متحد ہو کر سادہ نامیاتی مرکبات میں تبدیل ہو گئی ہو گی جوں جوں زمین ٹھنڈی ہوتی گئی آبی بکارات جم کر تالاب، دریا اور سمندروں میں منتقل ہو گئے ہوں گے سادہ نامیاتی مواد ان پانیوں میں لاکھوں سالوں جمع ہوتے گئے ہوں گے اس یخنی (منجمد) مرکبات کے بارے میں توقع کی جا سکتی ہے کہ انہوں نے ایک دوسرے میں عمل کر کے مختلف کیمیائی چیزیں بنائی ہوں گی اور یہ بھی فرض کیا جا چکا ہے کہ حیات کی ابتدائی صورتوں نے ان محیط سمندر کے نامیاتی مرکبات کو اپنی زندگی اور تناسل کے لئے استعمال کیا ہو گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ:

نظریہ ارتقاء ابھی تک محض ایک مفروضہ اور قیاس آرائی ہے اگرچہ اس کے لئے کچھ شواھد ذکر کئے جاتے ہیں لیکن وہ کامل اور تام نہیں ہیں خصوصاً عالم حیوانات اور اس سے بھی بالخصوص انسان کے بارے میں تو یہ ابھی مفروضہ اور قیاس آرائی سے زیادہ نہیں ہے۔

اسی طرح حیات کی ابتداء وائرس سے ہوئی جس کے وجود کے لئے مٹی وغیرہ کی حاجت نہیں تھی یہ بھی محض ایک مفروضہ اور قیاس آرائی ہے جو متروک ہو گیا ان فرضی چیزوں کی بنا پر قرآن اور

حدیث کی تصریحات کو نظر انداز کرنا اور بلا وجہ دور از کار تاویلات فاسدہ کرنا ڈاکٹر صاحب کی بہت بڑی زیادتی ہے۔

نظریہ ارتقاء قرآن وحدیث کی واضح تصریحات سے باطل ہے مختصراً ملاحظہ فرمایئے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ۔ [1]

بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مثال جیسی ہے اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔

علامہ رازیؒ فرماتے ہیں:

أجمع المفسرون على أن هذه الآية نزلت عند حضور وفد نجران على الرسول صلى الله عليه وسلم، وكان من جملة شبههم أن قالوا: يا محمد، لما سلمت أنه لا أب له من البشر وجب أن يكون أبوه هو الله تعالى، فقال: إن آدم ما كان له أب ولا أم ولم يلزم أن يكون ابنا لله تعالى، فكذا القول في عيسى عليه السلام۔ [2]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے پر اتفاق ہے ان کی پیدائش کو قرآن کریم نے آدم علیہ السلام کی پیدائش کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ ان کا بغیر باپ کے پیدا ہونا ایسے ہے جیسے آدم علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا، جب اس آیت سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کے

---

[1] ۔ سورة آل عمران آیت نمبر 59۔

[2] ۔ التفسير الكبير للرازي، 242/8، ط، دار إحياء التراث العربي بيروت۔

ماں باپ نہ تھے تو نظریہ ارتقاء باطل ہوا کیونکہ اس نظریہ کی رو سے ان کے ماں باپ ضرور ہونے چاہئیں، نیز صحیح مسلم کی ایک روایت ہے:

عن أنس، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لما صور الله آدم في الجنة تركه ما شاء الله أن يتركه، فجعل إبليس يطيف به، ينظر ما هو، فلما رآه أجوف عرف أنه خلق خلقا لا يتمالك۔ [1]

غرض ارتقائی طریقہ سے تخلیق انسانی کا نظریہ عقیدہ قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہے۔

رہی وہ آیات جن سے ڈاکٹر صاحب نے نظریہ ارتقاء کو ثابت کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے جو کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے سورۃ حجر کی آیت کی تفسیر میں مختلف الفاظ کے استعمال کے فوائد کے بارے میں لکھا ہے:

آدمی کی پیدائش کے متعلق یہاں دو لفظ فرمائے "صَلْصَال "(بجنے والی کھنکھناتی مٹی جو آگ میں پکنے سے اس حالت کو پہنچتی ہے اسی کو دوسری جگہ "کالفخار " فرمایا) اور " حَمَاٍمَّسْنُوْنٍ "(سڑا ہوا گارا جس سے بو آتی ہو) خیال یہ ہوتا ہے کہ اول سنے ہوئے گارے سے آدم کا پتلا تیار کیا، پھر جب خشک ہو کر اور پک کر کھن کھن بجنے لگا، تب مختلف تصورات کے بعد اس درجہ پر پہنچا کہ انسانی روح پھونکی جائے۔ روح المعانی میں بعض علماء کا قول نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کَاَنَّه، سُبْحَانَه، اَفْرَغَ الْحُمَا فَصَوَّرَ مِنْ ذَلِكَ تِمْثَالَ اِنْسَانٍ اَجُوَفَ فَيَبِسَ حَتّٰى اِذَا نُقِرَ صَوَّتَ ثُمَّ غَيَّرَه، طَوْرًا بَعْدَ طَوْرٍ حَتّٰى نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُوْحِهٖ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ

[1] ۔ الصحيح لمسلم، باب خلق الانسان خلقا لا يتمالك، 2016/4، ط، دار إحياء التراث العربي۔

اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ ۔ "حضرت شاہ صاحب لکھے ہیں مٹی پانی میں تر کی اور خمیر اٹھایا کہ کھن کھن بولنے لگی، وہی بدن ہوا انسان کا، اس کی خاصیتیں سختی اور بوجھ اس میں رہ گئیں اسی طرح گرم ہوا کی خاصیت (حدت وخفت) جن کی پیدائش میں رہی، راغب اصفہانی نے ایک طویل مضمون کے ضمن میں متنبہ کیا ہے کہ " حماٍ مسنونٍ "اور " طینٍ لازبٍ "وغیرہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ مٹی اور پانی ملا کر ہوا سے خشک کیا اور "فخّار "کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ کسی درجہ میں آگ سے پکایا گیا یہ ہی ناری جزء آدمی کی شیطنت کا منشاء ہے، اسی مناسبت سے ایک جگہ فرمایا(خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ کَالۡفَخَّارِ ۔وَخَلَقَ الۡجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ ۔الرحمن :55۔54) [1]

ڈاکٹر اسرار احمد کا تصور دین

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے اپنے بندوں پر اپنی اطاعت کی جو باتیں مقرر فرمائی ہیں اور جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب اور رضا حاصل کی جاتی ہے اسے دین کہا جاتا ہے دین کی باتیں دو طرح کی ہیں:

1۔ کچھ اصولی باتیں ہیں جو کبھی منسوخ نہیں ہوتیں جیسے اللہ کی ذات، انبیاء، فرشتوں، کتابوں، قیامت کے دن اور تقدیر وغیرہ پر ایمان لانا اور اخلاق فاضلہ کو حاصل کرنا یہ باتیں تمام ادیان سماویہ میں مشترک ہیں۔

2۔اور کچھ باتیں وہ ہیں جن کا تعلق عملی احکام سے ہے ان مین حسب مصلحت زمانہ تبدیلی ہوتی

---

1 ۔ تفسیر عثمانی، سورۃ الحجر تحت آیت نمبر 26۔

رہی ہے اور مختلف رسولوں کے ادوار میں ان میں سے بعض چیزیں منسوخ ہوتی رہی ہیں۔
اسی طرح ایک اور اصلاح "ملت" کی ہے جو دین کے ہم معنٰی ہے البتہ دونوں میں اتنا فرق ہے کہ دین کی اضافت و نسبت اللہ اور رسول اور امت سب کی طرف ہوتی ہے اور ملت کی نسبت واضافت سرف رسول کی طرف ہو سکتی ہے خدا اور امت کی طرف نہیں ہو سکتی۔
دین کی باتوں کی تفصیل یہ ہے کہ دین کی باتیں مندرجہ ذیل پانچ اقسام پر مشتمل ہیں:
1۔ عقائد
مثلاً: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، فرشتوں، کتب الٰہیہ، رسل و انبیاء اور یوم آخرت پر ایمان لانا۔
2۔ عبادات، مثلاً: نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد وغیرہ۔
3۔ معاملات
مثلاً: مالی معاملات، عائلی معاملات نکاح وغیرہ، باہمی جھگڑے اور امور عدالت اور ردت وغیرہ۔
4۔ حدود یعنی سزائیں، مثلاً: زنا کی حد اور چوری وغیرہ یا قتل کی سزائیں۔
5۔ آداب
مثلاً: اخلاق، اچھے طور طریقے اور عمدہ باتیں، حکومتی امور، معاشرتی امور اور رہن سہن وغیرہ
لیکن ڈاکٹر صاحب مذکورہ تفصیل کے خلاف لکھتے ہیں:

> دین اپنی فطرت کے اعتبار سے غلبہ چاہتا ہے وہ دین در حقیقت دین ہے ہی نہیں جو غالب نہ ہو چنانچہ انگریز کے دور غلامی میں جس دین کی اصل حکمرانی تھی وہ دین انگریز تھا، تاج برطانیہ کے نمائندے کی حیثیت سے مطاع مطلق برطانوی پارلیمان تھی۔ (1)

---

[1] ۔ مطالبات دین ص92۔

اسی طرح ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

معلوم ہوا کہ ہر نظام غلبہ چاہتا ہے اور اگر اسلام محض مذہب نہیں بلکہ دین ہے جیسا کہ فی الواقع وہ ہے "ان الدین عندالله الاسلام" تو اس کو غلبہ درکار ہے یہ منزل انگریوزوں کی دو سو سالہ غلامی کی وجہ سے ہمارے ذہنوں سے او جھل ہو گئی تھی۔۔۔۔۔۔ میں بڑے عزم کے ساتھ کہتا ہوں کہ اسلام جب غالب ہو تا ہے تو دین ہو تا ہے جب مغلوب ہو تا ہے تو صرف مذہب رہ جاتا ہے۔[1]

کیا دین اور مذہب کے درمیان کوئی فرق ہے؟ جیسا کہ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

جدید ذہن دین کو زندگی ایک نجی (پرائیویٹ) معاملہ قرار دیتا ہے اور دین کو لفظ مذہب کا مترادف سمجھ لیا گیا ہے پوری دنیا میں مذہب کا یہی تصور راسخ ہو گیا ہے یہ تصور درست نہیں ہے چونکہ اسلام مذہب ہرگز نہیں ہے بلکہ ددراصل دین ہے "ان الدین عندالله الاسلام" مذہب کے لفظ سے جو تصور ابھرتا ہے وہ یہ ہے کہ چند مابعد الطبیعیات عقائد اور ان عقائد کے تحت چند رسوم عبودیت کی انجام دہی اور چند رسوم معاشرت کی پابندی کرلی جائے تو مزہب کا تقاضا پورا ہو گیا اور ان رسوم کا تعلق انسان کی ذاتی، شخصی اور نجی زندگی ہی سے ہے اس معنٰی میں اسلام مذہب ہے ہی نہیں یہی وجہ ہے کہ پورے کے پورے قرآن مجید اور ذخیرہ احادیث نبوی میں ہمارے دین کی تعبیر کے لئے کسی جگہ لفظ "مذہب" استعمال نہیں ہوا بلکہ اصل اصطلاح "دین" استعمال ہوئی ہے۔[2]

---

[1] ۔ جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، س186۔

[2] ۔ مطالبات دین، ص92۔

ڈاکٹر صاحب کی باتیں چند وجوہ سے غلط ہیں:

1۔ اہل لغت نے دین اور مذہب میں ایسی کوئی تفریق نہیں کی دین اور مذہب ہم معنی ہیں البتہ فقہی مکاتب کے ہاں لفظ "مذہب" مخصوص سوچ یا نظریے کے لئے استعمال ہوتا ہے مذہب ہماری اسلامی تاریخ کے دین کے ماہر علماء وفقہاء کی اس فکر کا نام ہے جو انہوں نے دین کے کسی اہم مسئلے پر غور و فکر کے بعد اپنی رائے کی صورت میں دی اس سوچ اور فکر کو جب اپنایا جاتا ہے تو اسے مذہب کا نام دیا جاتا ہے اسی لئے مذاہب اربعہ یا چاروں مذاہب کی اصطلاح عام ہے اور ہر مذہب اپنا فقہی مسئلہ بتاتے وقت یہی کہتا ہے کہ ہمارے مذہب میں یوں ہے اور فلاں مذہب میں یہ ہے لیکن جب مذہبِ اسلام کہا جائے تو اس سے مراد دین اسلام ہوتا ہے۔

2۔ اسلام کے ابتدائی دور میں جب اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ حاصل نہ تھا اس وقت بھی قران نے اسلام کو دین کہا ہے سورۃ الکافرون میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "لکم دینکم ولی دین" اور اسی طرح سورۃ یونس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۔ وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔

ڈاکٹر صاحب کی عبارت کا خلاصہ تو یہی نکلتا ہے کہ انگریز کے دور غلامی میں جب اسلام غالب نہیں تھا اس وقت وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے دین نہ رہا تھا بلکہ اسوقت ان کا دین دین انگریز تھا اور ان کا مطاع مطلق برطانوی پارلیمان تھی اور ایسا نتیجہ نکلنا ظاہر ہے جبکہ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

دین اصل میں اس سے بحث کرتا ہے کہ مطاع کون ہے حاکم کون ہے حاکمیت کس کی ہے قانون کس کا چلے گا مرضی کس کی چلے گی اور وہ حاکمیت کس طرح روبعمل ہو گی

کس واسطے ہو گی کون اس کا نمائندہ ہو گا۔[1]

لہذا جب یہ تمام امور انگریز کے نظام میں تھے اور ان کا نظام ہندوستان میں عملاً رائج تھا تو معلوم ہوا کہ ہندوستان کا بشمول مسلمانوں کے دین، دین انگریز تھا، اور اسلام محض چند عقائد اور چند رسومات کا مجموعہ بن کر مذہب میں تبدیل ہو گیا تھا ان کا مطاع مطلق برطانوی پارلیمان تھی اور اسی کا حکم چلتا تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس نظریہ کے تحت مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کو طاق نسیان میں رکھ کر مسلمانوں پر ترک دین اور انگریزی دین کے اختیار کرنے کی تہمت لگائی حالانکہ مسلمانوں نے آخر دم تک انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے جنگ لڑی اور بالآخر کامیاب ہوئے، سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیلؒ کی تحریک جہاد، تحریک ریشمی رومال، تحریک خلافت، جمیعت علماء ہند کی کاوشیں اور تحریک پاکستان یہ سب آخر کس لئے تھا اور یہ سب تحریکیں کس کو مطاع مطلق مان کر چلائی گئی تھیں؟ کیا یہ سب قربانیاں انگریز کو خوش کرنے اور اس کی اطاعت کے لئے تھیں؟

یقیناً مسلمانوں کے دلوں میں اسلامی آئین جاگزیں تھا جس پر انہوں نے قربانیاں دیں اور بحیثیت مجموعی مسلمانوں نے انگریز کے قانون کو قبول نہیں کیا اور مسلمانوں کی اجتماعی و انفرادی کوشش یہی تھی کہ انگریز کی بجائے اسلامی قانون کا نفاذ ہو۔

تصور دین اور ڈاکٹر صاحب کا ذہنی انتشار

1۔ تصور دین کے بارے میں ڈاکٹر صاحب ذہنی انتشار کا شکار رہے دین کا مطلب کبھی کچھ بتاتے اور کبھی کچھ چند ایک حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں مطالبات دین میں رقمطراز ہیں:

دین اللہ یہ ہے کہ صرف اللہ کو مطاع و حاکم مطلق اور حقیقی مقنن تسلیم کرکے اس کی جزا

[1] ۔ مطالبات دین ص96۔

کی امید اور اسی کی سزا سے خوف کرتے ہوئے صرف اسی کے قانون اسی کے ضابطے اور اسی کی دی ہوئی شریعت کے مطابق اپنے انفرادی و اجتماعی معاملات کو انجام دیا جائے بالفاظ دیگر صرف اور صرف اس کی کامل اطاعت میں پوری زندگی کو جکڑ دیا جائے۔[1]

یہاں ڈاکٹر صاحب نے دین کا مطلب خاص طرز اور ضابطہ کے مطابق عمل کرنا، معاملات سرانجام دینا اور زندگی بسر کرنا بتایا ہے۔

2۔اسی کتابچہ میں ڈاکٹر صاحب یہ بھی تحریر فرما چکے ہیں کہ:

دین کے معنیٰ ایک پورا نظام زندگی اور مکمل ضابطہ حیات جس میں ایک ہستی یا ادارے کو مطاع، مقنن اور حاکم مطلق مان کر اس کی جزا کی امید اور سزا کے خوف سے اس کے عطاء کردہ یا جاری و نافذ کردہ قانون اور ضابطے کے مطابق اس ہستی کی کامل اطارت کرتے ہوئے زندگی بسر کی جائے۔[2]

یہاں ڈاکٹر صاحب نے دین کا مطلب بادشاہی نظام اور بادشاہ کی اطاعت و حاکمیت یا دین الملک سے تعبیر کیا ہے۔

3۔مزید اپنی اسی تصنیف میں ایک اور مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دین اصل میں اس سے بحث کرتا ہے کہ کہ مطاع کون ہے حاکم کون ہے حاکمیت کس کی ہے قانون کس کا چلے گا مرضی کس کی چلے گی اور وہ حاکمیت کس طرح روبعمل ہوگی کس واسطے ہوگی کون اس کا نمائندہ ہوگا۔[3]

---

[1] ۔مطالبات دین، ص92۔

[2] ۔مطالبات دین، ص91۔

[3] ۔مطالبات دین ص96۔

یہاں دین کے معنیٰ اور مطلب ڈاکٹر صاحب نے آئین کے لئے ہیں حالانکہ آئین تو ایک فکری چیز ہے جس پر نظام قائم کیا جاتا ہے اور لوگ اس کے مطابق عمل کرتے ہیں ان میں سے ہر چیز دوسری سے جدا حیثیت رکھتی ہے۔

4۔ مطالبات دین ہی میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> دین حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت محمد ﷺ تک سب انبیاء و رسول کا ایک ہی رہا ہے اس میں کسی دور میں بھی قطعاً کوئی فرق واقع نہیں ہوا سب کا دین ایک ہی ہے اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل توحید کے ساتھ، ملائکہ، نزول کتب اور ارسال انبیاء پر ایمان اور بعث بعد الموت، حشر و نشر، حساب کتاب، جزاء و سزا اور جنت و دوزخ یعنی آخرت میں پیش آنے والے تمام احوال پر ایمان کہ حاکم مطلق صرف اللہ ہے وہی مقنن حقیقی ہے۔[1]

یہاں دین کے معنیٰ آئین تو مراد لئے لیکن ساتھ میں بہت سی اور چیزیں بھی شامل کر لیں جن کا اصل موضوع سے کوئی تعلق نہیں۔ فافہم

ڈاکٹر صاحب نے دین کے اس معنیٰ میں مودودی صاحب کی تقلید کی ہے لیکن شرعاً دیکھا جائے تو جو معنیٰ مودودی صاحب نے لیا اور ان کی اتباع ڈاکٹر صاحب نے بھی کی قرآن و حدیث کہیں سے یہ ثابت نہیں ہے اور اسی وجہ سے ڈاکٹر صاحب اس معاملے میں انتشار کا بھی شکار رہے ہیں پس جو معنیٰ ان دو حضرات نے دین کے اخذ کئے ہیں وہ بے بنیاد اور بلا دلیل ہیں اور پھر اس غلطی میں شدت اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ دونوں حضرات نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرنے کی کوشش کی اور ان میں اس کی اہلیت موجود نہیں تھی۔

---

[1] ۔ مطالبات دین ص 95۔

ڈاکٹر صاحب کا تصور اقامت دین

تصور دین میں ڈاکٹر صاحب کے انتشار اور غلطی سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر ان کے تصور اقامت دین کو دیکھا جائے تو وہ بھی اغلاط کا مجموعہ ہے، ڈاکٹر صاحب نے اقامت دین کے بارے میں اس آیت سے استدلال کیا ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ۔ [1]

اے مسلمانو! تمہارے لئے ہم نے مقرر کیا از جنس دین وہی جس کی وصیت کی تھی نوح کو اور جو وحی کیا گیا ہے اے نبی تیری جانب اور جس کی وصیت کی تھی ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو کہ دین کو قائم کرو۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

اس بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ جو دین اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل کیا تھا اور خاتم النبیین والمرسلین حضرت محمد ﷺ پر تکمیل پایا اس کے نزول کا مقصد تھا اس دین اللہ کا بالفعل قیام و نفاذ، چنانچہ آیت کے اگلے ٹکڑے میں فرمایا کہ "ان اقیموا الدین " (دین کو قائم کرو) یعنی دین بالفعل نافذ ہو، دین (اللہ تعالیٰ کی حاکمیت مطلقہ) کے مطابق تمام معاملات طے ہوں تمام امور کا تصفیہ کیا جائے کسی کام کو حلال و حرام، جائز و ناجائز قرار دینے کا اللہ کو کامل مختار و مجاز تسلیم کیا جائے اس سے سر مو انحراف نہ کیا جائے جب تک امر واقعہ میں یہ صورت حال عملاً نافذ نہیں ہوتی اس وقت تک

---

[1] ۔ سورۃ الشوریٰ آیت نمبر 13۔

دین کے قیام کا مقصد پورا نہیں ہوتا جو انزال وحی، ارسال کتب اور بعثت انبیاء ورسل کا بنیادی واساسی مقصد ہے۔[1]

اور امر واقعہ میں یہ صورت حال عملاً اس وقت نافذ سمجھی جائے گی جب کسی علاقہ میں اسلامی نظام پر مبنی اسلامی حکومت قائم ہو جائے جیسا کہ ڈاکٹر صاحب خود لکھتے ہیں:

تیسرے یہ کہ وہ اللہ کے کلمے کی سربلندی اور اس کے دین حق کے بالفعل قیام اور غلبے کے لئے تن من دھن سے کوشاں ہو اس کے لئے قرآن مجید کی چار اساسی اصطلاح ہیں تکبیر رب، اقامت دین، اظہار دین الحق علی الدین کلہ اور حدیث پاک میں ایک پانچویں اصطلاح وارد ہوئی ہے "لتكون كلمة الله هي العليا" اور تین عام فہم تعبیرات ہیں قیام حکومت الہیہ، نفاذ نظام اسلامی اور اسلامی انقلاب۔[2]

ڈاکٹر صاحب نے جس آیت سے استدلال کیا ہے بقول ان کے پانچ اولوالعزم پیغمبروں کو حکومت الہیہ اور دین حق کے قیام کا حکم ہوا لیکن تاریخی اعتبار سے کسی سے بھی اس کی محنت و کوشش منقول نہیں ہے اور نظام اسلامی برپا کرنا تو اپنی جگہ رہا پھر بھی "اقیموا الدین" پر عمل پورا ہو گیا اور فرض منصبی بکمالہ ادا ہو گیا، جس سے ثابت ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کا سمجھا ہوا اقامت دین کا معنٰی درست نہیں ہے ہم ذیل میں مختصراً درست معنٰی ذکر کرتے ہیں:

امام رازیؒ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:

يجب أن يكون المراد من هذا الدين شيئا مغايرا للتكاليف والأحكام، وذلك لأنها مختلفة متفاوتة قال تعالى: لكل جعلنا منكم

---

[1] ۔ مطالبات دین ص94۔

[2] ۔ جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، ص109۔

شرعة ومنهاجا [المائدة: 48] فيجب أن يكون المراد منه الأمور التي لا تختلف باختلاف الشرائع، وهي الإيمان بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر، والإيمان يوجب الإعراض عن الدنيا والإقبال على الآخرة والسعي في مكارم الأخلاق والاحتراز عن رذائل الأحوال۔ (1)

یعنی ایسی شئ مراد ہو جو تکالیف و احکام کی غیر ہو اس لئے کہ تکالیف و احکام متفاوت ہوتے ہیں یہاں مراد وہ چیزیں ہوں جو شریعتوں کے اختلاف سے نہیں بدلتیں اور اللہ، رسول، فرشتوں ،کتابوں اور آخرت پر ایمان لانا ہے اور ایمان دنیا سے اعراض اور آخرت کی طرف توجہ اور مکارم اخلاق کے لئے کوشش اور رزیل حالات سے بچنے کا موجب ہے۔

اور تفسیر روح المعانی میں ہے:

لم يبعث نبي إلا أمر بإقامة الصلاة وإيتاء الزكاة والإقرار بالله تعالى وطاعته سبحانه وذلك إقامة الدين۔ (2)

کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا مگر یہ کہ اس کو نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے اور اللہ کے دین کو ماننے اور اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا اور یہی اقامت دین ہے۔

حضرت مجاہدؒ، علامہ آلوسیؒ اور امام رازیؒ وغیرہ اس دور کے آدمی ہیں جب اسلامی حکومت نہ صرف قائم تھی بلکہ اس وقت ان کا بڑا رعب اور دبدبہ تھا لیکن ان لوگوں نے اقامت دین کے وہ معنیٰ نہیں بتائے جو علامہ مودودی اور ڈاکٹر صاحب نے وضع کئے ہیں۔

---

[1] ۔ التفسير الكبير للرازى، 587/27، ط، دار إحياء التراث العربي

[2] ۔ روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، 23/13، ط، دار الكتب العلميه بيروت

دین حق کو دیگر ادیان پر غالب کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا فعل تھا رسول اللہ ﷺ کو یہ مشن بنیادی واساسی طور پر نہیں دیا گیا تھا کہ آپ ﷺ بذات خود دین کو باقی ادیان پر غالب کریں البتہ اس سے بھی بالکلیہ انکار نہیں کیا جاسکتا کہ غلبہ کی تحصیل کے عادی اسباب کو مختلف مراحل میں اختیار کرنے کا حکم دیا گیا تھا لیکن دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے اسباب غلبہ کو اختیار کرنا اور چیز ہے اور غلبہ کا حاصل ہو جانا اور بات ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا تصور عبادت

اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کی تخلیق کا مقصد قرآن کریم میں واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ [1]

وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین له الدین۔ [2]

جو ذات انتہائی درجے کی عظمت والی ہو اس کے سامنے دلی محبت کے ساتھ انتہائی درجے کی تواضع اور ذلت اختیار کرنے کو عبادت کہتے ہیں۔

امام راغب اصفہانیؒ اپنی مفردات میں لکھتے ہیں:

العُبُودِيَّةُ: إظهار التّذلّل، والعِبَادَةُ أبلغُ منها، لأنها غاية التّذلّل، ولا يستحقّها إلا من له غاية الإفضال، وهو الله تعالى، ولهذا قال: أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ۔ [الإسراء/ 23] [3]

یعنی عبادت انتہائی درجہ کی تذلل وعاجزی کا نام ہے اور اس کا مستحق صرف وہ ہے جو انتہائی درجے

[1] ۔ سورۃ الذاریات آیت نمبر 56۔

[2] ۔ سورۃ البینۃ آیت نمبر 5۔

[3] ۔ المفردات في غريب القرآن، للراغب اصبهانی، 542/1، ط، دار القلم، الدار الشامية دمشق۔

کا فضل و کمال والا ہو اور وہ صرف اللہ ہے۔

اور اس عبادت کی صورتیں یہ ہیں کہ آدمی اپنے رب کے سامنے تذلل اختیار کرے اپنی پیشانی ٹیکے، اس کی خاطر کھانا پینا چھوڑ دے، اس کے نام پر اپنا عزیز مال قربان کر دے اس کی طرف سے ملنے والے احکام پر دل و جان سے عمل پیرا ہو اور اگر اس کے دین کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے جان لٹانی پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کرے یعنی اسلام کے ارکان اربعہ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج وغیرہ عبادات کی اعلیٰ صورتیں ہیں اور قرآن و سنت میں ارکان اربعہ کو عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے لہذا یہ کہنا کہ یہ عبادت کے مفہوم سے خارج ہیں درست نہیں ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مودودی صاحب کی اتباع میں عبادت کا مفہوم کچھ اور ہی بیان فرماتے ہیں حالانکہ ان کے پاس اس کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے انہوں نے نماز، روزہ، وغیرہ کو عبادت کہنے کی نفی کی ہے ملاحظہ فرمائیں:

> عملی ستون چار ہیں نماز، زکوٰۃ، حج اور رمضان کے روزے، ان ہی کو ہم عبادات کہہ دیتے ہیں اگرچہ پورے قرآن مجید میں ان کے لئے لفظ عبادت کہیں نہیں آیا عبادت کا لفظ اسی مفہوم میں ہے جس کی میں نے تشریح کی ہے۔[1]
>
> حالانکہ ان کے لئے کتاب و سنت میں کہیں بھی عبادات کا لفظ استعمال نہیں ہوا حدیث میں ان کو ارکان اسلام کہا گیا ہے عبادات نہیں۔[2]

اور اسی طرح عبادات کا جو تصور پوری امت میں رہا ہے اس کو وہ محدود بلکہ مسخ شدہ تصور کہتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

---

[1] ۔ مطالبات دین، ص 14۔

[2] ۔ میثاق، جون 1983ء

نماز کو ہم عبادت سمجھتے ہیں، روزہ عبادت ہے، زکوٰۃ عبادت ہے، حج عبادت ہے بلاشبہ یہ عبادات ہیں لیکن جب عبادت کو ان میں منحصر کر لیا جائے گا اور جب یہ سمجھ لیا جائے گا کہ بس ان کو ادا کرنے سے عبادت کا حق ادا ہو گیا تو تصور دین محدود ہی نہیں بلکہ مسخ ہو جائے گا۔[1]

نیز ڈاکٹر اسرار صاحب کے نزدیک ارکان اربعہ اصل عبادت کے لئے مددگار ہیں خود اصل عبادت نہیں، ملاحظہ فرمائیں:

> عبادت نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج میں محدود و منحصر نہیں بلکہ جیسا کہ میں بعد میں عرض کروں گا یہ وہ اعمال ہیں جو پوری زندگی کو خدا کی بندگی اور غلامی میں دینے کے لئے انسان کو تیار کرتے ہیں، یہ چیزیں حقیقی عبادت کی ادائیگی میں ممد و معاون بنتی ہیں ان کے ذریعے سے انسان میں وہ قوتیں پیدا ہوتی ہیں جو اس عظیم عبادت کے حقوق کو ادا کرنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہیں یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن کو اگر انسان اپنی زندگی میں قائم کر لے تب اس کے لئے آسان ہو گا کہ وہ اپنی پوری زندگی میں اس روش کو اختیار کر لے جس کا نام عبادت ہے۔[2]

اندازہ کیجئے عبادت جو کہ ایک قرآنی اصطلاح ہے اور قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے لیا ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ امت قرآن کے بنیادی اصطلاحات کا مطلب ہی بھول جائے جس پر رسول اللہ ﷺ کی احادیث، صحابہ کرام کے اقوال امت مسلمہ کے مشاہیر علماء کے حوالہ جات اور حکماء امت کی کتابیں موجود ہیں پھر ہر لحظہ و لمحہ کی عبادت و تابعداری تو کیسے امت کے عوام و خواص اس سے غافل ہوں گے ڈاکٹر صاحب کا ایک عجیب اور حیرت انگیز دعویٰ ہے۔

---

[1] ۔ مطالبات دین ص18۔

[2] ۔ مطالبات دین، ص،22۔

ڈاکٹر اسرار احمد کا نیم تقلیدی فلسفہ

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

تقلید جامد اور اجتہاد مطلق کے درمیان ہمیں ایک معتدل راستہ اختیار کرنا ہوگا، تقلید جامد سے میری مراد کیا ہے؟ یہ کہ بس ایک فقہ کو اس طرح پکڑ کر بیٹھے ہیں کہ اس سے ذرا بھی ادھر یا ادھر نہ خود ہوں گے نہ برداشت کریں گے انسان اس معاملے میں اتنا ذود حس اور الرجک ہو جائے کہ کسی دوسرے فقہ کی کوئی بات سامنے آئے تو وہ یہ سمجھے کہ میں کوئی اور ہوں اور یہ کوئی اور ہے یہ در حقیقت وحدت امت کے لئے سخت نقصان دہ ہے رہا عوام کا معاملہ تو ان کے بارے میں میں کہوں گا کہ اتباع رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نیت سے کسی ایک فقہ کو مستقلاً اختیار کرلیں تو مطلقاً کوئی حرج نہیں۔۔۔۔۔البتہ ان پر یہ بات واضح کردینی ضروری ہے کہ اہلسنت کے تمام مسالک مبنی پر کتاب و سنت ہیں تاکہ دوسرے مسلک کے پیروکاروں کے بارے میں ان کے دلوں میں غیرت کا احساس بالکل پیدا نہ ہو، رہا ان حضرات کا معاملہ جو دین کے خادم ہیں جو میدان میں آکر دین کی خدمت کررہے ہیں جن کے سامنے اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور احیاء دین کی منزل ہے انہیں تو یقیناً اس تقلید جامد سے نکلنا پڑے گا۔[1]

مزید ایک جگہ پر لکھتے ہیں:

فقہی مسائل کے بارے میں میں اپنی رائے کے اظہار سے بھی حتی الامکان گریز کرتا ہوں البتہ میرا ایک مزاج ہے میں اسے چھپانا نہیں چاہتا میں مقلد محض نہیں ہوں میں نیم مقلد ہوں میں ان پانچوں ائمہ کا مقلد ہوں ان پانچوں دائروں سے باہر جانے

[1] ۔جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، ص368،367۔

کو میں غلط سمجھتا ہوں یہ ہماری مشترک متاع ہے ان دائروں کے اندر اندر جس کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں۔[1]

مزید لکھتے ہیں:

میں یہ بات کئی بار عرض کر چکا ہوں اور آج پھر اس کا اعادہ کر رہا ہوں کہ میں عالم دین ہونے کا ہرگز مدعی نہیں ہوں مجتہد ہونا تو بہت دور کی بات ہے فقہ کے متعلق میرا مطالعہ محدود ہے۔[2]

یعنی ڈاکٹر صاحب نہ عالم دین ہیں نہ فن حدیث کے ماہر اور نہ علم فقہ و اصول فقہ پر عبور رکھنے والے لیکن پھر بھی فرماتے ہیں کہ "ان پانچوں دائروں کے اندر اندر جس کی رائے کو اقرب الی السنۃ اور اقرب الی الصواب سمجھتا ہوں اس کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں" یعنی بلا علم وعبور کے پھر بھی ڈاکٹر صاحب مجتہدین کے دلائل کو پرکھ سکتے ہیں اور ان کے درمیان فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کس کی بات درست ہے اور کس کی اقرب الی السنۃ ہے۔

اور ڈاکٹر صاحب کی اس روش کی وجہ ان کا اپنا مزاج ہے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں "میرا ایک مزاج ہے میں اسے چھپانا نہیں چاہتا میں مقلد محض نہیں ہوں میں نیم مقلد ہوں" اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں دعوت الی اللہ کا کام کرنے والے کو کوئی فقہی لیبل چسپاں نہیں کرنا چاہیئے:

دعوت اللہ کی طرف ہو اس کے ساتھ ہی داعی کی سیرت و کردار عمل صالح کا مظہر ہو مزید برآں وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھے مسلمان کہلائے کسی فقہی مسلک کی طرف نہ

---

[1] ۔جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، ص 371۔

[2] ۔میثاق ص 44، 1984ء

دعوت ہو اور نہ ہی اس کا لیبل چسپاں ہو۔ [1]

ان دونوں وجہوں میں سے پہلی وجہ تو بے وزن ہے کیونکہ محض کسی کا کوئی خاص مزاج دلیل اور حجت نہیں ہو سکتا مزاج کو شریعت کے تابع کیا جاتا ہے شریعت کسی کے مزاج کی تابع ہر گز نہیں، اور دوسری وجہ پہلی سے بھی زیادہ بے وزن ہے کیونکہ امام غزالیؒ پر شافعی ہونے اور امام ابن تیمیہؒ اور محمد بن عبد الوہاب نجدی پر حنبلی ہونے اور سید احمد شہیدؒ، شاہ ولی اللہؒ اور مولانا محمد الیاس دہلویؒ پر حنفی ہونے کا لیبل چسپاں تھا لیکن اس سے ان کے کام اور ان کی دعوت کو کچھ بھی نقصان نہیں ہوا۔

غرض ڈاکٹر صاحب کا یہ نیم تقلیدی فلسفہ اپنی بنیاد اور آثار دونوں لحاظ سے بے وزن اور لغو تو ہے ہی ساتھ میں خطرناک بھی ہے اور اسی سے ڈاکٹر صاحب کے وہ افکار و نظریات پھوٹے جن کا ذکر ما قبل میں ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے منابع فہم قرآن

ڈاکٹر صاحب چونکہ میڈیا اور عوام میں تفسیر قرآن کو عام کرنے کی تگ و دو کرتے رہے اور اکثر و بیشتر ان کے بیانات میڈیا پر گردش کرتے رہتے ہیں اور اس میں وہ درس قرآن زیادہ بیان کرتے ہیں اس لئے ڈاکٹر صاحب کی تفسیر کے منابع کیا ہیں مختصراً اس پر روشنی ڈالتے ہیں تا کہ اس کی حقیقت بھی قارئین پر واضح ہو جائے۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> اور الحمد للہ کہ ان دروس و خطابات کے ذریعے قرآن کے جس فہم و فکر کی اشاعت ہو رہی ہے وہ کسی ایک لکیر کے فقیر یا کنویں کے مینڈک کی مانند نہیں ہے بلکہ اس میں کم از کم چار منبوں سے پھوٹنے والے سوتوں کا قران السعداء موجود ہے، یعنی

---

[1] ۔ میثاق، اگست 1984ء، ص 27۔

ایک حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا رسوخ فی العلم۔

دوسرے ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم اور ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی جدید فلسفہ وسائنس اور جدید سیاست واقتصادیات کی ضمن میں تنقیدی بصیرت۔

تیسرے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کا جذبہ حرکت و عمل اور تصور جہاد فی سبیل اللہ۔

چوتھے مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی کا تعمق و تدبر قرآن کا اسلوب و منہج۔ (1)

ڈاکٹر صاحب کی فکر پر نظر دوڑائیں تو اگر کوئی شخص صرف شیخ الہندؒ اور حضرت عثمانیؒ کی تفسیر تک محدود رہے تو وہ لکیر کا فقیر اور کنویں کا مینڈک سمجھتے ہیں ان کے دیگر منابع قرآن کو بھی پرکھ کر دیکھیں تو ڈاکٹر صاحب نے جو تصور دین اختیار کیا ہے وہ علامہ مودودی صاحب سے ہی اخذ کیا ہے اور ڈاکٹر صاحب کا نظریہ ارتقاء اور اس کے دلائل ڈاکٹر رفیع الدین سے اخذ شدہ ہے اس کے لئے ان کی کتاب "قرآن اور علم جدید" کا مطالعہ فرمائیں، اسی طرح داکٹر رفیع الدین نے اپنی کتاب میں اہلسنت کے بہت سے عقائد کو ترک کرکے فلسفیوں کے سے تصورات کو اختیار کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے اسلوب کا منبع امین احسن اصلاحی صاحب کا تدبر بھی ہے حالانکہ ان کا اپنا اسلوب اکابر وسلف سے ہٹ کر ہے اور حدیث کی تنقیص کے کئی طریقے ان کی تحریروں میں موجود ہیں جو کہ ان کی کتاب "مبادی تدبر قرآن" میں موجود ہیں۔

---

[1] ۔جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، ص24۔

عنایت اللہ شاہ گجراتی

1915ء سے قبل ریاست کشمیر کے علاقہ گوہل میں جلال الدین کے گھر پیدا ہوئے، ان کے سلسلہ نسب کے ایک معروف بزرگ جلال الدین جہانیاں جہاں گشت اوچ میں مدفون ہے۔[1]

ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے ممتاز علماء سے حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے لیئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، جہاں اکابر علماء سے علم وادب کی کتابیں پڑھیں، بعد ازاں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سورت پہنچے اور محمد انور شاہ کشمیری اور شبیر احمد عثمانی سے دورہ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

فراغت کے بعد آپ حسین علی الوانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اوران سے دورہ تفسیر قرآن کے ساتھ ساتھ سلوک وتصوف کی تعلیم بھی حاصل کی اور خلافت واجازت سے نوازے گئے۔[2]

تقسیم ہند سے قبل مجلس احرار کے ساتھ وابستہ رہے اور بڑی سرگرمی سے کام کرتے رہے۔ پھر تنظیم اہل السُنت والجماعت پاکستان کے صدر منتخب ہوئے اور ناموسِ صحابہ کے تحفظ کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیئے، 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ملتان جیل میں پابند سلاسل رہے، 1955ء میں احمد علی لاہوری نے آپ کو جمعیت علمائے اسلام کا ضلعی امیر مقرر کیا، 1957ء میں عنایت اللہ گجراتی صاحب نے شیخ القرآن غلام اللہ خان، قاضی نور محمد اور شیخ الحدیث قاضی شمس الدین کے ساتھ مل کر اہل بدعت کے خلاف ایک ملک گیر تنظیم جمعیت اشاعت التوحید والسنہ پاکستان کے نام سے تشکیل دی، جس کے پہلے امیر قاضی نور محمد اور آپ نائب امیر منتخب ہوئے، 1962ء میں قاضی صاحب کی وفات کے بعد آپ جمعیت کے امیر منتخب ہوئے۔

---

1 - سوانح حیات سید عنایت اللہ شاہ بخاری رح ص26، اشاعت اکیڈمی قصہ خوانی بازار پشاور، طبع سوم مارچ2007ء

2 - مولانا حسین علی شخصیت، تعلیمات، کردار ص298، میاں محمد الیاس، اشاعت اکیڈمی قصہ خوانی بازار پشاور

1970ء میں مرکزی جمعیت کی کانفرنسوں میں ملک کے بڑے بڑے شہروں میں ان حضرات کے ساتھ شریک سفر رہے اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے قابل قدر خدمات انجام دیتے رہے۔ 1983ء میں آپ نظام اسلام پارٹی کے نائب صدر منتخب ہوئے جس کے صدر احتشام الحق تھانوی تھے، 1984ء میں مرکزی مجلس عمل برائے ختم نبوت کے رکن رہے۔[1]

1985ء میں آپ رضاکارانہ طور پر جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کی امارت سے دستبردار ہوئے اور شیخ القرآن والحدیث مولانا محمد طاہر کو امیر مقرر کر دیا، آخری عمر میں علیل ہو گئے تھے اور کچھ ہی عرصہ بیماری میں گزار کر آخر 20 مئی 1999ء بروز جمعرات کو وفات پائی۔[2]

"اشاعت التوحید والسنہ" نے اصول و فروع میں اہل سنت والجماعت سے ٹکراؤ کا راستہ اختیار کیا، جس کے نتیجہ میں جن مسائل میں انہوں نے اپنی رائے کا کھل کر اظہار کیا ہے، ان میں مشہور مسائل درج ذیل ہیں:

عقیدۂ حیات الانبیاء، عقیدۂ سماع صلاۃ وسلام عند القبر، عقیدہ استشفاع، توسل، قائلین سماع موتیٰ کی تکفیر و تذلیل، ارضی قبر میں ثواب وعذاب میت کا انکار، میت کے جسد عنصری کا ثواب وعذاب، میت کے جسدِ عنصری سے روح کا تعلق وغیرہ، ان مسائل پر اکابر علمائے دیوبند قدس سرہم کی تحقیقات "آبِ حیات، مولفہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم ناتوتویؒ "تسکین الصدور، مولفہ: امام اہل السنہ مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ،" مقام حیات، مولفہ: مولانا ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ "ہدایت الحیران، مولفہ: مولانا سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ وغیرہ

---

1 - مولانا حسین علی شخصیت، تعلیمات کردار ص299

2 - مولانا محمد طاہر اوران کی قرآنی تحریک ص262، 261، میاں محمد الیاس، اشاعت اکیڈمی قصہ خوانی بازار پشاور، طبع دوم اپریل 2012ء

مستقل کتب ان عنوانات پر ہیں، جب کہ علمائے دیوبند کے فتاویٰ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ بھی لاتعداد موجود ہیں مگر ان حضرات نے ہمیشہ اکابر کی ان تحقیقات پر عدمِ اعتماد کی پالیسی اپنائی ہے۔

شاہ صاحب کا علماء دیوبند سے نزاع

حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب ڈیروی ؒ "خیر المدارس کے واقعہ کی تفصیل " سے ایک عنوان قائم کر کے تحریر فرماتے ہیں:

خیر المدارس کے سالانہ جلسہ پر حضرت شاہ صاحب کو مدعو کیا گیا حضرت شاہ صاحب نے اپنی تقریر میں حیات دنیویہ کا انکار کیا اور اس کی تردید کی جس کی بنا پر مولانا محمد علی جالندھری ؒ اور حضرت شاہ صاحب کے درمیان اس مسئلہ میں تلخ کلامی ہوئی حتی کہ حضرت شاہ صاحب نے پوری قوت کے ساتھ ایک زناٹے دار تھپڑ حضرت مولانا محمد علی جالندھری ؒ کے منہ پر رسید کیا لیکن حضرت جالندھری صاحب نے شاہ صاحب کو مہمان ہونے کی وجہ سے معاف کر دیا حضرت جالندھری کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ باوجود قدرت انتقام کے معاف کر دیا۔

دوسری طرف شاہ صاحب نے اخلاق سے گری ہوئی کاروائی کا مظاہرہ کیا کیونکہ مسائل میں بحث کے وقت فریق مخالف کو دلائل سے خاموش کرایا جاتا ہے نہ کہ لڑائی کے ذریعے سے بلکہ لڑنا شکست خوردہ ہونے کی دلیل و امانت سمجھا جاتا ہے نیز حضرت شاہ صاحب نے نبی کریم ﷺ کے صریح حکم کی خلاف ورزی کی ہے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں "اذا قاتل احدکم اخاہ فلیجتنب الوجہ فان اللہ خلق آدم علی صورتہ" (صحیح مسلم 327/2) کہ جب تم سے کوئی ایک اپنے مسلمان بھائی سے لڑائی کرے تو چہرے پر مارنے سے بچے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم

علیہ السلام کا چہرہ اسی شخص کے مشابہ بنایا ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب جب غصے میں آتے ہیں تو شرعی آداب کو ملحوظ نہیں رکھتے، بہرحال حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے کہ میں حیات دنیویہ کا قائل نہیں ہوں جب کہ مولانا خیر محمد جالندھری صاحب اور مولانا محمد علی جالندھری صاحب فرماتے تھے کہ حیات دنیویہ کا عقیدہ رکھنا چاہیئے کیونکہ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا یہی عقیدہ تھا حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے کہ "حضرت نانوتوی کا یہ تفرد ہے اس لئے وہ اپنے اس عقیدے کے ماننے پر کسی کو مجبور نہیں کرتے فلہذا دوسرے اکابر علماء دیوبند کا جو عقیدہ حیات النبی ﷺ کے بارے میں ہے وہ حیات برزخیہ کا ہے اس لئے میں حیات برزخیہ کا قائل ہوں"۔ (1)

اسی وقت سے ان کا علماء دیوبند سے نزاع شروع ہوا اس نزاع کو سلجھانے اور عوام کو اس افتراق سے بچانے کے لئے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی ثالثی کی تجویز بھی فریقین نے قبول کی اور فریقین نے اپنے اپنے مؤقف کے دلائل بھیجنے کے لئے ان حضرات کو خط ارسال کئے مولانا محمد علی جالندھریؒ اور مولانا لال حسین اختر مرحوم نے تحریری طور پر اپنا مؤقف ان حضرات کی خدمت میں بھیجا لیکن دوسری طرف سے پہلو تہی کی راہ اپنائی گئی۔

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کی کوشش

انہی ایام میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ پاکستان تشریف لائے اور اپنے حکیمانہ انداز میں فریقین کو متفقہ تحریر پر دستخط کرنے کے لئے آمادہ کر لیا چنانچہ اس وقت جمیعت اشاعت التوحید والسنۃ کے صدر قاضی نور محمد صاحب مرحوم قلعہ دیدار سنگھ اور ناظم

---

1 ۔ ضرب المہند علی القول المسند، ص38 تا 40۔

اعلیٰ حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب راولپنڈی اور دوسری طرف سے مولانا محمد علی جالندھری اور مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے دستخط اس تحریر پر ثبت کئے گئے فریقین کی اس مسلمہ تحریر کو ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی بابت ماہ اگست 1962ء میں شائع کیا گیا جو کہ درج ذیل تھی:

وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روزہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ ﷺ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔[1]

اس تحریر میں برزخ سے قبر شریف کا مراد ہونا اور روح مبارک کے تعلق سے اسی دنیا والے جسم کی حیات کا حصول اور پھر روضہ اقدس پر پڑھا جانے درود خود حضور ﷺ سنتے ہیں واضح طور پر تسلیم کیا گیا لیکن چونکہ یہ تحریر اصل اختلاف کرنے والے شاہ صاحب کی مرضی کے موافق نہیں تھی اس لئے انہوں نے باوجود اپنی جماعت کے اعلی عہدہ داروں کے منظور کرنے کے بھی اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اس معاملہ کو مزید الجھا دیا اور ملک میں اختلاف وافتراق کی فضاء بدستور قائم رہی، 26 اپریل 1962ء کو قاری محمد طیب قاسمیؒ نے اپنے ایک خط میں مولانا غلام اللہ خان صاحب کو ایک مشترکہ عنوان "**نبی کریم ﷺ جسمانی طور پر برزخ میں حیات ہیں**" لکھ کر بھیجا مولانا غلام اللہ خان صاحب نے اس عنوان کو رد کئے بغیر ایک اور عنوان تجویز کر کے حضرت قاری صاحب کو بھیجا لیکن حضرت نے اپنے تجویز کردہ عنوان کو ہی ترجیح دی، فریقین کی خط وکتابت اور گفت وشنید کے بعد بالآخر 22 جون 1962ء کو فریقین مدرسہ حنفیہ عثمانیہ ورکشاپی محلہ روالپنڈی میں جمع ہوئے اور حضرت قاری صاحب نے دونوں طرف سے قرد مشترک مسئلہ فریقین کے سامنے رکھا جسے دونوں طرف قبول کیا گیا اور اس پر دستخط ثبت کئے گئے۔

---

1 - ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی بابت ماہ اگست 1962ء ص 25۔

اس پروگرام کی اطلاع شاہ صاحب کو پہلے ہی دے دی گئی تھی لیکن قاضی نور محمد صاحب اور قاضی شمس الدین صاحب نے شاہ صاحب کو نہ آنے کا فون کرادیا اور خود پنڈی گھیپ جلسہ پر تشریف لے گئے الغرض یہ حضرات اس مجلس میں شریک نہ ہوئے اور مؤخر الذکر حضرات کی طرف سے مولانا غلام اللہ خان صاحب مطمئن تھے لیکن شاہ صاحب کی غیر موجودگی کا خلاء بعد میں بھی پر نہ ہو سکا، حضرت قاری صاحبؒ نے شاہ صاحب کی ضمانت لینے کے لئے مولانا غلام اللہ خان صاحب اور قاضی نور محمد صاحب سے تحریر لینے کا مطالبہ بھی کیا جس پر حسب ذیل تحریر ان حضرات نے لکھ کر دی:

> ہم اس کی پوری کوشش کریں گے کہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب سے بھی اس تحریر پر دستخط لے لئے جائیں جس پر ہم نے دستخط کئے ہیں اگر ممدوح اس پر دستخط نہ کریں گے تو ہم مسئلہ حیات میں اس تحریر کی حد تک ان سے برأت کا اعلان کر دیں گے نیز اپنے جلسوں میں ان سے مسئلہ حیات پر تقریر نہ کرائیں گے اور اگر کوئی مناظرہ وغیرہ کریں گے تو ہم انہیں اس بارے میں مدد نہ دیں گے۔
>
> نور محمد خطیب جامع مسجد قطعہ دیدار سنگھ / لاشئ غلام اللہ خان / 18 محرم 1382ھ

لیکن شاہ صاحب نے اس تحریر پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور ان کا معاملہ جوں کا توں اڑا رہا جو ان کی وفات تک حل نہ ہو سکا، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں "فرقہ مماتیت کا تحقیقی جائزہ" مولفہ: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن صاحب حفظہ اللہ۔

اشاعۃ التوحید کا انکار عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مولوی شہاب الدین خالدی اہل السنت والجماعت اور اشاعت کے عقیدہ حیات انبیاء علیہم السلام میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کا قرآن کریم اور احادیث صریحہ کی رو سے یہ موقف ہے کہ اس مٹی والے جسم سے روح نکلنے کے بعد نہ تو وہ روح اس قبر میں مدفون جسم میں واپس آتی ہے اور نہ ہی اس مدفون جسم سے روح کا کوئی تعلق قائم ہوتا ہے جسکی بناء پر یہ جسم دیکھتا ہو اور سنتا ہو اور سن کر جواب دیتا ہو۔[1]

سجاد بخاری صاحب لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا جسد عنصری کے ساتھ نہیں تھا بلکہ جسد مثالی کے ساتھ تھا۔[2]

عطاء اللہ بندیالوی صاحب لکھتے ہیں:

علماء میں سے دوسرا طبقہ ایسے "شرفاء" پر مشتمل ہے جو حق کو پہچانتے ہیں اور شرک وبدعات کی حقیقت سے پوری طرح باخبر ہیں لیکن اپنے ذاتی مفاد ،چندوں کے لالچ، جھوٹے وقار اور خانقاہی نظام کو برقرار رکھنے کے لئے زبانوں پر چپ کی مہریں لگائے ہوئے ہیں انہوں نے اپنے خطبوں اور بیانات میں کبھی توحید کی حقیقت اور شرک کی وضاحت نہیں فرمائی بلکہ حیات النبی ﷺ ،سماع موتیٰ اور بزرگوں کے وسیلے جیسے موضوعات پر دلائل (بزعم خود) دے کر الٹا شرک کے دہقان بنے ہوئے ہیں۔[3]

اسی رسالہ میں بندیالوی صاحب نے حضور علیہ السلام کی حیات فی القبر کے عقیدہ کو شرک فی الحیاۃ قرار دیا ہے۔[4]

---

1 - عقائد علمائے اسلام ص 91۔

2 - اقامۃ البرھان ص 168۔

3 - شرک کیا ہے ص 4۔

4 - شرک کیا ہے ص 44۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ منکرین حیات الانبیاء علیہم السلام کے نزدیک حضور علیہ السلام سمیت تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے مبارک اجسام وفات کے بعد محفوظ تو ہیں مگر زندہ نہیں ہیں اور ان حضرات کو ایک اور جسم دیا جاتا ہے جس کے ساتھ وہ عبادت وغیرہ کرتے ہیں حیات بھی اسی کو ملتی ہے اور جسم عنصری کو زندہ ماننا سبب شرک بلکہ شرک فی الحیات ہے۔(معاذاللہ)

عقیدہ حیات النبی ﷺ پر امت کا اجماع ہے

عقیدہ حیات النبی ﷺ پر ماقبل میں مسعودالدین عثمانی کے نظریات کے تحت ہم کچھ بحث کر آئے ہیں اور وہاں کچھ دلائل بھی ذکر کئے ہیں یہاں ہم اجماع امت سے چند ایک حوالہ جات نقل کرتے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ خیر القرون سے لے کر چودہ صدیوں تک اس مسئلہ میں کسی قسم کا کوئی اختلاف وافتراق نہیں تھا بلکہ تمام اکابر امت نے اپنی اپنی تصنیفات میں اپنے اپنے انداز میں اس مسئلہ کو واضح فرمایا، یہاں تک کے اکابر اسلاف میں سے بعض حضرات نے اس موضوع پر مشتمل رسائل تصنیف فرمائے اور ثابت کیا کہ حیات انبیاء کا مسئلہ بالکل واضح، بے غبار اور امت کا اجماعی عقیدہ رہا ہے اور جس طرح شہداء کرام کی حیات قرآن کریم سے ثابت ہے،اسی طرح حضرات انبیاء کرام کی حیات بھی بطور دلالت النص قرآن کریم سے ثابت ہے، لیکن ناس ہو خودرائی وخودروئی اور اسلاف بیزاری کا کہ اس نے تحقیق کے نام پر جہالت اور سنت کے نام پر بدعت کو رواج دیا، جس کی وجہ سے نام نہاد محققین نے جہاں دوسرے بعض اجماعی مسائل سے انحراف کیا وہاں اس عقیدہ کا بھی انکار کر دیا۔

چنانچہ محدث العصر حضرت بنوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

> انبیاء کرام علیہم الصلوات والسلام کی حیات بعد الممات کا مسئلہ صاف اور متفقہ مسئلہ تھا شہداء کی حیات بنص قرآن ثابت تھی اور دلالتہ النص سے انبیاء کرام کی حیات قرآن

سے ثابت تھی اور احادیث نبویہ سے عبارۃ النص کے ذریعہ ثابت تھی لیکن برا ہو اختلاف اور فتنوں کا کہ ایک مسلمہ حقیقت، زیر بحث آکر مشتبہ ہو گی، کتنی ہی تاریخی بدیہیات کو کج بحثوں نے نظری بنالیا اور کتنے ہی حقائق شرعیہ کو کج فہمی نے مسخ کر کے رکھ دیا، یہ دنیا ہے اور دنیا کے مزاج میں داخل ہے کہ یہاں ہر دور میں کج فہم، کج رو اور کج بحث موجود ہوتے ہیں زبان بند کرنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت میں ہے، ملاحدہ وزنادقہ کی زبان کب بند ہو سکی؟ کیا اس دور میں امام حسینؓ کی شہادت کو افسانہ نہیں بنایا گیا؟ اور یہ کہا گیا کہ یہ واقعہ ہے ہی نہیں؟ اور کیا امام حسین کو باغی اور واجب القتل اور یزید (بن معاویہؓ) کو امیر المومنین اور خلیفہ برحق ثابت نہیں کیا گیا؟ کسی صحیح حدیث کو ضعیف بنانے کے لئے کسی راوی کے بارے میں کتب رجال میں جرح کا کوئی کلمہ دیکھ لینا بس کافی ہے کہ اس پر بنیاد قائم کی جائے؟ اگر عقل سلیم سے کام نہ لیا جائے اور صرف کسی کتاب میں جرح کو دیکھا جائے تو امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ تمام کے تمام ائمہ مجروح ہو کر دین کا سرمایہ ختم ہی ہو جائے گا۔

اس تمہید کے بعد ہم عقیدہ حیات النبی ﷺ پر اجماع ہونے کے چند ایک حوالہ جات پیش کرتے ہیں جو سوال میں طلب کئے گئے ہیں۔

وأجمعوا على أن الحياة شرط فى العلم والقدرة والإرادة والرؤية والسمع وأن من ليس بحى لايصح أن يكون عالماً قادراً مريداً سامعاً مبصراً وهذا خلاف قول الصالحى وأتباعه من القدرية فى دعواهم جواز وجود العلم والقدرة والرؤية والإرادة فى الميت۔ (1)

1۔ الفرق بين الفرق للامام عبدالقاهر بن طاهربن محمد البغدادى (م429ھ) الفصل الثالث فى بيان الأصول التى اجتمع عليها أهل السنة . . . الخ، ص: 337، ط: دارالمعرفة بيروت۔

ترجمہ: اہل السنۃ والجماعۃ اس بات پر متفق ہیں کہ علم، قدرت، ارادہ، دیکھنے اور سننے کے لئے حیات شرط ہے اور اس امر پر بھی اہل سنت کا اجماع ہے کہ جو ذات حیات سے متصف نہ ہو وہ عالم قادر، مرید اور سننے اور دیکھنے والی نہیں ہو سکتی، منکرین تقدیر میں صالحی اور اس کے پیروکاروں کا قول اس کے خلاف ہے، ان کا یہ دعویٰ ہے کہ علم وقدرت دیکھنا اور ارادہ کرنا حیات کے بغیر بھی جائز ہو سکتا ہے۔

"نحن نؤمن ونصدق بأنه صلی اللہعلیه وسلم حیّ یرزق فی قبره وأن جسده الشریف لاتأکله الأرض والإجماع علی هذا "۔ [1]

ترجمہ: ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپؐ کو رزق ملتا ہے اور آپؐ کے جسد اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی اور اسی پر اجماع منعقد ہے۔

"حیاۃ النبی ﷺ فی قبره هو وسائر الأنبیاء معلومة عندنا علماً قطعیاً لما قام عندنا من الأدلة فی ذلك وتواترت به الأخبار"۔ [2]

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کی اپنی قبر مبارک میں اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات ہمارے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے کیونکہ اس پر ہمارے نزدیک دلائل قائم ہیں اور تواتر کے ساتھ اخبار موجود ہیں۔

---

[1] ۔ القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع للامام السخاوری المتوفی (902ھ) الباب الرابع السادسۃ رسول اللہ حی علی الدوام ص: 167 ط: مطبعۃ الإنصاف، بیروت، الطبعۃ الثانیہ 1963ء۔

[2] ۔ الحاوی للفتاوی أنباء الأذکیاء بحیاۃ الأنبیاء: 141/2، ط: دار الکتب العلمیہ بیروت 1402ھ / 1982ء۔

فقد أفاد فی الدر المنتقی أنه خلاف الإجماع قلت: وأما مانسب إلی الإمام الأشعری إمام أهل السنة والجماعة من إنکار ثبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان والمصرح به فی کتبه وکتب أصحابه خلاف مانسب إلیه بعض أعدائه لأن الأنبیاء علیهم الصلوٰة والسلام أحیاء فی قبورهم وقد أقام النکیر علی افتراء ذلك الإمام العارف أبو القاسم القشیری۔ [1]

ترجمہ: پس تحقیق در منتقی میں ہے کہ (حضورا کی رسالت آپؐ کی وفات شریف کے بعد اب بھی حقیقتاً باقی ہے اور اسے صرف حکماً باقی کہنا) خلاف اجماع ہے، میں کہتا ہوں کہ امام اہل السنۃ والجماعۃ امام اشعریؒ کی طرف جو بات منسوب کی گئی ہے وہ آنحضرت کی وفات کے بعد آپ کی حقیقتاً رسالت کے بقا کے منکر تھے، یہ ان پر افتراء اور بہتان ہے کیونکہ ان کی اور ان کے تلامذہ کی کتابوں میں صراحتاً اس کے برعکس مذکور ہے، دراصل یہ بات ان کے دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کردی ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اس افتراء کے خلاف امام عارف ابو القاسم قشیریؒ نے اپنی کتاب میں رد کیا ہے۔

حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کسی را در وے خلافے نیست۔ [2]

ترجمہ: حیات متفق علیہ ہے کسی کا اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ومما هو مقرر عند المحققین أنه ﷺ حی یرزق ممتع بجمیع الملاذ والعبادات غیر انه حجب عن أبصار القاصرین عن شریف المقامات

---

[1] ۔ رد المحتار علی الدر المختار لابن عابدین الشامی، کتاب الجهاد، باب المنعم وقسمته، مطلب فی ان رسالته صلی الله علیه وسلم باقیة بعد موته: 151/4 ط: ایچ ایم سعید کراچی 1406ھ۔

[2] ۔ أشعة اللمعات، کتاب الصلوٰة، باب الجمعة، الفصل الثانی: 613/1 ط: منشی نول کشور لکھنؤ۔

...ینبغی لمن قصد زیارۃ النبی ﷺ أن یکثر الصلوٰۃ علیه فإنه یسمعها وتبلغ إلیه۔[1]

ترجمہ: محققین کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ حضور انورؐ زندہ ہیں، آپ کو رزق بھی ملتاہے اور عبادات سے آپ لذت بھی اٹھاتے ہیں، ہاں اتنی بات ہے کہ ان کاموں سے پردے میں ہیں جو ان مقامات تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں ...جو شخص حضور اکرمؐ کی زیارت کرنے کے لئے آئے، اُسے چاہئے کہ کثرت سے درود عرض کرے، کیونکہ آپؐ اسے خود سن رہے ہوتے ہیں اور (دور سے) آپ ﷺ کو پہنچایا بھی جاتا ہے۔

مسئلہ ثواب وعذاب قبر

قرآن کریم، احادیث مبارکہ، اجماع امت اور اسلاف امت کے فرامین کی روشنی میں اہل السنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ موت کے بعد قیامت سے پہلے قبر میں (جہاں میت یا اس کے اجزاء ہوں) جسد عنصری کو بتعلق روح ثواب وعذاب ہوتا ہے اور اشاعت التوحید والے حضرات کا موقف یہ ہے کہ مرنے کے بعد علیین یا سجین میں روح اور جسم مثالی کو عذاب وثواب ہوتا ہے، اس دنیاوالی قبر میں جسد عنصری سے نہ توروح کا تعلق ہوتا ہے نہ ہی اس جسم کو عذاب وثواب ہوتا ہے۔ ان حضرات کی چند تصریحات ملاحظہ فرمائیں:

> مرنے کے بعد انسان زندہ ہی رہتاہے مگر لباس ومکان بدل لیتاہے... جسد عنصری کا لباس اتار کر جسد مثالی کالباس پہن لینے اور دار دنیا سے منتقل ہوکر دار برزخ میں پہنچ جانے سے بھی انسان نہیں مرتا۔[2]

---

[1] ۔ حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی زیارۃ النبی ﷺ ص: 405 ط: قدیمی، کراچی۔

[2] ۔ ندائے حق ج1 ص17۔

دنیا میں جو شخص مرتا ہے اس کی روح کا رشتہ اس مادی جسم سے ٹوٹ جاتا ہے یہ جسم فنا ہو جاتا ہے مگر مثالی اصلی جسم باقی رہتا ہے اس سے روح کا تعلق نہیں ٹوٹتا... راحت ورنج مسرت اور غم ہر وجدانی کیفیت اس کو محسوس کرتی ہے مگر اس کے باوجود یہ ظاہری مادی جسم نہیں رکھتا یہ جسم تو فنا ہو چکا ہوتا ہے... اس کا تو ہر احساس وادراک جسم مثالی کے ساتھ ہوتا ہے... روح جسم مثالی کے ساتھ ہی منکر نکیر کے سوال کا جواب دیتی ہے۔[1]

اس جسد عنصری میں بعد از دفن دوبارہ روح کا آنا اور میت کا قبر میں زندہ ہو جانا یہ کوئی مسئلہ نہیں۔[2]

قبر وہ ہے جہاں روح کو عذاب وثواب ہوتا ہے وہی شرعی قبر ہے اور وہی روح کا ٹھکانہ ہے۔[3]

اللہ تعالیٰ اس عالم برزخ میں روح کو وہاں کے مناسب حال ایک جسم عطا فرماتے ہیں... اسی جسم مثالی میں روح قیامت تک رہے گی۔[4]

شرعی قبر جس میں ثواب وعذاب ہوتا ہے وہ ہے جو جنت کے قریب ہے۔[5]

یعنی زمین وقبر بھی مثالی زور جسم بھی مثالی اور ثواب وعذاب بھی وہیں ہوگا۔[6]

---

1 - ندائے حق ج1 ص101، 100۔

2 - ندائے حق ج1 ص225۔

3 - عقیدۃ الامت ص31 مصنف شہاب الدین خالدی۔

4 - عقیدۃ الامت ص34۔

5 - عقیدۃ الامت ص36۔

6 - عقیدۃ الامت ص39۔

اس جسم عنصری کو عذاب نہیں ہوتا اور نہ ہی اس قبر میں عذاب ہوتا ہے... عذاب وثواب روح کو ہوتا ہے جو اس جسم میں نہیں ہوتی۔ [1]

جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کا قرآن کریم اور احادیث صریحہ کی رو سے یہ موقف ہے کہ اس مٹی والے جسم سے روح نکلنے کے بعد نہ تو وہ روح اس قبر میں مدفون جسم میں واپس آتی ہے اور نہ ہی اس مدفون جسم سے روح کا کوئی تعلق قائم ہوتا ہے۔ [2]

اس کے برخلاف اکثر مفسرین نے آیت:

"يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ"۔ [3]

کو ثواب وعذاب قبر کے متعلق قرار دیا ہے اور اس آیت کے تحت مرفوع اور موقوف احادیث نقل کر کے اعادہ و تعلق روح کو ذکر کیا ہے جس سے قبر کی زندگی ثابت ہوتی ہے۔ [4]

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

قبر کا عذاب وثواب قرآن وحدیث سے ثابت ہے حدیث یہ ہے: کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قبر میں مومن سے سوال کیا جائے گا تو ایسے ہولناک مقام اور سخت حال میں بھی وہ بتائید ربانی اس کلمہ پر قائم رہے گا، اور "لا الہ الا اللہ

---

1 - عقیدۃ الامت ص 525۔

2 - عقائد علمائے اسلام ص 91 مصنف شہاب الدین خالدی۔

3 - سورۃ ابراہیم، آیت نمبر 27۔

4 - تفسیر طبری ج 8 ص 253، تفسیر بغوی ج 3 ص 35، تفسیر کشاف ج 2 ص 520، المحرر الوجیز لابی محمد عبد الحق الاندلسی ج 3 ص 337، تفسیر بیضاوی ج 1 ص 518، تفسیر مدارک ج 1 ص 452، تفسیر خازن ج 3 ص 84، تفسیر ابن کثیر ج 2 ص 691، الدر المنثور لسیوطی ج 4 ص 148، تفسیر ابو السعود ج 5 ص 52، البحر المدید ج 3 ص 370۔

محمد رسول الله" کی شہادت دے گا اور پھر فرمایا کہ ارشاد قرآنی "یثبت الله الذین آمنوا بالقول الثابت في الحیاۃ الدنیا وفي الآخرۃ" کا یہی مطلب ہے... اسی طرح تقریباً چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے معتبر اسانید کے ساتھ اسی مضمون کی حدیثیں منقول ہیں جن کو امام ابن کثیر نے اس جگہ اپنی تفسیر میں جمع کیا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی نے اپنے منظوم رسالہ "التثبیت عند التبییت" میں اور "شرح الصدور" میں ستر احادیث کا حوالہ نقل کرکے ان روایات کو متواتر فرمایا ہے، ان سب حضرات صحابہ کرام نے آیت مذکورہ میں آخرت سے مراد قبر اور اس آیت کو قبر کے عذاب وثواب سے متعلق قرار دیا ہے۔ [1]

اور علامہ عینیؒ نے اس پر امت کا اجماع نقل کیا ہے:

بیان استنباط الاحکام الاول فیه أن عذاب القبر حق یجب الإیمان به والتسلیم له وعلی ذلك أهل السنة والجماعة ثم المعذب عند أهل السنة الجسد بعینه أو بعضه بعد إعادة الروح إلی جسده أو إلی جزئه وخالف في ذلك محمد بن جریر وطائفة فقالوا لا یشترط إعادة الروح وهذا أیضا فاسد۔ [2]

سماع صلوٰۃ وسلام

اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام وفات ظاہری کے بعد اپنی قبروں میں بتعلقِ روح زندہ ہیں، ان کے اجسادِ مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں، صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلّف نہیں ہیں لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ

---

1 - معارف القرآن ج5 ص248۔

2 ۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج2ص 597,598۔

اقدس پر جو درود پڑھا جائے اسے بلاواسطہ سنتے ہیں اور اگر دور سے پڑھا جائے تو فرشتے ان کی خدمت میں پہنچا دیتے ہیں۔

منکرین سماع النبی ﷺ کا موقف یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ نہیں بلکہ مردہ ہیں[معاذاللہ]، صلوۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے، یہ عقیدہ شرکیہ عقیدہ ہے، اس کے دلائل من گھڑت ہیں، یہ عقیدہ شیعہ کا ہے، اس عقیدہ کے قائلین شرک کے کھیت کے دہقان ہیں وغیرہ وغیرہ۔ قارئین کی خدمت میں ان کی بعض عبارات ملاحظہ ہوں۔

فرقہ مماتیت اپنے بعض عقائد منظر عام پر لائے اور جماعتی لیٹر پیڈ پر یہ عقائد لکھ کر شائع کیے۔ سید ضیاء اللہ بخاری صاحب نے ان عقائد کی تصدیق بھی کی۔ ان عقائد میں یہ درج ہے کہ:

> آپ صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر صلوۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے جو سماع کا قائل ہے وہ بے ایمان کافر اور مشرک ہے (عند القبر صلوۃ وسلام کے سماع کی جتنی بھی احادیث ہیں وہ سب کی سب جعلی اور موضوع ہیں) تمام عقائد قرآن وسنت کے مطابق ہیں۔
>
> [دستخط]ضیاء اللہ

محمد عطاء اللہ بندیالوی صاحب (مماتی) عقیدہ حیاۃ وسماع النبی کے قائلین کے بارے میں لکھتے ہیں:

> حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، سماع موتیٰ اور بزرگوں کے وسیلے جیسے موضوعات پر دلائل دے کر الٹا شرک کے کھیت کے دہقان بنے ہوئے ہیں۔[1]
>
> امام الانبیاء علیہم السلام کے ذمہ یہ جھوٹ لگایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میری قبر پر سلام کہیں گے تو میں اس کا جواب دوں گا۔[2]

---

1 - شرک کیا ہے: ص4۔

2 - کیا مردے سنتے ہیں: ص37۔

امام الانبیاء علیہم السلام قبر منور پر آنے والوں کے سلام کو نہیں سنتے۔[1]

مولوی اللہ بخش صاحب (مماتی) لکھتے ہیں:

آنحضرت ﷺ کا درود و سلام عند القبر سننا وجواب دینا یہ قصہ من گھڑت ہے۔[2]

حالانکہ مفتی بغداد علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (1270ھ) ایک مقام پر حیات الشہداء کا ذکر کرتے ہوئے حیاۃ الانبیاء کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

وهي فوق حياة الشهداء بكثير وحياة نبينا صلى الله عليه وسلم أكمل وأتم من حياة سائرهم عليهم السلام ـــ إن تلك الحياة في القبر وإن كانت يترتب عليها بعض ما يترتب على الحياة في الدنيا المعروفة لنا من الصلاة والأذان والإقامة ورد السلام المسموع ونحو ذلك إلا أنها لا يترتب عليها كل ما يمكن أن يترتب على تلك الحياة المعروفة۔[3]

ترجمہ: یہ حیات (جو انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے) شہداء کی حیات سے بہت اعلیٰ ہے اور آنحضرت ﷺ کی حیات تو تمام انبیاء علیہم السلام سے اکمل واتم ہے...اس قبر کی زندگی پر اگرچہ بعض وہ امور مترتب ہوتے ہیں جو ہماری دنیا کی معروف زندگی پر مترتب ہوتے ہیں مثلاً نماز، اذان، اقامت اور سنے ہوئے سلام کا جواب لوٹانا اور اسی طرح کے دیگر امور، مگر اس پر وہ سب امور مترتب نہیں ہوتے جو دنیا کی معروف زندگی پر مترتب ہوتے ہیں۔

عنایت اللہ شاہ صاحب کے استاد محترم حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

---

1 ۔ کیا مردے سنتے ہیں: ص39۔

2 ۔ دعوۃ الرشاد: ص8 مؤلف مولوی اللہ بخش، مؤید عنایت اللہ شاہ گجراتی۔

3 ۔ روح المعانی: ج22 ص38 تحت قولہ تعالیٰ: ما کان محمد ابا احد من رجالکم۔

ومن ھھنا انحل حدیث اخرر واہ ابوداؤد فی رد روحہ صلی اللہ علیہ وسلم حین یسلم علیہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لیس معناہ انہ یرد روحہ ای انہ یحیی فی قبرہ بل توجہہ من ذلك الجانب الی ھذا الجانب فھو صلی اللہ علیہ و سلم حی فی کلتا الحالتین لمعنی انہ لم یطرأعلیہ التعطل قط۔ (1)

ترجمہ: اور یہیں سے ابوداؤد والی حدیث بھی حل ہو گئی کہ "جب آپ ﷺ پر سلام کیا جاتا ہے تو آپ کی روح مبارک لوٹائی جاتی ہے" اس روح لوٹانے کا یہ مطلب نہیں کہ قبر میں زندہ کیا جاتا ہے بلکہ (اس کا معنی یہ ہے کہ) آپ علیہ السلام کی ایک جانب سے دوسری جانب توجہ کر دی جاتی ہے، آپ ﷺ ان دونوں حالتوں میں زندہ ہوتے ہیں، آپ ﷺ پر تعطل بالکل طاری نہیں ہوتا۔

مسئلہ توسل (وسیلہ)

لغت میں توسل کا معنیٰ ہے:

الوَسِيلَة هي في الأَصل ما يُتَوَصَّلُ به إلى الشَّيْء ويُتَقَرَّبُ به۔ (2)

کہ "وسیلہ" دراصل اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی (مطلوبہ) چیز کی طرف پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل کیا جائے۔

شرعاً توسل کا اطلاق ان اقسام پر ہوتا ہے:

1۔ توسل بالدعاء

التوسل۔۔۔ بدعاء الرجل الصالح الحي الموجود فتقول يا شيخ ادع الله لي

---

1 ۔ فیض الباری علی صحیح البخاری: ج2 ص65 باب رفع الصوت فی المساجد۔

2 ۔ النہایۃ فی غریب الاثر لابن الاثیر الجزری: ج5ص402۔

ونحو ذلك، كما استسقى الصحابة برسول الله صلى الله عليه وسلم.[1]

ترجمہ: توسل بالدعاء سے مراد یہ ہے کہ زندہ نیک آدمی کو دعا کی درخواست کرنا کہ حضرت! میرے لیے اللہ سے دعا فرمائیں، جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے بارش کے لیے دعا کی درخواست کی۔

2۔ توسل بالاعمال

هو التقرب إلى الله تعالى بطاعته وعبادته واتباع أنبيائه ورسله وبكل عمل يحبه الله ويرضاه.[2]

ترجمہ: وسیلہ بالاعمال سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت، عبادت، اس کے انبیاء ورسل کی اتباع اور ہر اس عمل کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو اور اللہ اس سے راضی ہو۔

3۔ توسل بالذات

و ان یتوسل بالنبی صلی الله علیه و سلم و باحد من الاولیاء العظام جائز بان یکون السوال من الله تعالیٰ و یتوسل بولیه و نبیه صلی الله علیه و سلم۔[3]

ترجمہ: نبی ﷺ اور کسی ولی کی ذات سے وسیلہ کیا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ مانگا تو اللہ تعالیٰ سے جائے لیکن واسطہ ولی یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو۔

توسل کی ان تین اقسام میں سے توسل بالدعاء اور توسل بالاعمال اہل السنۃ والجماعۃ اور فریق مخالف

---

1 ۔ التوسل المشروع و الممنوع: ص17۔

2 ۔ التوصل الى حقيقة التوسل لمحمد نسيب الرفاعي: ص13۔

3 ۔ امداد الفتاویٰ: ج6 ص327۔

[مماتی] کے ہاں متفق علیہ ہے لیکن توسل بالذات کے اہل السنۃ و الجماعۃ تو قائل ہیں البتہ فریق مخالف اس کا منکر ہے، اہل السنۃ والجماعۃ اور فریق مخالف کا موقف پیشِ خدمت ہے:

علامہ تقی الدین علی بن عبد الکافی ابن علی السبکی الشافعی [م756ھ] لکھتے ہیں:

ان التوسل بالنبی صلی الله علیه وسلم جائز فی کل حال قبل خلقه وبعدخلقه فی مدة حیاته فی الدنیا وبعد موته فی مدة البرزخ۔ [1]

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل لینا ہر حال میں جائز ہے چاہے آپ کی تخلیق سے پہلے ہو، آپ کی پیدائش کے بعد آپ کی دنیوی زندگی میں ہو یا آپ کی وفات کے بعد آپ کی برزخی زندگی میں ہو۔

علامہ احمد بن محمد القطلانی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ [م923ھ] لکھتے ہیں:

و ینبغی للزائر ان یُکثِرَ من الدعاء و التضرع و الاشتغاثة و التشفع و التوسل به صلی الله علیه و سلم۔ [2]

ترجمہ: زائر کو چاہیے کہ بہت کثرت سے دُعا مانگے، گڑگڑائے، مدد چاہے، شفاعت کی دعا کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (م1176ھ) فرماتے ہیں:

و من ادب الدعاء تقدیم الثناء علی الله و التوسل بنبی الله لیستجاب. [3]

ترجمہ: اور دُعا کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ

---

[1] ۔ شفاء السقام للسبکی: ص358۔

[2] ۔ المواہب اللدنیة: ج3ص417 الفصل الثانی فی زیارة قبره الشریف ۔۔۔ الخ۔

[3] ۔ حجة الله البالغة ج2ص6۔

کو مقدّم کیا جائے تا کہ دُعا کو قبولیت کا شرف ہو۔

موجودہ دور کے غیر مقلدین اور مماتی حضرات توسل کے منکر ہیں اور اسے ہنود و نصاریٰ کا طریقہ کہا، شرک کے اسباب قرار دیا اور مشرکین کا عقیدہ بتلایا ہے ملاحظہ فرمائیں:

محمد حسین نیلوی صاحب اپنی کتاب "ندائے حق" میں لکھتے ہیں:

دراصل یہ مسئلہ (توسل) ہنود و نصاری سے چلا آرہا ہے۔[1]

محمد طاہر صاحب پنجپیری کی کتاب "البصائر مصنفہ مولوی حمد اللہ الداجوی" کے حاشیہ میں ہے:

قائلین توسل اور پہلے دور کے مشرکین کا عقیدہ ایک جیسا ہے۔[2]

عطاء اللہ بندیالوی صاحب لکھتے ہیں:

اسلام میں وسیلہ کا کوئی ثبوت نہیں، جواز وسیلہ پر کوئی ایک آیت، حدیث یا صحابی کا عمل موجود نہیں، لہذا وسیلہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔[3]

ایک مقام پر متوسِل کے بارے میں لکھتے ہیں:

اور وہ پاگل اپنے درخواست پیش کرنے کے لیے مخلوق میں سے وسیلوں اور واسطوں کو ڈھونڈتا پھرے۔[4]

میاں محمد الیاس صاحب محمد طاہر پنج پیری صاحب کی ایک تصنیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ مولانا کی پہلی مطبوعہ تصنیف ہے اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ اس کا موضوع "توسل و وسیلہ"

---

1 - ج2 ص349 عنوان: مسئلہ وسیلہ بالذوات والاموات کا اصل ماخذ۔

2 - حاشیہ البصائر: ص237۔

3 - وسیلہ کیا ہے؟: 41، 42، 46، 64۔

4 - شرک کیا ہے: ص19۔

ہے جو کہ پورے ہندوستان میں عام ہے اور شرک کے بنیادی اسباب میں سے ہے۔[1]
جبکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور صالحین رحمۃ اللہ علیہم کی ذاتوں سے توسل کرنے کا جواز کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع امت اور سلف صالحین کے اقوال سے ثابت ہے خصوصاً حضور اکرم ﷺ سے توسل کرنے کا جواز عقلاً و نقلاً ثابت ہے۔
علماء دیوبند کی اجماعی و متفقہ دستاویز "المہند علی المفند" میں تیسرا اور چوتھا سوال توسل کے متعلق تھا، حضرات علماء دیوبند کا متفقہ مسلک اس سوال و جواب میں ملاحظہ فرمائیں:

السوال الثالث والرابع: هل للرجل ان يتوسل فی دعواته بالنبی صلی الله علیه وسلم بعد الوفاة ام لا؟ ايجوز التوسل عندكم بالسلف الصالحين من الانبياء والصديقين والشهداء واولياء رب العالمين ام لا؟
الجواب: عندنا وعند مشائخنا يجوز التوسل فی الدعوات بالانبياء والصالحين من الاولياء والشهداء والصديقين فی حياتهم وبعد وفاتهم بان يقول فی دعائه اللهم انی اتوسل اليك بفلان ان تجيب دعوتی وتقضی حاجتی الی غير ذلك۔[2]

ترجمہ: تیسرا اور چوتھا سوال: کیا وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل لینا دعاؤں میں جائز ہے یا نہیں؟ تمہارے نزدیک سلف صالحین یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور اولیاء اللہ کا توسل بھی جائز ہے یا ناجائز؟
جواب: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعا میں انبیاء، اولیاء، شہداء اور صدیقین کا

---

1 - مولانا طاہر کی خدمات: ص194۔
2 - المہند علی المفند: ص36، 37۔

توسل جائز ہے، ان کی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی، آدمی یوں دعا کرے: اے اللہ! فلاں بزرگ کے وسیلہ سے میری دعا قبول فرما اور میری اس ضرورت کو پورا فرما۔

تنبیہ: المہند علی المفند کی اس دور کے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ و دیگر عرب ممالک کے علماء کے ساتھ ساتھ اکابرین دیوبند مثلاً حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری، مولانا محمد احمد قاسمی بن حضرت نانوتوی، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی اور مولانا محمد یحیٰ سہارنپوری وغیرہ نے تائید و تصدیق فرمائی تھی، گویا جوازِ توسل پر ان تمام حضرات اکابر و مشائخ کا اجماع و اتفاق ہے۔ وللہ الحمد

اسی طرح ان حضرات نے مسئلہ استشفاع، عرض اعمال اور سماع الموتیٰ میں جمہور امت سے ہٹ کر مؤقف اپنایا اور جمہور امت کی تغلیط اور تجہیل کی انہی کی جماعت کے ایک مبلغ احمد سعید ملتانی نے انہیں مسائل کو بنیاد بنا کر تکفیر کا مؤقف اپنایا اور اس سے بڑھ کر انبیاء و صحابہ میں سے کسی سے رعایت نہ کی بلکہ کفر کی تلوار سے سب پر زبان طعن دراز کی جس کی وجہ سے اشاعۃ التوحید کے حضرات نے تنگ آکر اس کو اپنی جماعت سے عضو معطل کی طرح الگ کر دیا جس کے بعد اس نے مرکزی اشاعت التوحید والسنۃ کی بنیاد رکھی لیکن الگ ہونے کے باوجود بھی ان کے آپس میں مراسم اور تعلقات باقی رہے چند ایک حوالہ جات جمہور امت کی تجہیل و تکفیر کے ملاحظہ فرمائیں۔

جمہور امت کی تغلیط و تجہیل

اشاعت التوحید والسنہ کے مرکزی رہنما مولانا عبد العزیز شجاع آبادی نے جماعت سے علیحدگی کے بعد "دعوت الانصاف فی حیات جامع الاوصاف" کے نام سے ایک کتاب تالیف کی جس میں جماعت سے استعفیٰ کے اسباب بیان کرتے ہوئے ان کی جمہور امت پر تنقید کو لکھا ہے کہ

احمد سعید ملتانی نے کس دیدہ دلیری سے سب پر زبان درازی کی ہے چند ایک حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

کچھ عرصہ پہلے بے چاری زلیخا جس کا ذکر دربار محبت حضرت یوسف قرآن مجید میں آیاہے ان (احمد سعید ملتانی) کی تنقید کا نشانہ تھی...اس کی جان چھوٹی تو نواسہ رسول ﷺ حضرت حسین رض شہید کربلا کو یزید کا باغی ثابت کرنے کا ٹھیکہ لے لیا...اور آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو (احمد سعید ملتانی) نے باغی کی موت قرار دیا۔[1]

احمد سعید ملتانی مماتی نے کہا: اگر نبی کریم ص کے سماع عند القبر کے قائل ابو بکر صدیق رض ہوں تو وہ بھی کافر ہیں...یعنی اگر ابو بکر صدیق رض میرے سامنے آکر یہ عقیدہ ظاہر کریں تو میں ان کو بھی کافر کہہ دوں گا۔[2]

ایک عالم نے امام ابن کثیر رح کی عبارت پیش کرنا چاہی تو (احمد سعید ملتانی مماتی) نے کہا کہ پہلے اس کا نام صحیح کریں...ابن کثیر کوئی اچھا ہوتا ہے (یعنی ولد الحرام) اس محدث کبیر، مفسر، امام وقت کا گوشت بھی وہاں کھایا گیا جہاں امیر اشاعت التوحید (عنایت اللہ شاہ صاحب) بنفس نفیس موجود تھے۔[3]

شجاع آباد میں توحید کے موضوع پر (احمد سعید ملتانی مماتی) نے کہا کہ "بت" نہیں سنتے...خدا سنتا ہے...بت عام ہیں...خدا کے بنائے ہوئے ہوں جیسے حضور اکرم ﷺ یا لات اور منات کی مورتی۔[4]

---

1 - دعوت الانصاف فی حیات جامع الاوصاف ص20۔

2 - المرجع السابق، ص25۔

3 - المرجع السابق ص32۔

4 - المرجع السابق ص35۔

احمد سعید ملتانی مماتی نے ایک بیان میں کہا ہے "بخاری کسی کنجر نے لکھی ہے" اس کے ساتھ ساتھ امام بخاری کے خلاف ایک کتاب بھی لکھی ہے "قرآن مقدس اور بخاری محدث" جس کے صفحہ 25 پر اس نے لکھا ہے:

"لیکن اللہ معاف کر دے تو بڑی بات ہے ورنہ لعنتی راویوں نے امام بخاری کو یوں اعتماد میں لے لیا کہ آپ نے شاید کبھی قرآنی بصیرت کا خیال تک نہیں فرمایا"

ریاض احمد گوہر شاہی

ان کا نام ریاض احمد ہے، والد کا نام فضل حسین مغل تھا جو کہ ایک سرکاری ملازم تھے۔ گوہر شاہی دادا کی طرف نسبت ہے جن کا نام گوہر علی شاہ تھا جو کہ سری نگر کے رہائشی تھے، وہاں ان سے ایک قتل سرزد ہوا، پکڑے جانے کے ڈر سے راولپنڈی آگئے اور نالہ لئی کے پاس رہائش پذیر رہے، جب انگریزی پولیس کا ڈر زیادہ ہوا تو فقیری کا روپ دھار کر تحصیل گوجر خان کے ایک جنگل میں ڈیرہ لگایا، جہاں کافی لوگ ان کے مرید ہوگئے اور جنگل کو نذرانے میں پیش کر دیا، یہی جنگل ڈھوک گوہر علی شاہ کے نام سے آباد ہوا اور یہیں ریاض احمد گوہر شاہی 25 نومبر 1941ء میں پیدا ہوئے۔

اپنے گاؤں میں ہی مڈل پاس کیا اور پھر پرائیویٹ طور پر میٹرک کیا، اس کے بعد ویلڈنگ اور موٹر میکینک کا کام سیکھ کر اس کی دوکان کھولی مگر اس میں کوئی نفع حاصل نہ ہوا، حصولِ روزگار کے لیے پریشانی ہوئی تو اس نے سوچا کہ دادا والا کام دھندہ یعنی پیری مریدی شروع کر دی جائے۔ اس کے لیے ابتداء خانقاہ کے چکر لگائے، خود لکھتے ہیں:

> کئی سال سیہون کے پہاڑوں اور لال باغ میں چلے اور مجاہدے کیے مگر گوہرِ مراد حاصل نہ ہوا اور پھر بری امام اور داتا دربار بھی رہا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔۔۔۔ اس کے بعد طبیعت بگڑ گئی، بیس سال کی عمر سے تیس سال تک ایک گدھے کا اثر رہا، نماز وغیرہ ختم ہوگئی، جمعہ کی نماز بھی ادا نہ ہو سکی، زندگی سینماؤں اور تھیٹروں میں گزرتی، حصولِ دولت کے لیے حلال و حرام کی تمیز جاتی رہی، بے ایمانی، جھوٹ اور فراڈ شکار بن گیا۔[1]

---

[1] - روحانی سفر ص:13 تا 16۔

پھر ایک مرتبہ عزم مضبوط کر کے سندھ کے پسماندہ اور غیر تعلیم یافتہ علاقے جام شورو ٹیکسٹ بک بورڈ میں جھونپڑی ڈال کر پیری مریدی شروع کر دی، کچھ کمزور عقیدہ لوگوں کی آمد شروع ہو گئی، لیکن قریبی یونیورسٹی کے پرنسپل نے سارا منصوبہ خاک میں ملا دیا اور جھونپڑی اُکھاڑنے کا حکم دیا، ہم نے چپ چاپ اکھاڑلی۔(1)

پھر حیدر آباد، سرے گھاٹ میں رہنے لگا، اپنے آپ کو سید ظاہر کیا جب کہ تھا مغل، سندھ کے لوگ چونکہ سید کے نام پہ مرتے ہیں؛ اس لیے اس کی کافی پذیرائی کی، یہیں سے شہرت ملی اور 1980ء میں اس نے کوٹری حیدر آباد، سندھ، خورشید کالونی سے ہی "انجمن سرفروشانِ اسلام" کی بنیاد ڈالی اور اپنے گمراہ کن عقائد کا پرچار شروع کیا، گوہر شاہی 25 نومبر 2001 کو مانچسٹر میں نمونیا کی وجہ سے فوت ہوا، گوہر شاہی کی میت پاکستان لائی گئی اور انجمن سرفروشانِ اسلام کے بین الاقوامی مرکز المرکزِ روحانی کوٹری میں دفن کی گئی، جہاں اب گوہر شاہی کا مزار بھی واقع ہے۔

اپنے ان گمراہانہ عقائد و نظریات اور دعاوی کے اثبات اور ترویج کے لیے اس نے مندرجہ ذیل کتابیں لکھیں: روحانی سفر، روشناس، مینارہ نور، تحفۃ المجالس، حق کی آواز اور تریاقِ قلب وغیرہ۔

آج کل "مہدی فاؤنڈیشن" اور "مسیحا فاؤنڈیشن" کے نام سے یہ جماعت مصروف عمل ہے اور اس نام سے ان کی کئی سائیٹس بھی انٹرنیٹ پر موجود ہیں۔

ارکان اسلام کا انکار

ریاض گوہر شاہی اور اس کے پیروکاروں نے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا انکار کر کے ان کی جگہ ذکر کو لازم قرار دیا اور ان کی بتائی ہوئی ترتیب پر ذکر کئے بغیر ان عبادات کو لغو قرار دیا ہے چنانچہ اپنی ایک کتاب میں لکھتا ہے:

---

1 - روحانی سفر ص9،8۔

نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو اسلام کے وقتی رکن کہا گیا ہے کہ روزانہ پانچ ہزار مرتبہ عوام، پچیس ہزار مرتبہ امام اور بہتر ہزار مرتبہ اولیاء کرام کو ذکر کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے کہ ہر درجہ کے ذکر کے بغیر نماز بے فائدہ ہے اگرچہ سجدوں سے کمر کیوں نہ ٹیڑھی ہو جائے۔[1]

ذکر کو نماز پر فضیلت دی اور اپنی کتاب "مینارہ نور صفحہ نمبر 17" پر ذکر کا نیا طریقہ نکالا اور قرآنی آیت کے مفہوم کو بگاڑ کر اپنے باطل نظریہ پر استدلال کیا ہے۔

اسی طرح کلمہ طیبہ یعنی اسلام میں دخول کو کامیابی اور مغفرت کے لئے ضروری نہیں سمجھتا اور کسی بھی مذہب والے کی مغفرت کا قائل ہے چنانچہ لکھتا ہے:

جسے جنت کی طلب ہے اس کے لئے مذہب کافی ہے وہ اللہ کا کوئی بھی پسندیدہ مذہب اختیار کر سکتا ہے لیکن خدا کو پانے کے لئے دل کا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔[2]

اللہ کی پہچان اور رسائی کے لئے روحانیت سیکھو خواہ تمہارا تعلق کسی بھی مذہب یا فرقے سے ہو، مسلمان یہ کہیں گے کہ بغیر کلمہ پڑھے کوئی کیسے اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے ؟ جب کہ عملی طور پر ایسا ہو رہا ہے عیسائی، ہندو اور سکھوں کے ذکر بغیر کلمہ پڑھے چل رہے ہیں۔[3]

حالانکہ اسلام کی بنیاد ہی انہی چیزوں پر ہے جنہیں ارکان اسلام کہا جاتا ہے اور کلمہ طیبہ اسلام میں دخول کی شرط اولین ہے اس کے بغیر کسی عمل کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے۔

---

1 - روشناس، صفحہ نمبر 3۔

2 - دی گریٹ گاڈ جولائی 1997ء بحوالہ قادیانیت اور گوہر شاہیت ص 35۔

3 - گوہر ص 4، سرفروش پبلی کیشنز۔

1۔ توحیدِ باری تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان۔ 2۔ نماز قائم کرنا۔ 3۔ زکاۃ ادا کرنا۔ 4۔ بیت اللہ کا حج کرنا۔ 5۔ رمضان کے روزے رکھنا۔

"حدثنا عبید اللہ بن معاذ حدثنا أبي حدثنا عاصم وهو ابن محمد بن زید بن عبد اللہ بن عمر عن أبيه قال: قال عبد الله: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً عبده ورسوله وإقام الصلاة وإيتاء الزكاة وحج البيت وصوم رمضان۔[1]

اسی طرح عیسائی، ہندو اور دوسرے ادیان کے لوگوں کو معرفت الٰہی اور مغفرت کا پروانہ اسی وقت مل سکتا ہے جب وہ اسلام میں داخل ہو جائیں بغیر اسلام کے کوئی مرتبہ و مقام نہیں ملتا چنانچہ علامہ طحاویؒ فرماتے ہیں:

ودين الله في الأرض والسماء واحد، وهو دين الإسلام، قال الله تعالى: {إن الدين عند الله الإسلام}، وقال تعالى: {ورضيت لكم الإسلام دينا}. وهو بين الغلو والتقصير، وبين التشبيه والتعطيل، وبين الجبر والقدر، وبين الأمن والإياس۔[2]

یعنی دین اللہ کے نزدیک زمین و آسمان میں صرف اسلام ہی ہے اور جس نے اس کے علاوہ کوئی دین تلاش کیا تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور یہ دین اسلام افراط و تفریط، تشبیہ و تعطیل، جبر و قدر اور بے خوفی و ناامیدی کے مابین ہے۔

---

1 - صحیح مسلم، 1/34۔

2 ۔ العقیدۃ الطحاویہ، ص15، ط، نور محمد کتب خانہ۔

اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی

گوہر شاہی نے اپنی جہالت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی شان میں بھی گستاخیاں کی ہیں ایک جگہ پر اللہ تعالیٰ کے علم کی نفی کرتے ہوئے یوں لکھتا ہے:

قریب ہے شاہ رگ کے اسے کچھ بھی پتہ نہیں، بیزار ہوئے محمد کاش تو نے پایا وہ راستہ نہیں۔[1]

اور ایک جگہ اللہ تعالیٰ کو عاشق کہہ کر یوں گستاخی کی ہے:

ایک دن اللہ کو خیال آیا کہ میں خود کو دیکھوں سامنے جو عکس پڑا تو ایک روح بن گئی اللہ اس پر عاشق اور وہ اللہ پر عاشق ہو گئی۔[2]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لئے زیور کی احتیاج ثابت کرنے کے لئے جھوٹی حدیثیں بھی گھڑیں اور کہنے لگا کہ:

حدیث میں ہے کہ میں نے خدا سے ہاتھ ملایا ایک دوسری حدیث میں ہے کہ دیدار کے وقت حضور پاک ﷺ نے خدا کے ہاتھ میں وہ انگوٹھی دیکھی جو انہوں نے حضرت علی کو دی تھی۔[3]

اسی طرح اس کے پیروکاروں نے ایک اخبار بنام "ہاتف مہدی" شائع کیا ہے جس میں نعوذ باللہ گوہر شاہی کو "مالک الملک گوہر شاہی" لکھا ہے اور لکھا ہے کہ ہمارے پاس وہ سب کچھ ہے جو اللہ کے پاس ہے اور ہمارے جہان کا نام ریاض الجنۃ ہے (نعوذ باللہ)

---

[1] ۔ تریاق قلب ص18۔

[2] ۔ روشناس ص17۔

[3] ۔ گوہر شاہی کے یادگار لمحات، ص24۔

ایسا شخص اسلام سے خارج ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان میں زبان درازی کرے ابن قدامہ نے المغنی میں لکھاہے:

ومن سب الله تعالى، كفر، سواء كان مازحا أو جادا. وكذلك من استهزأ بالله تعالى، أو بآياته أو برسله، أو كتبه، قال الله تعالى: {ولئن سألتهم ليقولن إنما كنا نخوض ونلعب قل أبالله وآياته ورسوله كنتم تستهزئون} [التوبة: 65] {لا تعتذروا قد كفرتم بعد إيمانكم} [التوبة: 66] . وينبغي أن لا يكتفى من الهازئ بذلك بمجرد الإسلام، حتى يؤدب أدبا يزجره عن ذلك، فإنه إذا لم يكتف ممن سب رسول الله ﷺ بالتوبة فممن سب الله تعالى أولى.[1]

یعنی نعوذ باللہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو گالی دے وہ کافر ہے خواہ مزاح میں سچ مچ، اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتابوں کو رسولوں یا آیات کا مزاق اڑائے وہ بھی کافر ہے، اور ایسا عمل کرنے والے کی توبہ کا بھی اعتبار نہ کیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں کستاخی کرنے والے کی توبہ کا اعتبار نہیں کیا جاتا تو بطریق اولیٰ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنے والے کی توبہ کا اعتبار نہ کیا جائے۔

انبیاء کرام کی شان میں گستاخی

گوہر شاہی نے انبیاء کرام کی شان میں بھی گستاخانہ الفاظ استعمال کئے ہیں چند ایک حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔

1۔ حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں گستاخی:

---

[1] ۔ المغنی لابن قدامہ، فصل السحر، 28/9، ط. مكتبة القاهرة۔

حضرت آدم علیہ السلام نفس کی شرارت سے اپنی وراثت یعنی جنت سے نکال کر عالم ناسوت جو جنات کا عالم تھا پھینکے گئے۔[1]

آگے حضرت آدم علیہ السلام پر یوں بہتان باندھا ہے کہ:

آپ جب اسم محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے نام کیساتھ لکھا دیکھا تو خیال ہوا کہ یہ محمد ﷺ کون ہیں، جواب آیا کہ تمہاری اولاد میں سے ہوں گے، نفس نے اکسایا کہ یہ تیری اولاد میں ہو کر تجھ سے بڑھ جائیں گے یہ "بے انصافی" ہے اس خیال کے بعد آپ کو دوبارہ سزا دی گئی۔[2]

اسی طرح اس بدبخت نے کتاب "مینارہ نور صفحہ نمبر 8" پر حضرت آدم علیہ السلام کی شدید ترین گستاخی کی اور اخیر میں ان پر شیطانی خور ہونے کا الزام لگایا ہے۔(معاذ اللہ)

2۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی:

گوہر شاہی جادوگروں کو موسیٰ علیہ السلام کے برابر ٹھہراتے ہوئے لکھتا ہے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر رب ذوالجلال سے گفتگو کرنا تو کیا وہ بھی شرک تھا؟ جب کہ ولی نبی کا نعم البدل ہے حالانکہ قدرت نے سحر والوں کو بھی اتنی طاقتیں بخشیں۔[3]

ایک اور مقام پر موسیٰ علیہ اسلام کی توہین کرتے ہوئے کہتا ہے:

بیت المقدس سے دو میل دور موسیٰ علیہ السلام کا مزار ہے یہودی مرد اور عورتیں

---

[1] ۔روشناس صفحہ 8۔

[2] ۔المرجع السابق ص9

[3] ۔مینارہ نور ص31۔

وہاں شراب نوشی کرتے ہیں حتی کہ وہ مزار فحاشی کا اڈا بن گیا جس کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کے لطائف وہ جگہ چھوڑ گئے اور مزار خالی بت خانہ رہ گیا۔[1]

3۔ نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی:

گوہر شاہی نے حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیطان کا سایہ نبی کریم ﷺ کے روپ میں میرے پیشاب کے اندر نظر آیا۔ (معاذ اللہ) وہ لکھتا ہے:

ایک دن اس نے اپنا سر قدموں میں رکھ دیا اور کہا اے باہمت شخص! جانتا ہے میں کون ہوں؟ میں نے کہا خبر نہیں، کہنے لگا میں تیرا نفس ہوں میں اور میرے مرشد نے تجھے دھوکہ دینے کی بڑی کوشش کی لیکن تیرا مرشد کامل تھا جس نے تجھے بچا لیا میں نے کہا میرا مرشد کون؟ اس نے کہا جس سایہ سے تجھے ہدایت ہوئی وہ تیرا مرشد تھا اور جس کی وجہ سے تجھے بدگمانی ہوئی وہ میرا مرشد ابلیس تھا جو تیرے مرشد کے روپ میں پیشاب میں نظر آیا جو مصنوعی یا رسول اللہ ﷺ بن کر آیا تھا وہ بھی میرا ہی مرشد تھا۔[2]

اس عبارت سے تھوڑا پہلے لکھتا ہے:

ایک دن پتھریلی جگہ پیشاب کر رہا تھا پیشاب کا پانی پتھروں پر جمع ہو گیا اور وہ ایسا ہی سایہ مجھے پیشاب کے پانی میں مجھے ہنستا ہوا نظر آیا میری اس وقت کیا حالت تھی میں بیان نہیں کر سکتا میں جس کو ایک روحانی چیز سمجھتا تھا جس کے حکم کے مطابق گھر بار چھوڑا ماں باپ بیوی بچوں کی محبت کو ٹھکرایا آج میں اس سے بدگمان ہو چکا تھا اگر وہ

---

[1] ۔ المرجع السابق، ص 62۔

[2] ۔ روحانی سفر ص 22۔

سایہ رحمانی ہوتا تو پیشاب میں کیوں نظر آتا۔ (1)

گوہر شاہی نے یہ بھی لکھا ہے کہ معراج کی رات جبریل اور براق جب آگے نہ جا سکے تو نبی کریم ﷺ پیران پیر کی روح کے محتاج ہوئے اور وہ ان کو اٹھا کر آگے لے گئی:

براق جبریل اور رفرف جہاں چلنا شروع ہوئے لیکن آپ ﷺ بڑھتے ہی گئے جب پر سواری جواب دے گئی تو جناب حضرت پیران پیر شیخ محی الدین کی روح مبارک آپ ﷺ کو اپنے کندھے پر بٹھا کر منزل تک لے گئی۔ (2)

کس قدر انبیاء کی شان میں غلط قسم کے نظریات اور الفاظ کو گوہر شاہی نے پھیلایا اور لوگوں کے ایمان کو ختم کر ہمیشہ کی ذلت میں دھکیل دیا۔

4۔جملہ انبیاء کی شان میں گستاخی:

انبیاء کرام علیہم السلام دیدار الٰہی کو ترستے ہیں اور یہ (اولیاءِ اُمّت) دیدار میں رہتے ہیں ولی نبی کا نعم البدل ہے۔ (3)

مرزا قادیانی اور گوہر شاہی ایک تصویر کے دو مترادف رخ ہیں اور ان کی دشنام طرازیوں سے انبیاء جیسی پاک ہستیاں بھی محفوظ نہیں رہیں اور انہوں نے یہود کا بھی ریکارڈ توڑ ڈالا۔

حالانکہ اسلام میں ایسے بدبخت شخص کی سزا جو انبیاء کی گستاخی کا مرتکب ہوا ہو قتل ہے اور ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد کے حکم میں ہے۔

شیخ وہبہ الزحیلی لکھتے ہیں:

---

[1] ۔روحانی سفر ص20۔

[2] ۔مینارہ نور ص33۔

[3] ۔ مینارہ نور صفحہ نمبر39۔

واما من سب الله تعالیٰ او النبی صلی الله علیه وسلم او احد من الملائكة او الانبياء فان كان مسلماً قتل اتفاقاً۔ [1]

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کو یا رسول اللہ ﷺ کو یا فرشتوں کو یا دیگر انبیاء کو گالی دے تو باتفاق اہلسنت والجماعت اسے قتل کیا جائے گا۔

اسی طرح جامع الفصولین میں لکھا ہے:

ومن لم يقر ببعض الانبياء عليهم السلام او عاب نبياً بشيئ او لم يرض بسنة من سنن المرسلين عليهم السلام كفر۔ [2]

یعنی جو شخص انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کا اقرار نہ کرے یا کسی بھی نبی پر کوئی معمولی سا عیب لگائے یا انبیاء کی سنتوں میں سے کسی پر راضی نہ ہو وہ شخص کافر ہے۔

ان تمام حوالہ جات اور دیگر احادیث و تصریحات فقہاء و محدثین سے یہ بات ثابت ہے کہ ایسا شخص اسلام سے خارج اور مرتدین میں شمار کیا جائے گا اور اس کی سزا قتل ہے۔

علماء اور اولیاء کی توہین

علماء و اولیاء امت مسلمہ کا قیمتی سرمایہ ہیں لیکن گوہر شاہی نے ان کے بغض میں حد پار کر کے وہ وہ الزامات اور اتہامات ان کے سر کئے کہ شرم سے سر جھک جاتا ہے گوہر شاہی کی تحریروں ان ہستیوں کے بارے میں نہایت غلیظ مواد موجود ہے بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

ظاہر عبادت کا تعلق شریعت سے ہے ہر وقت تلاوت کرنے والے یا نوافل پڑھنے والے یا تسبیح گھمانے والے یا ذکر لسانی والے حافظ، عالم، قاری اس مقام شریعت میں

---

[1] ۔ الفقه الاسلامی وادلته، 184/6۔

[2] ۔ جامع الفصولين، 203/2۔

ہی ہوتے ہیں وہ جنت اور حوروں کے طالب ہیں ان کا نفس نہ مرا نہ پاک ہوا۔[1]

ایک دوسری جگہ پر لکھتا ہے:

ایک طالب علم دس بارہ سال تک حصول دین کے لئے نکلتا ہے مسئلے مسائل، حدیث سیکھتا ہے، اسے مدرسوں میں یہی سمجھایا جاتا ہے کہ تیرا کوئی قدم سنت نبوی سے باہر نہ ہو تو ہی حضور پاک کے دین کا وارث ہے کہ تیرے ہی لئے حدیث ہے میرے علماء اسرائیل کے نبیوں کے مانند ہوں گے اور تجھے ہر شخص پر فضیلت ہے ان باتوں سے اس میں تکبر، انا، غرور پیدا ہو جاتا ہے۔[2]

اسی طرح ایک اور کتاب میں یوں رقمطراز ہے:

عالم نانی، پیٹ کی خاطر پیشہ اختیار کیا جہاں زیادہ تنخواہ یا مرغ پلاؤ دیکھا فوراً گھٹنے ٹیک لئے اس کا قلب جاہل اور سیاہ موقع کے مطابق گھومنے والا اور عوام میں خوار ہوتا ہے۔[3]

گوہر شاہی نے اولیاء کرام پر بھی بہت تہمتیں لگائی ہیں اور اولیاء کے بھیس میں بیٹھے جہلاء کو بھی اولیاء ہی میں شمار کر کے اولیاء کرام کو نشانہ بنایا ہے ملاحظہ فرمائیں:

کچھ بزرگوں کے حالات کتابوں میں پڑھتے تھے کہ ولایت کے باوجود بدعتوں میں مبتلا تھے جیسا سمن سرکار کا بھنگ پینا، لال شاہ کا نسوار اور چرس پینا، سدا سہاگن کا عورتوں سا لباس پہننا اور نماز نہ پڑھنا، امیر کلال کا کبڈی کھیلنا، سعید خزاری کا کتوں کے ساتھ شکار کھیلنا، خضر علیہ السلام کا بچے کو قتل کرنا، قلندر پاک کا نماز نہ پڑھنا،

---

[1] ۔ مینارہ نور، ص5۔

[2] ۔ المرجع السابق، ص51۔

[3] ۔ رہنمائے طریقت واسرار حقیقت ص17۔

داڑھی چھوٹی اور مونچھیں بڑی رکھنا حتیٰ کہ رقص کرنا، رابعہ بصری کا طوائفہ بن کر بیٹھ جانا، شاہ عبد العزیز کے زمانے میں ایک ولیہ کا ننگے تن گھومنا۔ (1)

ولی کا معیار اور پیرو مرشد ہونے کے لئے عجیب وغریب شرط قائم کی ہے کہ:

اگر زیادہ سے زیادہ سات دن میں ذاکر قلبی نہ بنادے تو وہ مرشد ناقص ہے اور اس کی صحبت سے اپنی عمر عزیز برباد کرنا ہے۔ (2)

علماء کرام اور اولیاء عظام کے بارے میں گوہر شاہی کی گستاخیاں اس قدر متعفن ہیں کہ ایسے شیطانی وساوس کی عکاسی کوئی ازلی شقی اور بدبخت ہی کر سکتا ہے اور ویسے بھی برتن سے وہی چیز ٹپکتی ہے جو برتن میں ہوتی ہے۔

علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ اپنی اس صفت سے اپنے پسندیدہ بندوں کو ہی نوازتے ہیں، تاکہ وہ نائبِ رسول بن کر لوگوں کو راہِ شریعت بتلائے، اور کسی سبب یا عداوت کے بغیر کسی عالمِ دین یا حافظِ قرآن کی اہانت درحقیقت علمِ دین کی اہانت ہے، اور علمِ دین کی اہانت کو کفر قرار دیا گیا ہے، اور اگر کوئی شخص کسی دنیاوی دشمنی یا بغض کی وجہ سے عالمِ دین کو برا بھلا کہتا ہے تو یہ گناہ گار ہے۔

"وفي النصاب: من أبغض عالماً بغير سبب ظاهر خيف عليه الكفر. وفي نسخة الخسرواني: رجل يجلس على مكان مرتفع ويسألون منه مسائل بطريق الاستهزاء، وهم يضربونه بالوسائد ويضحكون يكفرون جميعاً"۔ (3)

---

1 ۔ روحانی سفر، ص36۔

2 - روشناس صفحہ، نمبر6۔

3 ۔ لسان الحكام، ص: 415۔

"ومن أبغض عالماً من غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر، ولو صغر الفقيه أو العلوي قاصداً الاستخفاف بالدين كفر، لا إن لم يقصده"۔[1]

وفي البزازية: فالاستخفاف بالعلماء؛ لكونهم علماء استخفاف بالعلم، والعلم صفة الله تعالى منحه فضلاً على خيار عباده ليدلوا خلقه على شريعته نيابةً عن رسله، فاستخفافه بهذا يعلم أنه إلى من يعود، فإن افتخر سلطان عادل بأنه ظل الله تعالى على خلقه يقول العلماء بلطف الله اتصفنا بصفته بنفس العلم، فكيف إذا اقترن به العمل الملك عليك لولا عدلك، فأين المتصف بصفته من الذين إذا عدلوا لم يعدلوا عن ظله! والاستخفاف بالأشراف والعلماء كفر. ومن قال للعالم: عويلم أو لعلوي عليوي قاصداً به الاستخفاف كفر. ومن أهان الشريعة أو المسائل التي لا بد منها كفر، ومن بغض عالماً من غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر، ولو شتم فم عالم فقيه أو علوي يكفر وتطلق امرأته ثلاثاً إجماعاً"۔[2]

امام مہدی ہونے کا دعویٰ

انجمن سرفروشان اسلام کے تحت شائع ہونے والے اخبار "سرفروش" میں ریاض احمد گوہر شاہی ایک نجومی سے جو اپنے آپ کو ماہر فلکیات و نجوم کہتا ہے انٹرویو لیتے ہوئے پوچھتا ہے:

---

[1] ۔ البحر الرائق شرح كنز الدقائق، 5/134۔

[2] ۔ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، 1/695۔

منجم: یعنی جناب کا مطلب ہے حضرت امام مہدی علیہ السلام وہ کب آئیں گے ؟

سرکار: وہ آئے ہوئے ہیں۔(گوہر شاہی کی صورت میں)

منجم: اگر وہ آئے ہوئے ہیں تو(پاکستان) مکمل ہو جانا چاہیئے ؟

سرکار: ان کے ہاتھ میں آئے گا تو مکمل ہو جائے گا باطنی امور ان کے ہاتھ میں ہیں ظاہری امور آئیں گے تو پاکستان مکمل ہو جائے گا۔[1]

اسی اخبار میں اپنی مہدویت کا اعلان اس شعر میں کروایا:

کھلے جاتے ہیں اسرار نہانی گیا دور حدیث لن ترانی
ہوئی جس کی خدی پہلے نمودار وہی مہدی وہی آخر زمانی[2]

اسی طرح روزنامہ "نوائے وقت" میں گوہر شاہی کا دعویٰ مہدویت ان الفاظ میں شائع ہوا:

میں نے تو (امام مہدی ہونے کا) دعویٰ نہیں کیا البتہ اگر میرے مرید کہتے ہیں تو لوگوں کو ماننا ہو گا اور اسے (مجھے) امام (مہدی) تسلیم کرنا ہو گا۔[3]

گوہر شاہی کے یہ دعاوی اخبار صدائے سر فروش کے مطالعہ کرنے سے بالکل واضح ہو جاتے ہیں۔

گوہر شاہی کا مرید "محمد یونس الگوہر" گوہر شاہی کے متعلق لکھتا ہے:

چاند، سورج، حجر اسود، شومندر اور کئی دوسرے مقامات پر بھی تصویر گوہر شاہی نمایاں ہونے کے بعد اکثر مسلم اور غیر مسلم کا خیال اور یقین ہے کہ یہی شخص مہدی ،کالکی اوتار اور مسیحا ہے جس کا مختلف مذہبی کتابوں میں ذکر آیا ہے۔[4]

---

[1] ۔پندرہ روزہ سر فروش یکم تا15اکتوبر1998ء۔

[2] ۔سر فروش، یکم تا15اکتوبر1998ء/دین الٰہی ص71۔

[3] ۔نوائے وقت20نومبر1997ء۔

[4] ۔دین الٰہی ص16، گوہر شاہی۔

امام مہدی کے بارے میں وارد شدہ احادیث سے تین باتیں اجمالاً ثابت ہوتی ہیں جو گوہر شاہی میں بالکل نہیں پائی جاتیں اور اس کا کذب بالکل عیاں ہو جاتا ہے:

1۔ حضرت امام مہدی کا نام محمد ہو گا اور آپ کے والد کا نام عبد اللہ ہو گا۔

2۔ حضرت امام مہدی حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں سے ہوں گے اور سید بھی حسنی ہوں گے۔

3۔ حضرت امام مہدی دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔

ان تینوں علامات سے گوہر شاہی بالکل عاری ہے اس لئے اس کے کسی دعویٰ کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اس نے زندگی بھر گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں کمایا تفصیل مسعود الدین عثمانی اور وحید الدین خان کے عقائد و نظریات کے تحت گزر چکی ہے۔

گوہر شاہی کا دعویٰ نبوت

گوہر شاہی بہت مکار شخص تھا اس نے قادیانی کے دعویٰ بنوت سے یہ اندازا لگا لیا کہ اگر علی الاعلان دعویٰ نبوت کیا گیا تو یہ داؤ نہیں چل سکے گا اس لئے اس نے دبے لفظوں میں اپنے اس دعویٰ کا ظہار کیا اور گول مول بات کہہ کر تاویل کی گنجائش باقی رکھی چنانچہ ریاض گوہر شاہی خود کو نبی بتاتے ہوئے کہتا ہے:

> ہمارے لئے ذکر قلب ایسا ہے جیسا کہ مولوی کی تسبیح جسی چاہا دے دیا جو تعلیم ہمیں دی گئی ہے وہ کتابوں میں نہیں میری تعلیم خدائی ہے دوران چلہ ہم اکثر نورالہدیٰ کا کوئی حصہ پڑھ کر یاد کر لیا کرتے تھے بعد میں جب کبھی ضرورت پڑی تو کتاب کھول کر دیکھتے تو وہ تحریر کہیں بھی نہیں ملتی اسی طرح کبھی ہمیں الہام کی صورت میں دل میں تحریر اترتی تھی جو کہ کہیں بھی کتابوں میں نہیں ملتی تھی۔[1]

---

[1] ۔ گوہر شاہی کے یادگار لمحات، ص 23۔

اسی طرح ایک اور مقام پر اپنا کلمہ پڑھنے کی ترغیب دیتے ہوئے کہتا ہے:

جو شخص عیسائی ہے اور مسلمان نہیں ہے وہ محمد رسول اللہ ﷺ کیسے پڑھے گا؟ صرف ہم نے عیسیٰ روح اللہ پڑھنے کو کہا ہے، اور کچھ ایسے بھی ہیں جو کسی نبی کو نہیں مانتے ان کے لئے ہم نے اپنا تصور بتایا ہے ہم کو اگر خدا نے اس کام کے لئے بھیجا ہے تو طاقت اور صلاحیت دے کر ہی بھیجا ہو گا ایسے لوگوں کے لئے صرف تصور ہی کافی ہے۔[1]

اسی طرح سرفروش اخبار میں کئی ایک اشتہارات میں اس مردود نے دبے لفظوں میں نبوت کا دعویٰ کیا جیسا کہ ایک ٹکڑا اس کے دعویٰ کا یہ ہے:

عصر حاضر کی روحانی ذات گرامی حضرت قبلہ سیدنا ریاض احمد گوہر شاہی مدظلہ العالی کے در کے غلاموں نے سرکار شاہ صاحب علیہ السلام کی تعارفی ویڈیو گھر گھر پہنچانے کی غرض سے 6 اپریل کو بذریعہ کار اپنے سفر کا آغاز فرانس کی جانب کیا۔[2]

جیسے مرزا قادیانی انگریز کی جھولی میں پل کر دعویٰ نبوت تک پہنچا اسی طرح گوہر شاہی کو بھی انگریز کی پوری پوری حمایت حاصل تھی اور یہ بھی اسی کی بدولت اس مقام تک پہنچا لیکن واضح الفاظ میں دعویٰ کا اظہار نہ کر سکا کیونکہ مرزا قادیانی کا انجام اس کے سامنے تھا۔

اور پوری دنیا اس بات پر گواہ ہے کہ جس طرح جھوٹے مدعیان نبوت کا امت مسلمہ نے قلع قمع کیا اور انہیں منہ کی کھانی پڑی اسی طرح یہ گوہر شاہی بھی ناکام و نامراد ہو کر جہنم کا ایندھن بنا ہے اور حضور سرور کونین ﷺ کی ختم نبوت کا ڈنکا آج بھی چہار سو عالم میں بج رہا ہے اور ہمیشہ بجتا رہے گا، اور ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں، اللہ

---

[1] ۔ سالنامہ گوہر 1996ء و 1097ء ص 7۔

[2] ۔ سرفروش یکم تا 15 جون 1998ء

تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس جہاں میں بھیج کر بعثت انبیاء کا سلسلہ ختم فرما دیا ہے۔ اب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو گا، حضور نبی اکرم ﷺ کی ختم نبوت کا ذکر قرآن حکیم کی سو سے بھی زیادہ آیات میں نہایت ہی جامع انداز میں صراحت کے ساتھ کیا گیا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا۔ [1]

محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب انبیاء کے آخر میں (سلسلۂ نبوت ختم کرنے والے) ہیں، اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو خاتم النبین کہہ کر یہ اعلان فرما دیا کہ آپ ﷺ ہی آخری نبی ہیں اور اب قیامت تک کسی کو نہ منصب نبوت پر فائز کیا جائے گا اور نہ ہی منصب رسالت پر۔

قرآن حکیم میں سو سے زیادہ آیات ایسی ہیں جو اشارۃً یا کنایتاً عقیدہ ختم نبوت کی تائید و تصدیق کرتی ہیں۔ خود نبی اکرم ﷺ نے اپنی متعدد اور متواتر احادیث میں خاتم النبیین کا یہی معنی متعین فرمایا ہے۔ لہٰذا اب قیامت تک کسی قوم، ملک یا زمانہ کے لئے آپ ﷺ کے بعد کسی اور نبی یا رسول کی کوئی ضرورت باقی نہیں اور مشیت الٰہی نے نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا ہے، آپ ﷺ سلسلۂ نبوت اور رسالت کی آخری کڑی ہیں آپ ﷺ نے اپنی زبانِ حق ترجمان سے اپنی ختمِ نبوت کا واضح لفظوں میں اعلان فرمایا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] ۔ سورة الاحزاب آیت نمبر 40۔

إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدْ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ وَلَا نَبِيَ۔ [1]

یعنی اب نبوت اور رسالت کا انقطاع عمل میں آ چکا ہے لہٰذا میرے بعد نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ کوئی نبی، اس حدیث پاک سے ثابت ہو گیا کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور جو کوئی حضور ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ مردود، ملعون، بے ایمان اور دجال تو ہو سکتا ہے نبی ہر گز نہیں ہو سکتا۔

انگریز کا خود کاشتہ پودا

انگریز یعنی امریکہ و برطانیہ نے نہ صرف گوہر شاہی کو مال و زر اور خزانے دیئے بلکہ اس کی حفاظت اور مکمل سیکورٹی کا بھی بندوبست کیا تھا جیسا کہ خود اس کے اخبار سرفروش میں لکھا ہے:

> حکومت برطانیہ انجمن سرفروشان اسلام کے بانی و سرپرست ریاض احمد گوہر شاہی کو اہم شخصیت تسلیم کر کے مکمل سیکورٹی کی سہولت فراہم کر دی ہے گذشتہ دنوں حکومت برطانیہ کی طرف سے ترجمانی کرتے ہوئے میٹروپولٹین پولیس نیوسکاٹ لینڈ یارڈ (Speciacist operation) کے افسران جن میں ڈی سی ہارٹسن اور ڈی سی فیض شامل تھے گوہر شاہی سے ان کی رہائش گاہ لندن پر ملاقات کی ۔۔۔۔ نمائندہ وفد نے بتایا کہ برطانوی حکومت کی جانب سے آپ کے تحفظ کے لئے ہم مکمل سیکورٹی کی سہولت فراہم کر رہے ہیں اور ان شاء اللہ حکومت اپ کے ساتھ بھرپور تعاون کرے گی۔ [2]

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ جس کی ڈیوٹی گوہر شاہی نے سرانجام دی انگریز کی نمک حلالی کا

---

[1] ۔ ترمذي، الجامع الصحيح، كتاب الرويا، 4 : 163، باب : ذهبت النبوة، رقم : 2272

[2] ۔ سرفروش یکم تا 15 اگست 1995ء۔

ثبوت دیا تو وہ انعام سے تو ضرور نوازتے۔

نامحرم عورتوں سے یارانہ

گوہر شاہی نے جو روحانی منازل طے کئے ہیں ان میں عورتوں کا بھی بہت زیادہ دخل ہے، نہ شرم نہ حیا، اسکے روحانی سفر میں ایک مستانی کا خصوصیت کیساتھ دخل ہے۔

میں دن کو کبھی کبھی اس عورت کے پاس چلا جاتا وہ بھی عجیب و غریب فقر کے قصّے سناتی اور کبھی کھانا بھی کھلا دیتی۔[1]

کہنے لگی آج رات کیسے آگئے، میں نے کہا پتہ نہیں اس نے سمجھا شاید آج کی اداؤں سے مجھ پر قربان ہو گیا ہے اور میرے قریب ہو کر لیٹ گئی اور پھر سینے سے چمٹ گئی۔[2]

یہ ولایت کی کون سی قسم ہے جس میں نامحرم عورت کو سینے سے لگا کر ولایت کی منزلیں طے کی جا رہی ہیں اور تقویٰ میں کوئی فرق بھی نہیں پڑ رہا بلکہ اور ترقی ہو رہی ہے اسی طرح اپنی اس محبوبہ مستانی کی اداؤں پر لٹو ہو کر گوہر شاہی بڑے فخر سے انہیں بیان کرتا ہے لکھتا ہے:

کبھی کبھی اس کی آنکھوں میں عجیب سی مستی چھا جاتی، پھر مختلف اداؤں سے باتیں کرتی سیاہ چہرے کو آٹے سے سفید کرتی، لڑکیوں کی طرح اتراتی جب کہ اس کی عمر پچاس سال کے لگ بھگ تھی کبھی میرے ہاتھ کو پکڑ کر سینے سے لگاتی اور کبھی ناچنا شروع ہو جاتی اور میں اس کی عادت سمجھ کر نظر انداز کر دیتا۔[3]

اسی طرح نشے کا بھی عادی تھا گوہر شاہی اپنی کتاب روحانی سفر میں رقم طراز ہے:

---

[1] - روحانی سفر ص34۔

[2] - روحانی سفر ص32۔

[3] ۔روحانی سفر ص37۔

اتنے میں اس نے سگریٹ سلگایا اور چرس کی بو اطراف میں پھیل گئی اور مجھے اس نفرت ہونے لگی رات کو الہامی صورت پیدا ہوئی یہ شخص (یعنی چرسی) ان ہزاروں عابدوں، زاہدوں اور عالموں سے بہتر ہے جو ہر نشے سے پرہیز کر کے عبادت میں ہوشیار ہیں لیکن بخل، حسد اور تکبّر انکا شعار ہے اور (چرس کا) نشہ اسکی عبادت ہے۔ [1]

معاذ اللہ! بالکل ہی واضح طور پر نشہ کو صرف حلال ہی نہیں بلکہ عبادت ٹھہرایا جا رہا ہے، کیا اس سے زیادہ دلیری کیساتھ کوئی دشمن اسلام دینِ متین کے چہرے کو مسخ کر سکتا ہے، کیا شریعت مطہرہ کی تنقیص کے لئے اس سے بھی زیادہ شرمناک پیرایہ استعمال کیا جاسکتا ہے، کیا اپنے مذہب اپنے دین اپنے عقائد کا اسطرح سے خون کرنے والا یہ شخص مذہبی رہنما ہو سکتا ہے؟

---

[1] ۔ روحانی سفر، صفحہ نمبر 49 تا 50۔

شبیر احمد ازہر میرٹھی

ان کی ایک کتاب چھپی ہے جس کا نام ہے "احادیثِ دجال کا تحقیقی مطالعہ" اس کتاب کی پشت پر مصنف کا تعارف میں ان کو محدث اور مفسر لکھا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے دورہ حدیث کیا اور "شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ" سے شرف تلمذ پایا اور "ندوۃ العلماء" سمیت مختلف بڑے مدارس میں ایک عرصے تک بخاری کا درس دیا ہے، مگر ایسا لگتا ہے کہ ان حضراتِ اکابر اور ان مستند اداروں سے ان صاحب کو صحیح نسبت اور صحیح تلمذ حاصل نہیں۔

احادیث فتن کا انکار

ان کی اس پوری کتاب کا مقصد دجال سے متعلق احادیث کے نام پر انکار و تردید ہے اور اس کے کاتب نے اس کتاب میں صاف لکھا ہے کہ:

اس سلسلے کی تمام روایات کذاب راویوں کی گھڑی ہوئی ہیں۔[1]

پھر اس پوری کتاب میں اس سلسلے میں آئی ہوئی روایات کو بلا کسی دلیل کے، محض اٹکل سے اس طرح رد کیا ہے، جیسے کسی معمولی آدمی کی بات کو جاہل لوگ آپس میں بحث کے دوران رد کرتے ہیں؛ یہاں مثال کے طور پر ایک دو باتیں نقل کرنا مناسب ہو گا۔

ایک جگہ پر دجال کے بارے میں مسلم کی ایک حدیث، جس کو "ابو الوداک" نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے نقل کر کے لکھا کہ:

یہ گپ شپ "ابو الوداک" کی ہانکی ہوئی ہے، اس شخص نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ پھر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا پردازی کر کے فائدہ اٹھایا۔[2]

---

1 - احادیثِ دجال کا تحقیقی مطالعہ، ص9۔

2 - احادیثِ دجال کا تحقیقی مطالعہ، ص13۔

یہ اندازِ کلام جس قدر اپنے اندر سوقیانہ پن رکھتا ہے، اس کا اندازہ کچھ مشکل نہیں؛ پھر یہ ”ابو الوداک“ جن پر اس مصنف نے یہ افترا پردازی کی ہے کہ ان کو جھوٹا قرار دے دیا، یہ جمہور علما کے نزدیک ثقہ اور قابلِ اعتبار محدث ہیں، ان کو صرف امام نسائی نے ”لیس بقوي“ کہا ہے اور کسی نے ان کو کذاب یا وضاع نہیں کہا ہے۔[1] اب ذرا دیکھیے کیا اسی بڑ اور ہانک کا نام تحقیق ہے؟

ایک اور مثال لیجیے! ان مصنف صاحب نے ایک اور جگہ بخاری، مسلم کے حوالے سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث نقل کی اور اس کے بعد کہا کہ یہ "ابو سعید خدری" صحابی نہیں؛ بل کہ مشہور کذاب "یحیٰ بن ابی حیہ ابو جناب کوفی" ہے، پھر اس کے بعد اپنے اس فاسد خیال کی جو دلیل دی ہے، وہ تو دل چسپ اور "مارے گھٹنا پھوٹے آنکھ "کا مصداق ہے، وہ یہ کہ ابنِ ماجہ میں حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث دجال کے بارے میں آئی ہے، اس میں ضمناً ایک قول "ابو سعید" نامی کذاب شخص کا نقل کیا گیا ہے، اس لیے بخاری اور مسلم کی حدیث میں "ابو سعید" سے جو روایت ہے، اس سے یہی ابو سعید کذاب مراد ہے نہ کہ حضرت ابو سعید خدریؓ صحابیٔ رسول۔

میں کہتا ہوں کہ اگر اسی کا نام تحقیق ہے اور اسی کو دلیل کہتے ہیں، تو پھر صاف یہی کیوں نہ کہہ دیا کہ چوں کہ ابن ماجہ میں ایک جگہ ابو سعید کذاب کا ذکر آیا ہے؛ اس لیے جہاں بھی ابو سعید کا ذکر آیا ہے، اس سے یہی ابو سعید کذاب مراد ہے اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ صحابی کی کوئی حدیث ہی نہیں ہے؟ فیاللعجب!

ان دو مثالوں سے شبیر احمد ازہر میرٹھی کی حدیث دانی کا اندازہ اچھی طرح ہو جاتا ہے کہ وہ محض اوہامِ باطلہ اور خیالاتِ فاسدہ کا نام علم اور حدیث دانی رکھے ہوئے ہیں، اسی طرح پوری کتاب میں

---

1 - دیکھو: تہذیب التہذیب:2/60۔

محض اپنے اوہام وخیالات سے صحیح احادیث کو ٹھکرایا ہے اور بخاری، مسلم اور دیگر کتبِ حدیث کے ثقہ اور قابلِ اعتبار راویوں کو کذاب دجال اور وضّاع قرار دیا ہے اور ان جلیل الشان محدثین اور ائمہ کرام کو عقل سے بے بہرہ وجاہل اور اس سے بڑھ کر اللہ سے بے خوف اور نڈر کہا ہے؛ اس طرح دین کے ایک مسلمہ عقیدے کو غلط اور یہود کا دیا ہوا عقیدہ کہہ کر امت میں فتنہ ڈالنے کی کوشش کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے لوگوں کا وجود خود ایک فتنہ ہوتا ہے اور ان سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

میرا مقصد اس جگہ اس کے ذکر سے یہ ہے کہ احادیثِ فتن کے سلسلے میں جو لوگ انکار اور اعراض کی رَوِش پر چل رہے ہیں یہ دراصل خطرات کے راستے پر چل رہے ہیں، اس لیے ان کو اس قسم کے لوگوں کے بہ جائے جمہور اہلِ علم اور سوادِ اعظم کے پیچھے چلنا چاہیے۔

احادیثِ فتن سے عبرت

غرض یہ کہ آج اس کی ضرورت ہے کہ ہم بہ غور احادیثِ فتن کا مطالعہ کریں اور ان میں سے جو فتنے اختیاری ہیں، ان کو ختم کرنے کی کوشش کریں اور جو غیر اختیاری ہیں، ان کے شر سے خود کو اور دوسروں کو محفوظ رکھنے کی تدبیر کریں اور ہر صورت میں آخرت وقیامت کا استحضار کرکے توبہ وانابت، طاعت وعبادت، زہد وقناعت، تقویٰ وطہارت کی طرف پیش قدمی کریں۔

عقیدہ خروج دجال کی اہمیت

خروج دجّال کے متعلق عقیدہ رکھنا کتنا اہم اور فتنۂ دجّال کی کتنی اہمیت ہے، اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ حدیث کی تمام مستند کتابوں میں اس کا ذکر تواتر سے موجود ہے۔ امام بخاری نے دجّال پر ایک خصوصی باب مختص کیا ہے اور صحیح بخاری میں 51 مرتبہ دجّال کا ذکر آیا ہے۔ صحیح مسلم میں بھی دجّال پر ایک باب قائم ہے اور صحیح مسلم میں لفظ دجّال 65 مرتبہ مذکور ہے۔

سنن ابی دائود اور جامع ترمذی میں بھی دجّال پر ابواب موجود ہیں اور ان دونوں مجموعہ ہائے احادیث میں لفظ دجّال بالترتیب 28 اور 33 مرتبہ آیا ہے، سنن ابن ماجہ میں لفظ دجّال 18 مرتبہ، مسند احمد میں 206 مرتبہ، مؤطا امام مالک میں 5 مرتبہ آیا ہے، امام ابو یعلیٰ، امام بزار، امام طبری، امام ابن ماجہ، امام ہیثمی رحمہم اللہ کے اپنے اپنے مرتب کردہ مجموعہ ہائے احادیث میں دجّال کا لفظ اتنی بار مذکور ہے کہ اس کی حیثیت ایک ذخیرے کی سی ہے اور ان کا شمار کرنا تقریباً ناممکن امر ہے۔ امام حاکم، امام قرطبی، نعیم بن حماد، ابن کثیر، علامہ برزنجی اور شیخ یوسف مقدسی کے مرتب کردہ مجموعہ ہائے احادیث میں بھی دجّال سے متعلق کثرت سے روایات موجود ہیں۔

دجال کے متعلق احادیث

دجال کے بارے میں کتب احادیث میں باقاعدہ ابواب موجود ہیں، آپ جو بھی حدیث کی کتاب اٹھائیں گے اس میں دجال کا ذکر ضرور آئے گا، علامات قیامت میں ذکر آئے گا یا پھر الگ سے باب بھی ہو سکتا ہے۔ چند حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

1۔ صحیح بخاری، 6/2606، باب ذکر الدجال، دار ابن کثیر الیمامۃ بیروت

2۔ صحیح مسلم، 1/154، باب ذکر المسیح بن مریم والمسیح الدجال، دار احیاء التراث العربی بیروت

3۔ سنن ابی داؤد، 4/115، باب خروج الدجال، دار الفکر

4۔ سنن ترمذی، 4/507 سے 515، باب ماجاء فی الدجال سے باب ماجاء فی قتل عیسی بن مریم الدجال، دار احیاء التراث العربی بیروت

5۔ سنن ابن ماجہ، 2/1353، باب فتنۃ الدجال وخروج عیسی بن مریم وخرج یاجوج وماجوج، دار الفکر

6۔ مصنف عبد الرزاق، 11/389، باب الدجال، المکتب الاسلامی بیروت

ان کے علاوہ مسند احمد بن حنبل، مؤطا امام مالک، سنن نسائی الکبری، المستدرک علی الصحیحین امام

حاکم، صحیح ابن حبان سنن البیہقی الکبری، مسند ابی عوانۃ، مصنف ابن ابی شیبۃ، مسند ابی یعلی، مسند اسحاق بن راہویہ، مسند البزار، مسند ابن ابی شیبۃ، المعجم الکبیر، المعجم الصغیر اور المعجم الاوسط طبرانی میں بھی دجال کے بارے میں احادیث بیان کی گئی ہیں، اور ان میں سے اکثر احادیث صحیح ہیں، جن کا انکار ایک منکر حدیث ہی کر سکتا ہے۔

علامات قیامت کے متعلق راہ اعتدال

ان روایتوں میں اجمال و تفصیل، وغیرہ کا باہم اختلاف بھی ہے؛ چونکہ اس سلسلہ کی احادیث مختلف اوقات میں مختلف صحابہ سے روایت ہوئی ہیں اور ہر مجلس میں آپ نے اس وقت کے مناسب اور حسب ضرورت تفصیلات بیان فرمائیں، اس لیے یہ اختلاف ناگزیر ہے، پھر یہ بات بھی یقینی نہیں ہے کہ ان تفصیلات کے براہ راست ہر سننے والوں کو ان سب کا علم ہو، بہت ممکن ہے کہ جس صحابی نے ایک مجلس میں یہ حدیث سنی اس کو دوسری مجلس میں بیان ہوئی روایت کے سننے کا موقع میسر نہ آیا ہو جس کو اس دوسری مجلس میں موجود صحابی نے سنا ہے، اس صورت میں بھی دونوں راویوں کی بیان کردہ روایت میں کمی وزیادتی وغیرہ کا اختلاف لازمی ہے۔ اب بعد میں آنے والی امت کے سامنے چونکہ ہر دو بیانات موجود ہوتے ہیں اس لیے اس کا یہ علمی فریضہ ہے کہ وہ ان میں تطبیق کی راہ نکالے، نہ کہ اس سلسلہ کی مستقیم الاسناد اور اصول محدثین وفقہاء کے مطابق مقبول معتبر احادیث کو ان جزوی اور لفظی اختلاف کی بناء پر ضعیف یا موضوع قرار دے دیا جائے، احادیث میں اس قسم کے اختلاف کی صورت میں علمائے حق کا یہی عملی تسلسل ہے اس راہ معروف کو چھوڑ کر اس سلسلہ میں کوئی نئی راہ پیدا کرنا اور محض اپنے علم و عقل پر بے جا اعتماد کر کے سلف وخلف کے پسندیدہ طریقہ کو پس انداز کر دینا یہ ایک ایسی جسارت ہے جسے علمی ودینی حلقہ میں قبول نہیں کیا جاسکتا ہے۔

شکیل بن حنیف

شکیل بن حنیف، دربھنگہ، بہار کے موضع عثمان پور کا رہنے والا ایک شخص ہے، جس نے چند برس قبل، جب کہ وہ دہلی میں تھا، مہدی ہونے اور پھر مہدی و مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، اور اس طرح ایک نئی قادیانیت کی داغ بیل ڈالی، اس نے پہلے دہلی کے مختلف محلوں میں اپنی مہدویت و مسیحیت کی تبلیغ کی، لیکن ہر جگہ سے اسے کچھ دنوں کے بعد ہٹنا پڑا، پہلے محلہ نبی کریم کو اس نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، اور پھر لکشمی نگر کے دو مختلف علاقوں میں یکے بعد دیگرے رہ کر اپنے مشن کو چلا، دہلی کے زمانۂ قیام میں اس نے بالخصوص ان سادہ لوح نوجوانوں کو اپنا نشانہ بنایا جو دہلی کے مختلف تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے؛ لیکن جیسے ہی لوگوں کو اس کی حرکتوں کی اطلاع ہوتی، وہ اس کے خلاف ایکشن لیتے اور اسے اپنا ٹھکانہ تبدیل کرنا پڑتا، بالآخر اسے دہلی سے ہٹنے کا فیصلہ کرنا پڑا، اور اس نے اپنی بود وباش مہاراشٹر کے ضلع اورنگ آباد میں اس طرح اختیار کرلی کہ 'کسی' نے اس کے لیے ایک پورا علاقہ خرید کر ایک نئی بستی بسادی، جس میں وہ اور اس کے "حواری" رہتے ہیں۔

ملک (ہندوستان) کے مختلف حصوں میں اس جھوٹے مہدی و مسیح کی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ برسوں سے خاصی تیزی کے ساتھ جاری ہے، دہلی، بہار، مہاراشٹر و آندھرا پردیش وغیرہ میں اس کے فتنہ میں اچھی خاصی تعداد میں لوگ آچکے ہیں، اور ہر جگہ کچھ نہ کچھ لوگوں نے اس کے تعاقب کی فکر بھی شروع کردی ہے۔

اس فتنہ کی دعوت اور اس کے داعیوں کا طریقۂ کار

ان لوگوں کا طریقۂ کار یہ ہے کہ یہ خفیہ طور پر کسی نوجوان سے رابطہ کرتے ہیں، یہ نوجوان عام طور پر کسی کالج یا یونیورسٹی کا ایسا طالب علم ہوتا ہے کہ جس کا کسی عالم، دینی جماعت یا دینی تنظیم

سے کوئی رابطہ نہ ہو، یہ پہلے اس سے عام دینی گفتگوئیں کرتے ہیں، اور چونکہ اس فتنہ کے تمام داعی اپنا حلیہ ایسا بنائے پھرتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر ہر شخص یہی محسوس کرے کہ یہ متبعِ سنت قسم کے دین دار نوجوان ہیں، مثلاً لمبی داڑھیاں رکھتے ہیں، لباس میں لمبے کرتے اور اونچی شلوار کا اہتمام کرتے ہیں، گفتگو میں بار بار الحمد للہ، سبحان اللہ، ماشاء اللہ، ان شاء اللہ اور ان جیسے دیگر الفاظ کی کثرت رکھتے ہیں، اس لیے وہ سادہ لوح اور ناواقف نوجوان ان سے بہت زیادہ متاثر ہو جاتا ہے، اور انہیں بہت دین دار سمجھنے لگتا ہے، اپنی بابت یہ تاثر قائم کرنے کے بعد یہ اپنے مخاطب سے علاماتِ قیامت کا تذکرہ کرتے ہیں اور ان کا مصداق نئے انکشافات، نئی ایجادات اور معاصر دنیا کے بعض حالات وواقعات کو قرار دیتے ہیں، اس درمیان یہ بہت ہوشیاری کے ساتھ یہ کوشش بھی کرتے ہیں کہ اپنے مخاطب کے ذہن میں علماء کی تصویر ایسی بنادیں کہ وہ ان کی کسی بات کی تصدیق علماء سے کرانے کی ضرورت نہ سمجھے، مثلاً یہ کہتے ہیں کہ علماء کو ان علامات قیامت کا کچھ علم نہیں ہوتا؛ اس لیے کہ انھیں زمانۂ طالب علمی میں یہ حدیثیں پڑھائی ہی نہیں جاتیں، انھیں بس حدیث کی کتابوں کے چند منتخب ابواب پڑھا دیے جاتے ہیں، جن کا تعلق نماز، روزہ جیسے مسائل سے ہوتا ہے؛ تاکہ یہ کسی مسجد کے امام یا کسی مدرسہ کے مدرس بن سکیں۔ انکا مخاطب جو اب تک ان کے دین دار ہونے کا تاثر رکھتا ہے، یہ باتیں سن کر ان کو دین کا ایسا ماہر بھی سمجھنے لگتا ہے کہ جو علما سے زیادہ دین کو جاننے والا ہے، اور اب اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ یہ اسے جو بتادیں وہ اس پر یقین کرلے۔

اس کے بعد انھیں باور کراتے ہیں کہ دجال کی آمد ہو چکی ہے، وہ امریکا و فرانس کو دجال بتاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں جو یہ بتایا تھا کہ دجال کی پیشانی پر، کافر لکھا ہوگا اس سے آپ ﷺ کا اشارہ یہی دونوں ممالک تھے اس لیے کہ جب ان دونوں کا نام ایک

ساتھ لکھا جائے (امریکا فرانس) تو بیچ میں کافر لکھا ہوا ہوتا ہے، دجال کی ایک آنکھ ہونے کا مصداق وہ سیٹلائٹ کو قرار دیتے ہیں، بعض روایات میں دجال کے بارے میں ہے کہ وہ ایک گدھا ہوگا، یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد فائٹر پلین ہے۔

دجال کی بابت اپنی ایسی گفتگوؤں کے بعد داعیانِ شکیلیت یہ کہتے ہیں کہ دجال کی آمد کے بعد مہدی و مسیح کو آنا تھا، اور وہ آچکے ہیں، اور اب نجات کا بس یہی ایک ذریعہ ہے کہ ہم ان کے ہاتھ پر بیعت کرلیں، اگر مخاطب بہت سادہ لوح ہوتا ہے اور یہ خواہش ظاہر کرتا ہے کہ مجھے بھی اس 'سفینۂ نجات' میں سوار ہونا ہے تو اسے (عام طور پر) پہلے صوبائی امیر کے پاس بھیجا جاتا ہے، مثلاً یوپی میں بنارس بھیج دیا جاتا ہے، جہاں بنارس ہندو یونیورسٹی میں زیر تعلیم ایک نوجوان سے اس کی ملاقات ہوتی ہے، یہ صاحب یوپی میں اس جھوٹے مہدی و مسیح کے مشن کے امیر بتائے جاتے ہیں، اور پھر کچھ دنوں کے بعد اورنگ آباد بھیج کر شکیل کے ہاتھ پر بیعت کرادی جاتی ہے؛ لیکن اس بات کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے کہ بیعت سے پہلے اس جھوٹے مہدی و مسیح کا اصلی نام سامنے نہ آئے، یہاں تک کہ لوگوں کے دریافت کرنے پر بھی یہ لوگ اس کا اصلی نام نہیں بتاتے ہیں؛ تاکہ اگر یہ شخص کہیں کسی سے تذکرہ کر بھی دے تو بھی لوگوں کو معلوم نہ ہوپائے کہ یہ کس 'مسیح' کی دعوت دی جارہی ہے۔

دجال اور نزول عیسیٰ کا صحیح تصور

ذیل کی سطروں میں دجال اور حضرت مہدی و حضرت عیسی علیہ السلام کی بابت صحیح احادیث میں بتائی گئی چند علامتوں کا تذکرہ کرکے شکیلی فتنہ کے دعووں کا جائزہ لیا جارہا ہے؛ تاکہ یہ بات بالکل واضح ہوجائے کہ شکیل بن حنیف جھوٹا ہے، حضرت مہدی و حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس کو وہی نسبت ہے جو رات کو روز روشن سے۔

شکیلی دجال بمقابلہ حقیقی دجال

دجال کی بابت شکیلیوں کا دعوی اتنا بدیہی غلط ہے کہ کوئی بھی آدمی جسے اللہ نے عقل سلیم سے نوازا ہوا نھیں صحیح مان ہی نہیں سکتا، اور اس لیے اس سلسلہ میں کسی تفصیلی گفتگو کی ضرورت نہیں ہے، لیکن پھر بھی اتنا عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ... نے دجال کی بابت جو کچھ بتایا ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک انسان ہی ہوگا، دو ممالک کا مجموعہ یا سیٹلائٹ یا فائٹر پلین نہیں، آپ ﷺ نے اس کا حلیہ بھی بالکل واضح طور پر بتادیا ہے، مثلا بخاری کی ایک حدیث (701، کتاب ذکر الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم) میں ہے کہ آپ کو خواب میں دجال دکھایا گیا، تو وہ ایک سرخ رنگ کا موٹا شخص تھا، اس کے بال گھنگھریالے تھے، داہنی آنکھ سے کانا تھا، یہاں تک کہ اس حدیث میں آپ ﷺ نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ قبیلہ ٔخزاعہ کے ایک آدمی ابن قطن کے مشابہ تھا، ان واضح نشانیوں کے بعد کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ کوئی بھی عقل مند شخص یہ کہے کہ دجال ایک شخص نہ ہو کر دو ممالک کا مجموعہ ہے، اور اس کی آنکھ سیٹلائٹ ہے۔

علامات مہدی کی روشنی میں شکیل کا جائزہ

احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ دو الگ الگ شخصیات ہیں، جب کہ شکیل غلام احمد قادیانی کی طرح اس بات کا دعوے دار ہے کہ وہ بیک وقت مہدی بھی ہے اور مسیح بھی، ظاہر ہے کہ یہی ایک بات اس کے جھوٹے ہونے کے لیے کافی ہے۔

حضرت مہدی کی بابت رسول اکرم ﷺ کی حدیثوں میں متعدد علامتیں بیان کی گئی ہیں، ذیل میں ہم ان میں سے چند کا تذکرہ کریں گے، اور پھر ان کی روشنی میں شکیل کا جائزہ لیں گے:

1۔ رسول اللہ ﷺ نے بتایا تھا کہ حضرت مہدی کا نام محمد اور ان کے والد کا نام عبد اللہ ہوگا، (ابو داود: 4282، کتاب المہدی)، جب کہ شکیل، شکیل بن حنیف ہے، محمد بن عبد اللہ نہیں۔

2۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بتایا تھا کہ مہدی آپ کی ہی نسل سے ہوں گے، اور ان کا سلسلۂ نسب حضرت فاطمہ تک پہنچے گا، (ابوداود:4284، کتاب المہدی) جب کہ شکیل کا اس خاندان اور نسل سے کوئی تعلق نہیں، وہ تو ہندوستانی نسل کا ہی ہے۔

3۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مہدی روشن پیشانی کے ہوں گے یعنی گورے رنگ کے ہوں گے، (ابوداود:4285، کتاب المہدی)، جب کہ شکیل ایسا نہیں ہے۔

4۔ رسول اللہ... نے یہ بھی بتایا تھا کہ ان سے پہلے دنیا بھر میں ظلم وناانصافی کا راج ہوگا، اور وہ ظلم کا خاتمہ کر کے دنیا میں عدل وانصاف کا بول بالا کر دیں گے، (ابوداود:4282، کتاب المہدی) جب کہ شکیل کے دعوائے مہدویت کو دس برس سے زائد کا عرصہ گزر گیا ہے، اور اس عرصہ میں دنیا میں ظلم وناانصافی بڑھی ہی ہے، کم نہیں ہوئی ہے۔

5۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکمراں بھی ہوں گے، (ابوداود: 4285، کتاب المہدی)، اور شکیل حکمرانی کا تو خواب بھی نہیں دیکھ سکتا۔

6۔ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ محمد بن عبد اللہ مہدی کے منصب پر فائز ہونے کے بعد زیادہ سے زیادہ نو برس رہیں گے (ترمذی: 2223، ابواب الفتن، باب بعد باب ماجاء فی المہدی)، جن میں سے سات برس وہ حکومت فرمائیں گے، (ابوداود: 4285، کتاب المہدی) شکیل بن حنیف کے دعوائے مہدویت کو دس برس سے زائد کا عرصہ گزر گیا ہے اور ابھی تک نہ اس کا انتقال ہوا ہے اور نہ اس کی حکومت قائم ہوئی ہے۔

شکیل اور حضرت عیسیٰ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس دنیا میں دوبارہ تشریف آوری کی بابت بھی قرآن اور حدیث میں کچھ ایسی واضح باتیں بتادی گئی ہیں کہ جن کو سامنے رکھ کر شکیل و قادیانی جیسے ہر جھوٹے کی حقیقت

واضح ہو جاتی ہے، ذیل میں ایسی ہی چند علامتیں درج کی جاتی ہیں:

1۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بیان فرمایا ہے، اس سے یہ بات بالکل قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ وہ وہی عیسی بن مریم علیہما السلام ہوں گے جو بنی اسرائیل کے نبی تھے، اور جن کی والدہ حضرت مریم تھیں اور جو بغیر والد کے پیدا ہوئے تھے، صحیح بخاری و صحیح مسلم سمیت حدیث کی متعدد کتابوں میں ایسی کئی روایتیں پائی جاتی ہیں، جن میں قیامت کے قریب آپ کی آمد کا تذکرہ ہے اور آپ کا نام عیسیٰ بن مریم ہی لیا گیا ہے، ان میں سے چند روایتیں ابھی آپ پڑھیں گے۔ اور مہدی و عیسی ہونے کا یہ دعوے دار شکیل بن حنیف ہے، ہندوستان کے ایک علاقہ سے تعلق رکھتا ہے، یہ وہ عیسیٰ بن مریم نہیں ہے جو بنی اسرائیل کے نبی تھے اور جو بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اور جن کی والدہ کا نام مریم تھا۔

2۔ حضرت عیسی کی دوبارہ آمد کے سلسلہ میں متعدد احادیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اتریں گے (مثلاً ملاحظہ ہو: بخاری: 2222، کتاب البیوع، باب قتل الخنزیر،) جب کہ یہ شکیل بن حنیف عثمان پور نامی ایک گاؤں میں اپنے والد حنیف کے یہاں پیدا ہوا ہے، آسمان سے نہیں اترا ہے۔

3۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں ابن مریم انصاف پسند حکمراں بن کر ضرور نازل ہوں گے، صلیب کو توڑ دیں گے (یعنی آپ کی آمد کے بعد سارے عیسائی مسلمان ہو جائیں گے، اور صلیب کی عبادت ختم ہو جائے گی)، خنزیر (کی نسل) کو قتل کر دیں گے....، اور مال و دولت کی ایسی فراوانی ہو گی کہ کوئی صدقات قبول کرنے والا نہیں ہو گا۔ (بخاری: 2222، کتاب البیوع، باب قتل الخنزیر، مسلم: 155 / 2476، کتاب الایمان، باب نزول عیسی بن مریم)

اب ذرا اس حدیث کی روشنی میں شکیل کا جائزہ لیجیے، وہ نہ اب تک حکمراں بنا ہے اور نہ حکمرانی کا کوئی ارادہ رکھتا ہے، وہ تو اورنگ آباد، مہاراشٹر کے پاس کی ایک بستی میں چھپا بیٹھا ہے، اور وہاں سے نکلنے کا نام ہی نہیں لیتا، اور اس نے نہ کبھی کوئی صلیب توڑی ہے اور نہ کسی عیسائی نے اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے، نہ خنزیروں کو قتل کیا ہے اور نہ اس کے آنے کے بعد دنیا میں مال و دولت کی فراوانی ہوئی ہے اور نہ غربت کا خاتمہ ہوا ہے کہ صدقات لینے والا کوئی نہ ملے۔

4۔ قرآن مجید نے سورہ نساء کی آیت (159) میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت عیسی کی وفات سے پہلے تمام اہلِ کتاب (یہودی وعیسائی) مسلمان ہو جائیں گے "وان من اہل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ" اور شکیل کے ہاتھ پر اب تک ایک بھی عیسائی اسلام نہیں لایا۔

ان کے علاوہ حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت اور بھی علامتیں یا پیشین گوئیاں حدیث کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں؛ لیکن قرآن و صحیح احادیث میں مذکور یہی چار علامتیں شکیل کے دعوے کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں، اس مختصر سے مضمون میں مزید کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے۔

ہمارے یہاں عام طور پر کسی فتنہ کی فکر اس وقت کی جاتی ہے، جب اس کے شکار ہزاروں لاکھوں لوگ ہو جاتے ہیں، اور اس وقت فتنہ اپنے پاؤں اتنے جما چکا ہوتا ہے کہ اس کو ختم کرنا مشکل ہو چکا ہوتا ہے، قادیانیت کے سلسلہ میں بھی ایسا ہی ہوا تھا؛ اس لیے اس نئی قادیانیت کا تعاقب ابھی سے کرنا لازمی و ضروری ہے۔[1]

---

1 - ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ 3، جلد: 100، جمادی الاولی 1437 ہجری مطابق مارچ 2016ء، بتغییر یسیر۔

یوسف کذاب اور زید زمان

یوسف علی ولد وزیر علی فیصل آباد کے تحصیل جڑانوالہ میں پیدا ہوئے فوج میں کمشینڈ آفیسر بنے مگر قبیح حرکات کے بنا پر کپتان بنتے ہی اسے فوج سے نکال دیا گیا. اسکے بعد ایم اے اسلامیات کیا مزید تعلیم کیلئے ایران چلے گئے ایران سے واپسی پر گلبرگ گرلز کالج کی اسسٹنٹ پروفیسر طیبہ صاحبہ سے شادی کی معروف سکالر ڈاکٹر ملک غلام مرتضی کی توسط سے سعودیہ چلے گئے اور جدہ میں ڈاکٹر کے گھر ہی رہنے لگے باطل نظریات رکھنے پر ڈاکٹر نے 1988 کو سعودیہ سے دھتکار کر وطن بھیج دیا. واپسی پر لوگوں کو لوٹنے کیلئے یہ شوشہ چھوڑا کہ وہ سعودیہ میں سفیر مقرر کئے گئے ہیں، پھر اس نے ایک علامہ کا روپ دھار کر مختلف اخبارات ورسائل میں یوسف علی کے نام سے دینی موضوعات اور سیرت النبی 4 پر مضامین لکھنا شروع کئے پھر یوسف علی سے ابوالحسنین بن گئے، یوسف نے خود کو علامہ یوسف علی کہلانا شروع کیا اور مختلف اخبارات ورسائل میں مضامین لکھنے شروع کر دیئے. پھر کچھ عرصے تک ابوالحسین کے نام سے سیرت النبی لکھنی شروع کر دی.
1992 میں زید زمان حامد یوسف علی سے مل گیا. لاہور کے علاقے شادمان کی ایک مسجد میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا لیکن اہل محلہ نے کچھ ہی دنوں میں ان دونوں کو مسجد سے نکال دیا گیا.
بالآخر ملتان روڈ پر واقع دربار بیت الرضا اور اسکے ملحقہ مسجد پر ڈیرے ڈال دیئے یہاں پر لوگوں کو دیدار نبی کے جھانسے دیتے رہے رنگ برنگے مخلوط محفلیں سجاتے رہے لوگ اپنے مال و دولت ان پر نچھاور کرنے لگے تین چار سال میں کروڑوں کے مالک بن گئے ڈیفنس میں عالی شان کوٹھی خرید لی قیمتی گاڑیاں نوکر چاکر تو اسکے علاوہ تھیں، 28 فروری 97 کو "ورلڈ اسمبلی آف مسلم یونائیٹ" کے نام سے بیت الرضا میں ایک اجلاس کا انعقاد کیا اور اسی اجلاس میں اس خناس نے نبوت کا دعوی کیا اجلاس میں موجود سو مریدوں کو صحابہ اور زید زمان کو اپنا خلیفہ کا قرار دیا اور کہا کہ زید زمان میرا

نعوذ باللہ حضرت ابو بکر صدیق جیسا خلیفہ ہے۔

چنانچہ روزنامہ خبریں لاہور کی خبر ملاحظہ ہو:

ملتان (اسٹاف رپورٹر) نبوت کے جھوٹے دعویدار کذاب یوسف... جو توہین رسالت کے الزام میں گزشتہ ۸ ماہ سے جیل میں بند ہے... نے اپنی غیر موجودگی میں بر نکس کمپنی اسلام آباد کے منیجر زید زمان کو خلیفہ اول مقرر کر دیا ہے اور تمام چیلوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ زید زمان کے احکامات کے مطابق کام کریں۔ زید زمان کو اس سے قبل 28 / فروری کو کذاب یوسف کی نام نہاد ورلڈ اسمبلی آف مسلم یونٹی کے لاہور میں ہونے والے اجلاس میں خصوصی طور پر بلایا گیا تھا اور تقریباً ۱۰۰ افراد کی موجودگی میں کذاب یوسف نے اسے (اپنا) صحابی قرار دیتے ہوئے (نعوذ باللہ) حضرت ابو بکر صدیقؓ کا خطاب دیا تھا اور کہا تھا کہ ہم نے زید زمان کو حقیقت عطا کر دی ہے۔ اس پروگرام کی ویڈیو اور آڈیو کیسٹ بھی تیار ہوئی، جو پولیس کے ریکارڈ میں محفوظ ہے اور مقدمہ کا حصہ ہے۔ اس اجلاس میں صحابی قرار پانے کے بعد زید زمان نے تقریر کی اور کذاب یوسف کی تعریف اور عظمت میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے تھے۔ زید زمان ان دنوں کذاب یوسف کی رہائی کے سلسلہ میں سرگرم ہے اور عدالت میں ہر تاریخ پر موجود ہوتا ہے۔ کذاب یوسف کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ اڈیالہ جیل میں اس نے عبادات ترک کر دی ہیں اور آج کل خط و کتابت کے ذریعے روٹھے مریدوں کو منانے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔[(1)]

29 مارچ 97 کو تمام مکاتب فکر کے علما ایک فلیٹ فارم پر جمع ہوئے اور سیشن کورٹ لاہور میں اس

---

[1] - روزنامہ خبریں، لاہور، ۸ / نومبر 1997ء۔

کے خلاف توہین رسالت کا مقدمہ درج کیا زید زمان اسکا وکیل بن گیا، اور اسکو چھڑوانے کے لئے تگ ودو کرنے لگا کیس تقریبا تین سال تک چلتا رہا 5 اگست 2000 کو سیشن کورٹ جج جناب میاں محمد جہانگیر نے اس کو سزاء موت دینے کا حکم دیا اور اس پر ڈیڑھ لاکھ جرمانہ عائد کیا اور اسکے نام سے "علی" کا لاحقہ حذف کرکے "کذاب" کے لاحقہ ملانے کا بھی حکم دیا اور یوں وہ یوسف علی سے یوسف کذاب بن گئے۔

زید حامد نے امریکی اور برطانوی سفارت خانوں کے بہت چکر لگائے، یورپی یونین کو درخواستیں دی گئیں اور اسائیلم (پناہ) مانگتے رہے. یوسف کذاب کو بھگانے کی تمام تر تیاریاں مکمل ہو گئیں تھیں کہ یہ خبر لیک ہوگئی. کوٹ لکھپت جیل کے ہی ایک قیدی طارق نے اسے قتل کر دیا۔

یوسف کذاب کے جہنم واصل ہونے کے بعد زید زمان حامد انڈر گراؤنڈ ہو گیا، پھر ایک مخصوص ایجنڈے اور مشکوک فنڈنگ کے ساتھ دوبارہ ٹی وی چینلز پر نمودار ہوا، براس ٹیکس (Brass Tacks) نامی پروگرام سے مشہور ہوا اور آجکل لال ٹوپی پہنے دفاعی تجزیہ نگار، مذہبی اسکالر اور اعلیٰ دانشور بنا پاکستانیوں کو غزوہ ہند کی تیاریاں کراتا ہے. ان کا کام مذھب کے نام پر عام لوگوں میں شر کی طرف لیجانا یعنی گمراہ کرنا مقصود ہے، ان کا کام لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا کر انکے دلوں میں اپنا مقام بنانا مقصود ہے۔

یوسف کذاب کا دعویٰ نبوت

اس کذاب کے دعویٰ نبوت کے ثبوت کے لئے اس کا بیان جو اس نے مسجد بیت الرضا لاہور میں کیا تھا کافی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

آج کم از کم یہاں اس محفل میں ۱۰۰ اصحابہ موجود ہیں، ۱۰۰ اولیاء اللہ موجود ہیں، ہر عمر کے لوگ موجود ہیں، بھئی صحابی وہی ہوتا ہے ناں، جس نے صحبت رسول میں

ایمان کے ساتھ وقت گزارا ہو اور اس پر قائم ہو گیا ہو اور رسول اللہ ہیں ناں اور اگر ہیں تو ان کے صاحب بھی ساتھ ہیں، اس صاحب کے جو مصاحب ہیں وہی تو صحابی ہیں۔ (1)

اس سے واضح ہو تا ہے کہ کس طرح اس شخص نے ختم نبوت کا انکار کر کے نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کے ساتھ اگر اسی بیان کے اس حصہ کو بھی ملاحظہ کر لیا جائے تو زید حامد کا معاملہ اور بھی واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے، کہ یوسف کذاب مدعی نبوت تھا اور زید حامد اس کا خلیفہ اور صحابی ہے، اس لئے کہ یوسف کذاب نے اسی تقریر میں کہا ہے کہ:

دوسرا تعارف اس نوجوان صحابی، اس نوجوان ولی کا کرواؤں گا جس کے سفر کا آغاز ہی صدیقیت سے ہوا ہے اور جس رات ہمیں نیابت مصطفی عطا ہوئی تھی، اگلی صبح ہم کراچی گئے تھے اور سب سے پہلے وابستہ ہونے اور وارفتہ ہونے والے سیّد زید زمان ہی تھے۔ آئیں سیّد زید زمان۔ (2)

مزید کہتے ہیں:

برسوں ایک سفر کی آرزو رہی، کتابوں میں پڑھا تھا چالیس چالیس سال، پچاس پچاس سال چلے کیے جاتے تھے، ریاضت اور مجاہدہ ہوتا تھا، میرے آقا سیّدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انتہا سے انتہائی شدید، انتہائی محبت کے بعد ایک طویل سفر، ریاضت کا مجاہدے کا گزارا جاتا تھا تو آقا کی زیارت ہوتی تھی، ایک سفر کا آغاز، ہمیشہ سے یہ پڑھا اور سنا اور خوف یہ کہ کہاں ہم! کہاں یہ ماحول! کہاں یہ دور! کس کے پاس وقت ہے کہ برسوں کے چلے کرے، کس کے پاس وقت ہے کہ صدیوں کی عبادتیں کرے اور

---

[1] ۔ماہنامہ البینات، اپریل 2010ء

[2] ۔المرجع السابق۔

پھر صرف دیدار نصیب ہو، تڑپ تو تھی کہ صرف زیارت و دیدار ایسا نصیب ہو کہ صرف اس جہاں میں نہیں، صرف آخرت میں نہیں، صرف لامکاں میں نہیں، ثم الوریٰ، ثم الوریٰ، ثم الوریٰ، وصل قائم رہے، تو ایک راز سمجھ میں آیا کہ: "نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں" زہد ہزاروں سال کا اور پیار کی نگاہ ایک طرف، اپنے کسی ایسے پیارے کو دیکھو جو پیار کی نگاہ سے کہ صدیوں کا سفر لمحوں میں طے ہو جائے۔ نعرۂ تکبیر۔[1]

زید زمان اور یوسف کذاب کے تعلقات

کچھ عرصہ سے زید زمان نے یوسف کذاب سے اپنے تعلقات کے بارے میں یہ پروپیگنڈا شروع کیا ہوا ہے کہ اس کا یوسف کذاب سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ اس سے برأت کا اظہار کرتا ہے اس بارے میں حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہید اپنے مضمون "راہبر کے روپ میں راہزن" میں لکھتے ہیں:

نوفل شاہ رخ کا کہنا ہے: "میں زید حامد کو گزشتہ بیس سال سے جانتا ہوں، میری سب سے پہلی ملاقات زید حامد سے 1989ء میں حکمت یار کے کراچی کے دورے میں ہوئی، جب وہ اس کے ترجمان تھے۔ میں اس روشن چہرے والے متحرک نوجوان، این ای ڈی کے گریجویٹ انجینئر سے، جو بیک وقت روانی سے فارسی، انگریزی، پشتو اور اردو بول سکتا تھا، بہت متاثر ہوا، اس وقت یہ زید حامد نہیں، بلکہ زید زمان تھا، اسی زمانہ میں زید زمان نے قصص الجہاد نامی ویڈیو تیار اور تقسیم کی، جس میں افغان مجاہدین اور روسی افواج کا دوبدو مقابلہ دکھایا گیا تھا، یہ ویڈیو اپنی قسم میں جدا اور یکتا تھی، اس زمانہ میں زید زمان ایک سحر انگیز شخصیت تھے، مگر پھر کچھ عجیب سی باتیں

1۔ منقول از کیسٹ بیت الذکر، لاہور و کذاب، ص:50 تا 53۔

ہوئیں، زید زمان ایک برطانوی بیس این جی اوز" مسلم ایڈ" کے مالی اسکینڈل کا مرکزی نقطہ بنے، بعد ازاں انہوں نے حکمت یار اور حقانی سے رابطہ توڑ کر احمد شاہ مسعود کے ساتھ تعلقات استوار کر لیے اور پھر بعد میں جہاد کو یکسر فراموش کر کے "صوفی" بن گئے، اسی دوران جب ملعون یوسف علی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو یہ اس سے منسلک ہو گیا اور اس کا صحابی اور خلیفہ اول قرار پایا اور کئی دفعہ اخبارات ورسائل میں اس کا نام یوسف علی کذاب کے صحابی اور خلیفہ کے نام سے چھپا۔"

(کاشف حفیظ، روزنامہ امت کراچی)

اگر زید زمان المعروف زید حامد کا مدعی نبوت ملعون یوسف کذاب کے ساتھ کوئی دینی، مذہبی عقیدت و محبت، پیری، مریدی یا نبوت و خلافت کا کوئی رشتہ نہیں تھا تو اس نے ملعون یوسف کذاب کی بھرپور وکالت کرتے ہوئے اپنی ویب سائٹ پر بے شمار سائلین کے جواب میں ملعون یوسف کذاب کی صفائیاں کیوں دیں اور اس کے خلاف مقدمہ کو جھوٹا مقدمہ کیوں کہا؟ اور یہ کیوں کہا کہ دراصل خبریں گروپ کے ضیاء شاہد اور یوسف کذاب کے درمیان جائیداد کا تنازعہ تھا، جس کی بنا پر اس کے خلاف سازش کی گئی تھی، ورنہ وہ تو بڑا درویش صفت اور صوفی اسکالر تھا؟

جو بھولے بھالے مسلمان اور مخلص و دین دار افراد زید زمان المعروف زید حامد کے دفاعی تجزیوں، جہاد و مجاہدین کے حق میں اور یہود و امریکا کے خلاف بولنے اور کھلی تنقید کرنے کی بنا پر ان کو طالبان اور مسلمانوں کا نمائندہ یا ترجمان سمجھتے ہیں ان کو زید حامد کی ویب سائٹ براس ٹیکس پر انگریزی میں جاری کردہ رپورٹ "What Really Happened": کا مطالعہ بھی کر لینا چاہیے، اگر کوئی شخص اس کی اس انگلش رپورٹ کو پڑھ کر سمجھ لے تو اس کو اندازہ ہو جائے گا کہ

وہ طالبان، دین، دینی مدارس اور علماء کے بارے میں کتنا مخلص ہے؟

جہاد افغانستان کے حق میں یا امریکا اور یہودیوں کے خلاف تقریریں کرنا، کسی ملحد کے مسلمان ہونے کی دلیل نہیں، اس لیے کہ ایسے ملحدین اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے دور رس منصوبے ترتیب دیتے ہیں، چنانچہ اہلِ بصیرت خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ شروع شروع میں مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی ہندوؤں، آریوں اور عیسائیوں کے خلاف تقریریں، مناظرے اور مباحثے کرکے اپنی اہمیت منوائی تھی اور اپنے آپ کو اسلام اور مسلمانوں کا ترجمان باور کرایا تھا، لیکن جب اس کی شہرت ہوگئی اور اس کا اعتماد بحال ہوگیا تو اس کے بعد اس نے مہدی، مسیح اور نبی ہونے کے دعوے کیے تھے، ٹھیک اسی طرح یہ بھی اسی حکمت عملی پر گامزن ہے۔

اہلِ ایمان کی ذمہ داری

مسلمانوں کو چاہئے کہ اس ملعون کا تعاقب کریں اور اس کے دام تزویر میں نہ آئیں اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اس کے متعلق بتلائیں تاکہ امت مسلمہ کا دین وایمان محفوظ رہ سکے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کو اس بات کا بھی بطورِ خاص اہتمام کرنا چاہئے کہ مستند علماء اور اکابر اہلِ حق کے علاوہ کسی عام آدمی کو درس وتدریس کی مسند پر نہ بیٹھنے دیں اور نہ ہی اس کے حلقہ درس میں بیٹھیں، کیونکہ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ:

> وانما حق العوام ان یومنوا ویسلموا ویشتغلوا بعبادتہم ومعایشہم ویترکوا العلم للعلماء، فالعامی لو یزنی ویسرق کان خیراً له من ان یتکلم فی العلم، فانه من تکلم فی اللّٰہ وفی دینه من غیر اتقان العلم وقع فی الکفر من حیث لایدری کمن یرکب لجة البحر وہو لایعرف السباحة۔[1]

---

[1] ۔ احیاءالعلوم، 36/3۔

یعنی عوام کا فرض ہے کہ ایمان اور اسلام لاکر اپنی عبادتوں اور روزگار میں مشغول رہیں، علم کی باتوں میں مداخلت نہ کریں۔ اس کو علماء کے حوالے کردیں۔ عامی شخص کا علمی سلسلہ میں حجت کرنا زنا اور چوری سے بھی زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہے، کیونکہ جو شخص دینی علوم میں بصیرت اور پختگی نہیں رکھتا وہ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے مسائل میں بحث کرتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ وہ ایسی رائے قائم کرے جو کفر ہو اور اس کو اس کا احساس بھی نہ ہو کہ جو اس نے سمجھا ہے وہ کفر ہے، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو تیرنا نہ جانتا ہو اور سمندر میں کود پڑے۔

وحید الدین خان

مولانا وحید الدین خان یکم جنوری ۱۹۲۵ کو پیدا ہوئے، ان کی پیدائش اُتر پردیش، بھارت کے ایک قصبہ اعظم گڑھ میں ہوئی، چار یا چھ سال کی عمر میں ہی اِن کے والد محترم فرید الدین خان وفات پا گئے، اُنہوں نے ابتدائی تعلیم مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ سے ہی حاصل کی۔ ۱۹۳۸ء میں اِس مدرسہ میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۴ء میں چھ سال بعد اُنہوں نے یہاں سے اپنی مذہبی تعلیم مکمل کر لی، ان کے بھائی نے انہیں کاروبار میں شریک کرنے کا فیصلہ کیا انہوں نے انگریزی سیکھی اور جدید علوم کا بھی مطالعہ کیا، ۱۹۵۵ء میں اُن کی پہلی کتاب نئے عہد کے دروازے پر، شائع ہوئی، خان صاحب شروع شروع میں مودودی کی تحریروں سے متاثر ہوئے اور ۱۹۴۹ء میں جماعت اسلامی، ہند میں شامل ہوئے، کچھ ہی عرصہ میں جماعت اسلامی کی مرکزی مجلسِ شوریٰ کے رکن بھی بن گئے۔ جماعت اسلامی کے ترجمان رسالہ "زندگی" میں باقاعدگی سے لکھتے رہے جماعت اسلامی میں شمولیت کے بعد مولانا وحید الدین خان صاحب نے ۱۵ سال کے بعد جماعت اسلامی کو خیر باد کہا، جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد تبلیغی جماعت کے ساتھ وابستہ ہو گئے لیکن ۱۹۷۵ء میں اُسے بھی مکمل طور پر چھوڑ دیا۔

۱۹۶۷ء میں اپنے دعوتی کام کا آغاز کیا ۱۹۷۰ء میں نئی دہلی میں ایک اسلامک سنٹر کی داغ بیل ڈالی اور ۱۹۷۶ء میں "الرسالہ" کے نام سے ایک اردو رسالہ کا اِجرا کیا ۱۹۸۴ء میں ہندی اور ۱۹۹۰ء میں انگریزی میں بھی "الرسالہ" جاری کیا گیا، 2001ء میں اپنے نقطہ نظر اور دعوت کے پھیلاؤ کے لیے "سی پی ایس" یعنی "سنٹر فار پیس اینڈ سپر چوئیلٹی" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔

اُن کی معروف کتب میں تذکیر القرآن، اسلام دور جدید کا خالق، مذہب اور جدید چیلنج، تعبیر کی غلطی، رازِ حیات، دین کی سیاسی تعبیر، عقلیاتِ اسلام، پیغمبرِ انقلاب اور اللہ اکبر ہیں، انگریزی اور

عربی کتابیں اکثر و بیشتر مولانا کی اردو تحریروں ہی کے تراجم ہیں۔

خان صاحب کے افکار و نظریات میں تجدد پسندی(Modernity) کی طرف میلانات اور رجحانات بہت زیادہ پائے جاتے ہیں اور صحیح معنوں میں اُن پر لفظ متجدد اس اعتبار سے صادق آتا ہے کہ اُنھوں نے دین کے بنیادی تصورات کی اَز سر نو ایسی تعبیر و تشریح پیش کی ہے جو اُن سے پہلے کسی نے نہیں کی اور وہ نہ صرف اِس بات کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ اپنے لیے اِس میں فخر بھی محسوس کرتے ہیں خان صاحب لکھتے ہیں:

> پچھلے ہزار سال میں مسلمانوں کے درمیان جو لٹریچر تیار ہوا، اُس میں سب کچھ تھا، مگر اُس میں دو چیز مکمل طور پر حذف تھی اور اور وہ ہے دعوت اور اَمن کا تصور اِس کے بعد جب مغربی طاقتوں نے مسلم ایمپائر کو توڑ دیا تو اِس کے خلاف رد عمل کی بنا پر یہ ذہن اور زیادہ پختہ ہو گیا، اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیسویں صدی عیسوی پوری کی پوری، منفی سوچ اور منفی سرگرمیوں کی نذر ہو گئی اِس پوری صدی میں نہ دعوت کا پیغام لوگوں کے سامنے آیا اور نہ اَمن کا پیغام، جب کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں، راقم الحروف پر اللہ تعالیٰ نے استثنائی طور پر دعوت اور اَمن کی اہمیت کھولی۔[1]

اُن کے اِس تصورِ دعوت اور اَمن کی بھی ذرا سی جھلک ملاحظہ فرمائیں جو اُن کے بقول مسلم دنیا کی ایک ہزار سالہ تاریخ میں نہیں ملتا خان صاحب لکھتے ہیں:

> ۱۱ نومبر ۲۰۰۱ء میں نیویارک کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو توڑنے کا مشہور واقعہ پیش آیا، اِس واقعے کے بعد امریکا غضب ناک ہو گیا اُس نے عراق اور افغانستان کے خلاف براہ

---

[1] - ماہنامہ الرسالہ: جولائی 2010ء، ص23،24۔

راست طور پر اور پوری دنیا کے خلاف بالواسطہ طور پر ایک انتقامی جنگ چھیڑ دی اِس جنگ میں نام نہاد جہاد کے اکابر رہنما یا تو مارے گئے یا وہ خاموش ہو گئے، امریکا کا یہ آپریشن اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک خدائی آپریشن تھا، اِس نے اُن تمام طاقتوں کو زیر کر دیا جو اَمن اور دعوت کے مشن کے خلاف محاذ بنائے ہوئے تھے۔[1]

ایک جگہ علماء کی عیب جوئی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے علماء مغربی افکار کو سرے سے جانتے ہی نہیں... علماء اگر مغربی فکر کو گہرائی کے ساتھ سمجھتے تو اُس کو اپنے لیے عین مفید سمجھ کر اُس کا استقبال کرتے، مگر سطحی معلومات کی بنا پر وہ اِس کے مخالف بن گئے اور اِس کا مذاق اڑانے لگے۔[2]

ایک اور جگہ اہل علم پر الزام دھرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علماء کی دور جدید سے بے خبری کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایسا لٹریچر تیار نہ کر سکے جو جدید ذہن کو مطمئن کرنے والا ہو، شاہ ولی اللہ سے لے کر سید قطب تک، میرے علم کے مطابق، مسلم علماء کوئی ایک کتاب بھی ایسی تیار نہ کر سکے جو آج کے مطلوبہ معیار پر پوری اترتی ہو۔[3]

مولانا کی کچھ تحریریں اور و نظریات ایسے ہیں جن کی وجہ سے اہل علم ان سے اختلاف رکھتے ہیں اختلاف معمولی نہیں ہے بہت سی باتوں میں یہ جمہور علما اسلام سے الگ رائے رکھتے ہیں جیسے انسان

---

[1] ۔ماہنامہ الرسالہ جولائی 2010ء ص 26۔

[2] ۔المرجع السابق ص 41۔42۔

[3] ۔المرجع السابق ص 45۔

کامل، جہاد، دجال، مہدی، ختم نبوت کا مفہوم، ظلم کو برداشت کرنا اور جوابی کارروائی سے گریز کی تلقین، تقلید شخصی، وغیرہ ان شاء اللہ ان عنوانات پر مختصراً بحث کریں گے۔

21 اپریل 2021ء کو بعمر 96 برس وفات پاگئے، نئی دہلی کے ہسپتال میں زیر علاج تھے پسماندگان میں 2 بیٹے اور 2 بیٹیاں ہیں۔

مسیح موعود اور امام مہدی کے متعلق نظریہ

آخری زمانہ میں قربِ قیامت حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کا ظہور ہوگا، ان کے ظہور کے سات سال بعد دجال نکلے گا، اس کے بعد اس کو قتل کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔

وإنه سينزل قبل يومِ القيامة كما دلت عليه الأحاديث المتواترة۔ [1]

امام مہدی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی نسل سے ہوں گے اور نجیب الطرفین سید ہوں گے۔ مدینہ منورہ میں ان کی پیدائش وتربیت ہوگی، ان کا نام نامی "محمد" اور والد صاحب کا نام "عبد اللہ" ہوگا، وہ شکل وشباہت اور اخلاق وشمائل میں آنحضرت ﷺ کے مشابہ ہوں گے، وہ نبی نہیں ہوں گے، نہ ان پر وحی نازل ہوگی نہ وہ نبوت کا دعویٰ کریں گے، نہ ان کی نبوت پر کوئی ایمان لائے گا، مکہ مکرمہ میں ان کی بیعت خلافت ہوگی اور بیت المقدس ان کی ہجرت گاہ ہوگا، بیعتِ خلافت کے وقت ان کی عمر چالیس برس کی ہوگی، ان کی خلافت کے ساتویں سال دجال نکلے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ہلاک ہوگا، حضرت مہدی کے دو سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معیت میں گزریں گے اور ۴۹/ برس میں ان کا وصال ہوگا۔ [2]

---

1 - تفسیر ابن کثیر مع البغوي بحوالہ آپ کے مسائل اور ان کا حل 1/274۔

2 - مشکاۃ ص، 471، باب أشراط الساعۃ) آپ کے مسائل اور ان کا حل 1/267۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول دمشق میں ہو گا، عین اس وقت جب کہ نماز فجر کی اقامت ہو چکی ہو گی، جامع دمشق کے شرقی منارہ کے پاس نزول فرمائیں گے، آپ علیہ السلام اپنی دونوں ہتھیلیاں فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے ہوں گے، ان کی تشریف آوری پر امام مہدی (جو مصلے پر جا چکے ہوں گے) پیچھے ہٹ جائیں گے اور ان سے امامت کی درخواست کریں گے، مگر آپ علیہ السلام امام مہدی کو حکم فرمائیں گے کہ نماز پڑھائیں کیونکہ اس نماز کی اقامت آپ کے لیے ہوئی ہے:

كذلك إذ بعث الله المسيح بن مريم فينزل عند المنارة البيضاء شرقي دمشق بين مهزودتين واضعًا كفيه على أجنحة ملكين۔ [1]

اس سے معلوم ہو گیا کہ حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں الگ الگ شخصیتیں ہیں، اور حضرت مہدی دنیا میں پہلی مرتبہ تشریف لائیں گے۔

اب ان کے بارے میں ڈاکٹر وحید الدین خان صاحب کا نظریہ بھی ملاحظہ فرمائیں مہدی اور مسیح علیہ السلام کے بارے میں خان صاحب کا موقف یہ ہے کہ دونوں درحقیقت ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں ایک جگہ لکھتے ہیں:

تمام مذاہب میں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا کے خاتمے سے پہلے ایک آنے والا آئے گا اور وہ ایک خصوصی رول ادا کرے گا۔ یہی تعلیم اسلام میں بھی ہے... حدیث کی کتابوں میں جو روایات آئی ہیں، اُن میں اِس سلسلے میں تین لفظ استعمال کیے گئے ہیں رجل مؤمن، مہدی، مسیح بظاہر یہ تینوں الفاظ ایک ہی شخصیت کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ [2]

---

[1] - مشکاۃ شریف: ص، 473، مستفاد آپ کے مسائل اوران کا حل 1 / 781۔

[2] - ماہنامہ الرسالہ: جولائی 2010ء، ص 13۔

ایک اور جگہ مہدی، رجل مؤمن اور مسیح کے ایک ہی شخصیت ہونے کی لغوی وضاحت میں لکھتے ہیں:

ایک حدیث (سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الصبر علی البلاء) کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی اور مسیح، دونوں ایک ہی شخصیت کے علامتی طور پر دو الگ الگ نام ہیں، آخری دور میں ظاہر ہونے والی ایک ہی شخصیت ہے، جس کو کسی روایت میں رجل مؤمن کہا گیا ہے، اور کسی روایت میں مہدی، اور کسی روایت میں مسیح۔ ایک اعتبار سے، ظاہر ہونے والا شخص، اُمت محمدی کا ایک فرد ہو گا، اِس اعتبار سے اس کو رجل مؤمن کہا گیا، دوسرے اعتبار سے وہ گم راہی کے عمومی اندھیرے میں ہدایت کی روشنی کو مکمل طور پر دریافت کرے گا، اِس اعتبار سے اُس کو مہدی کہا گیا ہے، یعنی ہدایت پایا ہوا شخص، ایک اور اعتبار سے وہ شخص اُمتِ محمد کے آخری زمانے میں وہی رول ادا کرے گا جو اُمتِ یہود کے آخری زمانے میں حضرت مسیح علیہ السلام نے انجام دیا تھا، گویا کہ یہ تینوں الفاظ ایک ہی شخصیت کے تین پہلوؤں کو بتاتے ہیں، نہ کہ الگ الگ تین مختلف شخصیتوں کو۔ (1)

ایک اور جگہ خان صاحب ان تینوں کے ایک ہی شخص ہونے کے بارے دلیل نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حدیث کی روایتوں میں قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والے شخص کے لیے تین الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ رجل مؤمن، مہدی اور مسیح۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ تینوں کا رول ایک ہی بتایا گیا ہے، اور وہ دجال کو قتل کرنا، اس میں یہ واضح اشارہ موجود ہے کہ تینوں سے مراد ایک ہی شخصیت ہے، ورنہ حدیث میں تینوں کے لیے

---

[1] - ماہنامہ الرسالہ: مئی 2010ء ص 41۔

الگ الگ رول بیان کیے جاتے۔[1]

معاذ اللہ کس قدر امت کے مسلمہ عقائد میں تاویل فاسد کر کے الگ نظریہ قائم کیا اور اس پر خود کو نازاں اور مسرور بھی کئے ہوئے ہیں کہ جو چیز ان کو سمجھ آئی کسی اور کو نہ آسکی۔

نزول عیسیٰ کا انکار

خان صاحب کے نزدیک مسیح سے مراد آسمان سے نازل ہونے والا کوئی نبی نہیں بلکہ اُمت محمدیہ ﷺ کا ایک عام فرد ہے، ایک جگہ فرماتے ہیں:

> عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام آسمان میں زندہ ہیں اور آخری زمانے میں وہ جسمانی طور پر آسمان سے اتر کر زمین پر آئیں گے اور دجال کو قتل کریں گے، یہ تصور اگرچہ لوگوں میں کافی پھیلا ہوا ہے، مگر وہ اپنی موجودہ صورت میں نہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے اور نہ احادیث سے، حدیث کی مختلف کتابوں میں تقریباً دو درجن معتبر روایتیں ہیں جن میں مسیح کے ظہور کا بیان پایا جاتا ہے، لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اُن میں سے کسی روایت میں صراحتاً یہ الفاظ موجود نہیں کہ مسیح جسمانی طور پر آسمان سے اتر کر زمین پر آئیں گے، اِس سلسلے میں جو بات ہے، وہ صرف یہ ہے کہ روایتوں میں نزول اور بعث کا لفظ استعمال ہوا ہے مگر صرف اِس لفظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح آسمان سے اتر کر نیچے زمین پر آئیں گے، عربی زبان میں نزول کا لفظ سادہ طور پر آنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، نہ کہ آسمان سے اترنے کے معنی میں، اِسی اعتبار سے مہمان کو نزیل کہا جاتا ہے، یعنی آنے والا۔[2]

---

[1] - ماہنامہ الرسالہ، جولائی 2010ء ص 14۔

[2] - ماہنامہ الرسالہ: مئی 2010ء ص 46۔

ایک اور جگہ مسیح کی حیثیت کی وضاحت کرتے ہوئے خان صاحب لکھتے ہیں:

مسیح، امت مسلمہ کے ایک فرد کے مصلحانہ رول کا نام ہے، نہ کہ جسمانی طور پر آسمان سے نازل ہونے والی کسی پُراَسرار شخصیت کا نام، اُمتِ مسلمہ کے ایک فرد کا یہ رول عیسیٰ بن مریم کے رول کے مشابہ ہو گا، اس لیے اس کو اُمتِ مسلمہ کا مسیح کہا گیا ہے۔(1)

حالانکہ حضرت عیسی علیہ السلام کا زندہ، جسم وروح کے ساتھ آسمان پر اٹھایا جانا، پھر قرب قیامت میں زمین پر نازل ہو کر شریعت محمدیہ کو نافذ کرنا، اسلام کا قطعی اجماعی عقیدہ ہے، جو قرآن کی متعدد آیات اور متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

امام الاعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفیؒ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

وخروج الدجال ویأجوج ومأجوج وطلوع الشمس من مغربها ونزول عیسی علیه السلام من السماء وسائر علامات یوم القیامة علی ما وردت به الأخبار الصحیحة حق کائن۔ والله یهدی من یشاء الی صراط مستقیم۔(2)

یعنی دجال اور یاجوج و ماجوج کا نکلنا اور آفتاب کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا اور عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا اور دیگر علامات قیامت، جیسا کہ احادیث صحیحہ ان میں وارد ہوئی ہیں سب حق ہیں، ضرور ہونگی۔

اسی طرح امام محمد بن سیرین بصریؒ فرماتے ہیں:

ینزل ابن مریم علیه السلام علیه لامته و محصرتان بین الأذان

---

[1] - ماہنامہ الرسالہ: مئی 2010ء ص 50۔

[2] - شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص 631 مطبوعہ مجتبائی۔

والاقامة فیقولون له: تقدم، فیقول بل یصلی بکم امامکم انتم امراء بعضکم علی بعض۔[1]

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اذان واقامت کے درمیان نازل ہوں گے، آلات جنگ اور دو زرد چادریں ان کے زیب تن ہونگی، لوگ کہیں گے کہ آگے ہو کر نماز پڑھائیے، آپ فرمائیں گے نہیں، بلکہ تمہارا امام ہی تمہیں نماز پڑھائے گا تم ایک دوسرے پر امیر ہو، نیز امام محمد کا یہ بھی ارشاد نقل ہے، لہذا جو شخص حضرت عیسی علیہ السلام کی وفات کا قائل ہو، قیامت کے قریب نزول کا منکر ہو وہ بالاتفاق قرآن وحدیث اور اجماع کا منکر ہے اور علماء امت نے ایسے شخص کو دائرہ الاسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیریؒ ایک حدیث نقل فرماتے ہیں فرماتے ہیں:

قال رسول الله ﷺ :من انکر خُرُوجَ الْمَهْدِی فَقَدْكَفَرَبِمَا اَنْزَلَ علی مُحَمَّدٍ وَمن انْكَرَ نُزُولَ عیسی بنَ مریم علیه السلام فقد کفر من لم یؤمن بالقدر خیره وشره من الله عز وجل فقد کفر۔۔۔۔الخ۔[2]

خروج دجال کے متعلق خان صاحب کا نظریہ

مہدی ومسیح کی طرح دجال کے بارے بھی خان صاحب کا نقطہ نظر بہت ہی عجیب ہے، اُن کے نزدیک دجال سے مراد ایک ایسا دھوکے باز ہے جو ذہنی وفکری گمراہی پیدا کرے گا نہ کہ انوکھی صفات کا حامل شخص جو فتنہ وفساد برپا کرے گا، خان صاحب نے دجال کی شخصیت کا انکار نہیں کیا ہے بلکہ اُس کا ایسا معنی ومفہوم مراد لیا ہے کہ جس کے مطابق دجال کا مصداق وہ لوگ ٹھہرے جو

1۔ مصنف عبد الرزاق 993/11۔

2۔ مجموعہ رسائل کشمیری 242/3۔

خان صاحب کے نظریاتی مخالفین ہیں۔

خان صاحب کہتے ہیں کہ دجال دو قسم کے ہیں ایک خارجی اور ایک داخلی:

خارجی دجال سے اُن کی مراد مغرب کی الحادی فکر اور اُس کے حاملین ہیں جبکہ داخلی دجال سے مراد وہ مسلم مفکرین ہیں جو غلبہ اسلام یا نفاذِ شریعت کی تعبیر پیش کرتے ہیں، خان صاحب کے بقول داخلی دجال، خارجی دجال سے زیادہ خطرناک ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں:

> صحیح مسلم میں ایک روایت ہے، پیغمبر اسلام صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: غير الدجال أخوفني عليكم (کتاب الفتن) یعنی مجھ کو تمھارے اوپر دجال سے بھی زیادہ غیر دجال کا اندیشہ ہے، اِس کا مطلب غالباً یہ ہے کہ خارجی دجال سے زیادہ خطرناک تمھارے لیے داخلی دجال ہو گا، خارجی دجال کو پہچاننا تمھارے لیے آسان ہو گا، لیکن داخلی دجال کو تم اپنا ہی آدمی سمجھ لوگے اور اِس بنا پر اُس کو موقع ملے گا کہ وہ تم کو زیادہ سے زیادہ گم راہ کر سکے۔[1]

ایک اور جگہ کہتے ہیں:

> دجال یا دجالیت کیا ہے، اِس سے مراد دراصل غلط تعبیر (misinterpretation) کی فکری گم راہی ہے جو دورِ دجال میں زیادہ بڑے پیمانے پر ظاہر ہو گی۔[2]

خان صاحب کے بقول، لوگ دجال کی آمد کے منتظر ہیں حالانکہ وہ آچکا ہے اور اب اُس کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ اُس کے انتظار کی، ایک جگہ لکھتے ہیں:

> دجال کے بارے میں حدیث کی کتابوں میں بہت سی روایتیں آئی ہیں، اِن روایتوں

---

[1] - ماہنامہ الرسالہ: مئی 2010ء ص 29۔

[2] - ماہنامہ الرسالہ: مئی 2010ء ص 11۔

میں دجال کی انوکھی صفات بتائی گئی ہیں، لوگ اِن صفات کو لفظی معنی میں لے لیتے ہیں، اس لیے ابھی تک وہ دجال کی شخصی آمد کے منتظر ہیں، حالاں کہ اِس معاملے میں اب انتظار کا وقت نہیں، بلکہ دجال کے مقابلے میں اپنا کردار ادا کرنے کا وقت ہے۔[1]

خان صاحب کے بقول مہدی و مسیح جب دجال کا نظریاتی طور رد کریں گے تو دجال اور اُس کے ساتھی مسیح ومہدی کی کردار کُشی کریں گے ملاحظہ فرمائیں:

حدیث کے مطابق، جب مہدی ظاہر ہو گا تو وقت کے بااثر افراد اُس کا ساتھ نہیں دیں گے، اِس بنا پر دجال اور اُس کے ساتھی، مہدی کی مخالفت میں انتہائی حد تک جری ہو جائیں گے، وہ اُس کی کردار کُشی (character assassination) کریں گے۔[2]

"دجال" عربی زبان میں جعل ساز، ملمع ساز اور فریب کار کو بھی کہتے ہیں "دجل" کسی نقلی چیز پر سونے کا پانی چڑھانے کو کہتے ہیں، دجال کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ جھوٹ اور فریب اس کی شخصیت کا نمایاں ترین وصف ہو گا اس کے ہر فعل پر دھوکا دہی اور غلط بیانی کا سایہ ہو گا کوئی چیز، کوئی عمل، کوئی قول، اس شیطانی عادت کے اثرات سے خالی نہ ہو گا۔

رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ وہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں کہ اس دوران انہیں دجال دکھایا گیا، آپؐ نے فرمایا:

رجل جسيم أحمر جعد الرأس أعور العين، كأن عينه عنبة طافية، قالوا: هذا الدجال۔[3]

---

1 ۔ماہنامہ الرسالہ، مئی 2010ء ص 25۔

2 - ماہنامہ الرسالہ: مئی 2010ء ص 39۔

3 ۔ صحيح البخاری، كتاب الفتن، باب ذكر الدجال، 60/9، ط، دار طوق النجاة۔

یعنی وہ بھاری بھر کم جسم، سرخ رنگت، گھنگھریالے بال اور ایک آنکھ سے نابینا ہے، اس کی آنکھ لٹکے ہوئے انگور کے دانے جیسی ہے، نبی ﷺ نے اسکا حُلیہ بیان کر دیا ہے تا کہ جب وہ ظہور پذیر ہو تو لوگ اسے پہچان لیں، کہ اپنے دعوے کے مطابق وہ رب العالمین نہیں ہے، بلکہ دجال ہے۔ آپ ﷺ نے اسکا حُلیہ اس انداز سے بیان کیا کہ اس سے پہلے کسی نبی نے اپنی امت کیلئے بیان نہیں کیا کیونکہ وہ اسی امت میں ظہور پذیر ہو گا، چنانچہ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

ما بعث نبي إلا أنذر أمته الأعور الكذاب، ألا إنه أعور، وإن ربكم ليس بأعور، وإن بين عينيه مكتوب كافر۔[1]

میں تمہیں اسکے بارے میں ایسی تفصیلات بتلاؤں گا جو مجھ سے پہلے کسی نبی نے بیان نہیں کیں، تم جانتے ہو کہ وہ کانا ہے، اور اللہ تعالی کی ذات ایسی ہر گز نہیں ہے، وہ آنکھوں سے نظر آ رہا ہو گا (حالانکہ تم اپنے رب کو مرنے سے پہلے نہیں دیکھ سکتے) اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان "ک ف ر" یعنی کفر لکھا ہو گا جو ہر مومن پڑھ لے گا، خواہ وہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔

نفاذ شریعت کا نعرہ خان صاحب کی نظر میں

خان صاحب کے نزدیک تحریک پاکستان کے محرکین اور نفاذ شریعت کی کوشش کرنے والوں نے کوئی ملی یا نظریاتی کام نہیں کیا وہ اپنے اسی ماہنامہ "الرسالہ" میں خان صاحب فرماتے ہیں:

موجودہ زمانے میں انقلاب پسند مسلمانوں کا ایک عمومی نعرہ وہ ہے جس کو شریعت محمدی کا نفاذ کہا جاتا ہے، یہ بلاشبہ ایک خود ساختہ نعرہ ہے، اِس کی تائید قرآن اور حدیث سے نہیں ہوتی، اس کے برحق ہونے کے لیے ضروری ہے کہ قرآن اور حدیث میں کوئی حکم اِس طرح کے الفاظ میں آیا ہو: نفذ شريعة محمد (شریعت

---

[1] ۔ المرجع السابق

محمدی کو نافذ کرو) اور جب قرآن اور حدیث میں کوئی حکم اِس طرح کے الفاظ میں نہ آیا ہو تو اِس کی بنیاد پر سیاست چلانا بلاشبہ ایک مبتدعانہ سیاست ہے، وہ کوئی اسلامی کام نہیں۔ نفاذِ شریعت کا تصور کوئی سادہ تصور نہیں، یہ اسلام کے اندر ایک بہت بڑی برائی داخل کرنے کے ہم معنی ہے، اِس تصور نے اسلام کو بزور نفاذ کا موضوع بنا دیا ہے، حالاں کہ اسلام اپنی حقیقت کے اعتبار سے اختیارانہ پیروی کا نام ہے "نفاذِ شریعت" ایک خوبصورت لفظ ہے، لیکن عملی نتیجے کے اعتبار سے وہ تخریب کاری ہے، اور صرف تخریب کاری۔ (1)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

پاکستان کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ ایک منفی ملک کے طور پر وجود میں آیا، جس چیز کو پاکستان کے لوگ "نظریہ پاکستان" کہتے ہیں، وہ کیا ہے، وہ دراصل اینٹی ہندو سوچ کا ایک خوب صورت نام ہے، اور اینٹی ہندو سوچ کا مطلب ہے اینٹی مدعو سوچ، جو بلاشبہ اسلام میں حرام ہے، پاکستان اولاً اینٹی ہندو فکر کے تحت بنا، اِس کے بعد دھیرے دھیرے یہ فکر اینٹی آل فکر (anti all thinking) بن گیا، پاکستان کے تمام مسائل دراصل اِسی منفی سوچ کا نتیجہ ہیں، میرے اندازے کے مطابق، اب یہ معاملہ اتنا بڑھ چکا ہے کہ پاکستان میں منفی سوچ کا خاتمہ تقریباً ناممکن ہے...... اب صرف ایک ہی چیز ممکن ہے، وہ یہ کہ افراد اپنے آپ کو اِس منفی طوفان سے بچائیں....... میرا مشورہ ہے کہ آپ حقیقت پسند بنیں، رومانی تصورات میں جینے کی ہر گز کوشش نہ کریں، اِس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ آپ فکرِ اقبال اور فکرِ

---

[1] - ماہنامہ الرسالہ: اکتوبر 2009ء ص 29۔

مودودی کے خول سے مکمل طور باہر آجائیں، ورنہ آپ کے لیے کبھی بھی اپنی اصلاح ممکن نہ ہو گی۔[1]

اللہ تعالیٰ نے ہر شخص میں مزاج کی کچھ خوبیاں اور کچھ کوتاہیاں رکھی ہیں۔ خان صاحب کے کیس کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن مزاج کا ایک اہم وصف 'ضد' بھی ہے، ضد میں ایک اعتبار سے مثبت پہلو یہ بھی ہے کہ یہ انسان کو کسی کام کے کرنے پر اُکسانے اور اُس پر ڈٹ جانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

دوسری طرف ایک مسلمان اسکالر کی تقریر کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مغربی دنیا کے ایک مشہور مسلم مقرر نے وہاں کے مسلمانوں کی ایک کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت، خدا کے لیے وفاداری ہے:Rebellion to a tyrant, obedience to God. یہ جملہ اسلام کی سیاسی تعبیر کے تحت بننے والے ذہن کی نمائندگی کرتا ہے۔ مسلمانوں کی جدید نسل عام طور پر، اِس سیاسی تعبیر سے متاثر ہے، آج کی دنیا میں جگہ جگہ اسلامی انقلاب کے نام پر جو ہنگامے جاری ہیں، وہ اِسی سیاسی فکر کا نتیجہ ہیں، اس قسم کی نام نہاد انقلابی سیاست ہرگز اسلامی سیاست نہیں ہے، اگر شدید لفظ استعمال کیا جائے تو یہ کہنا صحیح ہو گا کہ یہ اسلام کے نام پر ایک شیطانی سیاست ہے، اِس سیاست کا بانی اول خود شیطان ہے۔ آج جو لوگ اِس قسم کی سیاست کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہیں، وہ بلاشبہ شیطان کی پیروی کر رہے ہیں، نہ کہ اسلام کی پیروی۔[2]

---

[1] - ماہنامہ الرسالہ: مئی 2011ء ص39۔

[2] - ماہنامہ الرسالہ: مئی 2011ء ص18۔

خان صاحب کی اسلام کے تصورِ سیاست، اقامت دین اور نفاذِ شریعت کے بارے میں اُن کی یہ تعبیر سراسر بے بنیاد، لغو اور کتاب و سنت کی صریح و مبین تعلیمات کے خلاف ہے۔

سورۃ البروج میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ۔ [1]

بے شک جن لوگوں نے مومن مرد اور عورتوں کو ستایا اور اپنے اس عمل سے توبہ نہیں کیا۔ ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور آگ کا عذاب ہے۔

اس آیت کی رو سے فتنہ پرور وہ لوگ ہیں جو مومنین کو ستاتے اور تنگ کرتے ہیں، فتنہ پرور وہ نہیں ہیں جو دین اور اسلام کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں، بلکہ دعوت دین کا کام کرنے والوں کو ستانے والے فتنہ پرور ہیں، جو لوگ دعوتِ دین کا کام کرنے والوں اُلٹے سیدھے اعتراضات کر کے پریشان کرتے ہیں، انھیں غور کرنا چاہیے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس آیت کی رو سے وہ خود ہی فتنہ پرور ہیں۔

خان صاحب کا تصور جہاد

مولانا وحید الدین خان صاحب صرف دفاعی جہاد کے قائل ہیں اور وہ بھی صرف ریاست کے لیے، ایک جگہ لکھتے ہیں:

> اسلام میں صرف دفاعی جنگ جائز ہے اور اِس کا اختیار بھی صرف حاکم قوت کو حاصل ہوتا ہے، کسی غیر حکومتی گروہ کو مسلح جہاد کی ہر گز اجازت نہیں، اسلام میں اگرچہ دفاع کے لیے جنگ کی اجازت ہے، لیکن اِسی کے ساتھ شدت سے اعراض کا

[1] ۔ سورۃ البروج آیت نمبر 10۔

حکم دیا گیا ہے، یعنی دفاع کے حالات پیدا ہونے کے باوجود آخری حد تک جنگ سے اعراض کی کوشش کی جائے گی۔ اِس سلسلے میں یہ بات نہایت اہم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں صرف تین بار باقاعدہ جنگ ہوئی، یعنی بدر اور اُحد اور حنین کی جنگ۔ اِس کے سوا جن کو غزوہ کہا جاتا ہے، وہ یا تو صرف پُرامن مہمیں تھیں، مثلاً غزوہ تبوک (۹ ہجری)، یا جنگ کی حالت پیدا ہونے کے باوجود جنگ سے اعراض مثلاً غزوہ خندق (۵ ہجری) یا بعض واقعات کی صورت میں صرف جھڑپیں (skirmishes) غزوہ خیبر (۷ ہجری) کی نوعیت اسی قسم کی ہے، جنگ کے باقاعدہ واقعات بھی اِس طرح ہوئے کہ اُن میں عملاً صرف آدھے دن کی لڑائی ہوئی، یعنی دوپہر کے بعد جنگ کا آغاز اور شام تک جنگ کا خاتمہ، جیسا کہ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد اور غزوہ حنین کے موقع پر پیش آیا، اِس لحاظ سے یہ کہنا درست ہو گا کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے ۲۳ سالہ دورِ نبوت میں مجموعی طور پر صرف ڈیڑھ دن کے لیے جنگ کی۔[1]

خان صاحب کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ آج کے دور میں اقدامی جہاد و قتال منسوخ ہو چکا ہے، خان صاحب لکھتے ہیں:

قتال کی حیثیت گویا کہ وائلنٹ ایکٹوازم (violent activism) کی ہے۔ اِس کے مقابلے میں دوسرا طریق کار وہ ہے جس کو پیس فل ایکٹوازم (peaceful activism) کہا جاتا ہے۔ یہ کہنا صحیح ہو گا کہ آج کی دنیا میں وائلنٹ ایکٹوازم منسوخ ہو گیا ہے اور اِس کی جگہ پیس فل ایکٹوازم نے لے لی ہے۔ اب پیس فل ایکٹوازم کے

---

[1] - ماہنامہ الرسالہ: مارچ 2008ء، ص 5،4۔

تحت ہر قسم کی سرگرمیوں کا حق انسان کو مل چکا ہے، صرف ایک استثنا کے ساتھ کہ وہ تشدد نہ کرے۔ (1)

نیز ایک اور جگہ پر خان صاحب لکھتے ہیں:

اہل ایمان کو جنگ کی جازت صرف اس وقت ہے جب کہ فریق مخالف کی طرف سے حملہ کا آغاز ہو چکا ہو دوسرے یہ کہ جب اہل ایمان غلبہ پالیں تو اس کے بعد ماضی پر کسی کے لئے کوئی سزا نہیں ہتھیار ڈالتے ہی ماضی کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اس کے بعد سزا کا مستحق صرف وہی شخص ہو گا جو آئندہ کسی قابل سزا جرم کا ارتکاب کرے عام حالات میں قتل کا حکم اور ہے جنگی حالات میں قتل کا حکم اور۔ (2)

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں مشروعیت جہاد کی جو مصلحتیں بیان فرمائیں ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

جہاد کی مشروعیت اس وجہ سے ہے تاکہ روئے زمین پر فتنہ وفساد نہ رہے، امن عام ہو جائے، اللہ کا کلمہ بلند ہو، اور کفر کا کلمہ ذلیل ورسوا ہو، نیز جہاد اسلام کو پھیلانے اور ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے مشروع کیا گیا ہے جو حق کی دعوت کے راستہ میں داعیوں اور مبلغین کے آڑے آتی ہیں، اسی طرح ان لوگوں کا ہاتھ پکڑنے کے لیے جہاد مشروع کیا ہے جن کا نفس ان داعیان کو تکلیف دینے اور ان پر ظلم کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ (3)

---

[1] - ماہنامہ الرسالہ: اکتوبر 2007ء ص 15۔

[2] - تذکیر القرآن، 1/ 81۔

[3] - تلخیص از رحمۃ اللہ الواسعۃ، ج:5 ص:374۔

اقدامی جہاد جس کو "جہاد الطلب" بھی کہا جاتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ "طلب الکفار فی بلادھم "یعنی خود جنگ کی ابتداء کرتے ہوئے کفار کے علاقے میں گھس کر ان پر حملہ کرنا، جب کہ وہ مسلمانوں کے خلاف قتال کے لئے تیاری بھی نہ کر رہے ہوں۔ایسے حالات میں جہاد فرضِ کفایہ ہوتا ہے، جس کی ادائیگی کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ:

1۔ سرحدوں پر اہل ایمان کی اتنی تعداد ہر وقت موجود رہے جو سرزمین اسلام کے دفاع اور اللہ کے دشمنوں پر دہشت بٹھانے کے لئے کافی ہو۔

2۔ سال میں کم از کم ایک مرتبہ مسلمان فوج کو کفار کے خلاف لڑنے کے لئے ضرور بھیجا جائے جبکہ کفار کا مسلمانوں کے خلاف کوئی لڑنے کا کوئی ارادہ بھی نہ ہو۔

لہٰذا مسلمانوں کے امام کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ سال میں ایک یا دو مرتبہ "دار الحرب" کی سمت لشکر روانہ کرے اور رعایا کا فرض بنتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں امام کے ساتھ تعاون کرے، لیکن اگر امام کسی لشکر کو نہیں بھیجتا تو گناہ کا بوجھ اسی پر ہو گا۔[1]

اسی طرح فقہاء کرام سال میں ایک مرتبہ لشکر بھیجنے کے مسئلے کو "جزیے" کے مسئلے پر قیاس کرتے ہیں، علمائے اصول فرماتے ہیں:

الجهاد دعوة قهرية فتجب اقامة بقدر الامكان حتى لا يبقى الا مسلم او مسالم۔[2]

یعنی جہاد قوت وغلبہ کے ذریعے دعوت پھیلانے کا نام ہے، پس جہاد کو استطاعت بھر قائم کرنا فرض ہے یہاں تک کہ کوئی ایسا شخص باقی نہ رہے جو مسلمان نہ ہو یا پھر مسلمانوں سے مصالحت

---

[1] ۔ حاشیۃ امام ابن عابدین الشامی 138/3۔

[2] ۔ حاشیۃ الشروانی وابن القاسم علی تحفۃ المحتاج علی المنہاج 213/9۔

(یعنی جزیہ دینے پر) آمادہ نہ ہو چکا ہو۔

اقدامی جہاد کی چند شرائط فقہائے کرام نے بیان کی ہیں جو درجِ ذیل ہیں:

1۔ سرپرست کی اجازت ہو۔ 2۔ بعض کے ہاں طاقت کا توازن ہو۔

3۔ امیرِ عام ہو۔ 4۔ دعوت الی الاسلام ہو۔

یاد رہے جہاد جس "دعوت" پر موقوف ہے اس کے تین جملے ہیں:

1۔ اسلام قبول کرلو 2۔ جزیہ دو اگر نہیں

3۔ تو قتال کے لئے تیار ہو جاؤ۔

رسول الملاحم حضرت محمد ﷺ کی دعوت یہ تھی کہ:

امرت ان اقاتل الناس حتیٰ یقولوا: لاالہ الا اللّٰہ فقد عصم منی نفسہ وماله الا بحقه، وحسابه علی اللّٰہ۔ [1]

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں۔ پس جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تو اس نے اپنے جان ومال کو مجھ سے بچالیا، مگر کسی حق کے بدل، اور اس کا حساب اللہ پر رہے گا۔

آپ خود اندازہ لگایئے کس قدر اسلاف اور شریعت کے احکام سے کنارہ کسی اختیار کی ہوئی ہے۔

ختم نبوت اور جھوٹے مدعیان کے بارے میں نقطہ نظر

مولانا وحید الدین خان صاحب کا دعویٰ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے بعد آج تک کسی نے بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا ہے اور غیر پیغمبر کے لیے یہ ناممکن اَمر ہے کہ وہ نبوت کا دعویٰ کرے، رہے وہ لوگ کہ جن کی طرف دعوائے نبوت کی نسبت کی جاتی ہے تو اِس کی حقیقت غلط

---

[1] ۔ صحیح البخاری ، باب قتل من أبي قبول الفرائض، وما نسبوا إلى الردة، 15/9۔

فہمی سے زیادہ کچھ نہیں ہے، خان صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:

آپ نے ساتویں صدی کے ربع اول میں یہ اعلان کیا کہ میں خاتم الانبیاء ہوں، اِس کے بعد سے لے کر اب تک کوئی شخص نبی کا دعوے دار بن کر نہیں اٹھا، گویا کہ آپ کے الفاظ تاریخ کا ایک فیصلہ بن گئے۔ (1)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

یہ بات نہایت اہم ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پورے تاریخی دور میں ساری دنیا میں کوئی بھی شخص ایسا پیدا نہیں ہوا جو اپنی زبان سے یہ دعویٰ کرے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں، اور جب کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرنے والا نہیں اٹھا تو پیغمبر اسلام کا یہ دعویٰ اپنے آپ ایک ثابت شدہ حقیقت بن گیا۔ آپ کے اِس اعلان کے بعد تقریباً چودہ سو سال گزر چکے ہیں، لیکن ابھی تک کوئی بھی شخص ایسا نہیں اٹھا جو اپنی زبان سے یہ اعلان کرے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ (2)

خان صاحب کے بقول غیر پیغمبر کے لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ نبوت کا دعویٰ کرے اور جن لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا، جیسا کہ مسیلمہ کذاب، اسود العنسی اور غلام احمد قادیانی وغیرہ تو خان صاحب اُن سب کے دعووں کی تاویل کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

یہ بات نہایت اہم ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پورے تاریخی دور میں ساری دنیا میں کوئی بھی شخص ایسا پیدا نہیں ہوا جو اپنی زبان سے یہ دعویٰ کرے کہ میں خدا

---

[1] - ماہنامہ الرسالہ: اکتوبر 2011ء، 10، 11۔

[2] - المرجع السابق ص 12، 11۔

کا پیغمبر ہوں...اِس سلسلے میں کچھ نام بتائے جاتے ہیں جن کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ اُنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا، مگر یہ خیال درست نہیں۔ (1)

ایک اور جگہ مسیلمہ کذاب کے دعوائے نبوت کی تاویل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مثلاً کہا جاتا ہے کہ آپ کے زمانے میں یمن کے مسیلمہ نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا، لیکن کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے کسی مستقل نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اُس نے صرف یہ کہا تھا کہ میں محمد کے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ہوں۔ (2)

ایک اور جگہ اسود العنسی کے دعوائے نبوت کی تاویل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اِسی طرح آپ کے زمانے میں یمن میں ایک اور شخص پیدا ہوا، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، یہ شخص اسود العنسی تھا تاہم تاریخ کی کتابوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُس نے خود اپنی زبان سے یہ کہا تھا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ میرے مطالعے کے مطابق، اُس کا کیس ارتداد اور بغاوت کا کیس تھا، نہ کہ دعوائے نبوت کا کیس۔ (3)

ایک اور جگہ غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اِسی طرح کہا جاتا ہے کہ موجودہ زمانے میں ایسے دو افراد پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ بہاء اللہ خاں (وفات ۱۸۹۲ء) اور مرزا غلام احمد قادیانی (وفات ۱۹۰۸ء)، مگر تاریخی ریکارڈ کے مطابق یہ بات درست نہیں۔ بہاء اللہ

---

[1] ۔ المرجع السابق

[2] ۔ المرجع السابق

[3] ۔ المرجع السابق

خاں نے صرف یہ کہا تھا کہ میں مظہر حق ہوں۔ اُنہوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ اِسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے کبھی اپنی زبان سے یہ نہیں کہا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ اُنہوں نے صرف یہ کہا تھا کہ میں ظل نبی ہوں، یعنی نبی کا سایہ ہوں۔ اِس طرح کے قول کو ایک قسم کی دیوانگی تو کہا جا سکتا ہے، لیکن اِس کو دعوائے نبوت نہیں کہا جا سکتا۔[1]

جہاں تک خان صاحب کے اِس نقطہ نظر کا معاملہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے بعد کسی غیر پیغمبر کے لیے نبوت کا دعویٰ کرنا ممکن نہیں ہے، تو یہ ایک غلط موقف ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث مبارکہ ہی اِس دعویٰ کے بطلان کے لیے کافی ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: لا تقوم الساعة حتى يقتتل فئتان فيكون بينهما مقتلة عظيمة، دعواهما واحدة، ولا تقوم الساعة حتى يبعث دجالون كذابون، قريبا من ثلاثين، كلهم يزعم أنه رسول الله۔[2]

یعنی قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک کہ تیس کے قریب دجال اور کذاب نہ پیدا ہوں، ان میں سے ہر ایک یہ سمجھتا ہو گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے، اللہ کے رسول ﷺ یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ دجال اپنے آپ کو اللہ کا رسول سمجھتے ہوں گے جبکہ خان صاحب کہتے ہیں کہ ایسا ممکن نہیں ہے۔

---

[1] ۔ المرجع السابق، ص13، 12۔

[2] ۔ صحیح البخاری، باب علامات النبوة فی الاسلام، 200/4، ط، دار طوق النجاة۔

باقی رہا غلام احمد قادیانی کا دعوائے نبوت تو وہ بھی قطعی طور ثابت ہے، تفصیل کے لیے جناب متین خالد صاحب کی کتاب "ثبوت حاضر ہیں" اور مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحب کی کتاب "ردّ قادیانیت کے زریں اصول" کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

وحید الدین خان کے نزدیک قادیانی کافر نہیں ہیں

خان صاحب قادیانیوں کو کافر قرار نہیں دیتے ہیں، ایک جگہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

سوال: الرسالہ مئی ۲۰۰۶ء میں ایک سوال کے جواب میں آپ نے لکھا تھا کہ کسی ایسے شخص کو کافر نہیں کہیں گے جو قبلے کی طرف رخ کرکے نماز پڑھے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج کی تاریخ میں جن لوگوں کو قادیانی یا احمدی کہا جاتا ہے اِن لوگوں کو کافر کس بنا پر کہا جاتا ہے، جبکہ وہ لوگ بھی قبلے کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے ہیں۔(شبیر احمد وانی، سری نگر، کشمیر)

جواب: کون کافر ہے اور کون کافر نہیں ہے، یہ فیصلہ کرنا خدا کا کام ہے، انسان کا کام نہیں، موجودہ زمانے میں تکفیر کا جو طریقہ رائج ہوا ہے، میں اِس کو غلط سمجھتا ہوں، اہلِ ایمان کی ذمے داری صرف تبلیغ ہے، تکفیر اُن کی ذمے داری نہیں۔[1]

اِس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تکفیر کی عوامی تحریکوں کی مذمت کرنی چاہیے اور یہ کوئی تعمیری کام نہیں ہے، لیکن اِس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ جس کا کفر قطعی ہو اور اُس کے کفر پر اُمت کے جمیع مکاتب فکر کا اتفاق بھی ہو تو اُسے بھی دین اسلام سے خارج نہ مانا جائے، جس گروہ کے کفر پر اِس قدر اُمت کا اتفاق ہو کہ ریاستی سطح پر اُس کے غیر مسلم ہونے کے بارے باقاعدہ قانون سازی موجود ہو تو پھر اُس کو غیر مسلم قرار دینے میں کیا ہچکچاہٹ ہو سکتی ہے؟ جیسا کہ تعزیراتِ

---

[1] - ماہنامہ الرسالہ: جون 2007ء، ص40۔

پاکستان(Pakistan Penal Code)کی دفعات 295-B اور 295۔C قادیانی اور احمدی گروہ کے بارے قانون سازی پر مشتمل ہیں، اِن دفعات کے مطابق کسی قادیانی یا احمدی یا لاہوری گروپ کے پیروکار کو قانوناً یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنے مذہب کو اسلام اور اپنے آپ کو مسلمان کا نام دے، یا اپنی عبادت گاہ کو مسجد اور عبادت کے لیے لوگوں کو جمع کرنے کے طریقے کو اذان قرار دے، یا اپنے عقیدے کی تقریر یا تحریر سے اِس طرح تبلیغ کرے کہ اُس سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوں وغیرہ تو اِن تمام صورتوں میں تعزیراتِ پاکستان کے تحت تین سال قید اور جرمانہ کی سزا ہو سکتی ہے۔

خان صاحب اور توہین رسالت کا مسئلہ

ختم نبوت کی طرح شتم رسول کے مسئلہ میں بھی خان صاحب عجیب و غریب افکار و تصورات کے حامل ہیں، ہندوستانی قلم کار سلمان رشدی نے جب، معاذ اللہ! اللہ کے رسول ﷺ، ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کو اپنے ایک ناول میں گالیاں دیں اور قرآنی آیات کو نعوذ باللہ شیطانی آیات قرار دیا تو اُس کی اِس کتاب کے بارے میں خان صاحب نے سلمان رشدی کی کتاب سے کیا پڑھا اور کیا سمجھا، اِس بارے میں لکھتے ہیں:

> سلمان رشدی نے اپنی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک توہین آمیز نام محاوند(Mahound)کا استعمال کیا ہے، یہ نام بلاشبہ اشتعال انگیز حد تک لغو ہے۔[1]

اِس کے بعد خان صاحب نے اِس لفظ کی جو وضاحت کی ہے وہ اِس قدر دل آزار ہے کہ ہم اُسے نقل کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتے۔ لیکن اِس کے باوجود خان صاحب سلمان رشدی کے اِس جرم کی نوعیت کی شناعت و شدت کو نارمل بنانے کی کوشش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] ۔ شتم رسول کا مسئلہ، ص36،35۔

پیغمبر اسلام کے لیے یہ بے ہودہ نام سلمان رشدی کی ذاتی ایجاد نہیں ہے۔ یہ کروسیڈس (۱۰۹۶-۱۲۷۱ء) کے بعد یورپ میں گھڑا گیا... مگر پچھلے سات سو سال کے اندر اِس گستاخی کی بنیاد پر کسی کو بھی قتل کی سزا نہیں دی گئی اور نہ اِس قسم کا فتویٰ جاری کیا گیا۔ (1)

ایک اور جگہ اللہ کے رسول ﷺ کو گالی دینے والوں کے جرم کو ایک عام جرم قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

سلمان رشدی نے جس کہانی کی بنیاد پر اپنی کتاب کا نام شیطانی آیات رکھا ہے، وہ کہانی سب سے پہلے 5 نبوی میں مکہ میں وضع کی گئی، مگر رسول اللہ ﷺ نے اِن واضعین کو قتل نہیں کرایا، سلمان رشدی نے پیغمبر اسلام کے لیے جو گستاخانہ نام "محاونڈ" استعمال کیا ہے، وہ صلیبی جنگوں کے بعد کے دور یورپ میں وضع کیا گیا، مگر اُس وقت کے علماء اسلام نے یہ فتویٰ نہیں دیا کہ جن لوگوں نے یہ گستاخانہ نام وضع کیا ہے، اُنہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیا جائے، ازواج مطہرات کے خلاف جو بے ہودہ باتیں سلمان رشدی نے لکھی ہیں، اُس کا مصنف اول مدینہ کا عبد اللہ بن اُبی تھا۔ مگر پیغمبر اسلام نے اصرار کے باوجود اُس کو قتل کرنے سے منع کر دیا۔ (2)

خان صاحب توہین رسالت کے مسئلے پر مسلمانوں کے احتجاج یا غم وغصے کے اظہار کو الٹا 'توہینِ رسالت، گردانتے ہیں ایک جگہ لکھتے ہیں:

ڈنمارک کے ایک مقامی اخبار میں چھپنے والے کارٹون کو مسلمانوں نے جس طرح

---

[1] ۔ المرجع السابق

[2] ۔ المرجع السابق

توہین رسالت کا مسئلہ بنایا اور اس پر شدید ہنگامے کیے، اِس کا کوئی بھی تعلق، اسلام سے نہ تھا، مذکورہ کارٹون کی حیثیت تو صرف ایک صحافتی جوک(joke) کی تھی، اِس قسم کا جوک موجودہ صحافت میں عام ہے، لیکن مسلمانوں نے اس کے رد عمل میں جس طرح نفرت اور تشدد کا مظاہرہ کیا، وہ بلاشبہ توہین رسول کا ایک فعل تھا... پیغمبر اسلام کی تعلیمات میں سے ایک تعلیم یہ ہے کہ ہر اُس اقدام سے بچو جس سے اسلام کی امیج خراب ہوتی ہو، موجودہ زمانہ آزادیٔ اظہارِ رائے (freedom of expression) کا زمانہ ہے، ایسے زمانے میں کارٹون جیسے مسئلہ پر ہنگامہ کھڑا کرنا، یقینی طور پر یہ تاثر پیدا کرے گا کہ اسلام آزادیٔ اظہارِ رائے کے خلاف ہے، اگر مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہوں، تب بھی اُنہیں کامل اعراض سے کام لینا چاہیے جذبات کا مجروح ہونا، اُن کے لیے اِس معاملے میں کوئی عذر نہیں بن سکتا۔[1]

خان صاحب ایسے شاتمین رسول کا جواب نہ دینے کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کتا اگر ہاتھی کے اوپر بھونکے تو ہاتھی کو اِس کی ضرورت نہیں کہ وہ کتے کی بھونک کی تردید کرے ہاتھی اپنے باعظمت وجود کے ساتھ اپنے آپ کتے کی بھونک کی تردید ہے۔[2]

جو آدمی کافر ہو یا مسلم سیّد الاولین وآلاخرین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ کی ہنسی اڑاتا ہے، یا ان کی سیرت وزندگی کے کسی گوشے کے بارے میں استہزائیہ انداز اختیار کرتا ہے، یا ان کی توہین وتنقیص کرتا ہے یا ان کی شان میں گستاخی کرتا ہے، یا ان کو گالی دیتا ہے، یا ان کی طرف بُری باتوں کو منسوب کرتا ہے یا آپ کی ازواج مطہرات اور امّہات المومنین رضی

---

[1] - ماہنامہ الرسالہ: ستمبر 2011ء، ص44۔

[2] - شتم رسول کا مسئلہ: ص40۔

اللہ عنہن کو بازاری عورت اور طوائفوں کے ساتھ تشبیہ دیتاہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کرتاہے اور قرآن مجید کو ایک دیوانہ اور مجنون آدمی کا خواب بتاتاہے، یا ایک ناول اور کہانی سے تعبیر کرتاہے تو وہ آدمی سراسر کافر، مرتد، زندیق اور ملحد ہے اگر ایسا آدمی کسی مسلمان ملک میں حرکت کرتاہے تو اس کو قتل کرنا مسلمانوں کی حکومت پر واجب ہے اور مشہور قول کے مطابق اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ اور جو اس کے کفر میں شک کرتاہے وہ بھی کافر ہے، اور یہ ائمہ اربعہ کا مسلک ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔

جیسا کہ شیخ الاسلام امام تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد العلیم بن عبد السلام الحرانی الدمشقی المعروف بابن تیمیہ نے اپنی مشہور و معروف "کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول" میں نقل فرمایاہے :

ان من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم من مسلم او کافر فانہ یجب قتلہ، ھذا مذھب علیہ عامۃ اھل العلم۔ قال ابن المنذر: أجمع عوام أھل العلم علی أن حد من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم : القتل ، وممن قالہ مالک واللیث واحمد واسحق وھو مذھب الشافعی ، وقد حکی ابوبکر الفارسی من اصحاب الشافعی اجماع المسلمین علی ان حد من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم القتل۔ [1]

عام اہلِ علم کا مذہب ہے کہ جو آدمی خواہ مسلمان ہو یا کافر، نبی کریم ﷺ کو گالی دیتاہے اس کو قتل کرنا واجب ہے۔ ابن منذر نے فرمایا کہ عام اہل علم کا اجماع ہے کہ جو آدمی نبی کریم ﷺ کو

---

[1] - الصارم المسلول علی شاتم الرسول، لتقی الدین ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ المسئلۃ الاولی : 3،4 ط: نشر السنۃ ملتان

گالی دیتاہے، اس کی حد قتل کرنا ہے اور اسی بات کو امام مالک، امام لیث، امام احمد، امام اسحاق نے بھی اختیار فرمایاہے اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے. اور ابو بکر فارسی نے اصحابِ امام شافعی سے مسلمانوں کا اجماع نقل کیاہے کہ شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حد قتل ہے۔

وقال محمد بن سحنون: اجمع العلماء على ان شاتم النبى صلى الله عليه وسلم والمُتَنَقِّص له كافر، والوعيد جاء عليه بعذاب الله له وحكمه عند الامة القتل، ومن شك فى كفره وعذابه كفر۔ (1)

محمد بن سحنون نے فرمایاہے کہ علماء کا اجماع ہے کہ شاتم رسول اور آپ کی توہین و تنقیصِ شان کرنے والا کافر ہے اور حدیث میں اس کے لیے سخت سزا کی وعید آئی ہے اور امت مسلمہ کے نزدیک اس کا شرعی حکم، قتل ہے، اور جو آدمی اس شخص کے کفر اور عذاب کے بارے میں شک و شبہ کرے گا وہ بھی کافر ہو گا۔

مندرجہ بالا عبارات سے یہ بات آفتابِ نیم روز کی مانند واضح ہو گئی کہ باجماعِ امت نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والا یا ان کی توہین و تنقیص کرنے والا کھلا کافر ہے اور اس کو قتل کرنا واجب ہے اور آخرت میں اس کے لیے دردناک عذاب ہے، اور جو آدمی اس کے کافر ہونے اور مستحقِ عذاب ہونے میں شک کرے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا؛ کیوں کہ اس نے ایک کافر کے کفر میں شبہ کیاہے۔

"الدرالمختار" میں ہے:

وفى الاشباه ولا تصح ردة السكران الا الردة بسب النبى صلى الله عليه وسلم فانه يقتل ولا يعفى عنه۔ (2)

---

1 - المرجع السابق

2 - الدر المختار كتاب الجهاد باب المرتد 224/4. ط:سعيد كراچى۔

"اشباہ" میں ہے کہ نشہ میں مست آدمی کی ردّت کا اعتبار نہیں ہے، البتہ اگر کوئی آدمی نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کی وجہ سے مرتد ہو جاتا ہے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس گناہ کو معاف نہیں کیا جائے گا۔

امام احمد رحمہ اللہ اور "اشباہ" کی عبارات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شاتمِ رسول کے جرم کو معاف نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کو قتل کر دیا جائے گا، پھر یہ شخص جب مسلسل اس جرم کے ارتکاب پر قائم اور اس پر مصر ہے تو اس کے واجب القتل ہونے اور اس کی توبہ قبول نہ کرنے کے بارے میں کوئی شک ہی نہیں۔ چناں چہ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ جو آدمی ارتداد کی حالت پر بدستور برقرار رہتا ہے یا بار بار مرتد ہوتا رہتا ہے اس کو فوراً قتل کر دیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ "فتاوی شامی" میں ہے:

وعن ابن عمر وعلی: لا تقبل توبة من تکررت ردته کالزندیق، وهو قول مالك واحمد واللیث، وعن ابی یوسف لو فعل ذلك مراراً یقتل غیلة۔[1]

حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ متعدد بار مرتد ہونے والے کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، جیسا کہ زندیق کی توبہ قبول نہیں کی جاتی اور یہ امام مالک، احمد اور لیث کا مذہب ہے، امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اگر کوئی آدمی مرتد ہونے کا جرم بابار کرے تو اسے حیلہ سے بے خبری میں قتل کر دیا جائے۔

ان عبارات سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ سبِّ رسول ﷺ اور اس کی توہین اتنا بڑا جرم ہے کہ بالفرض اگر کوئی نشہ میں مست آدمی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے گا یا آپ کی توہین و تحقیر کرے گا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

---

[1] - رد المحتار علی الدر المختار کتاب الجهاد باب المرتد مطلب مایشك فی انه ۔۔۔ الخ، 225/4۔

اسی طرح امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کی شان میں گستاخی کرنے سے آں حضرت ﷺ کو تکلیف پہونچتی ہے اور گستاخی کرنے والے پر دنیاوآخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے اسی لیے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہمانے فرمایا کہ امہات المومنین کی شان میں گستاخی کرنے والے کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور وہ مباح الدم ہے۔ چناں چہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کو گناہ کی تہمت لگانے والوں کے جرم کا ثبوت اور حضرت عائشہ کی پاک دامنی کا ثبوت تو قرآن میں مذکور ہے، فقہاء کرام نے بھی اس کی رُوسے ایسے شخص کو مباح الدم کہا ہے جو حضرت عائشہ پر تہمتِ گناہ لگاتا ہے۔ جیسا کہ "فتاویٰ شامی" میں ہے:

نعم لا شك فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی الله عنها۔ [1]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگانے والا شخص بلا شبہ کافر ہے، اور ملعون "سلمان رشدی" اپنی کتاب میں امہات المومنین کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوا ہے، بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں، جیسا کہ ہفت روزہ "حریت" جلد ۷-۱۱ تا ۱۷ نومبر ۱۹۸۸ء شمارہ ۴۵ میں تفصیلی طور پر نقل کیا گیا ہے۔ اور یہ بات اہلِ دنیا کے سامنے ظاہر ہے کہ ملعون سلمان رشدی نے حالیہ ناول شیطانی آیات Satanic Verses کے علاوہ "مڈنائٹ چلڈرن" اور "شیم" میں بھی شان رسالت میں دریدہ دہنی اور ذہنی خباثت کی بدترین مثال پیش کی ہے۔ تفصیل انڈیا ٹوڈے ستمبر ۱۹۸۸ء کی اشاعت میں موجود ہے۔ اور مزید اس کتاب کو متعدد ممالک سے شائع کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے تا کہ دنیا میں فساد پھیلایا جائے اور دین اسلام کو بدنام کیا جائے، تاریخ کو مسخ کیا جائے، ناپختہ اذہان کو اسلام سے برگشتہ کیا جائے اور مسلمانوں کے دل و جگر پر تیشے چلائے جائیں اور تلاشِ حق میں دامنِ اسلام کی طرف بڑھنے والے سادہ دل

---

[1] - رد المحتار علی الدر المختار کتاب الجهاد باب المرتد 423/7 .ط:سعید ،کراچی۔

انسانوں کو اسلام اور مسلمانوں سے بد ظن کیا جائے، لہذا یہ شخص اگر پہلے سے مسلمان تھا تو اب مرتد ہو گیا ہے اور ارتداد پر اصرار کرنے کی وجہ سے ملحد اور زندیق ہے جس کی توبہ کا کچھ اعتبار نہیں اور اس کی سزا قتل ہی ہے۔

افضلیت انبیاء اور خان صاحب کا نظریہ

انبیاء کرام میں سے بعض کا بعض سے افضل ہونا اور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا تمام انبیاء سے افضل ہونا امت مسلمہ میں متفق علیہ رہا ہے قرآن کریم اور احادیث سے یہ بات صراحتاً ثابت ہے، اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾ (1)

یعنی اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسولوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

امام رازیؒ نے اس آیت کے تحت لکھا ہے:

(المسئلة الرابعه) اجتمعت الامة على ان بعض الانبياء افضل من بعض وعلى ان محمداً صلى الله عليه وسلم افضل من الكل۔ (2)

یعنی امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کہ بعض انبیاء بعض سے افضل ہیں اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ محمد ﷺ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔

نیز خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

عن أبي سعيد، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنا سيد ولد آدم

---

[1] ۔ سورۃ البقرۃ آیت نمبر 253۔

[2] ۔ التفسیر الکبیر للرازی، 195/6۔

يوم القيامة ولا فخر۔ [1]

یعنی میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں، لیکن مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔ اس کی مزید تفصیل ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے عقائد و نظریات کے تحت ہم ذکر کر چکے ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

لیکن جناب وحید الدین خان صاحب نے امت کے اس اجماعی نظریہ کی مخالفت کرتے ہوئے لکھا ہے:

> قرآن میں ہے "وما محمد الا رسول قدخلت من قبله الرسل" (سورۃ آل عمران، 144) اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام محمد ﷺ ویسے ہی ایک رسول تھے جیسے دوسرے تمام رسول آپ میں اور دوسرے رسولوں میں درجہ اور منصب کا کوئی فرق نہیں خدا کے تمام رسول ایک ہی دین لے کر آئے ان میں سے کوئی رسول نہ دوسرے رسولوں سے افضل تھا اور نہ ان مئیں سے کسی کا دین دوسروں کے دین کے مقابلے میں زیادہ کامل۔۔۔۔۔۔۔ پھر محمد ﷺ اور دوسرے رسولوں میں کیا فرق تھا؟ وہ فرق یہ تھا کہ دوسرے رسول صرف رسول تھے اور آپ اسی کے ساتھ آخری رسول (ولکن رسول الله وخاتم النبيين) دوسرے رسول سلسلہ رسالت کی درمیانی کڑی تھے اور آپ سلسلہ رسالت کی آخری کڑی۔ [2]

امت مسلمہ کے اجماعی عقیدے سے روگردانی اختیار کر معلوم نہیں خان صاحب کس طرف جانا چاہتے ہیں اسی طرح وحید الدین خان صاحب نے بہت سے حضرات صحابہ کرام، فقہاء اور مجتہدین پر بھی تنقید کی جیسا کہ مودودی صاحب کا طریقہ کار ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں "فکر کی

---

[1] ۔ سنن الترمذي، 5/308۔

[2] ۔ ماہنامہ "الرسالہ" مارچ 1984ء ص 38۔

غلطی "مؤلفہ: مولانا عتیق احمد قاسمی سنبھلی صاحب۔

وحید الدین خان کے متعلق دار العلوم دیوبند کا فتویٰ

دار العلوم دیوبند کا ایک فتویٰ بعنوان:

مولانا وحید الدین خان کے عقائد کیسے ہیں؟ کیا وہ اہل سنت الجماعت سے خارج ہیں؟ میں نے ان کی ساری کتابیں پڑھ لی ہیں، میں الرسالہ کا قاری ہوں، وہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اسوۃ حسنہ ہے، نہ کہ اسوۃ کاملہ، ان کی ایک کتاب قیامت کا الآرام جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ عیسی (علیہ السلام) اور امام مہدی ایک شخص ہیں، ایسی بہت سی باتیں ہیں جو کہ خلاف عقیدہ اہل سنت و الجماعت کے خلاف ہیں، کتاب کا حوالہ میں یہاں نہیں دے سکتا، براہ کرم اس پر روشنی ڈالیں۔

بعینہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

جواب نمبر: 58697

بسم اللہ الرحمن الرحیم Fatwa ID: 921-942/L=7/1436-U

وحید الدین خان کے بہت سے عقائد و نظریات جمہور اہل سنت والجماعت کے خلاف ہیں، مثلاً: رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر اگر کوئی شتم کرے تو مولانا کے نزدیک وہ قتل نہیں کیا جائے گا جب کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایسا شخص واجب القتل ہے، تقلید سے راہِ فرار اختیار کرنا، فقہائے کرام پر بے جا تنقید و تعریض کرنا، قرآن کریم کی من پسند تشریحات کرنا اور جہاد والی آیات واحادیث کی غلط تاویلیں کرنا ان کا مشغلہ ہے، پوری امت مسلمہ کا یہ حتمی عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس ہر اعتبار سے بلا کسی استثناء کے انسانیت کے لیے آخری نمونہ ہے

جس سے صرف نظر قطعاروا نہیں ہے، نیز سیدنا حضرت عیسی علی نبینا علیہ الصلاۃ والسلام کے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے اور قیامت کے قریب دنیا میں دوبارہ تشریف لانے کے متعلق قرآن کریم اور احادیث شریف میں واضح نصوص موجود ہیں، اسی طرح دجال اور یاجوج ماجوج کے متعلق بھی ایسی بے غبار تفصیلات موجود ہیں جن میں شبہ کرنے یا جن کو محض تمثیل قرار دینے کی گنجائش نہیں ہے، وحید الدین خان کا سیدنا حضرت عیسی علیہ السلام کے رفع ونزول کا انکار، علامات قیامت کے بارے میں بے بنیاد شکوک وشبہات کا اظہار کرنا بلاشبہ زیغ وضلال اور کھلی ہوئی گمراہی ہے، اس لیے وحید الدین خان کی کتابوں کو پڑھنے اور ان کے لٹریچوں کو پھیلانے سے احتراز ضروری ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

جاوید احمد غامدی

جاوید احمد غامدی کا اصل نام محمد شفیق ہے، لاہور میں دوران تعلیم انہوں نے اپنا نام تبدیل کر کے جاوید احمد رکھا، جاوید احمد غامدی کی پیدائش 18 اپریل 1951ء کو ضلع ساہیوال کے ایک گاؤں جیون شاہ کے نواح میں ہوئی، آبائی گاؤں ضلع سیالکوٹ کا ایک قصبہ اور آبائی پیشہ زمینداری ہے، ابتدائی تعلیم پاک پتن اور اس کے نواحی دیہات میں پائی، اسلامیہ ہائی اسکول پاک پتن سے میٹرک اور گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے اور اس کے ساتھ انگریزی ادبیات میں آنرز کا امتحان پاس کیا، عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم ضلع ساہیوال ہی کے ایک گاؤں نانگ پال میں مولوی نور احمد صاحب سے حاصل کی، امین احسن اصلاحی سے شرف تلمذ حاصل رہا، ان کے دادا نور الٰہی کو لوگ گاؤں کا مصلح کہتے تھے، اسی لفظ مصلح کی تعریب سے اپنے لیے غامدی کی نسبت اختیار کی اور اب اسی رعایت سے جاوید احمد غامدی کہلاتے ہیں رسائل میزان، اشراق، اور البیان وغیرہ کے مصنف بھی ہیں۔

جاوید احمد غامدی کا ایک نہیں بلکہ بہت سے عقائد ایسے ہیں جو قرآن و حدیث کے صریح نصوص سے بلکل متصادم ہیں اس کے چند ایک عقائد ملاحظہ فرمائیں:

غامدی کی قرآن کریم میں معنوی تحریف

قرآن کی معنوی تحریف کرنے کے عادی بھی ہیں-اُن کے ہاں تحریفِ قرآن کے بہت سے نمونے پائے جاتے ہیں، اس مضمون میں اُن کی تحریفِ قرآن کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے:

غامدی صاحب "اسلام کے حدود و تعزیرات" پر خامہ سرائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

موت کی سزا قرآن کی رُو سے قتل اور فساد فی الارض کے سوا کسی جرم میں نہیں دی جاسکتی، اللہ تعالیٰ نے پوری صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ ان دو جرائم کو چھوڑ کر،

فرد ہو یا حکومت، یہ حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کی جان کے درپے ہو اور اسے قتل کر ڈالے (سورہ) مائدہ میں ہے:

مَن قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ أَوۡ فَسَادٍ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ ٱلنَّاسَ جَمِيعًا۔ سورۃ المائدۃ آیت نمبر 32۔ جس نے کسی کو قتل کیا، اس کے بغیر کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو، یا زمین میں فساد برپا کیا ہو، تو اُس نے گویا سب انسانوں کو قتل کیا۔[1]

غامدی صاحب کی محولہ بالا عبارت تہ در تہ مغالطہ آمیزی اور گمراہی کا مرقع ہے، غامدی صاحب نے اپنی تحریر میں سب سے پہلے یہ مغالطہ اور فریب دیا ہے کہ اُنہوں نے سورۃ المائدۃ کی آیت پوری نہیں لکھی کیونکہ اگر وہ پوری آیت لکھ دیتے تو اس سے اپنا من پسند مفہوم کشید نہیں کر سکتے تھے-اس لئے اُنہوں نے مذکورہ آیت کا صرف اتنا حصہ لکھا ہے جس سے اُن کو اپنا خود ساختہ مفہوم نکالنے میں کچھ آسانی پیدا ہو گئی ہے، اُن کی یہ حرکت ٹھیک ٹھیک مذموم تفسیر بالرائے اور قرآن کی معنوی تحریف ہے، مکمل آیت یوں ہے:

مِنۡ أَجۡلِ ذَٰلِكَ كَتَبۡنَا عَلَىٰ بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ أَنَّهُۥ مَن قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ أَوۡ فَسَادٍ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ ٱلنَّاسَ جَمِيعًا وَمَنۡ أَحۡيَاهَا فَكَأَنَّمَآ أَحۡيَا ٱلنَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا بِٱلۡبَيِّنَٰتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنۡهُم بَعۡدَ ذَٰلِكَ فِي ٱلۡأَرۡضِ لَمُسۡرِفُونَ۔(2)

"اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل کیلئے لکھ دیا کہ جس نے کسی کو بغیر قصاص کے یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے کی سزا کے قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل

---

[1] - میزان صفحہ 283، طبع دوم، اپریل 2002ء، مطبوعہ لاہور

[2] - سورۃ المائدۃ آیت نمبر 32۔

کرڈالا اور جس نے کسی ایک شخص کی جان بچائی، اس نے گویا سارے انسانوں کی جان بچائی اور یہ واقعہ ہے کہ ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر واضح احکام لے کر اُن کے پاس آئے مگر اس کے باوجود ان میں سے اکثر لوگ زمین میں زیادتیاں کرتے رہے"۔

یہ وہ اصل آیت ہے جس کا من پسند ٹکڑا الگ کرکے غامدی صاحب نے اپنا مطلوبہ مفہوم کشید کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ دو جرائم قتل اور فساد فی الارض کو چھوڑ کر موت کی سزا نہیں ہے۔ گویا اس مقام پر غامدی صاحب نے اسی طرح قرآن کی معنوی تحریف کر دی جیسے کوئی شخص قرآن کی سورہ النسا آیت 43 کی درج ذیل عبارت:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَقۡرَبُوا ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنتُمۡ سُكَٰرَىٰ۔ "اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ جبکہ تم نشے کی حالت میں ہو..."

میں سے اُس کے آخری الفاظ وانتم سکریٰ (جبکہ تم نشے کی حالت میں ہو) حذف کر کے اس سے یہ مفہوم نکالے کہ قرآن مجید مسلمانوں کو نماز کے قریب جانے سے روکتا ہے، ایسی جسارت صرف وہی شخص ہی کر سکتا ہے جس کے دل میں اللہ کا خوف نہ ہو اور جسے آخرت کی جواب دہی کا احساس نہ ہو۔

غامدی صاحب نے اسلامی شریعت میں موت کی سزا کے بارے میں بحث کرتے ہوئے پہلا کمال تو یہ دکھایا کہ آیت پوری نہیں دی کیونکہ مذکورہ آیت کے مضمون کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے جس کا کوئی تعلق اسلامی حدود و تعزیرات سے نہیں۔ دوسرے، مذکورہ آیت بھی یہودیوں کے قانون قصاص سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس قانون کے فلسفہ و حکمت کے بارے میں ہے جبکہ یہودیوں کا قانونِ قصاص قرآن میں اس طرح بیان ہوا ہے:

وَكَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِيهَآ أَنَّ ٱلنَّفۡسَ بِٱلنَّفۡسِ وَٱلۡعَيۡنَ بِٱلۡعَيۡنِ وَٱلۡأَنفَ بِٱلۡأَنفِ

وَٱلۡأُذُنَ بِٱلۡأُذُنِ وَٱلسِّنَّ بِٱلسِّنِّ وَٱلۡجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِۦ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُۥ وَمَن لَّمۡ يَحۡكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّـٰلِمُونَ۔[1]

"ہم نے یہودیوں کے لئے توریت میں لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور اسی طرح زخموں کا بھی ویسا ہی بدلہ لینا ہے- پھر جو کوئی معاف کر دے تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی ظالم ہیں"۔

سورۃ المائدۃ کی جس آیت سے غامدی صاحب نے موت کی سزا کو صرف دو جرائم تک محدود کر دیا ہے، اُس آیت کو دوسرے تمام مفسرین کی طرح اُن کے استاد 'امام' امین احسن اصلاحی بھی اسلامی حدود و تعزیرات کا ماخذ نہیں سمجھتے بلکہ انہوں نے بھی اس آیت کے مضمون کو یہودیوں سے متعلق قرار دیا ہے، چنانچہ وہ اپنی تفسیر 'تدبر قرآن' میں مذکورہ آیت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

أَنَّهُۥ مَن قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ أَوۡ فَسَادٍ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ ٱلنَّاسَ جَمِيعًا وَمَنۡ أَحۡيَاهَا فَكَأَنَّمَآ أَحۡيَا ٱلنَّاسَ جَمِيعًا۔سورۃ المائدۃ آیت 32۔

یہ اُس اصل حکم کا بیان نہیں ہے جو قصاص کے باب میں یہود کو دیا گیا بلکہ اس کی دلیل اور اس کی حکمت و عظمت بیان ہوئی ہے 'جان کے بدلے جان' کا قانون تورات میں بھی ہے اور اس کا حوالہ اس سورہ میں بھی آگے آرہا ہے-یہاں چونکہ مقصود یہود کی شرارت و شقاوت کو نمایاں کرنا ہے، اس وجہ سے قانونِ قصاص کا اصل فلسفہ

[1] ۔سورۃ المائدۃ آیت نمبر 45۔

بیان فرمایا گیا، یہود پر قتل نفس کی سنگینی واضح کرنے کے لئے ان کو یہ حکم اس تصریح کے ساتھ دیا گیا تھا کہ ایک کا قاتل سب کا قاتل اور ایک کا بچانے والا سب کا بچانے والا ٹھہرے گا، لیکن پھر وہ قتل اور فساد فی الارض کے معاملے میں بالکل بے باک ہو گئے۔[1]

لٰہذا یہ غامدی صاحب کی تحریفِ قرآن اور مذموم تفسیر بالرائے کا شاخسانہ ہے کہ اُنہوں نے المائدۃ کی آیت مذکورہ کو اس کے سیاقِ کلام سے کاٹ کر اس کا صرف ایک تہائی ٹکڑا لکھ کر اس سے وہ معنی نکالے جو اس کے استاد 'امام' سمیت آج تک کسی مفسر نے نہیں نکالے کہ اسلام میں موت کی سزا صرف دو جرائم پر دی جا سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے پوری صراحت سے بیان فرما دیا ہے جس کے بعد کسی فرد یا حکومت کو دو جرائم (قتل اور فساد فی الارض) کے سوا کسی اور جرم میں موت کی سزا دینے کا کوئی حق نہیں جبکہ اہل علم جانتے ہیں کہ قتل کے قصاص کا قانون تو سورۃ البقرۃ کی آیت 178 میں بیان ہوا ہے اور فساد فی الارض یا محاربہ میں موت کی سزا کا قانون سورۃ المائدۃ کی آیت 33 میں مذکور ہے، زیر بحث آیت کا موت کی سزا کے قانون سے کوئی تعلق نہیں، یہ تلعب بالقرآن ہے جو غامدی صاحب کا مشغلہ ہے کہ وہ زنا کی سزا ے رجم بھی المائدۃ:33 سے نکال لیتے ہیں۔

غامدی صاحب کی اس تحریف معنوی کی وجہ سے احادیث صحیحہ ، اجماع امت اور کئی دیگر شرعی قوانین کا انکار لازم آتا ہے کیونکہ ان دو جرائم کے علاوہ دیگر امور میں بھی سزائے موت کا وقوع موجود ہے، اگر غامدی صاحب کے مذکورہ نظریہ کو مان لیا جائے تو معاذ اللہ اس قرآنی حکم کی سب سے پہلی نافرمانی خود حضرت محمد ﷺ نے کی (نعوذ باللہ) جنہوں نے عملی طور پر شادی شدہ

---

1 ۔تدبر قرآن 2/503۔

زانیوں اور مرتدوں کو بھی موت کی سزا دی۔

اسی طرح دیگر کئی مواقع پر غامدی صاحب نے قرآن کریم میں تحریف معنوی کی ہے مثلاً:

1۔ سورۃ اللھب آیت نمبر 1: تبت یدا ابی لھب و تب (ابو لہب کے بازو ٹوٹ گئے)

غامدی صاحب اس کا مطلب بیان کرتے ہیں:

"یعنی اس کے اعوان و انصار ہلاک ہوئے"۔[1]

2۔ سورۃ الفیل کی آیت نمبر 4: ترمیھم بحجارۃ من سجیل کا ترجمہ غامدی صاحب نے کیا ہے:

"تو پکی ہوئی مٹی کے پتھر انہیں مار رہا تھا"۔[2]

3۔ سورۃ البروج کی آیات: قتل اصحاب الاخدود۔ النار ذات الوقود کا ترجمہ لکھا ہے:

"مارے گئے ایندھن بھری آگ کی گھاٹی والے"۔[3]

پھر اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> یہ قریش کے ان فراعنہ کو جہنم کی وعید ہے جو مسلمانوں کو ایمان سے پھیرنے کے لئے ظلم و ستم کا بازار گرم کئے ہوئے تھے انہیں بتایا گیا ہے کہ وہ اگر اپنی اس روش سے باز نہ آئے تو دوزخ کی اس گھاٹی میں پھینک دیئے جائیں گے جو ایندھن سے بھری ہوئی ہے اس کی آگ نہ کبھی دھیمی ہوگی اور نہ بجھے گی۔[4]

یہ ہیں جاوید احمد غامدی صاحب جو آج کل کبھی پس پردہ اور کبھی پردۂ سکرین پر آکر تحریفِ قرآن

---

[1] ۔ البیان، ص260، ستمبر 1998ء لاہور۔

[2] ۔ المرجع السابق، ص261۔

[3] ۔ المرجع السابق، ص157۔

[4] ۔ المرجع السابق

کی رسم زندہ رکھے ہوئے ہیں، فتنۂ انکارِ حدیث کی آبیاری کررہے ہیں، روشن خیال اعتدال پسندی(Enlightened Moderation)کی ٹھیک ٹھیک نمائندگی فرمارہے ہیں اور دین اسلام کا نیاایڈیشن تیار کررہے ہیں۔

غامدی صاحب کا انکارحدیث

غامدی صاحب کا دعویٰ ہے کہ حدیث کا دین سے کوئی تعلق نہیں، یہ دین کا حصہ نہیں، یہ دین سے الگ کوئی غیر اہم شے ہے، دین کا کوئی عقیدہ اور عمل اس سے ثابت نہیں کیا جاسکتا، اگر احادیث کی کچھ اہمیت ہوتی اور یہ بھی دین کا حصہ ہوتیں تو ان کی حفاظت اور تبلیغ و اشاعت کے لئے خود رسول اللہ ﷺ نے ایسا کوئی اہتمام کیوں نہیں فرمایا؟ چنانچہ جاوید غامدی اپنی کتاب "میزان" میں اور "مبادئ تدبر حدیث" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"نبی ﷺ کے قول و فعل اور تقریر و تصویب کی روایتیں جو زیادہ تر اخبارِ آحاد کے طریقے پر نقل ہوئی ہیں اور جنہیں اصطلاح میں 'حدیث' کہا جاتا ہے، ان کے بارے میں یہ دو باتیں ایسی واضح ہیں کہ کوئی صاحبِ علم اُنہیں ماننے سے انکار نہیں کرسکتا، ایک یہ کہ رسول ﷺ نے ان کی حفاظت اور تبلیغ و اشاعت کے لئے کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا، دوسری یہ کہ ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے، وہ کبھی علم یقین کے درجے تک نہیں پہنچتا، حدیث سے متعلق یہی دو حقائق ہیں جن کی بنا پر یہ ماننا تو ناگزیر ہے کہ اس سے دین میں کسی عقیدہ و عمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا، ایک خطبہ حجۃ الوداع کے متعلق البتہ کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے دوسروں تک پہنچانے کی ہدایت فرمائی تھی، لیکن اس کے بھی چند جملے ہی روایتوں میں نقل ہوئے ہیں، اسکے علاوہ کسی چیز کے بارے میں اس نوعیت کی کوئی چیز تاریخ کے کسی مستند

ماخذ میں مذکور نہیں"۔[1]

غامدی صاحب کی یہ بات بالکل درست نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو احادیث سننے، ان کو حفظ کرنے اور ان کی کتابت و تحریر کرنے کی تاکید فرمائی اور ایسا کرنے والوں کے حق میں دعا فرمائی، اس طرح آپ ﷺ نے حفظ اور کتابت دونوں ذرائع سے کام لیتے ہوئے احادیث کی حفاظت اور ان کی تبلیغ واشاعت کا اہتمام فرمایا۔

سنن ابو داؤد میں حضرت زید بن ثابتؓ سے مرفوع روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ:

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ! يقول: نَضَّر الله امرء سمع منا حديثًا فحفظه حتى يبلغه، فرب حامل فقه إلى من هو أفقه منه، ورب حامل فقه ليس بفقيه۔[2]

گویا اس حدیث میں نبی ﷺ نے ایسے ہر شخص کے حق میں دعا فرمائی ہے جو آپ سے حدیث سن کر اُسے یاد رکھے اور پھر دوسرے لوگوں تک پہنچائے نبی کریم ﷺ کے ارشادات کی تعمیل میں حضرت ابوہریرہؓ نے 5374 حدیثیں حفظ کر کے اُمت تک منتقل کیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے 2630 حدیثیں یاد کیں اور پھر ان کو اُمت تک پہنچایا، حضرت انس بن مالکؓ نے 2286 حدیثیں زبانی یاد کر کے محفوظ کیں اور پھر ان کو اُمت کے حوالے کیا، اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ نے 2210 حدیثیں یاد کرنے کے بعد دوسرے لوگوں تک پہنچائیں اسی طرح کئی کتب ذخیرہ احادیث کی خیر القرون میں لکھی جاچکی تھیں جن صحابہ کرامؓ نے حدیثیں لکھیں اور ان کے مجموعے (صحیفے) مرتب کئے یا اِملا کرائے اُن کی تعداد پچاس کے قریب ہے، ان میں سے چند ایک

---

[1] - میزان: ص68، طبع اپریل 2002ئ، لاہور

[2] ۔ مسند ابي داؤد الطيالسی، 505/1، دار ہجر بيروت۔

یہ ہیں حضرت جابر بن عبد اللہؓ انصاری کا صحیفہ جسے 'صحیفہ ابو زبیر' بھی کہا جاتا ہے اسی طرح صحیفہ علی بن ابی طالبؓ، صحیفہ سعد بن عبادہؓ، صحیفہ عبد اللہ بن عمرؓ، صحیفہ جابر بن سمرہؓ وغیرہ تو یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے کہ نبی کریم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے احادیث کو جمع کرانے کا کوئی اہتمام نہیں کیا تھا۔

اسی طرح وہ حدیث کی اہمیت اور حجیت کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے قول و فعل اور تقریر و تصویب کے اخبارِ آحاد جنہیں بالعموم 'حدیث' کہا جاتا ہے، اُن کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ان سے دین میں کسی عقیدہ و عمل کا ہرگز کوئی اضافہ نہیں ہوتا"۔[1]

پھر اپنی اس بات کو وہ واضح اور دوٹوک انداز میں یوں بیان فرماتے ہیں:

"نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے قول و فعل اور تقریر و تصویب کی روایتیں جو زیادہ تر اخبارِ آحاد کے طریقے پر نقل ہوئی ہیں اور جنہیں اصطلاح میں 'حدیث' کہا جاتا ہے، اُن کے بارے میں یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ اُن سے دین میں کسی عقیدہ و عمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا"۔[2]

پھر اپنے اس نظریے کو وہ بطورِ ایک اُصولِ حدیث کے، یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ:

"اس (حدیث) سے دین میں کسی عقیدہ و عمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا"۔[3]

حالانکہ کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے اقوال و افعال میں اپنی جانب سے تقسیم و تفریق کرے کہ یہ ہمارے لئے حجت ہے، اور یہ حجت نہیں ہے رسولِ خدا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے:

---

1 - میزان: ص11،10 طبع دوم اپریل 2002ء، لاہور و اُصول و مبادی: ص11، طبع دوم فروری 2005ء، لاہور

2 - اُصول و مبادی: ص68، طبع دوم فروری 2005ء، لاہور

3 - میزان: ص68، طبع دوم اپریل 2002ء، لاہور

عن المقدام بن معدی کرب الکندی، انّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حرّم اشیاء یوم خیبر: الحمارَ وغیرہ ثم قال: یوشك الرجل متکئاً علی اریکتہ یُحدَّث بحدیثی فیقول بیننا وبینکم کتاب اللّٰہ ما وجدنا فیہ من حلال استحللناہ وما وجدنا فیہ من حرام حرمناہ، الا وان ما حرّم رسول اللّٰہ فھو مثل ما حرّم اللّٰہ۔ [1]

یعنی رسول اللہ ﷺ نے گدھے کو اور دوسری اشیاء کو خیبر کے دن حرام قرار دیا اور فرمایا عنقریب کچھ لوگ ٹیک لگائے تمہارے سامنے یہ بیان کریں گے کہ جو کچھ قرآن میں حلال پاؤوہ حلال ہے اور جو اس میں حرام پاؤوہ حرام ہے حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے کچھ چیزیں حرام کی ہیں جیسے اللہ نے حرام کی ہیں یعنی کچھ چیزوں کا حدیث سے بھی حرام ہونا ثابت ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث بھی اہل ایمان کے لئے حجت ہے۔

امام ابواسحاق الشاطبی متوفی 790ھ لکھتے ہیں:

ویطلق لفظ السنة علی ما جاء منقولا عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی الخصوص بما لم ینص علیه في الکتاب العزیز بل انما نص علیه من جهته علیه الصلوٰة والسلام کان بیاناً لما في الکتاب، أولاً، ویطلق أیضاً في مقابلة البدعة، فیقال: فلان علی سنة اذا عمل علی وفق ما عمل علیه النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم، کان ذلك مما نص علیه في الکتاب أولاً، ویقال: فلان علی بدعة ،اذا عمل علی خلاف ذلك، وکأن ہذا

---

[1] - سنن الدارمی باب السنة قاضیة علی کتاب اللّٰہ 152/1۔

الاطلاق انما اعتبر فيه عمل صاحب الشريعة فأطلق عليه لفظ السنة من تلك الجهة، وان كان العمل بمقتضى الكتاب.۔۔۔ويطلق أيضا لفظ السنة على ما عمل عليه الصحابة وجد ذلك في الكتاب أو السنة أو لم يوجد لكونه اتباعاً لسنة ثبتت عندہم لم تنقل الينا، أو اجتہادًا مجتمعاً عليه منہم أو من خلفائہم ... واذا جمع ما تقدم تحصل منه في الاطلاق أربعة أوجه، قوله عليه الصلاة والسلام، وفعله، واقراره وكل ذلك اما متلقى بالوحی أو بالاجتہاد، وہذه ثلاثة، والرابع ما جاء عن الصحابة أو الخلفاء۔[1]

یعنی لفظ سنت ان امور پر بولا جاتا ہے جو نبی ﷺ سے منقول ہو کر آئے ہیں بالخصوص وہ امور جو قرآن مجید میں منصوص نہیں ہیں؛ بلکہ وہ آنحضرت ﷺ ہی کی جانب سے مذکور ہیں، پھر وہ امور قرآن کی مراد کا بیان و تفسیر ہوں، یا ایسے نہ ہوں۔۔۔۔اور سنت کا لفظ بدعت کے مقابلہ میں بھی بولا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے فلاں سنت پر ہے؛ جبکہ اس کا عمل نبی ﷺ کے عمل کے موافق ہو، خواہ یہ عمل ان اعمال میں سے ہو جن کی قرآن میں صراحت کی گئی ہے، یا ایسا نہ ہو، اور کہا جاتا ہے فلاں بدعت پر ہے؛ جبکہ اس کا وہ عمل آنحضرت ﷺ کے عمل کے موافق نہ ہو، گویا اس اطلاق میں صاحب شریعت ﷺ کے عمل کا اعتبار کیا گیا ہے، اور اسی لحاظ سے اس پر سنت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اگرچہ وہ عمل بتقاضائے کتاب الٰہی ہو۔

نیز لفظ سنت کا اطلاق صحابہ کرام کے عمل پر بھی ہوتا ہے قرآن وحدیث میں اس کے وجود سے ہم واقف ہوں یا نہ ہوں کیونکہ صحابہ کرام کا یہ عمل یا تو سنت کی اتباع میں ہوگا جو ان کے نزدیک

---

[1] - الموافقات،3،6/4۔

ثابت تھی اور ہم تک نہیں پہنچی یا ان کے اجماعی اجتہاد یا خلفاء کے اجتہاد کی بناء پر ہو گا... ان مذکورہ صورتوں کو جمع کیا جائے تو سنت کے اطلاق کی چار صورتیں نکلیں گی:(۱) آنحضرت ﷺ کا قول،(۲) آپ کا فعل،(۳) آپ کا اقرار واثبات اور یہ سب یا تو وحی سے حاصل شدہ ہوں گی یا اجتہاد سے یہ تین قسمیں ہوئیں،(۴)اور چوتھی قسم صحابہؓ یا خلفاء سے ثابت شدہ امور اور یہ سب حجت ہیں۔

غامدی صاحب کے نزدیک کسی رسول کو قتل نہیں کیا گیا

دورِ جدید کے بعض تجدد پسند حضرات نے نبی اور رسول کے درمیان منصب اور درجے کے لحاظ سے فرق و امتیاز کی بحث کرتے ہوئے یہ نکتہ آفرینی بھی فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو تو اُن کی قوم بعض اوقات قتل بھی کر دیتی رہی ہے مگر کسی قوم کے ہاتھوں کوئی رسول کبھی قتل نہیں ہوا، یہ لوگ اس امر کو ایک اُصول، ایک عقیدہ اور قانونِ الٰہی قرار دیتے ہیں کہ نبی کے لئے وفات پانے یا قتل ہونے کی دونوں صورتیں تو ممکن ہیں مگر رسول کبھی قتل نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ جناب جاوید احمد غامدی کے امام صاحب مولانا امین احسن اصلاحی سورۂ ق کی آیت 14 کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"رسول کا کسی قوم کے ہاتھوں قتل ہونا ثابت نہیں ہے"۔[1]

پھر اپنے امام صاحب کے اس متن کی گول مول شرح جاوید احمد غامدی صاحب نے یوں بیان فرمائی ہے کہ:

"رسولوں کے بارے میں اس اہتمام کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کی زمین پر خدا کی کامل حجت بن کر آتے ہیں، وہ آفتابِ نیم روز کی طرح قوم کے آسمان پر چمکتے ہیں،

---

[1] - تدبر قرآن:542/7۔

کوئی دانا و بینا کسی دلیل و برہان کی بنا پر اُن کا انکار نہیں کر سکتا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو کسی حال میں ان کی تکذیب کرنے والوں کے حوالے نہیں کرتا، نبیوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی قوم ان کی تکذیب ہی نہیں کرتی، بارہا اُن کے قتل کے درپے ہو جاتی ہے اور ایسا ہوا بھی ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہو جاتی ہے... لیکن قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولوں کے معاملے میں اللہ کا قانون اس سے مختلف ہے"۔[1]

پھر مزید ارشاد فرمایا ہے کہ:

"نبی اپنی قوم کے مقابلے میں ناکام ہو سکتا ہے، لیکن رسولوں کے لئے غلبہ لازمی ہے"۔[2]

مگر ان متجددین اور منکرینِ حدیث کی یہ نکتہ طرازی بالکل غلط ہے اور خود قرآن مجید کے نصوص اور واضح احکام کے خلاف ہے۔ قرآنِ مجید کی اکثر آیات اس قدر واضح اور صریح انداز میں اس حقیقت کو بیان کرتی ہیں کہ انبیاے کرام کی طرح رسولوں کا قتل ہو جانا بھی ایک امر واقعہ ہے:

سورۂ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ دوسرے رسولوں کی طرح حضرت محمد ﷺ کے لئے بھی وفات پانے یا قتل ہو جانے کی دونوں صورتوں کا امکان موجود ہے، گویا آپ ﷺ کو طبعی موت بھی آسکتی ہے اور آپ ﷺ مقتول بھی ہو سکتے ہیں:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ ٱلرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ ٱنقَلَبْتُمْ عَلَىٰٓ أَعْقَـٰبِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ ٱللَّهَ شَيْـًٔا۔[3]

"اور محمد ﷺ تو بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں، پس

---

1 - ماہنامہ 'اشراق' اگست 1988ء صفحہ 68 نیز 'میزان' حصہ اوّل، صفحہ 21 مطبوعہ مئی 1985ء۔

2 - میزان حصہ اوّل، صفحہ 23، مطبوعہ مئی 1985ء۔

3 - سورۃ آل عمران آیت نمبر 144۔

اگر یہ وفات پاجائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں واپس چلے جاؤ گے اور جو کوئی بھی اُلٹے پاؤں واپس چلا جائے گا وہ اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ کرے گا"

اسی طرح سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے کہ:

لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَٰقَ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ وَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهِمْ رُسُلًا ۖ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُولٌۢ بِمَا لَا تَهْوَىٰٓ أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا۟ وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ۔[1]

"بیشک ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کے پاس کئی رسول بھیجے۔ جب کبھی کوئی رسول انکے پاس وہ چیز لایا جو اُن کو پسند نہ آئی تو بعض کو وہ جھٹلاتے اور بعض کو قتل کرڈالتے تھے"

ان آیات سے صریح طور پر معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کئی رسولوں کو قتل کیا تھا۔

عورت کا پردہ اور غامدی صاحب

عورت کے پردے کے بارے میں جناب جاوید غامدی صاحب کا موقف 'ارتقا پذیری' کا شکار رہتا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ حالات کے مطابق بدلتا رہتا ہے، دوپٹے سے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اصل میں ضرورت اس بات کی ہے کہ خواتین کو اس بات کا احساس دلایا جائے کہ ان کی تہذیب و ثقافت کیا ہے اور اُنہیں کن حدود کا پابند رہ کر زندگی بسر کرنی چاہیے۔ دوپٹا ہمارے ہاں مسلمانوں کی تہذیبی روایت ہے، اس بارے میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے، دوپٹے کو اس لحاظ سے پیش کرنا کہ یہ شرعی حکم ہے، اس کا کوئی جواز نہیں،

[1] ۔ سورۃ المائدۃ آیت نمبر 70۔

البتہ اسے ایک تہذیبی شعار کے طور پر ضرور پیش کرنا چاہئے، اصل چیز سینہ ڈھانپنا اور زیب وزینت کی نمائش نہ کرنا ہے۔ یہ مقصد کسی اور ذریعے سے حاصل ہو جائے تو کافی ہے، اس کے لئے دوپٹہ ہی ضروری نہیں ہے۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ غامدی صاحب کے نزدیک مسلمان عورت کے لئے دوپٹہ یا اوڑھنی کا استعمال کوئی شرعی حکم نہیں ہے، بس ایک تہذیبی شعار اور رسم ورواج ہے، جبکہ دوسری طرف قرآن مجید کی نص قطعی اور واضح حکم ہے کہ:

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ۔[2] " اور چاہئے کہ عورتیں اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیاں (دوپٹے) ڈالے رہیں۔"

غالباً غامدی صاحب کے ہاں قرآن سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا ہو گا۔

2 مارچ ۲۰۰۷ء میں 'جیو' ٹی وی کے پروگرام 'غامدی نامہ' میں اسلام اور پردہ کے موضوع پر ایک مذاکرہ ہوا، اس مذاکرے کے شرکا میں غامدی صاحب اور تین خواتین: سمیعہ راحیل قاضی، مونا اسلم اور ایک دانشور غزالہ نثار شامل تھیں، اس مذاکرے میں غامدی صاحب نے پردے کے بارے میں یہ موقف اختیار کیا تھا کہ:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۔(سورۃ الاحزاب آیت نمبر 59۔) " اے نبیؐ! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیں کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی

---

1 - ماہنامہ اشراق: مئی 2002ء، ص47۔

2 - سورۃ النور آیت نمبر 31۔

جائیں اور اُنہیں کوئی نہ ستائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے"

اس فرمان الٰہی میں موجود شرعی حکم ایک عارضی اور ہنگامی حکم تھا اور منافقین اور یہود کی طرف سے مسلم خواتین کو چھیڑ چھاڑ اور ایذارسانی سے بچانے کی ایک وقتی تدبیر تھی، اس آیت کا عورت کے پردے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور آج یہ حکم باقی نہیں ہے۔[1]

یاد رہے کہ غامدی صاحب اس سے پہلے مرتد کے لئے قتل کی سزا، کافر اور مسلمان کی وراثت اور کفار سے جہاد وغیرہ کو بھی وقتی اور ہنگامی احکام قرار دے چکے ہیں اور آج کے دور میں مرتد کے لئے قتل کی سزا اور آج کفار سے جہاد کرنے کے شرعی احکام کو تسلیم نہیں کرتے، اس طرح شریعت کے بیشتر احکام غامدی صاحب کی اس ایک ہی 'لاٹھی' اور 'فارمولے' کی زد میں آکر ختم ہو جاتے ہیں۔

لیکن ہم اُن کو اُن کے 'استاد امام' مولانا امین احسن اصلاحی کا اس بارے میں موقف پیش کئے دیتے ہیں، وہ سورہ احزاب کی آیت 59 کی تفسیر کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:

"اس ٹکڑے { ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ } سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ ایک وقتی تدبیر تھی جو اَشرار کے شر سے مسلمان خواتین کو محفوظ رکھنے کے لئے اختیار کی گئی اور اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی، اوّل تو احکام جتنے بھی نازل ہوئے ہیں، سب محرکات کے تحت ہی نازل ہوئے ہیں لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ محرکات نہ ہوں تو وہ احکام کالعدم ہو جائیں۔ دوسرے یہ کہ جن حالات میں یہ حکم دیا گیا تھا، کیا کوئی ذی ہوش یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس زمانے میں حالات کل کی نسبت ہزار درجہ زیادہ خراب ہیں، البتہ حیا اور عفت کے وہ تصورات معدوم ہو گئے

---

1 ۔اس مذاکرے کا عنوان ہے "اسلام میں پردہ"

جن کی تعلیم قرآن نے دی تھی"۔[1]

نیز اسی آیت (الاحزاب:59) کی تفسیر میں وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

"قرآن نے اس جلباب (چادر) سے متعلق یہ ہدایت فرمائی کہ مسلمان خواتین گھروں سے باہر نکلیں تو اس کا کچھ حصہ اپنے اوپر لٹکا لیا کریں تا کہ چہرہ بھی فی الجملہ ڈھک جائے اور انہیں چلنے پھرنے میں بھی زحمت پیش نہ آئے۔ یہی 'جلباب' ہے جو ہمارے دیہاتوں کی شریف بڑی بوڑھیوں میں اب بھی رائج ہے اور اسی نے فیشن کی ترقی سے اب برقعہ کی شکل اختیار کرلی ہے۔ اس برقعہ کو اس زمانہ کے دل دادگان اگر تہذیب کے خلاف قرار دیتے ہیں تو دیں لیکن قرآنِ مجید میں اس کا حکم نہایت واضح الفاظ میں موجود ہے، جس کا انکار صرف وہی برخود لوگ کرسکتے ہیں جو خدا اور رسولؐ سے زیادہ مہذب ہونے کے مدعی ہوں"۔[2]

غامدی صاحب کے نزدیک اُمتِ مسلمہ کے تمام علماے کرام تو 'خاک' کے مرتبہ میں ہیں اور پوری اُمت میں سے صرف ان کے ممدوح دو 'علما' ہیں جن کو وہ 'آسمان' کا درجہ دیتے ہیں۔ چنانچہ غامدی صاحب اپنی کتاب 'مقامات' میں لکھتے ہیں کہ:

میں نے بھی بہت عالم دیکھے، بہتوں کو پڑھا اور بہتوں کو سُنا ہے، لیکن امین احسن اور ان کے اُستاد حمید الدین فراہی کا معاملہ وہی ہے کہ:

غالب نکتہ داں سے کیا نسبت — خاک کو آسماں سے کیا نسبت[3]

---

1 ۔تدبر قرآن: جلد6/ص270۔

2 ۔ تدبر قرآن: جلد6/ص269۔

3 ۔مقامات'ص58،57، مطبوعہ دسمبر 2001ء، لاہور

لیکن اس کے باوجود عورت کے چہرے کے پردے کے بارے میں جاوید احمد غامدی صاحب کا موقف نہ صرف قرآنِ مجید اور اجماعِ اُمت کے خلاف ہے، بلکہ اُن کے اپنے 'استاد امام' کے موقف کے بھی خلاف ہے۔

مرتد کی سزا اور غامدی صاحب

جناب غامدی صاحب مرتد کے لئے قتل کی شرعی سزا کو نہیں مانتے، اس بارے میں اُن کا موقف یہ ہے کہ مرتد کے لئے قتل کی سزا کا حکم تو ثابت ہے مگر یہ صرف رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے اُن مشرکینِ عرب کے ساتھ خاص ہے جو اسلام قبول کر لینے کے بعد ارتداد اختیار کریں، باقی اور کسی قسم کے مرتد کے لئے قتل کی شرعی سزا کا کوئی وجود نہیں، غامدی صاحب اپنے اس موقف کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"ارتداد کی سزا کا یہ مسئلہ محض ایک حدیث کا مدعا نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، ابن عباس کی روایت ہے، یہ حدیث بخاری میں اس طرح نقل ہوئی ہے:"من بدل دینه فاقتلوه"(جو شخص اپنا دین تبدیل کرے، اسے قتل کر دو) ہمارے فقہا اسے بالعموم ایک حکم قرار دیتے ہیں جس کا اطلاق ان کے نزدیک ان سب لوگوں پر ہوتا ہے جو زمانۂ رسالت سے لے کر قیامت تک اس زمین پر کہیں بھی اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کریں گے، ان کی رائے کے مطابق ہر وہ مسلمان جو اپنی آزادانہ مرضی سے کفر اختیار کرے گا، اسے اس حدیث کی رُو سے لازماً قتل کر دیا جائے گا، اس معاملے میں ان کے درمیان اگر کوئی اختلاف ہے تو بس یہ کہ قتل سے پہلے اسے توبہ کی مہلت دی جائے گی یا نہیں اور اگر دی جائے گی تو اس کی مدت کیا ہونی چاہئے؟ فقہائے احناف البتہ، عورت کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، ان کے علاوہ باقی

تمام فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ ہر مرتد کی سزا خواہ وہ عورت ہو یا مرد، اسلامی شریعت میں قتل ہے"۔[1]

وہ مزید فرماتے ہیں کہ:

"لیکن فقہا کی یہ رائے کسی طرح صحیح نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم تو بے شک ثابت ہے مگر ہمارے نزدیک یہ کوئی حکم عام نہ تھا بلکہ صرف انہی لوگوں کے ساتھ خاص تھا جن میں آپ کی بعثت ہوئی اور جن کے لئے قرآن مجید میں اُمّیین یا مُشرکین کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے"۔[2]

اسی طرح وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

"ہمارے فقہا کی غلطی یہ ہے کہ اُنہوں نے قرآن و سنت کے باہمی ربط سے اس حدیث کا مدعا سمجھنے کے بجائے اسے عام ٹھہرا کر ہر مرتد کی سزا موت قرار دی اور اس طرح اسلام کے حدود و تعزیرات میں ایک ایسی سزا کا اضافہ کر دیا جس کا وجود ہی اسلامی شریعت میں ثابت نہیں ہے۔[3]

غامدی صاحب کا یہ مؤقف صحیح اور صریح احادیث کے خلاف ہے ملاحظہ فرمائیں:

عن ابي موسیٰ رضی اللہ عنہ قال اقبلت الی النبی صلی الله علیه وسلم ... فقال : ... ولکن اذہب انت یا ابا موسی او یا عبد الله بن قیس الی الیمن، ثم اتبعه معاذ بن جبل، فلما قدم علیه القی له وسادة قال: انزل و اذا رجل

---

1 - برہان: صفحہ 127، مطبوعہ ستمبر 2001ء۔

2 - المرجع السابق

3 - المرجع السابق

عنده موثق قال: ماہذا؟ قال: کان یہودیاً فاسلم ثم تہود، قال: اجلس! قال: لا اجلس حتی یقتل، قضاء الله ورسوله ثلث مرات فامر به فقتل ... الخ۔ [1]

حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا: ابو موسیٰ یا عبد اللہ بن قیس! یمن جاؤ، اس کے بعد آپ نے معاذ بن جبل کو بھی میرے پیچھے یمن بھیج دیا، حضرت معاذ یمن پہنچے اور ان کے بیٹھنے کیلئے مسند لگائی گئی تو انھوں نے دیکھا کہ (حضرت ابو موسیٰ ؓ کے پاس) ایک آدمی بندھا ہوا ہے، حضرت معاذ ؓ نے پوچھا: اس کا کیا قصہ ہے؟ فرمایا: یہ شخص پہلے یہودی تھا، پھر اسلام لایا اور اب مرتد ہو گیا ہے، آپ نے فرمایا: جب تک اس کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے مطابق قتل نہیں کر دیا جاتا، میں نہیں بیٹھوں گا، انھوں نے تین بار یہ جملہ ارشاد فرمایا، چنانچہ حضرت ابو موسیٰ نے اس کے قتل کا حکم دیا، جب وہ قتل ہو گیا تو حضرت معاذ تشریف فرما ہوئے۔

عن عبدالله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ... لا يحل دم رجل مسلم يشهد ان لا اله الا الله وانی رسول الله الا باحدی ثلاث: الثیب الزانی، والنفس بالنفس، والتارك لدینه المفارق للجماعة۔ [2]

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی

---

[1] - صحیح بخاری ص:1023/2۔صحیح مسلم 121/2۔سنن ابی داؤد ص242/2۔سنن نسائی ص169/2۔ سنن کبریٰ للبیہقی 195/8۔

[2] - سنن ابی داؤد ص242/2۔سنن نسائی 165/2۔سنن ابن ماجہ ص182۔ سنن کبریٰ بیہقی 94/8۔ ترمذی ص259/1۔ صحیح مسلم 59/2۔

شہادت دے، اس کا خون بہانا جائز نہیں، سوائے ان تین آدمیوں کے: ایک وہ جو شادی شدہ ہو کر زنا کرے، دوسرا وہ جو کسی کو ناحق قتل کر دے اور تیسرا وہ جو اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے۔

چنانچہ ائمہ اربعہ، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل بالاتفاق اس کے قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو مستحب یہ ہے کہ اس کو تین دن کی مہلت دی جائے، اس کے شبہات دور کئے جائیں، اس کو توبہ کی تلقین کی جائے اور دوبارہ اسلام کی دعوت دی جائے، اگر اسلام لے آئے تو فبہا، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے، ملاحظہ ہو ائمہ اربعہ کی تصریحات:

چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے:

واذا ارتد المسلم عن الاسلام والعياذ بالله. عرض عليه الاسلام فان كانت له شبهة كشفت عنه ويحبس ثلاثة ايام فان اسلم والاقتل۔[1]

اور جب کوئی مسلمان نعوذ باللہ! اسلام سے پھر جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے، اس کو کوئی شبہ ہو تو دور کیا جائے، اس کو تین دن تک قید رکھا جائے، اگر اسلام کی طرف لوٹ آئے تو ٹھیک، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔

فقہ شافعی کی شہرہ آفاق کتاب المجموع شرح المہذب میں ہے:

اذا ارتد الرجل وجب قتله، سواء كان حرا او عبدا ... وقد انعقد الاجماع على قتل المرتد۔[2]

اور جب آدمی مرتد ہو جائے تو اس کا قتل واجب ہے، خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، اور قتل مرتد پر اجماع

---

1 - الهداية شرح بداية المبتدى، 580/1۔

2 - المجموع شرح المهذب، 228/19۔

منعقد ہو چکا ہے۔

فقہ حنبلی کی معرکۃ الآراء کتاب المغنی اور الشرح الکبیر میں ہے:

واجمع اهل العلم على وجوب قتل المرتد، وروى ذلك عن ابى بكر وعمر وعثمان وعلى ومعاذ وابى موسىٰ وابن عباس وخالد (رضى الله عنهم) وغيرهم، ولم ينكر ذلك فكان اجماعا۔[1]

قتل مرتد کے واجب ہونے پر اہل علم کا اجماع ہے، یہ حکم حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، علی، معاذ، ابو موسیٰ، ابن عباس، خالد اور دیگر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے اور اس کا کسی صحابی نے انکار نہیں کیا، اس لئے یہ اجماع ہے۔

فقہ مالکی کے عظیم محقق ابن رشد مالکی کی مشہور زمانہ کتاب "بدایۃ المجتہد" میں ہے:

والمرتد اذا ظفر به قبل ان يحارب فاتفقوا على انه يقتل الرجل لقوله عليه الصلوٰة والسلام: "من بدل دينه فاقتلوه"۔[2]

اور مرتد جب لڑائی سے قبل پکڑا جائے تو تمام علمائے امت اس پر متفق ہیں کہ مرتد کو قتل کیا جائے گا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "جو شخص اپنا مذہب بدل کر مرتد ہو جائے، اس کو قتل کر دو۔

عام طور پر اسلام دشمن عناصر، ملاحدہ اور زنادقہ سیدھے سادے مسلمانوں اور سادہ لوح انسانوں کو ذہنی تشویش اور شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے اور انہیں اسلام سے برگشتہ کرنے کیلئے یہ شبہ پیش کرتے ہیں۔

---

1 - المغنی مع الشرح الکبیر، 74/10۔

2 - بدایۃ المجتہد 343/2۔

رجم اور غامدی صاحب کا مؤقف

غامدی صاحب نے اپنے استاد سے ایک نظریہ یہ بھی لیا ہے جس کی طرف امت کی چودہ صدیوں میں کسی کا ذہن نہیں گیا لیکن اس علت کو ڈھونڈ نکالنے میں انکے پاس کوئی بھی عقلی یا نقلی دلیل موجود نہیں ہے، موصوف کے نزدیک محصن زانی پر جو حد رجم یعنی سنگ باری کی نافذ کی جاتی ہے اس کی وجہ اوباشی اور غنڈہ گردی ہے اور وہ حرابہ کے ضمن میں آتی ہے کہ شادی شدہ (محصن) کے باوجود کوئی زنا کرتا ہے تو یہ جرم اسلامی معاشرے میں حرابہ ہی کی طرح کا جرم ہے۔

جاوید غامدی کے استاد امین احسن اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:

> زنا بالجبر کا جرم بھی چونکہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے حرابہ اور فساد فی الارض ہی کے قبیل سے ہے اس وجہ سے نبی ﷺ نے اس کے مرتکب کو مجرد زنا کی سزا یعنی سو کوڑے کے بجائے سورۃ مائدہ کی آیت محاربہ کے تحت رجم کی سزا دی۔[1]

حالانکہ محصن زانی کے رجم پر امت کا اجماع ہے ملاحظہ فرمائیں:

فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہدایہ کے مصنف امام مرغینانی [صاحب ہدایہ] لکھتے ہیں:

> واذا وجب الحد مکان الزانی محصناً رجمه بالحجارة حتی یموت۔۔۔
>
> وعلی هذا اجماع الصحابة۔[2]

شادی شدہ زانی کی حد اس کو رجم کرنا ہے پتھروں کے ساتھ یہاں تک کہ وہ مر جائے.... اور اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔

شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

---

[1] ۔ تدبر قرآن، ص 373۔

[2] ۔ ہدایہ مع فتح القدیر ج5 ص 210۔

رجمه بالحجارة حتی یموت ،علیه اجماع الصحابة ومن تقدم من علماء المسلمین۔[1]

اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے اور وہ علماء مسلمین جو پہلے گزر چکے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

واجمع العلماء علی وجوب جلد الزانی البکر مائة ورجم المحصن وھو الثیب ولم یخالف فی ھذا احد من اھل القبلة۔[2]

اس پر علماء کا اجماع ہے کہ غیر شادی شدہ زانی کی سزا سو کوڑے اور شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے اور اس کا اہل قبلہ میں سے کوئی مخالف نہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری شرح صحیح البخاری میں لکھتے ہیں:

قال ابن بطال اجمع الصحابة وائمة الامصار علی ان المحصن اذا زنی عامداً عالماً مختاراً فعلیه الرجم۔[3]

ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحابہ کرام اور ائمہ کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ محصن [شادی شدہ] زانی باختیار اور جان بوجھ کر زنا کرے تو اس کی سزا رجم [سنگساری] ہے۔

اجماع ثابت ہونے کے بعد دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ غامدی صاحب ان کے استاد اصلاحی صاحب اور ان کے امام فراہی صاحب اس اجماع کی مخالفت کیوں کرتے ہیں یہ تینوں حضرات اس کو تو مانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بعض لوگوں کو رجم کیا لیکن ان کا یہ کہنا ہے کہ یہ سزا زنا کی حد کے طور

---

1 ۔ المرجع السابق

2 ۔ شرح مسلم للنووی ، ج2ص65۔

3 ۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری، ج12ص143۔

پر نہیں تھی بلکہ فساد اور سرکشی کی سزا کے طور پر تھی حمید الدین فراہی صاحب لکھتے ہیں:

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ (شادی شدہ اور غیر شادی شدہ) دونوں صورتوں میں پہلی حد سو کوڑوں ہی کی ہے لیکن اگر مجرم سزا پانے کے بعد پھر اسی گناہ میں مبتلا ہوں تو انہیں سخت سزا دینا اولیٰ ہے کیونکہ اب ان کا گناہ حدود اللہ کے مقابلہ کے جسارت دکھانے کا ہے اور قرآن نے مفسدین فی الارض اور حدود اللہ کے معاملہ میں سرکشی کرنے والوں کے لئے ان کے گناہ کے درجات کے لحاظ سے سزا کے مختلف درجے بیان کئے ہیں مثلاً تقتیل (بری طرح قتل) سولی، قطع اطراف (یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹنا) اور جلاوطنی وغیرہ چنانچہ حضور نے ماعز کے قضیہ میں یہ تصریح فرمائی چونکہ وہ بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہوا اور اس کی بداخلاقی حد سے بڑھی ہوئی تھی اس لئے اس کو جو سزا دی گئی وہ نکال (عبرت کی سزا) ہے۔

اسی طرح اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

اسی طرح شادی شدہ زانی کی اصل سزا جیسا کہ روایات سے واضح ہے، ہے تو تازیانہ، لیکن اگر کوئی شخص تازیانہ کی سزا سے قابو میں نہیں آرہا اور معاشرے کے لئے ایک خطرہ بن چکا ہے تو اس کو حکومت تقتیل یعنی رجم کی سزا ازروئے سورۃ مائدہ دینے کا اختیار رکھتی ہے۔[1]

یعنی پہلے زانی کو کوڑے وغیرہ کی سزا دی جائے پھر جب وہ اس سے باز نہ آئے تو اسے سنگسار کیا جائے لیکن نبی کریم ﷺ کے دور میں جن کو رجم کیا گیا تھا انہیں اپنے اعتراف کی بنا پر رجم کیا گیا اور ان سے یہ فعل مکرر سرزد نہیں ہوا تھا بلکہ پہلی ہی بار ان پر یہ سزا قائم کی گئی لہذا فراہی اور

[1] ۔ تدبر قرآن، 4/507۔

اصلاحی صاحب کے ضابطے کے مطابق انہیں رجم کی سزا نہیں ہونی چاہیئے تھی اسی مشکل کے حل کے لئے انہوں نے ایک ضابطہ یہ نکالا کہ:

رجم یعنی سنگسار کرنا ہمارے نزدیک تقتیل کے تحت داخل ہے اس وجہ سے وہ غنڈے اور بدمعاش جو شریفوں کی عزت و ناموس کے لئے خطرہ بن جائیں جو زنا اور اغواء کو پیشہ بنالیں جو دن دیہاڑے لوگوں کی عزت و آبرو پر ڈاکے ڈالیں اور کھلم کھلا زنا بالجبر کے مرتکب ہوں ان کے لئے رجم کی سزا اس مفہوم میں داخل ہے۔[1]

پھر یہ حضرات اس کے درپے ہوئے کہ جن کو حضور ﷺ کے دور میں رجم کیا گیا ان کو نہایت ہی خطرناک اور بدمعاش ثابت کیا جائے معاذ اللہ اور حمید الدین فراہی صاحب کو غامدی صاحب کے امام ہیں وہ لکھتے ہیں:

چونکہ وہ بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہوا اور اس کی بداخلاقی حد سے بڑھی ہوئی تھی ینب نبیب التیس۔[2]

اور غامدی صاحب کے استاد امین احسن اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:

ماعز کے بارے میں کتابوں میں جو روایات ملتی ہیں ان میں نہایت عجیب قسم کا تناقض ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑا بھلا مانس آدمی تھا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہایت بدخصلت غنڈا تھا میری رہنمائی کے لیے یہ بات کافی ہے کہ نبی ﷺ نے اس کو رجم کی سزا دلوائی اس وجہ سے میں ان روایات کو ترجیح دیتا ہوں جن

1۔ تدبر قرآن، 2/272۔

2۔ اشراق مارچ 1988ء ص 39۔

سے اس کا وہ کردار سامنے آتا ہے جس کی بنا پر یہ مستحق رجم ٹھہرا۔[1]

اصلاحی صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ رجم کی سزا حدود اللہ کے مقابلے میں سرکشی اور فساد کرنے کی بنا پر دی گئی تھی لیکن یہاں قلب موضوع کر کے رجم سے ان صحابی کی سرکشی اور فساد کو ثابت کر رہے ہیں۔ فیا للاسف

اب غامدی صاحب کی رائے بھی ملاحظہ فرمایئے اپنے استاد امین احسن اصلاحی صاحب کی تائید کرتے ہوئے غامدی صاحب لکھتے ہیں:

> اس عنوان کے تحت پچھلے صفحات میں جو کچھ لکھا گیا اسے پڑھنے کے بعد یہ سوال ہر قاری کے ذہن میں پیدا ہو سکتا ہے کہ رجم کے بارے میں فقہاء کی رائے اگر قرآن کے خلاف ہے تو پھر رجم کی اس سزا کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو نبی ﷺ اور خلفاء راشدین کے عمل سے ثابت ہے ؟ حضور ﷺ اور آپ کے خلفاء نے کیا یہ سزا کسی جرم کی پاداش میں دی جس کے بارے میں قرآن کریم خاموش ہے یا یہ قرآن ہی کے کسی حکم پر مبنی تھی ؟
>
> اس سوال کے جواب میں جو رائے استاد امام امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر "تدبر قرآن" میں دی ہے مجھے اس سے پورا اتفاق ہے اس وجہ سے اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے میں آں محترم کی یہ تحقیق یہاں شائع کر رہا ہوں کیونکہ پچھلے مباحث کے مطالعہ کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ اس سوال کا جواب اس کتاب کے قاری کو یہاں ملنا چاہیئے۔[2]

---

1 ۔ تدبر قرآن، 4/505۔

2 ۔ میزان 1/170۔

غامدی صاحب کا نقطہ نظر زنا کی حد رجم کے ماخذ کے بارے میں یہ ہے کہ:

زنا کی سزا کے بارے میں ہمارے فقہاء کے ان مسالک پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان حضرات نے قرآن کریم کی بیان کردہ سزا میں سنت کے ذریعے اضافہ کر دیا ہے یا اسے کنوارے اور کنواری کے ساتھ خاص قرار دیا ہے، فقہاء کے ایک گروہ کے نزدیک یہ تخصیص ہے اور دوسرا اسے نسخ سے تعبیر کرتا ہے ------- بہر حال اسے نسخ کہیئے یا تخصیص اس کی دلیل چونکہ سنت سے دی جاتی ہے اس وجہ سے یہ سوال فطری طور پر پیدا ہوتا ہے کہ سنت کیا قرآن مجید کے کسی حکم میں اس نوعیت کا تغیر و تبدل کر سکتی ہے؟۔ (1)

آگے اس کے بارے میں اپنا ضابطہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وہ (معاملات) جن میں قرآن مجید نے کوئی حکم یا قاعدہ بیان فرمایا ہے تو ان کے بارے میں یہ بات بالکل قطعی ہے کہ سنت نہ قرآن مجید کے کسی حکم اور کسی قاعدے کو منسوخ کر سکتی ہے اور نہ اس میں کسی نوعیت کو کوئی تغیر و تبدل کر سکتی ہے، سنت کو یہ اختیار قرآن مجید نے نہیں دیا اور ان کسی امام وفقیہ کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ بطور خود سنت کے لئے یہ اختیار ثابت کرنے کی کوشش کرے قرآن مجید کے کسی حکم میں تغیر و تبدل کا مسئلہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں ہے کہ اپ عقلی قیاسات کی بنا پر اس کے بارے میں حکم لگائیں۔ (2)

غامدی صاحب حجیت حدیث کے بھی منکر ہیں جیسا کہ ہم نے ماقبل میں اس پر بحث کی ہے اسی

---

[1] ۔ برہان ص 34،35۔

[2] ۔ برہان ص 37۔

طرح وہ فقہاء کی بات چونکہ سمجھ نہیں سکے اس لئے یہ سارا طعن کیا ہے قران کریم کی پہلی آیات جو زنا کی سزا کے بارے میں نازل ہوئیں وہ سورۃ نساء کی آیت نمبر 15 اور 16 ہیں ان میں دو حکم بیان کئے گئے ہیں پہلا یہ کہ شوہر اگر بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور اس پر گواہ بھی لے آئے تو ان عورتوں کو گھر میں محبوس رکھا جائے اور دوسرا یہ کہ اگر مرد زنا کرے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ تو انہیں تعزیراً سزا دی جائے، اس کے بعد اگلا حکم سنت میں بیان ہوا ہے کہ:

عن عبادة بن الصامت، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خذوا عني ، خذوا عني ، قد جعل الله لهن سبيلا، البكر بالبكر جلد مائة ونفي سنة، والثيب بالثيب جلد مائة، والرجم۔ [1]

اسی سنت سے یہ معلوم ہوا کہ جو بیوی زنا کی مرتکب ہوئی تھی اور شوہر نے چار گواہ بھی قائم کئے تھے اس کی سزا بھی رجم ہے کیونکہ وہ شادی شدہ ہے اس کے بعد پھر تیسرا حکم قرآن کریم کی سورۃ نور میں نازل ہوا جس سے پہلے حکم میں تبدیلی کی گئی اور غیر شادی کے لئے جلاوطنی اور شادی شدہ کے لئے کوڑوں کی سزا منسوخ کردی گئی اس حکم میں جو شق ذکر کی گئی وہ غیر شادی شدہ کی سزا ہے اور جو شق ذکر نہیں ہوئی وہ شادی شدہ کی سزا ہے یعنی رجم اور ایک حکم نیا اس سورۃ میں دیا گیا اور وہ لعان کا ہے کہ جب شوہر کے پاس گواہ نہ ہوں تو میاں بیوی دونوں سے حلف لیا جائے۔

افسوس کہ غامدی صاحب اس ترتیب کو نہ سمجھ سکے اور راہ سے بھٹک گئے اور غامدی صاحب کے بھٹکنے کی دوسری وجہ جو ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں وہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک سنت سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اس لئے انہوں نے درمیانہ حکم جو سنت سے ثابت تھا ماننے سے انکار کر دیا ملاحظہ فرمائیں:

---

[1] ۔ صحيح مسلم ، باب حد الزنا، 1316/3، ط، دار إحياء التراث العربي بيروت

سورۃ نور میں زنا کی باقاعدہ سزا نازل ہونے تک شریعت کا حکم یہی (سورۃ نساء والا) تھا نور کی زیر بحث آیات نے اسے ختم کر دیا اور زنا کے عام مرتکبین کے لئے ایک متعین سزا ہمیشہ کے لئے مقرر کر دی۔ [1]

خلاصہ یہ کہ رجم کی سزا قرآن اور سنتِ متواترہ دونوں سے ثابت ہے، نیز قرآنِ مجید میں جہاں رجم کے حکم کے حوالے سے یہودیوں کی تورات میں تحریف کا ذکر اور ان کی مذمت ہے، وہیں اللہ پاک نے اسے حکمِ خداوندی سے تعبیر فرمایاہے، اور جس حکم کو باری تعالیٰ خود قرآنِ مجید میں "حکم اللہ" فرمائیں، اس کے بارے میں بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ حکم قرآنِ مجید میں اب بھی مذکور ہے، کیوں کہ شرائعِ من قبلنا کا نسخ اگر نص میں موجود نہ ہو تو وہ بھی حجت ہوتے ہیں، جب قرآنِ مجید میں اس کے ذکر کے بعد اسے منسوخ نہیں کیا گیا، بلکہ حکم اللہ سے تعبیر فرمایا گیا تو معلوم ہوا کہ رجم کا حکم قرآنِ مجید، سنتِ متواترہ اور شرائع من قبلنا تمام ادلہ سے ثابت ہے۔

عقیدہ حیات عیسیٰ اور غامدی نظریہ

غامدی صاحب قرآن کریم کی آیت:

إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ۔۔۔الخ [2]

میں متوفیک سے مراد "موت" لیتے ہیں اور اس لفظ کو اپنے عقیدہ وفات عیسیٰؑ کے لئے نص قطعی قرار دیتے ہیں اور اس آیت کی تشریح کرنے والی متواتر صحیح احادیث اور جید صحابہ کرامؓ کے اقوال کو بھی تسلیم نہیں کرتے، غامدی صاحب لکھتے ہیں:

سیدنا مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ میں قرآن مجید سے سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ ان کی

---

[1] ۔میزان، ص299۔

[2] ۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر 55۔

روح قبض کی گئی اور اس کے فوراً بعد ان کا جسد مبارک اٹھالیا گیا تھا تاکہ یہود اس کی بے حرمتی نہ کریں یہ میرے نزدیک ان کے منصب رسالت کا ناگزیر تقاضا تھا چنانچہ قرآن مجید نے اسے اسی طرح بیان کیا ہے "انی متوفيك ورافعك الی" اس میں دیکھ لیجئے توفی وفات کے لئے اور رفع اس کے بعد رفع جسم کے لئے بالکل تصریح ہے۔[1]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

> حضرت مسیح کو یہود نے صلیب پر چڑھانے کا فیصلہ کر لیا تو فرشتوں نے ان کی روح ہی قبض نہیں کی ان کا جسم بھی اٹھا کر لے گئے کہ مبادا یہ سر پھری قوم اس کی توہین کرے۔[2]

حالانکہ قرآن کریم نے بہت واضح طریقہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ اُٹھائے جانے کو بیان کیا ہے۔

> وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ۔[3]

اور وہ (یعنی یہود قتل عیسیٰ کے بارے میں ایک) چال چلے اور اللہ تعالیٰ نے بھی (عیسیٰ کو بچانے کے لیے) تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ خوب تدبیر کرنے والا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ

---

[1] ۔ماہنامہ اشراق، اپریل 1995ء، ص 45۔

[2] ۔المرجع السابق، جولائی 1994ء ص 32۔

[3] ۔سورۃ آل عمران آیت نمبر 45۔

عِلۡمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۔ بَل رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۔ [1]

اور یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو خدا کے پیغمبر (کہلاتے) تھے قتل کر دیا ہے (خدا نے ان کو معلون کر دیا) اور انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ انہیں سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو ان کی سی صورت معلوم ہوئی اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور پیروئی ظن کے سوا ان کو اس کا مطلق علم نہیں۔ اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا. بلکہ خدا نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا، اور خدا غالب اور حکمت والا ہے۔
اسی طرح صحیح احادیث مبارکہ میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ اُٹھائے جانے اور قربِ قیامت میں دوبارہ تشریف لانے کو بارہا بیان کیا گیا ہے۔

وعن الحسن البصری قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم للیهود ان عیسیٰ لم یمت وانه راجع الیکم قبل یوم القیامة۔ [2]

حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو فرمایا بے شک عیسیٰ علیہ السلام نہیں مرے اور بے شک وہ تمہاری طرف قیامت سے پہلے لوٹ کر آنے والے ہیں۔

الستم تعلمون ان ربنا حی لا یموت وان عیسیٰ یاتی علیه الفناء۔ [3]

کیا تم نہیں جانتے یہ کہ ہمارا پروردگار زندہ ہے، نہیں مرے گا اور بیشک عیسیٰ علیہ السلام پر فنا آنے والی ہے یا آئے گی۔

---

[1] - سورۃ النساء آیت نمبر 157، 158۔

[2] - تفسیر در منثور 36/2۔

[3] - صحیح مسلم جلد 87/1، طبری ص 289/3۔

عقیدہ ظہور مہدی، نزول عیسیٰ اور غامدی نظریہ

عقیدہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غامدی صاحب لکھتے ہیں:

> ایک جلیل القدر پیغمبر کے زندہ آسمان سے نازل ہو جانے کا واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں لیکن موقع بیان کے باوجود اس واقعہ کی طرف کوئی ادنیٰ اشارہ بھی قرآن کے بین الدفتین کسی جگہ مذکور نہیں ہے علم و عقل اس خاموشی پر مطمئن ہو سکتے ہیں؟ اسے باور کرنا آسان نہیں۔ (1)

ایک اور جگہ ظہور مہدی اور نزول عیسیٰ کے متعلق لکھتے ہیں:

> ان کے علاوہ ظہور مہدی اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نزول کو بھی علامات قیامت میں شمار کیا جاتا ہے ہم نے ان کا ذکر نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ظہور مہدی کی روایتیں محدثانہ تنقید کے معیار پر پوری نہیں اترتیں ان میں کچھ ضعیف اور کچھ موضوع ہیں ــــــــ اس لئے کسی مہدی موعود کے انتظار کی ضرورت نہیں، نزول مسیح کی روایتوں کو اگرچہ محدثین نے بالعموم قبول کیا ہے لیکن قران کی روشنی میں دیکھئے تو وہ بھی محل نظر ہیں۔ (2)

حالانکہ اہلِ سنت والجماعت کے عقائد میں ہے، کہ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کا ظہور اخیر زمانے میں حق اور صدق ہے اس پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے، اس لیے کہ حضرت مہدی علیہ الرضوان کا ظہور احادیثِ متواترہ اور اجماعِ امت سے ثابت ہے، اگرچہ اس کی بعض تفصیلات اخبارِ احاد سے ثابت ہیں، عہدِ صحابہ و تابعین سے لے کر اس وقت تک حضرت مہدی علیہ الرضوان کے ظہور کو

---

[1] ۔ میزان، ص178، طبع سوئم۔

[2] ۔ میزان، علامات قیامت، مئی 2014ء ص178۔

مشرق و مغرب میں ہر طبقہ کے مسلمان علماء اور صلحاء، عوام اور خواص، ہر قرن اور ہر عصر میں نقل کرتے آئے ہیں۔[1]

ظہورِ مہدی علیہ الرضوان کی روایات اس قدر کثرت مروی ہیں کہ ان پر تواترِ معنوی کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے، اس بارے میں تقریباً سینتیس (37) اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی مرویات کتبِ احادیث میں موجود ہیں، جن میں تین خلفاءِ اربعہ میں سے ہیں اور پانچ امہات المؤمنین میں سے ہیں اور بقیہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب شہید رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

> روایات و آثار کے مطابق ان کی عمر چالیس برس ہو گی، جب ان سے بیعتِ خلافت ہو گی، ان کی بیعتِ خلافت کے ساتویں سال کانا دجال نکلے گا، اس کو قتل کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے، حضرت مہدی علیہ الرضوان کے دو سال حضرت عیسی علیہ السلام کی معیت میں گذریں گے اور 49 برس کی عمر میں ان کا وصال ہو گا۔[2]

اور حضرت عیسی علیہ السلام کا زندہ، جسم وروح کے ساتھ آسمان پر اٹھایا جانا، پھر قربِ قیامت میں زمین پر نازل ہو کر شریعت محمدیہ کو نافذ کرنا، اسلام کا قطعی اجماعی عقیدہ ہے، جو قرآن کی متعدد آیات اور متواتر احادیث سے ثابت ہے، لہذا جو شخص حضرت عیسی علیہ السلام کی وفات کا قائل ہو، قیامت کے قریب نزول کا منکر ہو وہ بالاتفاق قرآن وحدیث اور اجماع کا منکر ہے اور دائرہ

---

1 ۔ عقائد الاسلام للکاندھلوی، ص:64، زم زم پبلشرز۔

2 ۔ آپ کے مسائل اور ان کا حل، علاماتِ قیامت، حضرت مہدی علیہ الرضوان کا ظہور کب ہو گا؟ اور وہ کتنے دن رہیں گے؟ 2/358، 359، مکتبہ لدھیانوی، تخریج شدہ ایڈیشن۔

الاسلام سے خارج ہے وحید الدین خان کے عقائد و نظریات کے تحت تفصیلاً اس پر بحث کی گئی ہے تفصیل کے لئے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

غامدیت کے چند مزید افکار و نظریات

غامدی مذہب کے بعض نظریات وخیالات بنظر اختصار ہم اجمالی طور پر ذکر کئے دیتے ہیں تفصیل کے اس فتنے کے متعلق لکھی گئی کتب کی طرف مراجعت فرمائیں۔

1۔ عیسیٰ علیہ السلام وفات پاچکے ہیں۔ [میزان، علامات قیامت، ص:178، طبع 2014]

2۔ قیامت کے قریب کوئی مہدی نہیں آئے گا۔ [میزان، علامات قیامت، ص:177، طبع مئی 2014]

3۔ (مرزا غلام احمد قادیانی) غلام احمد پرویز سمیت کوئی بھی کافر نہیں، کسی بھی امتی کو کسی کی تکفیر کا حق نہیں ہے۔ [اشراق، اکتوبر 2008، ص:67]

4۔ حدیث سے دین میں کسی عمل یا عقیدے کا اضافہ بالکل نہیں ہو سکتا۔ [میزان، ص:15]

5۔ سنتوں کی کل تعداد صرف 27 ہے۔ [میزان، ص:14]

6۔ ڈاڑھی سنت اور دین کا حصہ نہیں۔ [مقامات، ص:138، طبع نومبر 2008]

7۔ اجماع دین میں بدعت کا اضافہ ہے۔ [اشراق، اکتوبر 2011، ص:2]

8۔ مرتد کی شرعی سزا نبی کریم ﷺ کے زمانے کے ساتھ خاص تھی۔

[اشراق، اگست 2008، ص:95]

9۔ رجم اور شراب نوشی کی شرعی سزا حد نہیں۔ [برہان، ص:35 تا 146، طبع فروری 2009]

10۔ اسلام میں "فساد فی الارض" اور "قتل نفس" کے علاوہ کسی بھی جرم کی سزا قتل نہیں ہو سکتی۔ [برہان، ص:146، طبع فروری 2009]

11۔ قرآن پاک کی صرف ایک قرآت ہے، باقی قراءتیں عجم کا فتنہ ہیں۔

[میزان، ص:32، طبع اپریل2002....بحوالہ تحفہ غامدی

12 ۔ فقہاء کی آراء کو اپنے علم و عقل کی روشنی میں پرکھا جائے گا۔

13۔ ہر آدمی کو اجتہاد کا حق ہے۔ اجتہاد کی اہلیت کی کوئی شرائط متعین نہیں، جو سمجھے کہ اسے تفقہ فی الدین حاصل ہے وہ اجتہاد کر سکتا ہے۔ [سوال و جواب، ہٹس612، تاریخ اشاعت:10مارچ2009]

14 ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے بعد غلبہ دین کی خاطر (اقدامی) جہاد ہمیشہ کے لیے ختم ہے۔ [اشراق، اپریل2011، ص:2]

15 ۔ تصوف عالم گیر ضلالت اور اسلام سے متوازن ایک الگ دین ہے۔

16 ۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ باغی اور یزید بہت متحمل مزاج اور عادل بادشاہ تھا، واقعہ کربلا سو فیصد افسانہ ہے۔ [بحوالہ غامدیت کیا ہے؟از مولانا عبدالرحیم چاریاری]

17 ۔ مسلم و غیر مسلم اور مرد و عورت کی گواہی میں فرق نہیں ہے۔

18۔ زکوٰۃ کے نصاب میں ریاست کو تبدیلی کا حق حاصل ہے۔ [اشراق، جون2008، ص:70]

19۔ یہود و نصاریٰ کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری نہیں، اِس کے بغیر بھی اُن کی بخشش ہو جائے گی۔ [المرجع السابق]

20 ۔ موسیقی فی نفسہ جائز ہے۔ [اشراق، فروری2008، ص:69]

21 ۔ بت پرستی کے لیے بنائی جانے والی تصویر کے علاوہ ہر قسم کی تصویریں جائز ہیں۔

[اشراق، مارچ، 2009، ص:69]

22 ۔ بیمہ جائز ہے۔ [اشراق، جون2010، ص:2]

23۔ یتیم پوتا دادے کی وراثت کا حقدار ہے، مرنے والی کی وصیت ایک ثلث تک محدود نہیں، وارثوں کے حق میں بھی وصیت درست ہے۔

[اشراق،مارچ2008،ص:ا

24۔ سور کی نجاست صرف گوشت تک محدود ہے، اس کے بال، ہڈیوں، کھال وغیرہ سے دیگر فوائد اٹھانا جائز ہے۔ [اشراق،اکتوبر1998،ص:89....بحوالہ:غامدیت کیا ہے؟]

25 ۔ سنت صرف دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جس کو نبی کریم ﷺ نے دین کی حیثیت سے جاری فرمایا اور یہ قرآن سے مقدم ہے اگر کہیں قرآن کا ٹکراو، یہود و نصاریٰ کے فکر و عمل سے ہو گا تو قرآن کے بجائے یہود و نصاریٰ کے متواتر عمل کو ترجیح ہو گی۔ [میزان،ص:14، طبع2014]

26۔ عورت مردوں کی امامت کرا سکتی ہے۔ [ماہنامہ اشراق،ص35 تا46، مئی2005]

27 ۔ دوپٹہ ہمارے ہاں مسلمانوں کی تہذیبی روایت ہے اس کے بارہ میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے دوپٹے کو اس لحاظ سے پیش کرنا کہ یہ شرعی حکم ہے اس کا کوئی جواز نہیں۔

28 ۔ مسجد اقصی پر مسلمانوں کا نہیں اس پر صرف یہودیوں کا حق ہے۔

29۔ بغیر نیت، الفاظِ طلاق کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ [اشراق،جون2008،ص:65]

اس سے غامدی مذہب اور سوچ و فکر کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ امت کے لئے کس قدر نقصان دہ فتنہ ہے۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک

ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک بن احمد عبدالکریم نائیک 18 اکتوبر 1965ء کو بھارت میں بمبئ کے علاقہ تندل سٹریٹ شمالی درنکری میں پیدا ہوئے ان کے والد صاحب ایک دوکاندار تھے اور موصوف خود ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں۔

عیسائیوں کے سینٹ پیٹر ہائی سکول سے میٹرک کی اوراس کے بعد ہندؤں کے کرشن چندر چلے رام کالج بمبئ سے ایف ایس سی کی اور ٹوپی والا نیشنل کالج میڈیکل بمبئ سے ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کی اب موصوف اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن کے صدر ہیں اور اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن ایجوکیشن کے بھی چیئرمین ہیں عطیات زکوٰۃ وصدقات بھی وصول کرتے ہیں۔

برصغیر پاک وہند میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے عیسائیت پر قابل قدر کام کیا ہے ان کے بعد شیخ احمد دیداتؒ نے ان کی کتب کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور ڈاکٹر ذاکر نائیک نے ان کی کتب سے استفادہ کیا جو ان کی وجہ شہرت بنی، اور ایک وجہ ان کی شہرت اور پذیرائی کی یہ بھی ہے کہ انہوں نے میڈیا پر انگریزی زبان میں گفتگو کی جس سے آجکل عوام بہت جلد مرعوب ہو جاتی ہے۔

ایم ابی بی ایس کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے علوم اسلامیہ اور ادیان باطلہ کا تقابلی مطالعہ کیا اور دوران مطالعہ بھی کئی پر گرام نشر کرتے رہے تاحال ڈاکٹر صاحب کے پروگرام ٹی وی اور سوشل میڈیا پر نشر ہوتے رہتے ہیں اور سوال وجواب کی نشست بھی ہوتی ہے جس میں ڈاکٹر صاحب کی اغلاط اور جمہور اہلسنت سے ہٹ کر مؤقف بھی موجود ہیں۔

مشتے نمونہ از خروارے ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب سے دینی معاملات اور علوم دینیہ میں مہارت نہ ہونے کی وجہ سے جو اغلاط سرزد ہوتی ہیں ملاحظہ فرمائیں جو ہم مختصراً دارالعلوم دیوبند کے ایک تفصیلی فتویٰ سے باحوالہ کچھ اضافہ و تبدیلی کے ساتھ نقل کر رہے ہیں، ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب

کے بیانات میں صحیح عقیدے سے انحراف، قرآنِ کریم کی تفسیر میں تحریف و من مانی، سائنسی تحقیقات سے مرعوبیت، اسلام مخالف مغربی افکار سے ہم آہنگی اور فقہی مسائل میں سلفِ صالحین اور جمہور امت کی راہ سے روگردانی جیسی گمراہ کن باتیں پائی جاتی ہیں، نیز وہ امتِ مسلمہ کو ائمہ مجتہدین کی اتباع سے پھیرنے، دینی مدارس سے برگشتہ کرنے اور علمائے حق سے عوام کو بدگمان کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

ذیل میں ان کی گمراہ کن باتوں میں سے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

اللہ تعالیٰ کو ہندوؤں کے معبودان باطلہ کے نام سے پکارنا

یہ انتہائی نازک معاملہ ہے جس میں تھوڑی سی بھی لغزش بسا اوقات ایمان کے لیے خطرہ بن جاتی ہے اس سے متعلق ڈاکٹر صاحب کی چند باتیں ملاحظہ فرمائیں:

ڈاکٹر صاحب کے مطابق وشنو اور برہما کے ذریعے اللہ کو پکارنا جائز ہے چنانچہ ڈاکٹر صاحب ایک پروگرام میں فرماتے ہیں:

> اللہ تعالیٰ کو ہندوؤں کے معبودان کے نام سے پکارنا جائز ہے، جیسے "وشنو" بمعنی رب اور "برہما" بمعنی "خالق" اس شرط کے ساتھ کہ وشنو کے بارے میں یہ عقیدہ نہ رکھے کہ اس کے چار ہاتھ ہیں اور پرندے پر سوار ہیں۔ (1)

حالانکہ غیر عربی زبان کے انہی الفاظ سے اللہ کو پکارنا جائز ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہوں، ان کے علاوہ سے جائز نہیں، تو "وشنو" اور "برہما" جو ہندوؤں کے شعار ہیں، ان سے اللہ کو پکارنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

جبکہ علماء اسلام نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ وہ لفظ منع ہے جو کسی قوم کا شعار بن چکا ہو اور اس

---

1 - اسلام اور عالمی اخوت:33، از ذاکر نائیک۔

سے اس قوم کی پہچان ہو، جیسے لفظ بھگوان اور وشنو وغیرہ کہ اگرچہ اس سے صاحب لسان کا اللہ ہی کو پکارنا مقصود ہو، لیکن یہ ہندوؤں کا شعار بن چکا ہے، لہٰذا اس لفظ سے پکارنے سے احتراز کیا جائے، فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

مگر اس صورت میں ان ہی ناموں کو منع کیا جاسکتا ہے جو غیر قوم کا شعار ہیں اور جو شعار نہیں ان کو منع نہیں جاسکتا، جیسے خدا، ایزد، یزداں کہ یہ نام کسی مخصوص غیر مسلم کے شعار نہیں، بلکہ بکثرت اہل اسلام کی تصانیف میں موجود ہیں۔[1]

حقانیت قرآن کے جانچنے کا معیار

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اللہ کا کلام کونسا ہے، اسے جانچنے کے لیے سائنس اور ٹیکنالوجی سے گزارنا ضروری ہے، ڈاکٹر صاحب ایک پروگرام کے دوران کہتے ہیں:

ہر انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کی مقدس کتاب ہی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اگر آپ چاہتے ہیں معلوم کریں کہ کون سی کتاب واقعی اللہ کا کلام ہے تو اسے آخری امتحان یعنی جدید سائنس اور ٹیکنالوجی سے گزاریں، اگر وہ جدید سائنس کے مطابق ہو تو سمجھ لیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ہی کلام ہے۔[2]

اس کلام سے ڈاکٹر صاحب کی گمراہ کن جرأت، کتاب اللہ کے تئیں ان کی فکری بے راہ روی نیز جدید سائنس سے خطرناک حد تک مرعوبیت کا پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ہر آن بدلنے والی سائنسی تحقیقات کو آسمانی کتابوں بالخصوص کلام الٰہی قرآنِ کریم کو پرکھنے کا معیار قرار دے دیا، جب کہ

---

1 - فتاویٰ محمودیہ، ج:1، ص:271، ط:ادارۃ الفاروق۔

2 - الجواب علی ثلاثین جواباً علی ان ذاکر الھندی واصحاب فکرہ منحرفون ضلالا للشیخ یحی الحجوری۔

اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے کی سب سے بڑی دلیل، اس کا اعجاز ہے، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ قرآن میں چیلنج کیا ہے اسی طرح قرآن کریم کے اعجازی وجوہات تو کافی ہیں ان میں سر فہرست، عدمِ اختلاف، قوت تاثیر، تعلیم وہدایت، حفظ وبقاء، قوت دلائل اور فصاحت وبلاغت ہیں، الغرض مقصود یہ ہے کہ قرآن مجید صرف فصاحت وبلاغت ہی کے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنی تمام حیثیتوں کے لحاظ سے عقلی انسانی کو عاجز کرنے والی مکمل کتاب ہے۔

جب نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جب سورہ مریم کی تلاوت کی تو اس پر رقت طاری ہو گی اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے پھر کہا: اللہ کی قسم! یہ کلام اور انجیل ایک ہی چراغ کے پر تو ہیں۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل ایک سورۃ کی چند آیتیں سن کر موم ہو گیا۔ حضرت جبیر بن مطعم اسیر انِ بدر کو چھڑانے آئے تھے اور آپ ﷺ سے سورۃ طور کی چند آیات سن کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ [2]

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کے کانوں میں اتفاقیہ قرآن کی چند آیات پہنچیں تو مسلمان ہو گئے۔ [3]

قرآن کی حقانیت کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ تقریباً ساڑھے چودہ سو برس گزر گئے کہ کوہِ صفاء کی چٹان پر کھڑے ہو کر ایک امی نے دنیا سے یہ غیر متزلزل چیلنج کیا کہ وہ اس کا جواب پیش کریں مگر صدیاں بیت گئیں اس کا جواب نہیں ملا۔

---

1 - مسند احمد ج1 ص202، مستدرک حاکم ج2 ص310۔

2 - صحیح بخاری تحت تفسیر سورہ طور۔

3 - مسند احمد ج1 ص318۔

فتویٰ دینے کا اہل کون ہے؟

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک فتویٰ دینے کا حق ہر کس و ناکس کو ہے، ڈاکٹر صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں:

ہر کسی کے لیے فتویٰ دینا جائز ہے اس لیے کہ فتویٰ کا معنی رائے دینا ہے۔[1]

یہاں ڈاکٹر صاحب فتویٰ دینے جیسے اہم کام جس میں (علامہ ابنِ قیمؒ کے لفظ کے مطابق) مفتی احکام الٰہی کے بیان میں رب کائنات کا ترجمان اور اس کی نیابت میں دستخط کرنے کا ذمے دار ہوتا ہے:

لم تصلح مرتبة التبليغ بالرواية والفتيا الا لمن اتصف بالعلم والصدق۔۔۔واذا كان منصب التوقيع عن الملوك بلامحل الذى لاينكر فضله ولا يجهل قدره۔۔۔ فكيف بمنصب التوقيع عن رب الارض والسماوات، فحقيق بمن اقيم فى هذا المنصب ان يعدله عدته ويتاهب له اهبته وان يعلم قدر المقام الذى اقيم فيه۔[2]

اس اہم کام کو رائے دینے کے ہلکے پھلکے لفظ سے تعبیر کر کے، صرف اپنے لیے ہی نہیں؛ بلکہ ہر کس و ناکس کے لیے اس کا جوز فراہم کر رہے ہیں، اور انہوں قرآنِ کریم کی آیت:

"فاسئلوا اہل الذكر ان كنتم لا تعلمون"[3]

یعنی اگر تمہیں علم نہیں ہے تو اہلِ علم سے دریافت کر لو۔

اور حدیث نبوی:

---

[1] ۔ الجواب على ثلاثين جواباً على ان ذاكر الهندى واصحاب فكره منحرفون ضلالا للشيخ يحى الحجورى۔

[2] ۔ اعلام الموقعين: 91/1۔

[3] ۔ سورة الانبياء آيت نمبر 7۔

"من افتیٰ بغیر علم کان اثمه علی من افتاه"۔[1]

(یعنی جو آدمی بلا (صحیح) معلومات کے فتویٰ دے دیتا ہے تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہو گا) کو بالکل فراموش کر دیا۔

تفسیر قرآن میں من مانی تشریح یعنی تحریف معنوی

قرآنِ کریم کی تفسیر کا معاملہ بڑا نازک ہے اس لیے کہ مفسر آیتِ کریمہ سے مرادِ خداوندی کی تعیین کرتا ہے کہ اللہ نے یہ معنی مراد لیا ہے؛ لہٰذا نااہل آدمی کا اس وادی میں قدم رکھنا انتہائی خطرناک ہے، حدیث میں ہے:

من قال فی القرآن برأیه فاصاب فقد اخطاء۔[2]

یعنی جو آدمی محض اپنی عقل سے تفسیر کرے تو اگرچہ وہ اتفاقاً درست معنی تک پہنچ جائے، پھر بھی اسے غلطی کرنے والا سمجھا جائے گا، ایک دوسری روایت میں ہے:

من قال فی القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار۔[3]

اسی لیے مفسر کے لیے بہت سی شرائط ہیں، مثلاً قرآن کی تمام آیتوں پر نظر، ذخیرۂ حدیث سے متعلق وسیع معلومات، عربی زبان اور اس کے قواعد: نحو، صرف اور اشتقاق اور فصاحت و بلاغت کا اچھا علم ہو وغیرہ۔

جہاں تک ڈاکٹر صاحب کا تعلق ہے تو ان کے اندر مذکورہ شرائط میں سے ایک بھی شرط ضروری حد

---

[1] ۔ اخرجه ابوداؤد فی سننه:359، رقم:36593، باب تفسیر القرآن عن رسول اللهﷺ۔

[2] - اخرجه الترمذی فی سننه، باب ما جاء في الذي يفسر القرآن برأيه، 50/5، ط، دار الغرب الإسلامي بيروت۔

[3] - اخرجه الترمذی:199/5، رقم:2951۔

تک نہیں پائی جاتی، نہ وہ عربی زبان اور اس کے قواعد سے کما حقہ واقف ہیں اور نہ ذخیرۂ حدیث پر گہری نظر ہے اور نہ ہی فصاحت و بلاغت سے کوئی زیادہ واقفیت ہے، ذیل کی مثالوں سے یہ باتیں واضح ہو جائیں گی، جب کہ تفسیر میں گمراہی میں پڑنے کے جتنے اسباب ہیں مثلاً حضور ﷺ اور صحابہ و تابعین سے منقول تفسیروں سے روگردانی، زمانے کے افکار سے مرعوبیت اور قرآنِ کریم کے موضوع کو غلط سمجھنا وغیرہ، ڈاکٹر صاحب کے اندر بدرجۂ اتم موجود ہیں؛ اسی لیے انہوں دسیوں آیتوں کو اپنی ناواقفیت سے مشقِ ستم بنایا، ذیل میں چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

1۔ آیتِ کریمہ: الرجال قوامون علیٰ النساء.[1] کی تفسیر میں ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں:

> لوگ کہتے ہیں کہ لفظ "قوام" کا معنی ایک درجہ اوپر ہونے کے ہیں؛ لیکن اصل "قوام، اقامة" سے نکلا ہے، "اقامة" کا مطلب کھڑا ہونے کے ہیں، لہٰذا "اقامة" کا مطلب ہوا کہ ایک درجہ ذمے داری میں اونچا ہے نہ کہ فضیلت میں۔[2]

ڈاکٹر صاحب نے مغربی نظریۂ مساوات کی تائید میں آیت قرآنی کی من مانی تفسیر کرتے ہوئے مردوں کے ایک درجہ فضیلت میں اونچا ہونے کی نفی کر دی، جب کہ امت کے بڑے بڑے مفسرین نے فضیلت میں اونچا ہونے کا معنی بیان کیا ہے، چنانچہ ابنِ کثیر نے: الرجال قوامون علیٰ النسآء. کے تحت لکھا ہے:

> أی الرجل قیم علیٰ المرأة ای ھو رئیسھا و کبیرھا والحاکم علیھا، مؤدبھا اذا اعوجت۔[3]

---

[1] ۔ سورة النساء آیت نمبر 34۔

[2] ۔ خطبات ذاکر نائیک: 295، م: فرید بکڈپو دہلی۔

[3] ۔ تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، 256/2، ط، دار الکتب العلمیة بیروت۔

یعنی مرد کی حیثیت اس کی بیوی کے سامنے حاکم اور سردار کی ہے، ضرورت محسوس ہونے پر شوہر بیوی کی مناسب تادیب بھی کر سکتا ہے۔

نیز آیت کریمہ: وللرجال علیھن درجۃ. کی تفسیر میں ابنِ کثیر نے لکھا ہے:

وللرجال علیهن درجه أی فی الفضیلة فی الخلق والمنزلة وطاعة الامر والانفاق والقیام بالمصالح والفضل فی الدنیا والآخرة۔ [1]

یعنی شوہر بیوی سے فضیلت، رتبہ، اطاعت وحیرہ میں ایک درجہ اونچا ہے، نیز ڈاکٹر صاحب کی تفسیر حدیث نبوی:

لوکنت آمراً احدا ان یسجد لاحد، لامرت النساء ان یسجدن لازواجهن۔ [2]

یعنی اگر اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں، کے خلاف ہے، اس لیے کہ اگر دونوں فضیلت میں برابر ہوتے اور شوہر کو عورت پر کوئی برتری حاصل نہ ہوتی تو حضور ﷺ عورتوں کو اپنے شوہروں کو سجدہ جو انتہائی تعظیم ہے کا حکم کیوں دینے والے تھے۔

2۔ ڈاکٹر صاحب، ایک سوال" قرآن کریم میں ہے کہ کسی ماں کے رحم میں موجود بچے کی جنس صرف اللہ کو معلوم ہے، مگر اب سائنس کافی ترقی کر چکی ہے اور ہم آسانی سے الٹراسونوگرافی کے ذریعے "جنین" کی تعیین کر سکتے ہیں، کیا یہ قرآنی آیت میڈیکل سائنس کے خلاف نہیں ہے؟ کے جواب میں فرماتے ہیں:

---

[1] ۔ تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، 610/1۔

[2] ۔ سنن ابی داؤد، باب فی حق الزوج علی المرأة، 244/2، المکتبة العصریه بیروت۔

یہ صحیح ہے کہ قرآن کی اس آیت کے مختلف ترجمے اور تشریحات میں کہا گیا ہے کہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ماں کے رحم میں موجود بچے کی جنس کیا ہے؟ مگر اس آیت کا عربی متن ملاحظہ کریں تو دیکھیں گے کہ انگلش کا لفظ(Sex) کا کوئی عربی متبادل استعمال نہیں ہوا، اصل میں قرآن جو کچھ کہتا ہے وہ یہ ہے کہ رحموں میں کیا ہے؟ اس کا علم صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ہے، کافی مفسرین کو غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے اس کا یہ معنی مراد لیا ہے کہ اللہ ہی ماں کے رحم میں بچے کی جنس کو جانتا ہے، یہ درست نہیں، یہ آیت جنین کی جنس کی طرف اشارہ نہیں کرتی؛ بلکہ اس کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ماں کے رحم میں موجود بچے کی فطرت کیسی ہوگی؟ وہ کیا اپنی ماں باپ کے لیے باعثِ رحمت ہوگا یا عذاب؟۔۔۔۔الخ۔[1]

ڈاکٹر صاحب نے یہاں سائنسی تحقیق سے مرعوب ہو کر، اس سے پیدا ہونے والے سرسری اعتراض سے بچنے کے لیے، قرآن کی دوسری آیت اور صحابہ وتابعین سے منقول تفسیر کو پس پشت ڈالتے ہوئے، ایک معروف معنی کا انکار کر دیا اور بڑے بڑے مفسرین پر تنقید اور ان کی تغلیط کر ڈالی۔

ڈاکٹر صاحب نے جو معنی بیان کیا ہے "ما" موصولہ کے عموم میں آسکتا ہے اور بہت سے مفسرین نے ایک احتمال کے طور پر، پہلے معنی کے ضمن میں اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن دوسرے معنی کا انکار کر دینا قطعاً صحیح نہیں، بلکہ ڈاکٹر صاحب کی قلت تدبر اور تفسیر میں صحابہ اور تابعین کے اقوال سے روگردانی کی واضح دلیل ہے اس لیے کہ ڈاکٹر صاحب نے جس معنی کی نفی کی ہے اسی کی طرف سورۂ رعد کی آیت:

---

1 ۔ اسلام پر چالیس اعتراضات:130، از ڈاکٹر ذاکر نائک، م: اریب پبلیکیشنز، دہلی۔

اللہ یعلم ماتحمل کل انثی وما تغیض الارحام وما تزداد۔ [1]

یعنی اللہ تعالیٰ کو سب خبر رہتی ہے کہ جو کچھ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور جو کچھ رحم میں کمی بیشی ہوتی ہے، اشارہ کررہی ہے، نیز مشہور تابعی اور تفسیر کے امام قتادہؒ سے بھی یہی معنی مروی ہے، چنانچہ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں" فلا تعلم مافی الارحام اذکر ام انثی۔۔۔۔ الخ" یعنی رحم مادر میں نر ہے یا مادہ اس کا قطعی علم سوائے خدا کے کسی ااور کو نہیں، اسی طرح ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر (6/355) میں، علامہ نسفیؒ نے تفسیر مدارک (3/116) میں اور امام شوکانیؒ نے فتح القدیر (5/498) میں مذکورہ آیت کا یہی معنی بیان فرمایا لیکن ڈاکٹر صاحب ان اکابر مفسرین کے بیان کردہ معنی کو غلط ٹھہرا کر، اپنے بیان کردہ معنی کو قطعی سمجھ کر اسی پر مصر ہیں۔

درست مطلب: آیتِ کریمہ کا مقصد اللہ تعالیٰ کے لیے علمِ غیب کو ثابت کرنا ہے اور علم غیب در حقیقت اس یقینی علم کو کہا جاتا ہے جو کسی سبب ظاہری کے بغیر براہِ راست، کسی آلے کے بغیر حاصل ہو، طبی آلات سے ڈاکٹروں کو حاصل ہونے والا علم نہ یقینی ہوتا ہے اور نہ ہی بلاواسطہ، بلکہ وہ محض ظنی ہے اور آلات کے واسطے سے حاصل ہوتا ہے؛ لہٰذا الٹراسونوگرافی کے ذریعے حاصل ہونے والے اس ظنی علم سے قرآنی آیت پر کوئی اعتراض وارد نہ ہوگا نیز آیت سے مراد بچہ کی جنس کا علم نہیں بلکہ آیت غیبی امور پر دلالت کرتی ہے۔بچے کے غیبی امور یہ ہیں،ماں کے پیٹ میں کتنی مدت رہے گا، اس کی زندگی کتنی ہے، عمل کیسے ہوں گے، رزق کتنا ہوگا، نیک بخت ہے یا بدبخت، اور تخلیق مکمل ہونے سے پہلے بچہ ہے یا بچی۔ لیکن خلقت مکمل ہوجانے کے بعد یہ پتہ چل جانا آیا وہ بچہ ہے یا بچی تو یہ علم غیب میں سے نہیں کیونکہ اس کی خلقت مکمل ہوجانے کے بعد یہ علم علم الشہادۃ میں آچکا ہے۔

---

[1] ۔ سورۃ الرعدآیت نمبر 8۔

3۔ ڈاکٹر صاحب آیتِ کریمہ: یاایھا النبی اذاجآئك المؤمنٰت یبایعنك علیٰ ان لا یشرکن باللہ شیئاً۔ [1] کی تفسیر میں کہتے ہیں:

> یہاں لفظ "بیعت" استعمال ہوا ہے اور بیعت کے لفظ میں ہمارے آج کل کے الیکشن کا مفہوم بھی شامل ہے؛ کیوں کہ حضور ﷺ اللہ کے رسول بھی تھے اور سربراہ مملکت بھی تھے اور بیعت سے مراد انہیں سربراہ حکومت تسلیم کرنا تھا، اسلام نے اسی دور میں عورتوں کو ووٹ دینے کا حق بھی تفویض کردیا تھا۔ [2]

یہاں بھی ڈاکٹر صاحب آیت کی غلط تشریح کرتے ہوئے، اس سے عورت کے ووٹ دینے کا حق ثابت کرنا چاہ رہے ہیں کہ عورتوں کا حضور ﷺ کی خدمت میں آکر بیعت کرنا، موجودہ دور کے جمہوریت کے طرزِ انتخاب کی ہی قدیم شکل ہے، جب کہ جمہوریت کی حقیقت سے جو لوگ واقف ہیں وہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کی یہ تشریح بالکل واقع کے خلاف ہے اور تفسیر قرآنی میں اپنی عقل کا بیجا استعمال ہے، اس لیے کہ موجودہ جمہوریت کے مطابق سب کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ سربراہ چننے کے لیے اپنی رائے دیں اگر کسی شخص پر کثرت و اتفاقِ رائے نہ ہو تو وہ سربراہ نہ بن سکے گا، اگر حضور ﷺ کا بیعت کرنا درحقیقت ووٹ لینا تھا، تو کیا ان صحابیات کو اختیار تھا کہ حضور ﷺ کی سربراہی تسلیم کرنے سے انکار کردیں؟

4۔ سورۂ مریم کی آیت: یااخت ہارون ماکان ابوك امرا سوءٍ وما کانت امك بغیا۔ [3] پر نا سمجھی سے کیا جانے والا معروف اشکال، حضرت مریم علیہا السلام، حضرت ہارون کی

---

[1] ۔ سورۃ الممتحنہ آیت نمبر 12۔

[2] ۔ اسلام میں خواتین کے حقوق: 150 از ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب۔

[3] ۔ سورۃ مریم، آیت نمبر 28۔

بہن نہیں تھیں اور دونوں کے زمانے میں تقریباً ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے کے جواب میں فرماتے ہیں:

عیسائی مشنری یہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کو یسوع مسیح کی والدہ (Marry) مریم اور ہارون کی بہن مریم میں فرق کا پتہ نہیں تھا، حالاں کہ عربی میں "اخت" کے معنی اولاد بھی ہیں اس لیے لوگوں نے مریم سے کہا کہ اے ہارون کی اولاد اور اصل اس سے مراد حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد ہی ہے۔[1]

ڈاکٹر صاحب کی، احادیث اور لغت سے نادانی اور جہالت پر مبنی اس تحقیق پر تبصرے کے طور پر مسلم شریف کی حدیث ہی کافی ہے، صحیح مسلم میں ہے:

عن المغيرة بن شعبة قال: لما قدمت نجران سألوني، فقالوا انكم تقرأون يا اخت هارون وموسى قبل عيسى بكذا وكذا، فلما قدمت علىٰ رسول ﷺ سألته عن ذلك فقال: انهم كان يسمون بانبياءهم والصالحين قبلهم۔[2]

یعنی نبی اکرم ﷺ نے اس آیت کی وضاحت آج سے چودہ سو سال پہلے ہی کر دی تھی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی والدہ حضرت مریم، حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ہارون کی بہن نہ تھیں بلکہ حضرت عیسیٰ کی والدہ کے بھائی کا نام بھی ہارون تھا، اور یہ لوگ اپنے انبیاء اور گزشتہ برگزیدہ شخصیات کے ناموں پر اپنا نام رکھا کرتے تھے، اس سے پتہ چلا کہ نہ یہ کوئی نیا اعتراض ہے اور نہ ہی اپنی جانب سے جواب گھڑنے کی کوئی ضرورت ہے۔

---

1 - اسلام پر چالیس اعتراضات، از: ڈاکٹر ذاکر نائیک۔

2 - صحيح مسلم: 171/6، دار الجيل بيروت، رقم: 5721۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس حدیث کی تشریح کے متعلق فرماتے ہیں:

اس حدیث کی تطبیق میں دو احتمال ہو سکتے ہیں:

1۔ایک یہ کہ حضرت مریم کی نسبت حضرت ہارون کی طرف اس لیے کر دی گئی کہ وہ ان کی نسل و اولاد میں سے ہیں اگرچہ زمانہ کتنا ہی بعید ہو گیا ہو جیسے کہ عرب کی عادت ہے کہ قبیلہ تمیم کے آدمی کو "اخا عمیم "اور عرب کے آدمی کو "اخا عرب" بولتے ہیں

2۔دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہاں ہارون سے مراد ہارون جو کہ نبی اور موسیٰ علیہ السلام کے رفیق تھے وہ مراد نہیں بلکہ حضرت مریم کے اپنے بھائی کا نام ہارون تھا جو کہ تبرکاً حضرت ہارون علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا تھا اس طرح حضرت مریم کو "اخت ہارون" کہنا اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے درست ہو گیا۔[1]

ڈاکٹر صاحب کی تفسیر سے متعلق احادیث سے بے خبری کس قدر ہے کہ ذخیرۂ احادیث و تفسیر سے حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کے بجائے من گھڑت تاویل کر رہے ہیں۔

5۔ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب آیتِ کریمہ: والارض بعد ذلك دحاھا۔[2] کے متعلق کہتے ہیں:

یہاں انڈے کے لئے استعمال کیا جانے والا لفظ "دحٰھا" ہے، جس کا مطلب شتر مرغ کا انڈا، شتر مرغ کا انڈا زمین کی شکل سے مماثلت رکھتا ہے، لہٰذا قرآنِ کریم مکمل درستگی سے زمین کی شکل کی وضاحت کرتا ہے، حالانکہ اس وقت جب قرآن اتارا گیا یہ خیال کیا جاتا تھا کہ زمین چپٹی (Flat) ہے۔[3]

---

[1] ۔ معارف القران، ج،6، ص،27۔

[2] ۔سورۃ النازعات آیت نمبر 30۔

[3] ۔ خطبات ذاکر نائیک، قرآن اور جدید سائنس:74،73۔

یہاں پر ڈاکٹر صاحب سائنسی نظریہ سے مرعوب ہونے، نیز قرآنِ کریم کے موضوع (جو کہ توحید و رسالت ہے اور باقی طبیعیات وغیرہ کی باتیں ضمناً ہیں) کو نہ سمجھنے کی وجہ سے، زمین کی ہیئت کی تحقیق کرنے میں، آیت کریمہ سے غلط استدلال کرتے ہوئے آیت کی من مانی تشریح کر رہے ہیں، اس لیے کہ "دحو" کا لفظ و مادہ عربی زبان میں پھیلانے اور پھلاؤ کا مفہوم رکھتا ہے، اسی کے مطابق "دحٰها" کی تفسیر و ترجمہ زمین کو پھیلانے سے، اور اس میں موجود اشیاء کے پیدا کرنے سے کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر) یہ لفظ و مادہ انڈے کے معنی میں نہیں آتا۔

ڈاکٹر صاحب کی احادیث نبویہ سے ناواقفیت

ذخیرہ احادیث سے ناواقفیت کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب نے بہت سی جگہوں پر صحیح احادیث کے خلاف مسائل بتلائے، نیز کتنے ہی مقامات پر کسی مسئلے پر متعدد احادیث ہونے کے باوجود یہ کہہ ڈالا کہ اس باب میں کوئی دلیل نہیں، ذیل میں ڈاکٹر صاحب کی احادیث سے جہالت یا دانستہ چشم پوشی کی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

1۔ عورتوں کے لیے حالتِ حیض میں قرآن پڑھنے کے جواز کے بارے میں ایک پروگرام "گفتگو" میں ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں:

> "قرآن و حدیث میں نماز کی رخصت ہے، لیکن کسی حدیث میں نہیں کہ وہ قرآن نہیں پڑھ سکتی"۔

حالانکہ ترمذی شریف میں صریح حدیث ہے:

> لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيأ من القرآن۔[1]

یعنی جنبی اور حائضہ قرآن نہ پڑھیں۔۔۔ آپ غور کیجیے کہ ڈاکٹر صاحب نے صحیح و صریح حدیث

---

[1] - باب ما جاء في الجنب و الحائض أنهما لا يقرآن القرآن، رقم الحديث: 131 ط: دار السلام۔

کے موجود ہونے کے باوجود دعویٰ ہمہ دانی کرتے ہوئے اس کا انکار کر دیا۔
اعلاء السنن میں مذکور ہے کہ اس مسئلہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت اگرچہ موقوف ہے موجود لیکن اس جیسے مسئلے میں موقوف روایت مرفوع کا درجہ رکھتی ہے۔

عن ابن عمر إلخ: قال وفي إسناده إسماعيل بن عياش عن الحجازيين ضعيفة: ... وصوب أبو حاتم وقفه على ابن عمر۔[1]

قال المؤلف: لا يضرنا وقفه فإن الموقوف في مثل ہذا كالمرفوع. ودلالته على الباب ظاہرة، والنفساء وإن لم تذكر في الحديث لكنها في حكم الحائض فالحكم يشملها۔[2]

عن عائشة رضي الله عنها انها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتكئ فی حجرة وأنا حائض فيقرأ القرآن ۔[3]

یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میری گود میں ٹیک لگائے ہوئے ہوتے اور قرآن کریم کی تلاوت فرمارہے ہوتے حالانکہ میں حیض کی حالت میں ہوا کرتی تھی، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ:

ابن دقیق نے کہا کہ یہ فعل اشارہ ہے اس جانب کہ حائضہ عورت قرآن کی تلاوت نہیں کرے گی اس لیے کہ اگر اس کے لیے تلاوت جائز ہوتی تو عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں قرآن پڑھنے کی ممانعت کا گمان نہ ہوتا اور اس کے جواز کے لیے اس عمل

---

[1] - اعلاء السنن، 102/1۔

[2] - إعلاء السنن: 266/1، باب أن الحائض والجنب لا يقرء ان شيئا من القرآن.

[3] - بخاری، کتاب الحیض، رقم الحدیث: 301۔

سے استدلال کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔[1]

2۔ ایک جگہ کہتے ہیں کہ خون سے وضو ٹوٹنے پر، احناف کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے ملاحظہ فرمائیں:

بعض علمائے کرام خصوصاً فقہِ حنفی سے متعلق علمائے کرام کے خیال میں خون بہنے سے وضو ٹوٹ جاتاہے، نماز کے دوران خون بہہ جانے کی صورت میں کس کو کیا کرناچاہیے، اس سوال کے جواب میں ان کا فتویٰ (احناف کا فتویٰ) بہت طویل ہے تاہم ان کے اس نقطۂ نظر کی تائید میں بہ ظاہر کوئی ثبوت نہیں ہے۔[2]

یہاں پر ڈاکٹر صاحب نے فقہِ حنفی سے متعلق علماء پر الزام لگاڈالا کہ وہ بلا ثبوت وضو ٹوٹنے کی بات کہتے ہیں، حالاں کہ خون سے وضو ٹوٹنے کے سلسلے میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں، نیز صحابۂ کرام کا تعامل بھی اس پر رہاہے، ذیل میں چند روایتیں ملاحظہ فرمائیں:

عن عائشة رضی الله عنها قالت: جائت فاطمة بنت ابی حبیش الی النبی ﷺ فقالت: یارسول الله انی امرأة استحاض فلا اطهر، افادع الصلاة؟ قال: لا، انما ذلك عرق ولیست بالحیضة، فاذا اقبلت الحیضة فدعی الصلاة واذا ادبرت فاغسلی عنك الدم قال ہشام: قال ابی ثم توضئی لکل صلاة حتی یجئ ذلك الوقت۔[3]

اذا رعف احدکم فی صلاته فلینصرف فلیغسل عنه الدم ثم لیعد وضوءه

---

1 - فتح الباری شرح صحیح بخاری: 1/319۔

2 - حقیقت ذاکر نائیک: 214، م: مکتبہ دیوبند۔

3 - صحیح البخاری، باب اقبال المحیض وادباره، 1/71، دار طوق النجاة۔

ویستقبل صلاتہ۔ [1]

یعنی دورانِ نماز اگر کسی کی نکسیر پھوٹ جائے تو اسے چاہیے کہ خون کو دھولے اور وضو دہرائے۔

عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ : الوضوء من کل دم سائل۔ اخرجہ ابن عدی فی الکامل۔ [2]

یعنی خون بہنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور نماز کے لئے دوبارہ کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

یہ اور ان کے علاوہ بہت سی روایات کے باوجود، ڈاکٹر صاحب نے، اپنی ناواقفیت کا اظہار نہ کرکے مجتہدانہ دعویٰ کردیا کہ بہ ظاہر خون سے وضو ٹوٹنے پر کوئی ثبوت نہیں ہے۔

3۔ مرد و عورت کی نماز میں فرق کرنا جائز نہیں ایک دوسری جگہ ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب مرد اور عورت کی نماز میں فرق کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

کہیں بھی ایک صحیح و مستند حدیث نہیں ملتی جس میں عورت کے لیے مرد سے علیحدہ طریقے کے مطابق نماز ادا کرنے کا حکم ہو، اس کے بجائے صحیح بخاری کی روایت ہے، حضرت ام درداء روایت کرتی ہیں کہ التحیات میں عورتوں کو مردوں کی طرح بیٹھنے کا حکم ہے۔

یہاں ڈاکٹر صاحب نے دو باتیں سراسر غلط کہیں ہیں:

(الف) نماز میں مرد و عورت کے درمیان فرق کے سلسلے میں کوئی حدیث نہیں۔

(ب) حضور ﷺ نے عورتوں کو مردوں کی طرح بیٹھنے کا حکم دیا۔

ڈاکٹر صاحب نے پہلی بات کہہ کر ان تمام احادیث کا انکار کر دیا، جن میں مردوں اور عورتوں کی

---

1 - المعجم الکبیر للطبرانی، 165/11، مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاھرۃ۔

2 - نصب الرایۃ للامام زیلعی: 37/1۔

نماز کے درمیان فرق کا بیان موجود ہے۔ ذیل میں چند روایتیں ذکر کی جاتی ہیں:

پہلا فرق تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کے اٹھانے کی ہیئت میں ہے:

"عَنْ وَائِلِ بن حُجْرٍ، قَالَ: جِئْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ... فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا وَائِلَ بن حُجْرٍ، إِذَا صَلَّيْتَ فَاجْعَلْ يَدَيْكَ حِذَاءَ أُذُنَيْكَ، وَالْمَرْأَةُ تَجْعَلُ يَدَيْهَا حِذَاءَ ثَدْيَيْهَا"۔ [1]

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (درمیان میں طویل عبارت ہے، اس میں ہے کہ) آنحضرت ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا: اے وائل! جب تم نماز پڑھو تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت اپنے دونوں ہاتھ اپنی چھاتی کے برابر اٹھائے۔

دوسرا فرق قیام میں ہاتھ باندھنے کی ہیئت میں ہے کہ مرد کے لیے ناف کے نیچے ہاتھ باندھا مستحب ہے، اگرچہ فقہاء میں اس حوالے سے اختلاف بھی ہے، تاہم خواتین کے حوالہ سے تمام اہلِ علم کا اجماع ہے کہ وہ قیام کے وقت اپنے ہاتھ سینہ پر رکھے گی اور اجماع مستقل دلیل شرعی ہے۔

"وَالْمَرْاَۃُ تَضَعُ [يَدَيْهَا] عَلٰی صَدْرِها بِالْاِتِّفَاقِ"۔ [2]

تیسرا فرق رکوع کی ہیئت میں ہے کہ مرد رکوع میں اپنے بازو اپنے پہلو سے جدا رکھیں گے جب کہ خواتین اپنے بازؤں کو پہلو سے جدا نہیں کریں گی۔

"عن عطاء قال: تجتمع المراۃ إذا رکعت ترفع یدیها إلی بطنها وتجتمع ما

---

[1] - المعجم الکبیر للطبرانی: ج9ص144رقم17497، مجمع الزوائد: ج9 ص624 رقم الحدیث1605، البدر المنیر لابن الملقن: ج3ص463۔

[2] - مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق: ص153۔

استطاعت"۔ [1]

ترجمہ: حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ عورت سمٹ کر رکوع کرے گی، اپنے ہاتھوں کو اپنے پیٹ کی طرف ملائے گی، جتنا سمٹ سکتی ہو سمٹ جائے گی۔

چوتھا فرق سجدہ کرنے کی ہیئت میں ہے کہ مرد سجدے میں بازو کو پہلو سے جدا رکھیں گے جب کہ خواتین مرد کی طرح کھل کر سجدہ نہیں کریں گی، بلکہ اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے ملائیں گی، بازوؤں کو پہلو سے ملا کر رکھیں گی اور کہنیاں زمین پر بچھا دیں گی۔

"عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى امْرَأَتَيْنِ تُصَلِّيَانِ فَقَالَ : إِذَا سَجَدْتُمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ إِلَى الأَرْضِ ، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ لَيْسَتْ فِي ذَلِكَ كَالرَّجُلِ"۔ [2]

ترجمہ: حضرت یزید بن ابی حبیب سے مروی ہے کہ آں حضرت ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا لیا کرو، کیوں کہ عورت (کا حکم سجدہ کی حالت میں) مرد کی طرح نہیں ہے۔

پانچواں فرق سجدے سے اٹھ کر بیٹھنے کی ہیئت میں ہے کہ عورت اپنے دونوں پاؤں دائیں جانب نکال کر سرین کے بل اس طرح بیٹھے کہ دائیں ران بائیں ران کے ساتھ ملا دے۔

"عَنْ عَبْدِاللہ بْنِ عُمَرَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ الله صلى الله عليه وسلم: إِذَاجَلَسَتِ الْمَرْأَةُ فِي الصَّلاةِ وَضَعَتْ فَخِذَهَا عَلٰى فَخِذِهَا

---

[1] - مصنف عبدالرزاق ج3ص50رقم5983۔

[2] - مراسیل أبي داؤد: ص103 باب مِنَ الصّلاةِ، السنن الكبرى للبيهقي: ج2ص223, جُمّاعُ أَبْوَابِ الاسْتِطَابَة۔

الْأُخْرىٰ، فَإِذَا سَجَدَتْ أَلْصَقَتْ بَطْنَهَا فِي فَخِذِهَا كَأَسْتَرِ مَا يَكُوْنُ لَهَا فَإِنَّ اللّٰهَ يَنْظُرُ إِلَيْهَا وَ يَقُوْلُ: يَا مَلَائِكَتِيْ أُشْهِدُكُمْ أَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهَا"۔[1]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب عورت نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ کرے تو اپنا پیٹ اپنی رانوں کے ساتھ ملالے جو اس کے لیے زیادہ پردے کی حالت ہے، اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھتے ہیں اور فرماتے ہیں: اے میرے ملائکہ! گواہ بن جاؤ میں نے اس عورت کو بخش دیا۔

ان روایات میں مردوں اور عورتوں کی نماز میں مختلف طرح کے فرق کا ذکر ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی حدیثیں ہیں، اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔ اور جہاں تک دوسری بات یعنی بخاری شریف میں عورتوں کو مردوں کی طرح بیٹھنے سے متعلق حکم نبوی کی بات، تو یہ ایک غلط انتساب ہے، حضرت ام الدرداء کی جس روایت کا ڈاکٹر ذاکر صاحب نے حوالہ دیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

وکانت ام الدرداء تجلس فی صلاتھا جلسة الرجل وکانت فقیھة۔[2]

اس روایت میں کہیں بھی حضور ﷺ کے قول وفعل کا ذکر نہیں ہے، بلکہ ایک صحابیہ کا عمل ہے، جس کا ذکر کرکے امام بخاری نے اشارہ بھی کر دیا کہ وہ خود فقیہہ تھیں وہ اپنے اجتہاد سے ایسا کرتی تھیں، نیز امام بخاریؒ نے اسے تعلیقاً ذکر کیا ہے، سند ذکر نہیں کی ہے۔

---

[1] - الكامل لابن عدي ج 2ص501، رقم الترجمة 399 ،السنن الكبرى للبيهقي ج2 ص223 باب ما يستحب للمرأة... الخ،جامع الأحاديث للسيوطي ج 3ص43 رقم الحديث 1759۔

[2] - بخاری شریف: 114/1۔

ائمہ مجتہدین کے اتباع سے فرار اور مسائلِ فقہیہ میں سوادِ اعظم کی راہ سے نمایاں انحراف

ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب اپنی تحریرات اور تقریرات کی روشنی میں کسی امام کے متبع معلوم نہیں ہوتے، بلکہ اباحیت، جدت پسندی نیز غیر مقلدیت اور لامذہبیت کے شکار ہیں، صرف یہی نہیں کہ ڈاکٹر صاحب کسی متعین امام کی تقلید نہیں کرتے، بلکہ ائمہ کی تقلید کرنے والے مخلص عوام کو عدم تقلید کی روش اپنانے کی تعلیم دیتے ہیں اور اپنے بیان کردہ مسائل میں کہیں کسی امام کا قول و استنباط کردہ حکم کو اپنی طرف منسوب کرکے نقل کرتے ہیں، اور کہیں خود مجتہدانہ انداز پر مسئلے بیان کرنے لگتے ہیں، جب کہ ان کو مسائل نقل کرنے میں اس متعین امام کا نام لینا چاہیے، جنہوں نے اس مسئلے کا استنباط کیا ہے، تاکہ سننے والے کو یہ مغالطہ نہ ہو کہ قرآن وسنت سے صرف یہی ثابت ہے، اس کے علاوہ جو دوسری باتیں لوگوں کے عمل میں ہیں چاہے وہ قرآن و حدیث سے ثابت اور ائمہ مجتہدین کا قول کیوں نہ ہو -غلط ہیں- ذیل کی مثالوں سے مذکورہ باتوں کا بہ خوبی اندازہ ہو جائے گا، ملاحظہ فرمائیں:

1- بلا وضو قرآن چھونا جائز ہے، ڈاکٹر صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں:

"بلا وضو قرآنِ کریم چھونے کی اجازت ہونی چاہیے۔۔۔۔ الخ"۔

حالانکہ ڈاکٹر صاحب کا یہ قول آیتِ کریمہ: لا یمسہ الا المطھرون. نیز تمام ائمہ مجتہدین کے خلاف ہے۔

امام مالک نے موطأ میں رسول اللہ ﷺ کا وہ مکتوبِ گرامی نقل کیا ہے جو آپ نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا، جس میں ایک جملہ یہ بھی ہے:

"لا يمس القران إلا طاهر".[1]

یعنی قرآن کو وہ شخص نہ چھوئے جو طاہر نہ ہو۔

اور روح المعانی میں روایت مسند عبد الرزاق، ابن ابی داؤد اور ابن المنذر سے بھی نقل کی ہے اور طبرانی وابن مردویہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" ولا تمس القرآن إلا على طهور "[2]

یعنی قرآن کو ہاتھ نہ لگائے بجز اس شخص کے جو پاک ہو۔

روایاتِ مذکورہ کی بنا پر جمہور امت اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآنِ کریم کو ہاتھ لگانے کے لیے طہارت شرط ہے، اس کے خلاف گناہ ہے، ظاہری نجاست سے ہاتھ کا پاک ہونا، باوضو ہونا، حالتِ جنابت میں نہ ہونا سب اس میں داخل ہے، حضرت علی مرتضیٰ، ابن مسعود، سعد بن ابی وقاص، سعید ابن زید، عطاء اور زہری، نخعی، حکم، حماد، امام مالک، شافعی، ابو حنیفہ رحمہم اللہ سب کا یہی مسلک ہے۔

2۔ خطبۂ جمعہ عربی زبان کے بجائے مقامی زبان میں ہونا چاہیے، ایک موقعہ پر خطبۂ جمعہ سے متعلق ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں:

"میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ملک میں جمعہ کا خطبہ مقامی علاقائی اور مادری زبانوں میں دیے جانے کا اہتمام کیا جائے تاکہ۔۔۔ الخ"۔

حالانکہ حضور ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک خطبۂ جمعہ عربی میں دینے پر توارث چلا آرہا ہے، آج ڈاکٹر صاحب یہ دعوت دے رہے ہیں کہ خطبہ مقامی زبان میں ہونا چاہیے، تاکہ لوگ

---

[1] - تفسير ابن كثير، 32/8، ط، دار الكتب العلمية، منشورات محمد علي بيضون بيروت۔

[2] - تفسير روح المعاني، 154/14، ط، دار الكتب العلمية بيروت۔

سمجھ سکیں، جب کہ یہ مصلحت (غیر عربی جاننے والوں کا سمجھنا) حضور ﷺ کے زمانے میں بھی موجود تھی، اس لیے کہ حضور علیہ السلام کے خطبے میں عرب کے علاوہ عجم کے لوگ بھی شریک ہوتے؛ لیکن حضور ﷺ نے ہمیشہ عربی زبان میں خطبہ دیا، کسی دوسری زبان میں خطبہ نہیں دلوایا، اور نہ ہی بعد میں اس کا ترجمہ کروایا، اسی طرح صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ان کے متبعین عرب سے نکل کر عجم میں گئے، مشرق ومغرب میں صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم عجمیوں کی زبان خوب جانتے تھے؛ لیکن پھر بھی خطبہ عربی ہی میں دیا کرتے تھے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ خلفائے راشدین صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے تعامل ومواظبت اور ساری امت کا توارث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ خطبہ عربی زبان ہی میں ضروری ہے، یہاں تک کہ امام مالک رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی صحت کے لیے خطہ کا عربی زبان میں ہونا ضروری ہے، اگرچہ پورا مجمع عجمیوں کا ہو، عربی کوئی نہ جانتا ہو اور اگر عربی میں خطبہ پڑھنے والا مجمع میں کوئی نہ ہو تو لوگوں پر ظہر کی ادائیگی لازم ہو گی، جمعہ ساقط ہو جائے گا۔

ولوكان الجماعة عجما لا يعرفون العربية، فلوكان ليس فيهم من يحسن الاتيان بالخطبة عربية لايلزمهم جمعة۔[1]

نیز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خطبہ کا خاص عربی زبان ہی میں ہونا ضروری ہے کہ تمام مسلمانوں کا مشرق ومغرب میں ہمیشہ اسی پر عمل رہا ہے۔[2]

3۔ تین طلاق سے ایک ہی طلاق ہونی چاہیے، ڈاکٹر ذاکر صاحب فرماتے ہیں:

---

[1] - حاشية الدسوقي على الشرح الكبير: 378/1، نقلا عن المقالات الفقهية۔

[2] - مصفی شرح موطا: 152، م: مطبع فاروق دہلی۔

تین طلاق کے لیے اتنی شرائط ہیں، جن کا پورا ہونا ناممکن ہے، سعودیہ کے تین سو فتوے موجود ہیں، اس لیے طلاق ایک ہے، آج کے حالات کے مطابق ایک ہونی چاہیے۔[1]

حالانکہ صحابۂ کرام، تابعین عظام ائمہ اربعہ اور جمہور امت، نیز موجودہ دور کے سعودیہ عربیہ کے تمام معتبر علما کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاق سے تین ہی طلاق واقع ہوتی ہیں ایک نہیں، اس مسئلے میں پوری تاریخ میں کسی معتبر عالم کا اختلاف نہیں، سوائے علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد علامہ ابن القیمؒ کے؛ لیکن پوری امت (جن میں بڑے بڑے تابعین، چاروں ائمہ امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ شامل ہیں) کے مقابلے میں ان دو حضرات کی رائے قطعا قابلِ اتباع نہیں ہے، ڈاکٹر صاحب ایسے اجماعی حکم کے خلاف مسئلہ بیان کرکے امت کو گمراہ کررہے ہیں۔ یہ حکم یعنی تین طلاقوں سے تین ہی طلاق کا واقع ہونا قرآن کی آیت، بے شمار احادیث اور صحابہ کرام کے تعامل سے واضح طور پر ثابت ہے، چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں:

وقال الليث عن نافع كان ابن عمر اذا سئل عن من طلق ثلاثا قال لو طلقت مرة اومرتين (لكان لك الرجعة) فان النبیﷺ امرنی بهذا(ای بالمراجعة) فان طلقها ثلاثا حرمت حتى تنكح زوجا غيره۔[2]

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے جب اس شخص کے متعلق فتویٰ دریافت کیا جاتا جس نے تین طلاقیں دی ہوں، تو فرماتے اگر تو نے ایک یا دو طلاق دی ہوتی (تو رجوع کرسکتا تھا) اس لیے کہ حضور اکرم ﷺ نے مجھ کو اس کا (یعنی رجعت کا) حکم دیا تھا، اور اگر تین طلاق دیدے تو عورت حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے۔

---

[1] - خطبات ذاکر نائیک بحوالہ حقیقت ذاکر نائیک: 331۔

[2] - صحیح بخاری، 2/792، 803۔

عن مجاہد قال کنت عندابن عباس فجاء ہ رجل فقال : انه طلق امرأته ثلاثا، قال: فسکت حتی ظننت انه رادها الیه،ثم قال: ینطلق احدکم فیرکب الحموقة ثم یقول یاابن عباس یاابن عباس فان الله عزوجل قال:ومن یتق الله یجعل له مخرجا.عصیت ربك وبانت منك امرأتك۔[1]

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں ابنِ عباسؓ کے پاس تھا، کہ ایک شیخ آیااور کہا کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی، فرماتے ہیں کہ حضرت عباس خاموش رہے میں سمجھا کہ وہ اس کی بیوی کو لوٹا دیں گے (رجعت کا حکم دیں گے) مگر فرمایا: تم میں سے کوئی شخص حماقت کر بیٹھتا ہے (تین طلاق دیدیتا ہے) پھر چلاتا ہے ابنِ عباس! ابن عباس!تو (سنو!) ارشادِ باری تعالیٰ ہے "جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے راہ نکالتے ہیں" تم نے تو اپنے رب کی نافرمانی کی (تین طلاق دیدی) اس لیے تمہاری بیوی تم سے جدا ہوگئی۔

وعن مالك بلغه: ان رجلا قال لعبدالله بن عباس: انی طلقت امرأتی ماءۃ تطلیقه، فماذا تری علی؟ فقال ابن عباس: طلقت منك بثلاث، وسبع و تسعون اتخذت بها آیات هزوا۔[2]

حضرت امام مالکؒ کو یہ روایت پہنچی کہ ایک آدمی نے عبد اللہ ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیدیں، آپ اس سلسلے میں کیا فرماے ہیں ؟ تو ابن عباسؓ نے جواب دیا: (ان میں سے) تین طلاقیں تیری بیوی پر پڑ گئیں، اور ستانوے طلاقوں سے تونے اللہ کی آیتوں کا کھلواڑ کیا۔

---

[1] - أخرجه أبو داود 299/1، باب فی الطلاق علی الهزل، رقم:1878۔

[2] - اخرجه الامام مالك:199۔

حدثناعلی بن محمد بن عبید الحافظ نا محمد بن شاذان الجوہری نا معلی بن منصور نا شعیب بن رزیق ان عطاء الخراسانی حدثھم عن الحسن قال نا عبدالله بن عمر انه طلق امرأته تطلیقه وھی حائض ثم اراد ان یتبعها بتطلیقتین اخریین عندالقرأین فبلغ ذلك رسول اللهﷺ فقال یا بن عمر ماھکذاامرك الله انك قد اخطأت السنة۔ والسنة ان تسقبل الطهر فیطلق لکل قرء قال فامرنی رسول اللهﷺ فراجعتها ثم قال اذا ہی طهرت فطلق عند ذلك اوامسك فقلت یا رسول الله ارأیت لو انی طلقتها ثلثا اکان یحل لی ان اراجعها قال لا ، کانت تبین منك وتکون معصیة۔[1]

حضرت حسن کا بیان ہے کہ ہم سے حضرت ابن عمرؓ نے بیان فرمایا کہ انہوں نے اپنی اہلیہ کو حالت حیض میں ایک طلاق دیدی پھر ارادہ کیا کہ دوطہروں میں بقیہ دوطلاقیں دیدیں گے، حضور اقدس ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایااے ابنِ عمر! اس طرح اللہ نے تم کو حکم نہیں کیاہے، تم نے سنت طریقہ کے خلاف کیا (کہ حالتِ حیض میں طلاق دیدی) سنت طریقہ یہ ہے کہ طہر کا انتظار کیا جائے اور ہر طہر میں ایک طلاق دی جائے اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے مجھے رجوع کرنے کا حکم فرمایا چنانچہ میں نے رجوع کرلیا پھر فرمایا جب وہ پاک ہو جاوے تو تم کو اختیار ہے چاہو تو طلاق دیدینا یا اس کو روکے رکھنا، حضرت ابن عمر فرماتے ہیں پھر میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ اگر میں نے تین طلاقیں دی ہوتیں تو کیا میرے لیے

---

[1] -سنن دار قطنی: 438/2، زادالمعاد: 257/2، مصنف ابن ابی شیبة بحواله عینی شرح کنز: 141، سنن دار قطنی: 31/4، مطبوعه قاہرة۔

رجوع کرنا جائز ہوتا؟ حضور نے فرمایا نہیں، اس صورت میں بیوی تم سے جدا ہو جاتی اور تمہارا یہ فعل (تین طلاقیں ایک ساتھ دینا) گناہ ہوتا۔

آپ نے دیکھا کہ مذکورہ بالا حدیثوں میں تین طلاق سے تین ہی طلاق واقع ہونے کا حکم ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی روایتیں صراحۃً اس پر دلالت کرتی ہیں کہ تین طلاقوں سے تین ہی طلاق واقع ہونگی، ایک نہیں۔

نوٹ: ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب نے اپنی تقریر میں سعودیہ کے تین سو علما کے فتاوے کا حوالہ دیا، پھر اپنی رائے بھی پیش کی، لیکن یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ کون سے علما ہیں جب کہ سعودی عرب کی تحقیقاتِ علمیہ کے موقر مفتیان نے تین طلاق سے تین ہی طلاق کا فتویٰ دیا ہے، قرارداد اس طرح ہے:

بعدالاطلاع علی البحث المقدم من الامانة العامة لهيئة كبار العلماء والمعدمن قبل لجنة الدائمة للبحوث والافتاء فی موضوع ''الطلاق الثلاث بلفظ واحد، وبعد دراسة المسألة وتداول الرأی واستعراض الاقوال التی قیلت فیها ومناقشة ماعلی كل قول من ایراد توصل المجلس بأكثریته الی اختیارالقول بوقوع الطلاق الثلاث بلفظ واحد ثلاثاً۔۔۔ الخ۔ [1]

4۔ ڈاکٹر صاحب ایک پروگرام "گفتگو" میں تقریر کرتے ہوئے مشورہ دیتے ہیں کہ:

"مسلمانوں کو ایسا طریقہ اپنانا چاہیے کہ پوری دنیا میں ایک دن عید ہو سکے"

---

[1] - مجلة البحوث الاسلامية، المجلد الاول، العدد الثالث سنة ١٣٩٧ھ۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ رائے ارشادِ نبوی "صوموا الرؤیته وافطروا الرؤیته"[1] یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی افطار کرو کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ عقلِ سلیم کے بھی خلاف ہے، اس لیے کہ وحدتِ عید کا مسئلہ اصل میں اس بنیاد سے پیدا ہوتا ہے کہ عید کو ایک تہوار یا ملکی تقریب یا قومی ڈے قرار دیا جائے، مگر یہ انتہائی غلط سوچ ہے، اس لیے کہ ہماری عیدین، رمضان اور محرم کوئی تہوار نہیں، بلکہ سب کی سب عبادات ہیں، نیز اوقات کا ہر ملک ہر خطہ میں وہاں کے افق کے اعتبار سے مختلف ہونا لازمی ہے، ہم اپنے ملک میں جس وقت عصر کی نماز پڑھتے ہیں، اس وقت واشنگٹن میں صبح ہوتی ہے، جس وقت ہم ظہر کی نماز ادا کرتے ہیں، اس وقت لندن میں مغرب کی نماز ہوچکی ہوتی ہے، نیز ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ملک میں جمعہ کا دن ہوتا ہے تو دوسرے میں ابھی جمعرات ہے اور تیسرے میں سنیچر کا دن شروع ہوچکا ہے، ان حالات میں کسی ایک دن میں پوری دنیاوالوں کے عید منانے کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے۔

الغرض ان تنقیدات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب بہت سے مسائل میں اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد سے ہٹے ہوئے ہیں، قرآن و حدیث کی تشریح میں لغتِ عرب اور سلف سے منقول تفاسیر کو نظر انداز کرکے عقلِ خام کی مدد سے تفسیر کرکے، تحریف معنوی کے شکار ہیں، نیز وہ (ڈاکٹر صاحب) علومِ شرعیہ اور مقاصد شریعت سے گہری واقفیت نہ ہونے کے باوجود کسی امام کی تقلید نہیں کرتے بلکہ الٹے وہ ائمہ مجتہدین پر تنقید کرتے ہیں؛ اس لیے ان (ڈاکٹر صاحب) کی باتیں ہر گز قابل اعتبار نہیں، ان کے پروگرام کو دیکھنا، ان کے بیانات سننا اور بلا تحقیق ان پر عمل کرنا سخت مضر ہے، اور چونکہ واقعی تحقیق کرنا ہر کس وناکس کی بات نہیں،

---

[1] ۔ أخرجه النسائي 136/4 من طريق ابن علية، وأخرجه البيهقي 207/4 من طريق عبد الله بن بكر، عن حاتم، به. وأخرجه الطيالسي (2671)، وابن أبي شيبة 20/3۔

اس لیے ان کے پروگرام سے عامۃ المسلمین کو احتراز کرنا ضروری ہے۔

نیز ہر مؤمن کو یہ بات ہمیشہ مستحضر رکھنا چاہیے کہ دین کا معاملہ، جو ایک حساس معاملہ ہے، انسان دین کی باتیں سنتا اوران پر عمل کرتا ہے، صرف آخرت میں نجات پانے کے لیے، اس میں صرف نئی نئی تحقیق، برجستہ جوابات، حوالوں کی کثرت اور لوگوں میں بہ ظاہر مقبولیت دیکھ کر، بلا تحقیق کسی بات پر ہرگز عمل نہیں کرنا چاہیے؛ بلکہ انسان پر ضروری ہے کہ وہ غور کرلے کہ وہ آدمی دینی علوم میں کیا اہلیت رکھتا ہے؟ کن اساتذہ سے علم حاصل کیا ہے؟ کس ماحول میں اس کی پرورش ہوئی، اس کی وضع قطع، لباس، ہیئت دیگر علما وصلحا سے میل کھاتی ہے یا نہیں؟ نیز معاصر قابل اعتماد علما اور مشائخ کی اس شخص کے بارے میں کیارائے ہے؟ اسی طرح یہ بھی دیکھ لیناضروری ہے کہ اس سے متأثر ہونے والوں اور اس کے گرد جمع ہونے والوں میں صحیح دینی شعور رکھنے والے کتنے ہیں اور دینی خدمات سے وابستہ معتبر لوگ کس حد تک؟ اگر کچھ متعبر لوگ قریب ہیں تو ان سے معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ اس کی نوعیت کیا ہے؟ اور وہ کیوں قریب ہیں؟ ایسا تو نہیں کہ کسی غلط فہمی، معلومات کی کمی یا کسی مصلحتِ مزعومہ کے تحت وہ قریب دکھائی دے رہے ہوں؟ حاصل یہ ہے کہ ان تمام باتوں کی تحقیق کے بعد اگر اطمینان ہو جائے، تبھی دینی معاملے میں اس کی باتیں قابل اعبار اور لائق عمل ٹھہریں گی، ورنہ اس سے دور رہنے ہی میں ایمان کی سلامتی ہے، مشہور تابعی محمد بن سیرین کا مقولہ:

"ان هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم"۔ [1]

یعنی دین کی باتوں کو سننے اور سیکھنے کے لیے ضروری ہےہیکہ خوب غور کرلو کہ کیسے لوگوں سے علم

---

[1] - بذل المجهود فى حل سنن ابى داؤد، 71/1، ط، مركز الشيخ أبي الحسن الندوي للبحوث والدراسات الإسلامية، الهند۔

حاصل کر رہے ہو اور دین سیکھ رہے ہو۔

گو فکر خداداد سے روشن ہے زمانہ

آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد

ڈاکٹر صاحب کے مزید افکار و نظریات

اس وقت ڈاکٹر ذاکر نائیک نے اجماع امت سے ہٹ کر دین کی جو نئی تعبیریں پیش کی ہیں اس کی اجمالی طور پر چند مزید مثالیں پیش خدمت ہیں چونکہ اس کتاب میں اختصار پیش نظر ہے اس وجہ سے اگر ان مسائل کی تفصیل دیکھنی ہو تو کتب فقہ و فتاویٰ کی طرف رجوع فرمائیں۔

1۔ڈاکٹر ذاکر نائیک کا خیال یہ ہے کہ سلف کے طریق سے ہٹ کر دین کی جدید تشریح کی ضرورت ہے۔

2۔ائمہ اربعہ کی تقلید (جس پر پوری امت متفق چلی آرہی ہے) امت کی گم راہی کی اصل بنیاد ہے۔

3۔ننگے سر نماز پڑھنا جائز ہے (یہ بے ادبی کا انداز ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ پگڑی پہنتے تھے)۔

4۔گاؤں میں جمعہ جائز ہے (نماز جمعہ صرف شہر میں ہونے کا حکم حدیث میں ہے)۔

5۔ڈاکٹر صاحب کے نزدیک مدت اقامت صرف پانچ، چھے دن ہے (جب کہ حدیث میں پندرہ دن کا ذکر ہے)۔

6۔ان کے ہاں تراویح آٹھ رکعت ہے (جب کہ بیس رکعت پر پوری امت کا اجماع ہے)۔

7۔عورت کے چہرے کا پردہ ضروری نہیں (حالانکہ سیدہ عائشہ ؓ اور دیگر ازواج مطہرات کا مردوں کے سامنے سے گزرتے ہوئے چہرے کا پردہ کرنا حدیث سے ثابت ہے)۔

8۔چند مواقع کے علاوہ ہر جگہ ایک عورت کی گواہی معتبر ہے (یہ قرآن حکیم کے حکم کی صاف مخالفت ہے)۔

9۔آنحضرت ﷺ نے متعدد شادیاں سیاسی مفادات کی خاطر کیں (جب کہ پیغمبر اسلام ﷺ

کے تمام نکاح اللہ کے حکم سے ہوئے، ان میں بہت سی دینی حکمتیں تھیں، نہ کہ سیاسی مفادات)۔

10۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک کے نزدیک مچھلی کے علاوہ دریا کے کیڑے مکوڑے بھی حلال ہیں (جب کہ حدیث میں صرف مچھلی کی حلت کا ذکر ہے اور مچھلی کی تمام قسمیں حلال ہیں۔ مچھلی وہ ہے جس میں ریڑھ کی ہڈی ہو، سانس لینے کے گل پھڑے ہوں اور تیرنے کے لیے پر ہوں، جب کہ کیکڑے میں یہ تینوں چیزیں نہیں ہوتیں)۔

11۔ ڈاکٹر ذاکر کے ہاں مشینی ذبیحہ بھی حلال ہے (جب کہ ان کا نظریہ قرآن و سنت کے سراسر خلاف ہے)۔

12۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے منکر ہیں (جب کہ عقیدہ حیات صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کا اجماع ہے، صرف معتزلہ اور روافض اس کے منکر ہیں)۔

13۔ قرآن و صحیح حدیث میں وسیلہ کرنے کا ذکر نہیں (حالانکہ صحیح احادیث سے وسیلہ ثابت ہے)۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک کے مذکورہ نظریات دیکھنے کے لیے ان کی کتب: خطبات ذاکر نائیک، اسلام پر چالیس اعتراضات، اسلام اور عالمی اخوت، اسلام میں خواتین کے حقوق اور ٹی وی پروگرام "گفتگو" وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہر ایک کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

ڈاکٹر فرحت ہاشمی

فرحت ہاشمی سرگودھا پاکستان میں 22دسمبر 1957ء کو پیدا ہوئیں، پنجاب یونیورسٹی لاہور سے عربی زبان میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی اور اس کے بعد اپنی ڈاکٹریٹ کی سند گلاسگو یونیورسٹی اسکاٹ لینڈ سے لی، فرحت ہاشمی اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد کے اصول الدین شعبہ میں بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر لیکچرز دیتی رہیں، سن 1994ء میں انہوں نے الہدیٰ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ دنیا بھر میں خواتین کی دینی تعلیم وتربیت کی جائے،اب بھی ان کی مصروفیت بنیادی طور پر اسی ادارے سے زیادہ منسلک ہے۔

جدت پسند طبقہ اسلام اور سیکولرازم کے واضح فرق کو دانستہ یانادانستہ طور پر سمجھنے سے ہمیشہ ناکام رہاہے اور جو چیز اسلام میں وحی کے ذریعے سمجھائی گئی ہے اسے انہوں نے عقل کی بنیاد پر پرکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی ہے جس کا نتیجہ یہی نکلا کہ گمراہیوں کی گھاٹیوں میں سرگرداں رہے ہیں اور دین کی حقیقی روح کو سمجھنے سے قاصر ہوگئے، اسی طرح جدت پسندوں نے زمانہ کی تبدیلی کو بہانہ بنا کر بھی امت کو گمراہ کرنے کی کوشش ہے اور حلال وحرام، جائز وناجائز کے من گھڑت اصول و ضوابط بنانے کی بھی کوشش کی ہے ، اور علماء دین نے ہمیشہ ان فتنوں سے امت کو بچانے کی کوشش کی ہے ماضی کی طرح آج کے دور میں بھی ڈاکٹر فرحت ہاشمی اور اس جیسے اور جدت پسندوں نے نئی نسل کو بے راہ روی کی جو سوچ اور فکر دینے کی کوشش کی ہے اس کی چند ایک مثالیں ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

اجماع امت سے ہٹ کر نئی راہ اختیار کرنا

1۔ڈاکٹر فرحت ہاشمی کے نزدیک قضائے عمری سنت سے ثابت نہیں صرف توبہ کرلی جائے قضاء ادا کرنیکی ضرورت نہیں ہے۔

جب کہ جمہور علماء کے نزدیک نماز جان بوجھ کر یا نیند کی وجہ سے یا بھول جانے کی وجہ رہ گئی ہو تو ہر حال میں اس کی قضاء کرنا (لوٹانا) ضروری اور فرض ہے اور صرف توبہ سے اس کا گناہ معاف نہیں ہوتا ملاحظہ فرمائیں:

امام رازیؒ فرماتے ہیں:

اقم الصلوٰۃ حین تذکرھا ای انك اذا نسیت صلوٰۃ فاقضھا اذا ذکرتھا۔ [1]

یعنی جب نماز یاد آئے تو اس وقت اس کی قضاء کرلے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من نسی صلاته او نام عنها فکفارتها ان یصلیها اذا ذکرها ۔ [2]

یعنی جو شخص نماز ادا کرنا بھول گیا یا سو گیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ یاد آنے پر نماز قضا کرلے۔

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے:

من نسی صلوٰۃ فلیصلها اذا ذکرها لا کفارته لها الا ذلك واقم الصلاۃ لذکری ۔ [3]

یعنی جو شخص نماز نہ پڑھے تو اس کا کفارہ نہیں ہے مگر یہی پھر راوی نے دلیل کے طور پر آیت اقم الصلوۃ لذکری پڑھی.

اور امام ابن العربیؒ فرماتے ہیں:

---

[1] - التفسیر الکبیر للرازی ، 22/20 ،ط،دار احیاء التراث العربی۔

[2] ۔ صحیح مسلم : ج1 ص411 ۔

[3] - صحیح بخاری شریف ، باب من نسی صلوته فلیصل اذا ذکر ص84 نمبر 597۔ ابوداود شریف ، باب فی من نام عن صلوته او نسیها ص70 نمبر 435 ۔

قوله: من نام عن صلاة أو نسيها فليصلها إذا ذكرها يقتضي وجوب الصلاة على كل ذاكر إذا ذكر، سواء كان الذكر دائما، كالتارك لها عن علم، أو كان الذكر طارئا، كالتارك لها عن غفلة، وكل ناس تارك، إلا أنه قد يكون بقصد وبغير قصد، فمتى كان الذكر وجب الفعل دائما أو منقطعا. فافهموا هذه النكتة تريحوا أنفسكم من شغب المبتدعة، فما زالوا يزهدون الناس في الصلاة، حتى قالوا: إن من تركها متعمدا لا يلزمه قضاؤها۔ [1]

یعنی حدیث اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ یاد آنے والے کو جب یاد آئے تو اس کے ذمہ نماز کا ادا کرنا ضروری ہے خواہ یاد آنا دائمی ہو کہ نماز کو جان بوجھ کر چھوڑا ہو یا بغیر قصد اور ارادے کے چھوڑ دی یا بھول اور غفلت کی وجہ سے نماز رہ گئی ہو ہر حال میں یہ نماز کا تارک ہے اور اس کو لوٹانا ضروری ہے۔

اندازہ لگائیں یہ کس قدر گمراہی کی بات ہے کہ عوام میں عموماً پہلے سے ہی نماز میں سستی اور بے فکری موجود ہے پھر مزید انہیں چھوٹ دی جارہی کہ اس کی قضاء بھی ضروری نہیں ہے اس سے اور بھی زیادہ بے باک ہو کر نماز کی اہمیت ہی دل میں ختم ہو جاتی ہے اور یہی بات ذہن میں پختہ ہو جائے گی کہ اگر نماز نہ پڑھی تو بعد میں توبہ واستغفار سے معاف کرالیں گے (معاذ اللہ)

انسان پر ہر گناہ سے توبہ کرنا لازم ہے، اور اس میں شبہ نہیں کہ انسان جب گناہ سے سچی توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف کر دیتے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

"عن عبد الله رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: التائب

---

1 - احكام القرآن لابن العربي، 256/3، ط، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان

من الذنب كمن لا ذنب له "۔ [1]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے وہ جس نے گناہ نہیں کیا، لیکن اس کا یہ مطلب لینا کہ قضا نمازوں کو ادا کرنا ضروری نہیں، غلط ہے، قضا نمازوں کی ادائیگی بہر حال لازم ہے، البتہ وقت پر نماز نہ پڑھنے کا جو گناہ ہوا وہ سچی توبہ سے معاف ہو سکتا ہے۔

2۔ڈاکٹر صاحبہ تین طلاقوں کو ایک شمار کرتی ہیں۔

حالانکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنۢ بَعۡدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُۥ۔ [2]

مشہور صحابی اور مفسر قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اِنۡ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَلَا تَحِلُّ لَهُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُ۔ [3]

ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عَنِ ابۡنِ شِهَابٍ اَنَّ سَهۡلَ بۡنَ سَعۡدٍ السَّاعِدِیَّ اَخۡبَرَهُ...... قَالَ عُوَيۡمَرُ رضی اللہ عنہ كَذَبۡتُ عَلَيۡهَا يَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ! اِنۡ اَمۡسَكۡتُهَا فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا قَبۡلَ اَنۡ يَّاۡمُرَهُ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم (وَفِيۡ رِوَايَةِ اَبِيۡ دَاوٗدَ) قَالَ: فَطَلَّقَهَا

---

[1] ۔سنن ابن ماجه، باب ذکر التوبة، 1419/2، ط، دار احیاء کتب العربیة۔

[2] ۔ سورة البقرة آیت نمبر، 230۔

[3] ۔ السنن الکبری للبیهقی: ج7ص376 باب نکاح المطلقة ثلاثا۔

ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَانْفَذَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ [1]

حضرت سہل بن سعد الساعدی بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عویمر نے (جب اپنی بیوی سے لعان کیا تو حضور ﷺ کی موجودگی میں) کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ اگر اب بھی میں اس عورت کو اپنے گھر میں رکھوں تو گویا میں نے اس پر جھوٹا بہتان باندھا ہے یہ کہہ کر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے فرمانے سے پہلے ہی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں (سنن ابی داؤد میں ہے کہ) عویمر نے اپنی بیوی کو رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں تین طلاقیں دیں تو آپ ﷺ نے ان طلاقوں کو نافذ بھی کر دیا۔

فالكتاب والسنة وإجماع السلف توجب إيقاع الثلاث معا۔ [2]

کتاب وسنت اور اجماع سلف سے یہ ثابت ہے کہ تین طلاق اکٹھی واقع ہو جاتی ہیں۔

مَنْ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فَاَوْقَعَ كُلاًّ فِيْ وَقْتِ الطَّلَاقِ لَزِمَهُ مِنْ ذٰلِكَ.... فَخَاطَبَ عُمَرُ بِذٰلِكَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَفِيْهِمْ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمُ الَّذِيْنَ قَدْعَلِمُوْا مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذٰلِكَ فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يُنْكِرْهُ عَلَيْهِ مِنْهُمْ مُنْكِرٌ وَلَمْ يَدْفَعْهُ دَافِعٌ۔ [3]

جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اور طلاق دیتے وقت تینوں کو نافذ بھی کر دیا

---

[1] صحيح البخارى باب من اجاز طلاق الثلاث: 791/2، سنن ابي داؤدباب فى اللعان :324/1، صحيح مسلم كتاب اللعان :488/1، 489 ، سنن النسائى كتاب الطلاق باب بدء اللعان :107/2، جامع الترمذى ابواب الطلاق واللعان، باب ماجاء فى اللعان :226/1، 227۔

[2] - احكام القرآن للجصاص: ج1 ص527 ذكر الحجاج لايقاع الثلاث معاً۔

[3] - سنن الطحاوى ج2ص34 باب الرجل يطلق امرأته ثلاثاً معا، ونحوه فى مسلم ج1 ص477۔

(یعنی ایک ہی مجلس میں دے دیں) تو یہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں (دلیل اس کی حضرات صحابہ کا اجماع ہے) جب حضرت عمر نے تمام لوگوں کو اس چیز کے متعلق خطاب فرمایا (کہ تین طلاقیں تین ہی ہیں) اور ان مخاطبین میں صحابہ کرام بھی موجود تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اس معاملے سے بخوبی واقف تھے لیکن کسی نے بھی حضرت عمر کی اس بات کا انکار نہیں کیا۔

تو دیکھئے قرآن و سنت اور اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق تین ہی شمار ہوتی ہیں تفسیل کے لئے ماقبل میں ڈاکٹر ذاکر نائیک کے افکار و نظریات کی طرف مراجعت کریں۔

3۔ نفل نمازیں صلوٰۃ التسبیح، رمضان میں طاق راتوں خصوصاً 27 ویں شب میں اجتماعی عبادت کا اہتمام اور خواتین کے جمع ہونے پر زور دینا۔

یہ تمام چیزیں مستحبات میں سے ہیں اور مستحب کی تعریف یہ ہے کہ:

وهو مافعله النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرة وترکه اخری و ما احبه السلف۔ [1]

یعنی جس چیز پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی نہ فرمائی ہو بلکہ کبھی کبھار اسکو کیا ہو وہ مستحب ہے اسکے کرنے سے ثواب ملتاہے اور چھوڑنے پر کوئی گناہ نہیں ہے، اور کسی امر مستحب پر لزوم اور اسے چھوڑنا گناہ سمجھنا یا اس کی تعیین کرنا جبکہ شریعت نے تعیین نہ کی ہو تو جائز نہیں ہے اس لئے ڈاکٹر صاحبہ کا ان چیزوں پر زور دے کر لزوم کی حد تک ضروری سمجھنا درست نہیں ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

من اصر علی امر مندوب وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشیطان من الاضلال۔ [2]

---

1 ۔ ردالمختار : 76/1 طبع رشیدیہ۔

2 ۔ مرقاۃ المفاتیح لعلی القاری، کتاب الصلوٰۃ باب الدعاء عندالتشهد، 26/3، ط، دارالکتب العلمیه

علامہ ابو شامہ فرماتے ہیں:

لا ینبغی تخصیص العبادات باوقات لم یخص بہا الشرع ۔ [1]

لہذا ان چیزوں پر عمل کرنا لازم سمجھ کر جائز نہیں البتہ استحباب کو مد نظر رکھتے ہوئے عمل کرنا درست ہو گا۔

غیر مسلم، اسلام بیزار طاقتوں کے خیالات کی ہمنوائی

1۔ مولوی (عالم)، مدارس اور عربی زبان سے دور رہیں۔

ڈاکٹر صاحبہ کی یہ بات بالکل درست نہیں ہے کیونکہ علماء کی صحبت اختیار کرنا ضروری ہے کہ اس سے ایمان، علم اور عمل میں اضافہ ہوتا ہے جبکہ علماء سے دور رہنے والے معاذاللہ بعض اوقات دین سے ہی دور ہو جاتے ہیں، علم دین نہ سیکھنا اور علماء سے دور رہنا یہ کئی خاندانوں بلکہ قوموں کے زوال اور انکی ہلاکت کا سبب بنتا ہے جیسا کہ روایت میں آتا ہے حضرت ضرار بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ:

ان قوما ترکوا العلم و مجالست اھل العلم واتخذو محاریب فصاموا و صلوا حتی بلی جلد احدھم علی عظمہ و خالفوا السنہ فھلکوا، فلا والذی لا الہ غیرہ ما عمل عامل قط علی جھل الا کان ما یفسد اکثر مما یصلح۔ [2]

یعنی ایک قوم نے علم اور علم والوں کی مجلسوں کو چھوڑ دیا اور نمازیں پڑھیں اور روزے رکھے یہاں تک کہ ان کی کھالیں ان کے جسموں پر بوسیدہ ہو گئیں لیکن یہ سارا عمل اس حال میں تھا کہ انھوں

---

1 - الباعث علی انکار الحوادث ص148 ۔

2 - علم و علماء کی اہمیت صفحہ نمبر 84 مکتبہ اہل سنت۔

نے (علم نہ ہونے کی وجہ سے) سنت کی مخالفت کی پس وہ ہلاک وبرباد ہو گئے، فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے کوئی عمل کرنے والا کچھ عمل نہیں کرتا جہالت کی وجہ سے مگر یہ کہ اس کا فساد اس کی اصلاح سے زیادہ ہوتا ہے۔

2۔ علماء دین کو مشکل بناتے ہیں آپس میں لڑتے ہیں، عوام کو فقہی بحثوں میں الجھاتے ہیں، بلکہ ایک موقع پر تو فرمایا کہ اگر آپ کو کسی مسئلے میں صحیح حدیث نہ ملے تو ضعیف لے لیں لیکن علماء کی بات نہ لیں۔

یہ بھی ایک فتنہ پھیلانے کا نیا ڈھنگ ہے کہ سلف صالحین یعنی صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور متقدمین جمہور علماء کے فہم اسلام کو یکسر غلط قرار دینا، گویا نزولِ اسلام اور اس کے بعد کے قریب ترین زمانے میں ان جیسے بلند پایہ لوگ دین کو صحیح طور پر سمجھ نہ سکے، اور ان کے مقابلہ میں اپنی خود ساختہ غلط رائے اور ناقص فہم کو صحیح اور برحق سمجھنا اور اُسے عین قرآن وحدیث باور کرانا، یعنی اپنی تحریفات، ناقص آراء اور خواہش پرستی کو قرآن وحدیث کا نام دینا، اس طرح اُمت کی اجتماعیت میں افتراق وانتشار، فرقہ واریت اور تفرقہ بازی پیدا کرنا۔ واضح رہے کہ دین میں بلا شبہ کتاب وسنت اصل ہیں، اس کا کوئی منکر نہیں، مگر اس کے باوجود ہم نہ صحابہ کرامؓ کو یکسر نظر انداز کر سکتے ہیں اور نہ تابعینؒ وتبع تابعینؒ کو، اور نہ ائمہ دین، فقہاء اسلام اور محدثین کو۔ کتاب وسنت کا صحیح مفہوم معلوم کرنے کے لیے بہر حال ہمیں ان کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، ائمہ دین اور فقہاء اسلام یعنی امت کے جمہور نے دین کو جس طرح سمجھا ہے اور اس کے بارے میں جو ان کی رہنمائی ہے وہی اصل دین ہے۔ اس کے برعکس جو مفہوم و معنی ہم اپنی ناقص رائے سے متعین کریں گے وہ دین نہیں کہلائے گا، کیوں کہ جن واسطوں سے الفاظ ہم تک پہنچے ہیں اور ان کی حفاظت کا ہم اعتقاد رکھتے ہیں، ان الفاظ کے معانی کے لیے بھی ان

واسطوں پر اعتماد ضروری ہے۔ اسلاف سے ہٹ کر اگر ہم نے اپنی اپنی عقل سے دین کو سمجھنے کی کوشش کی تو دین ایک تماشا بن جائے گا۔

3۔ مدارس میں گرائمر، زبان سکھانے، فقہی نظریات پڑھانے میں بہت وقت ضائع کیا جاتا ہے، قوم کو عربی زبان سیکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ لوگوں کو قرآن صرف ترجمہ سے پڑھا دیا جائے، ایک موقع پر کہا (ان مدارس میں جو 7,7,8,8 سال کے کورس کرائے جاتے ہیں یہ دین کی روح کو پیدا نہیں کرتے ہیں) اشارہ درس نظامی کی طرف ہے۔

جس طرح ایک انسان اپنی زندگی کی بقا کے لیے خوراک اور پوشاک کو ضروری خیال کرتا ہے، اسی طرح ایک حقیقی مسلمان اپنی اسلامی شناخت، تہذیبی خصوصیات اور معاشرتی امتیازات سے وابستگی اور اپنے ملی وجود کی حفاظت کو اس سے کہیں بڑھ کر اہمیت دیتا ہے، وہ کسی دام پر اپنے ملی تشخص اور اپنے امتیازات و شعائر سے دستبردار نہیں ہو سکتا، چونکہ خوراک سے پیٹ اور پوشاک سے جسم کی حفاظت تو ہو سکتی ہے، لیکن ایک حقیقی مسلمان کے پاس اس کے پیٹ اور جسم کے ان تقاضوں اور ان مادی ضرورتوں کے علاوہ بھی ایک اہم چیز اور بھی ہے، وہ ہے اس کا دین اور ایمان اور یہ دین و ایمان مدرسہ ہی کی وجہ سے محفوظ ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ ان مدارس کے بارے میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

> اس وقت مدارسِ علوم دینیہ کا وجود مسلمانوں کے لیے ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں، دنیا میں اگر اسلام کے بقاء کی کوئی صورت ہے تو یہ مدارس ہیں۔[1]

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ یوں فرماتے ہیں:

> یہی کہفی مدارس تھے (علماء اور طلباء کے نسبت مولانا کی خصوصی اصطلاح) جنہوں

---

1 ۔ حقوق العلم: ص51۔

نے مسلمانوں کے ایک طبقہ کو خواہ ان کی تعداد جتنی بھی کم ہے، اعتقادی واخلاقی گندگیوں سے پاک رکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔[1]

یہ ایسی واضح اور روشن حقیقت ہے کہ جس کا معاشرے کے حقیقی احوال سے ناواقفیت یا ایسا شخص ہی منکر ہو سکتا ہے جس نے جان بوجھ کر ان احوال سے آگہی کے باوجود اس سے آنکھیں موند لینے کی ٹھان لی ہو کہ دین کا بقاء وتحفظ، اسلامی اقدار وروایات کی پاس وحرمت، مسلمانوں کی اپنی شریعت کے ساتھ سچی وابستگی وعقیدت اور پورے معاشرے کے اصلاح ودرستگی کا اگر کوئی کام انجام دے رہے ہیں تو یہی مدارس ہیں۔

3۔ وحید الدین خان کی کتابیں طالب علموں کی تربیت کیلئے بہترین ہیں نصاب میں بھی شامل ہیں اور اسٹالز پر بھی رکھی جاتی ہیں، کسی نے احساس دلایا کہ ان کے بارے میں علماء کرام کی رائے کیا ہے تو کہا کہ حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے۔

حالانکہ وحید الدین خان صاحب کے افکار و نظریات جمہور امت مسلمہ سے ہٹ کر ہیں اور بدیہی تفاوت ان کے درمیان موجود ہے جسے ایک دین دار معقولیت پسند آدمی کبھی قبول نہیں کر سکتا اس کی تفصیل "وحید الدین خان" کے افکار و نظریات میں ہم مفصل ذکر کر چکے ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

تلبیس حق وباطل

1۔ تقلید شرک ہے (لیکن کونسی بر حق ہے اور کس وقت غلط ہے یہ کبھی نہیں بتایا)۔

قرآن وسنت کے احکام دو قسم کے ہیں:

پہلی قسم ان احکام کی ہے جن کو ہر عربی دان سمجھ سکتا ہے، جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے: (تم ایک

---

[1] - الفرقان، افاداتِ گیلانی: نمبر 188 بحوالہ فتاوی رحیمیہ 1/ 49۔

دوسرے کی غیبت مت کرو)،اس طرح کی کئی آیتیں ہیں جو وعد و وعید اور اصولی مضامین کے مضامین پر مشتمل ہیں۔

دوسرے قسم میں وہ احکام ہیں جن کے مفہوم و معانی تک ہر کس و ناکس نہیں پہنچ سکتا، مثلًا اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: (طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین قروء تک روکے رکھیں گی)، لفظ "قروء" حیض اور طہر دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے، اس آیت میں اس لفظ کا معنی کیا ہے؟ کوئی ایک معنی مراد لینے کی صورت میں کئی احکام میں تبدیلی واقع ہو گی، یہ تعیین مجتہد کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا، قرآن کریم اور احادیثِ مبارکہ میں اس طرح کی کئی مثالیں موجود ہیں، اسی طرح احادیثِ مبارکہ کے مجموعے میں بعض احادیث ظاہری طور پر ایک دوسرے کی مخالف اور متعارض ہیں، ان میں تطبیق (جوڑ) یا ترجیح (ایک کو لے کر دوسرے کو دلیل کی بنا پر چھوڑ دینے) کی کیا صورت ہو گی؟ یہ کام بھی ہر ایک کے بس کا نہیں اس لئے ان جیسے مسائل میں مجتہد کے قول پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ تقلید کے متعلق سر سید احمد خان کے عقائد و نظریات کے تحت بحث درج ہے وہاں ملاحظہ فرمائی جائے۔

2۔ فقہی اختلافات کے ذریعہ دین میں شکوک و شبہات پیدا کرنا اور ایک دوسرے مقام پر کیتہ ہیں: ایمان، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، کے بنیادی فرائض، سنتیں، مستحبات، مکروہات سکھانے سے زیادہ اختلافی مسائل میں الجھایا گیا (پروپیگنڈا ہے کہ کسی تعصب کا شکار نہیں اور صحیح حدیث کو پھیلا رہے ہیں۔

یہ بات پیشِ نظر رہے کہ شریعت کی اصولی اور بنیادی تعلیمات بالکل واضح اور دوٹوک ہیں، اس میں کسی قسم کی پیچیدگی اور جھول نہیں پایا جاتا، جن میں توحید و رسالت کا اقرار، عقائد اور امورِ آخرت سے متعلق چیزیں اور دین کی وہ بنیادی باتیں شامل ہیں جو قطعی دلائل سے ثابت ہیں، ان

امور کا انکار یا ان سے سرِ مو انحراف بسا اوقات انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر کے کفر و شرک کے حدود میں داخل کر دیتا ہے، یہ منصوص احکام کہلاتے ہیں، بعض دوسرے احکامات وہ ہیں جو شریعت کی جزوی تفصیلات اور فقہاء کی تحقیقات و تدقیقات سے تعلق رکھتے ہیں جنھیں شریعت کی اصطلاح میں "امورِ مجتہد فیہا" کہا جاتا ہے، یہ غیر منصوص احکام کہلاتے ہیں، ان فروعی مسائل میں فقہاء کے مابین اختلاف ہوا ہے، اگر اس طرح کا علمی و فقہی اختلاف کسی مستند و معتبر دلیل پر مبنی ہو تو یہ بجائے خود محمود و مطلوب ہے اور شریعت کا ایک حصہ ہے۔

فقہاء کے درمیان ان جزوی مسائل میں اختلاف اس وجہ سے واقع ہوا کہ شریعت نے اپنے بڑے حصہ میں جزوی اور متعینہ احکام دینے کے بجائے محض اصولی ہدایات دی ہیں، تاکہ ہر دور کے حالات اور ضروریات اور عرف ورواج کے مطابق عمل کی مختلف شکلیں وجود میں آسکیں اور اس نے اپنے احکام میں ایسی کشائش و گنجائش رکھی ہے کہ ایک ہی عمل کو مختلف شکل میں انجام دیا جاسکے اور امت ضرورت کے وقت عمل کی جس شکل کو چاہے اختیار کرے، یہ اس طرح ہوا ہے کہ شریعت نے ایک حکم کو بتانے کے لیے کبھی ایسے لفظ کا استعمال کیا ہے جو مختلف معانی کا محتمل ہوتا ہے، جس میں ہر مجتہد اپنی فہم کی بنیاد پر ایک معنی متعین کرتا ہے، معانی کے اس اختلاف سے عمل کی مختلف شکلیں وجود میں آتی ہیں، اس طرح سے فقہاء کے مابین نقطۂ نظر کا اختلاف ہو جاتا ہے، کبھی یوں ہوتا ہے کہ حکم تو نص میں صراحت کے ساتھ موجود ہوتا ہے، اس کے تعلق سے ائمہ کے درمیان اتفاق بھی پایا جاتا ہے، البتہ اس حکم کے سبب اور علت کی تلاش و جستجو میں ہر فقیہ نے دلائل و شواہد کی روشنی میں الگ راہ اپنائی ہوتی ہے۔

فقہاء کے مابین فروعی مسائل میں جو اختلاف واقع ہوا ہے، اس کے تعلق سے قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ ان کے درمیان یہ اختلاف جائز و ناجائز اور حق و باطل کا ہے؟ یا اس اختلاف کی نوعیت محض

اولیٰ، غیر اولیٰ اور راجح، مرجوح کی ہے، جب اکثر مسائل میں فقہاء کے مابین اس اختلاف کی حقیقت وحیثیت کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات واشگاف ہوتی ہے کہ اس اختلاف کی حیثیت افضل، غیر افضل راجح اور مرجوح سے زیادہ نہیں ہے، شاذ و نادر اور بہت ہی کم مسائل میں اس قسم کا اختلاف واقع ہوا ہے، اس اختلاف کی حقیقت و نوعیت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ رقم طراز ہیں:

> فقہاء کے مابین اختلاف کی بیشتر صورتیں، بالخصوص وہ مسائل جن میں صحابہ ؓ کے اقوال دونوں جانب ہیں جیسے تکبیراتِ تشریق، تکبیراتِ عیدین اور احرام والے کا نکاح، ابن عباس اور ابن مسعود کا تشہد، آہستہ اور جہر کے ساتھ بسم اللہ پڑھنا، آمین کہنا، اقامت کو جفت اور طاق کہنا اور اس کے مانند دیگر مسائل میں یہ اختلاف دو باتوں میں سے بہتر بات میں تھا، نفسِ مشروعیت میں ان کے مابین بالکل اختلاف نہ تھا۔(1)

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اس توضیح وتصریح کی روشنی میں اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فقہاءِ مذاہب کے مابین اس اختلاف کا درجہ راجح، مرجوح، افضل اور غیر افضل سے بڑھ کر نہیں ہے لیکن ڈاکٹر صاحبہ بھی ذرا وضاحت فرمادیں کہ وہ امت کو ان فقہاء سے متنفر کر کے کس سمت لے جانا چاہتی ہیں اگر فقہاء کا اختلاف برداشت کے قابل نہیں تو جمہور سے آپ کا اختلاف کیا حیثیت رکھتا ہے؟

3۔ نماز کے اختلافی مسائل رفع یدین فاتحہ خلف الامام ،ایک وتر ،عورتوں،کو مسجد جانے کی ترغیب، عورتوں کی جماعت ان سب پر صحیح حدیث کے حوالہ سے زور دیا جاتا ہے۔

---

1 - حجۃ اللہ البالغۃ بحوالہ رحمۃ اللہ الواسعۃ:2/170۔

ان مسائل میں جہاں تک مجتہدین میں اختلاف ہوا ہے تو اختلاف مجتہدین کی تفصیل ابھی ہم نے بیان کی ہے اور اگر غیر مقلدین کے ساتھ اختلاف مراد ہے تو اس اختلاف کی نوعیت اور اختلاف مجتہدین کی نوعیت بالکل مختلف ہے انہوں نے علمی نوعیت کے اختلاف کو بالائے طاق رکھ کر فریق مخالف کو قرآن وحدیث کا منکر قرار دیا ہے، اور موجودہ دور میں غیر مقلدین حضرات اپنے آپ کو سب سے زیادہ صحیح العقائد موحد اور حق پرست سمجھتے ہیں اور اپنے سوا سب کو فاسد العقائد مشرک اور گمراہ سمجھتے ہیں، تو ان کی طرف داری میں اگر مذکورہ مسائل پر ڈاکٹر صاحبہ زور دیتی ہیں تو صریح گمراہی میں مبتلا ہو چکی ہیں۔

آسان دین

1۔ دین مشکل نہیں، مولویوں نے مشکل بنا دیا ہے، دین کا کوئی مسئلہ کسی بھی امام سے لے لیں اس سے بھی ہم دین کے دائرے میں ہی رہتے ہیں۔

اس کی تفصیل "غیر مسلم، اسلام بیزار طاقتوں کے خیالات کی ہمنوائی" کے عنوان کے تحت مذکور ہو چکی ہے۔

2۔ حدیث میں آتا ہے کہ آسانی پیدا کرو تنگی نہ کرو، لہذا جس امام کی رائے آسان معلوم ہو وہ لے لیں۔

اس بارے میں یہ بات واضح رہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر مکمل طور پر بسہولت عمل کرنے کے لیے چاروں اماموں میں سے کسی ایک امام کی تقلید و پیروی کرنا شرعاً ضروری ہے، اس لیے کہ تکوینی طور پر اللہ رب العزت نے دین فہمی و نصوصِ شرعیہ سے استنباطِ مسائل کا جو ملکہ ان حضرات کو عطا کیا تھا وہ ان کے بعد والوں میں سے کسی کو حاصل نہ ہوا، اور ان حضرات کے مذاہب و مسالک کو جو قبولیتِ عامہ حاصل ہوئی وہ کسی اور مجتہد عالم کو حاصل نہ

ہوئی، یہی وجہ ہے کہ ان ائمہ فقہ کے مقلدین میں بڑے بڑے محدثین کے نام ملتے ہیں جو احادیث سے مسائل استنباط کرنے میں اور ان پر عمل کرنے میں ان چار ائمہ فقہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرتے تھے اور ان حضرات فقہاءِ کرام کے مقلدین ساری دنیا میں موجود ہیں اور تعلیمِ دین اور دین پر صحیح طریقہ پر عمل کرنے میں مصروف ہیں؛ پس ان ائمہ فقہ میں سے کسی ایک کی بھی تقلید نہ کرنا اور اپنے آپ کو قرآن وحدیث خود سے آزادانہ طور پر مسائل سمجھنے اور ان سے مسائل استنباط کرنے کے قابل سمجھنا سمجھی، خودپسندی اور کم علمی کی دلیل ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسے افراد عموماً بعض روایات کو سامنے رکھ کر بقیہ نصوصِ شرعیہ کو پس پشت ڈال کر ایسے ایسے مسائل بیان کرتے ہیں جو اجماعِ صحابہ واجماعِ امت کے صریح خلاف ہوتے ہیں۔

"العقد الجید" میں ہے:

"ولما اندرست المذاهب الحقة إلا هذه الأربعة كان اتباعاً للسواد الاعظم، و الخروج عنها خروجاً عن السواد الأعظم"۔[1]

"اورخلاصة التحقيق في بيان حكم التقليد و التلفيق" میں ہے:

"أما تقليد مذهب من مذاهبهم (أي من مذاهب المتقدمين من الصحابة و التابعين) الآن غير المذاهب الأربعة فلايجوز، لا لنقصان في مذهبهم و رجحان المذاهب الأربعة عليهم، لأن فيهم الخلفاء المفضلين علي جميع الأمة بل لعدم تدوين مذاهبهم و عدم معرفتنا الآن بشروطها و قيودها و عدم وصول ذلك إلينا بطريق التواتر،

---

1 - العقد الجید، ص38۔

حتي لو وصل إلينا شيء من ذلك كذلك جاز لنا تقليده لكنه لم يصل كذلك"۔ [1]

اور چاروں ائمہ میں سے کسی ایک امام کی پیروی اس لئے ضروری ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو ہر شخص اپنے نفس کی پیروی کرے گا اور جب دل چاہے گا جس امام کا مسئلہ آسان اور نفس کی خواہش کے مطابق اسے محسوس ہو گا اس پر عمل کرلے گا اور یہ شریعتِ مطہرہ کا مذاق اڑانا ہے کیونکہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ بعض ائمّہ کے نزدیک حلال اور وہی مسائل بعض ائمّہ کے نزدیک حرام ہیں اور یہ نفس کا پیروکار صبح ایک امام کی پیروی کرتے ہوئے ایک مسئلہ کو حرام سمجھ کر اس لئے عمل نہ کرے گا کہ اس میں اس کے نفس کا مفاد نہیں ہے اور جب شام کو بلکہ اسی لمحے اس میں اپنا مفاد نظر آئے گا تو دوسرے امام کا مذہب اختیار کرتے ہوئے اسی مسئلہ کو اپنے لئے حلال کرلے گا اور اس طرح فقط خواہشِ نفس کی بنیاد پر احکامِ شرعیہ کو کھیل بنا کر پامال کرتا پھرے گا اس لئے انسان کو خواہشِ نفس پر عمل کرنے کے بجائے دین وشریعت پر عمل کرنے کیلئے کسی ایک امام مجتہد کا مُقلّد ہونا ضروری ہے ورنہ وہ فلاح وہدایت ہرگز نہ پاسکے گا۔

اس کو ایک دُنیاوی مثال سے یوں سمجھیں کہ اگر کسی منزل پر پہنچنے کے مختلف راستے ہوں تو منزل پر وہی شخص پہنچے گا جو ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرے اور جو کبھی ایک راستہ پر چلے، کبھی دوسرے راستہ پر، پھر تیسرے پر پھر چوتھے پر تو ایسا شخص راستہ ہی ناپتارہ جائے گا کبھی منزل تک نہیں پہنچ سکے گا یہی حال اس شخص کا ہو گا جو کسی ایک امام کی تقلید کا دامن نہ

---

[1] - خلاصة التحقيق في بيان حكم التقليد و التلفيق، ص 3۔

تھام لے بلکہ کسی مسئلہ میں کبھی کسی امام کی پیروی کرے اور کبھی دوسرے کی، پھر تیسرے کی پھر چوتھے کی تو وہ منزلِ آخرت جو کہ جنّت ہے اس تک نہیں پہنچ سکے گا بلکہ خواہشِ نفس کی خاطر راستہ ناپتا ہی رہ جائے گا اور راہِ منزل سے گم ہو کر گمراہی و اندھیرے میں جا پڑے گا۔

یٰسین کی تلاوت اور نوافل کا انکار

"روزانہ یٰسین پڑھنا صحیح حدیث سے ثابت نہیں، نوافل میں اصل صرف چاشت اور تہجد ہے، اشراق اور اوابین کی کوئی حیثیت نہیں"

ڈاکٹر صاحبہ یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں دن کے اول وقت میں سورۃ یسین پڑھنے سے پورے دن کی حاجات پوری ہوتی ہیں حدیث ملاحظہ فرمائیں:

حدثنا الوليد بن شجاع، حدثني أبي، حدثني زياد بن خيثمة، عن محمد بن جحادة، عن عطاء بن أبي رباح، قال: بلغني أن رسول الله ﷺ قال: "من قرأ يس في صدر النهار، قضيت حوائجه"۔ [1]

والحديث ذكره الحافظ في "الإتحاف" 16/ 579 (21072) وعزاه للدارمي بهذا الإسنادالإسناد۔

وقال المباركفوري في "مرعاة المفاتيح" (7/ 253) (رواه الدارمي مرسلاً) رجال إسناده ثقات إلا شجاع بن الوليد بن قيس السكوني وهو صدوق ورع له أوهام كذا في التقريب وفي الباب عن ابن عباس عند أبي الشيخ بلفظ: من قرأ يس ليلة ضعف على غيرها من القرآن عشراً، ومن

---

1 - سنن الدارمي (4/ 2150) كتاب فضائل القرآن / باب في فضل يسين۔

قرأها في صدر النهار وقدمها بين يدي حاجته قضيت.

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے بلاغا روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے دن کے ابتدائی حصہ میں سورۃ یسین تلاوت کرلی تو اس کی ضروریات اور حاجتیں پوری ہوں گیں۔

اس حدیث کو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے" إتحاف المهرة "میں سنن دارمی کے حوالے سے ذکر فرمایاہے اور" مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح "میں ہے کہ اس حدیث کی سند میں موجود راوی ثقہ ہیں۔

اسی طرح اشراق اور اوابین بھی حدیث سے ثابت ہیں ملاحظہ فرمائیں:

اشراق کی نماز طلوع آفتاب کے تقریباًبارہ منٹ بعد کم از کم دو رکعت ہیں. جیسا کہ حدیث شریف میں آتاہے:

"عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى الغداة في جماعة ثم قعد يذكر الله حتى تطلع الشمس، ثم صلى ركعتين كانت له كأجر حجة وعمرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تامة تامة تامة"۔ [1]

یعنی جو شخص فجر کی نماز جماعت سے ادا کرے پھر اپنی جگہ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے، پھر اس کے بعد دو رکعت پڑھے تو اس کو کامل حج وعمرہ کا ثواب ملے گا۔

اور اسی طرح اوابین کی نماز مغرب کے بعد چھ رکعات دو، دو کر کے پڑھنا بھی ثابت ہے جیسا کہ

---

[1] - سنن الترمذي ت بشار، 1/ 727۔

ترمذی میں روایت ہے:

"عن أبي سلمة، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم فيما بينهن بسوء عدلن له بعبادة ثنتي عشرة سنةً"۔ [1]

جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ: جو شخص نماز مغرب کے بعد چھ رکعات (اوابین کی نماز) پڑھے گا، اور ان کے درمیان کوئی غلط بات زبان سے نہ نکالے گا تو یہ چھ رکعات ثواب میں اس کے لیے بارہ سال کی عبادت کے برابر قرار پائیں گے۔

عورتوں کو بال کٹانا جائز ہے

"دین آسان ہے، بال کٹوانے کی کوئی ممانعت نہیں، امہات المؤمنین میں سے ایک کے بال کٹے ہوئے تھے"

واضح رہے کہ عورت کے لئے کسی بھی درجہ میں مردانہ مشابہت اختیار کرنے کی صورت میں حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کی لعنت وارد ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ، وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ۔ [2]

عن ابن عباس، عن النبي صلى الله عليه وسلم: أنه لعن المتشبهات من النساء بالرجال، والمتشبهين من الرجال بالنساء۔ [3]

---

1 - سنن الترمذي ت شاكر، 2/ 299۔

2 - صحيح البخاري، 7/ 159۔

3 - سنن أبي داود، 4/ 60۔

عن ابن عباس: أن رسول الله ﷺ، لعن الواصلة والموصولة، والمتشبهين من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال۔ [1]

وَإِذَا حَلَقَتْ الْمَرْأَةُ شَعْرَ رَأْسِهَا فَإِنْ كَانَ لِوَجَعٍ أَصَابَهَا فَلَا بَأْسَ بِهِ وَإِنْ حَلَقَتْ تُشْبِهُ الرِّجَالَ فَهُوَ مَكْرُوهٌ وَإِذَا وَصَلَتْ شَعْرَهَا بِشَعْرِ غَيْرِهَا فَهُوَ مَكْرُوهٌ وَاخْتَلَفُوا فِي جَوَازِ الصَّلَاةِ مِنْهَا فِي هَذِهِ، وَالْمُخْتَارُ أَنَّهُ يَجُوزُ۔ [2]

وَلَوْ حَلَقَتْ الْمَرْأَةُ رَأْسَهَا فَإِنْ فَعَلَتْ لِوَجَعٍ أَصَابَهَا لَا بَأْسَ بِهِ وَإِنْ فَعَلَتْ ذَلِكَ تَشَبُّهًا بِالرَّجُلِ فَهُوَ مَكْرُوهٌ كَذَا فِي الْكُبْرَى۔ [3]

اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔

اور عورتوں کے بال کاٹنا بھی اسی زمرہ میں آتا ہے نیز اس میں کفار اور فاحشہ عورتوں سے مماثلت ومشابہت ہے جس کی احادیثِ شریفہ میں ممانعت وارد ہوئی ہے اس لئے عورتوں کے لئے بال کٹوانا کترواناخواہ سر کے کسی بھی حصہ کے ہوں ناجائز اور حرام ہیں۔

وَفِيهِ: قَطَعَتْ شَعْرَ رَأْسِهَا أَثِمَتْ وَلُعِنَتْ زَادَ فِي الْبَزَّازِيَّةِ وَإِنْ بِإِذْنِ الزَّوْجِ لِأَنَّهُ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ، وَلِذَا يَحْرُمُ عَلَى الرَّجُلِ قَطْعُ لِحْيَتِهِ، وَالْمَعْنَى الْمُؤَثِّرُ التَّشَبُّهُ بِالرِّجَالِ.(قَوْلُهُ وَالْمَعْنَى الْمُؤَثِّرُ) أَيْ الْعِلَّةُ الْمُؤَثِّرَةُ فِي إثْمِهَا التَّشَبُّهُ بِالرِّجَالِ فَإِنَّهُ لَا يَجُوزُ كَالتَّشَبُّهِ بِالنِّسَاءِ حَتَّى

---

1 - مسند أحمد ،4/123۔

2 - البحر الرائق شرح كنز الدقائق ومنحة الخالق وتكملة الطوري ،8/233۔

3 - الفتاوى الهندية ،5/358۔

قَالَ فِي الْمُجْتَبٰى رَامِزًا: يُكْرَهُ غَزْلُ الرَّجُلِ عَلَى هَيْئَةِ غَزْلِ النِّسَاءِ۔ [1]

لہٰذا جو لوگ اس کو جائز سمجھتے ہیں وہ شرعاً غلطی پر ہیں ان کا موقف صحیح نہیں ہے، باقی جہاں تک ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے فعل کے حوالہ کا معاملہ ہے تو یہ استدلال اصولِ حدیث کے قواعد کی رو سے کئی وجوہات کی بناء پر مخدوش ہے اس لئے یہ استدلال باطل ہے درست نہیں ہے۔

حکیم الامت مجدد دین وملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے اس کی وجوہات تحریر فرمائی ہیں جو بعینہ سطورِ ذیل میں نقل کی جاتی ہیں، ارشاد فرماتے ہیں:

اس وضع مسوئل عنہ کی حرمت پر دلائلِ صحیحہ قائم ہیں اور جواز کی دلیل میں چند احتمالات ہیں اس لئے حرمت ثابت اور جواز پر استدلال فاسد، امر اوّل کا بیان یہ ہے کہ مبنی اس وضع کا تشبہ بالنساء الکفار ہے جو اہلِ وضع کو مقصود بھی ہے اور اس میں تشبہ بالرجال بھی ہے گو ان کو مقصود نہ ہو اور اطلاقِ دلائل سے یہ تشبہ ہر حال میں حرام ہے خواہ اس کا قصد ہو یا نہ ہو اور علاوہ تشبہ کے منع پر اور دلائل بھی قائم ہیں۔

اور امر ثانی کا بیان یہ ہے کہ اولاً راوی نے اپنا مشاہدہ بیان نہیں کیا اور گو راوی حضرت عائشہؓ کے محرم ہیں مگر نہ الفاظِ حدیث شمول لعائشہ میں نص ہیں، نہ راوی دوسری ازواج کے محرم ہیں کہ شعور کا مشاہدہ کیا ہو، نہ کسی صاحبِ مشاہدہ کا نام لیتے ہیں، نہ صاحبِ مشاہدہ کا ثقہ غیر ثقہ ہونا معلوم، نہ یہ معلوم کہ اس نے تحقیق سے کہا ہے یا تخمین سے، بعض اوقات عورتیں بالوں کو ایسا متداخل کر لیتی ہیں کہ دیکھنے والے کو شبہ تخفیف شعور کا ہوتا ہے ثانیاً وفرہ بقولِ اسمعی لمہ سے اشبع ہے اور لمہ وہ ہے جو

---

[1] - الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین رد المحتار۔ 6/407۔

منکبین سے لگتا ہو پس وفرہ منکبین سے بھی نیچے ہوا، پھر ان شعور کو وفرہ نہیں کہا گیا بلکہ کالوفرہ یعنی مشابہ وفرہ کے کہا گیا تو اس میں یہ بھی احتمال ہو گیا کہ وفرہ سے بھی نیچے ہوں بلکہ غور کرنے سے بھی احتمال راجح بلکہ مثل متعین کے ہے کیونکہ اگر وفرہ سے کم ہوئے تو اس کے لئے تو لغت موضوع ہے مثلاً لمہ کو لمہ سے تعبیر کیا جاتا، کالوفرہ کہنے کی کیا ضرورت تھی اور وفرہ سے زائد کیلئے کوئی لغت نہیں اس لئے اس کو کالوفرہ سے تعبیر کیا گیا۔[1]

خواتین دین کو پھیلانے کیلئے گھر سے ضرور نکلیں

1۔ "محترمہ کا اپنا عمل طالبعلموں کیلئے حجت ہے، محرم کے بغیر تبلیغی دوروں پر جانا، قیام اللیل کیلئے راتوں کو نکلنا، میڈیا کے ذریعہ تبلیغ (ریڈیو، ٹی وی، آڈیو وغیرہ)"

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا، اور زمانۂ جاہلیت کے دستور کے موافق بے پردگی کے ساتھ اور بلا ضرورت گھر سے باہر نکلنے اور گھومنے پھرنے سے منع کیا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت چھپانے کی چیز ہے، جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تانک جھانک میں لگ جاتا ہے،اس لیے عام حالات میں بلا ضرورت عورت کا گھر سے نکلنا درست نہیں ہے، خاص طور پر موجودہ ماحول میں عورت کے لیے گھر سے باہر نکلنے میں بہت سے مفاسد وخرابیاں اور احکامِ شرعیہ کی خلاف ورزی لازم آتی ہے، فقہائے کرام نے شرعی وطبعی ضرورتوں کے لیے (جب کہ ضرورت ایسی ہو کہ بغیر باہر نکلے مصیبت ٹلنے یا کام پورا ہونے کی کوئی سبیل نہ ہو) عورت کو محرم کے بغیر گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے، لیکن وہ بھی اس شرط کے ساتھ مقید ہے کہ عورت

---

1 - امداد الفتاویٰ 4/227۔

مکمل پردے کی حالت میں ہو، اور چادر یا برقع بھی ایسا ہو جو پورے بدن کو چھپاتا ہو، دیدہ زیب ونقش ونگار والا، زرق برق، نظروں کو خیرہ کر دینے والا نہ ہو۔

واضح رہے کہ گھر سے باہر نکلنے سے مراد اپنے شہر کی حدود کے اندر اندر جانا ہے، اگر شہر سے باہر مسافتِ سفر یا اس سے زیادہ دور جانا ہو تو عورت کے لیے بغیر محرم کے سفر کرنا جائز نہیں ہے، حدیث مبارک میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ۔ سورۃ الأحزاب آیت نمبر 33۔

ترجمہ: اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو اور تم نمازوں کی پابندی رکھو اور زکاۃ دیا کرو اور اللہ کا اور اس کے رسول (علیہ السلام) کا کہنا مانو۔ (بیان القرآن)

" أحكام القرآن للفقيه المفسر العلامة محمد شفيع رحمه الله " میں ہے:

"قال تعالى : {وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى} [الأحزاب :٣٣]فدلت الآية على أن الأصل في حقهن الحجاب بالبيوت والقرار بها ، ولكن يستثنى منه مواضع الضرورة فيكتفى فيها الحجاب بالبراقع والجلابيب ... فعلم أن حكم الآية قرارهن في البيوت إلا لمواضع الضرورة الدينية كالحج والعمرة بالنص ، أو الدنيوية كعيادة قرابتها وزيارتهم أو احتياج إلى النفقة وأمثالها بالقياس، نعم! لا تخرج عند الضرورة أيضًا متبرجةً بزينة تبرج

الجاهلية الأولى، بل في ثياب بذلة متسترة بالبرقع أو الجلباب ، غير متعطرة ولا متزاحمة في جموع الرجال؛ فلا يجوز لهن الخروج من بيوتهن إلا عند الضرورة بقدر الضرورة مع اهتمام التستر والاحتجاب كل الاهتمام۔ وما سوى ذلك فمحظور ممنوع". [1]

حدیث شریف میں ہے:

عن أبي أحوص عن عبد الله عن النبي ﷺ قال : المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشيطان ۔ [2]

إن المرأة تقبل في صورة شيطان، وتدبر في صورة شيطان، فإذا أبصر أحدكم امرأة فليأت أهله، فإن ذلك يرد ما في نفسه۔ [3]

"کنز العمال" میں ہے:

عن ابن عمر مرفوعاً: ليس للنساء نصيب في الخروج إلا مضطرة ۔ [4]

فتاوی شامی میں ہے:

وحيث أبحنا لها الخروج فبشرط عدم الزينة في الكل، وتغيير الهيئة إلى ما لا يكون داعية إلى نظر الرجال واستمالتهم۔ [5]

---

1 - احکام القرآن، 3/317، 319۔

2 - سنن الترمذی 1/221، رقم الحدیث 1173۔

3 - صحیح مسلم (2/ 1021۔

4 - الفصل الأول في الترهيبات، 16/391۔

5 - رد المحتار 3/ 146 ط : سعید۔

اس لئے محترمہ کی یہ بات علی الاطلاق درست نہیں اور بغیر محرم کے عورت کا گھر سے نکلنا جائز نہیں جبکہ آجکل فتنہ کے دور میں قباحت اور بھی بڑھ گئی ہے۔

2۔خواتین ناپاکی کی حالت میں بھی قرآن پاک چھوتی ہیں، آیات پڑھتی ہیں۔

واضح رہے کہ شریعت میں صرف مصحف کے خالی صفحے کا یہ حکم نہیں ہے، بلکہ قرآنِ مجید کی جلد کا گتہ جس پر قرآن کی آیت نہ لکھی ہو، اسے بھی بے وضو یا ناپاکی کی حالت میں چھونا منع ہے۔

(قوله: ومسه) أي القرآن ولو في لوح أو درهم أو حائط، لكن لايمنع إلا من مس المكتوب، بخلاف المصحف فلايجوز مس الجلد وموضع البياض منه۔ [1]

مزید تفصیل ڈاکٹر ذاکر نائیک کے عقائد و نظریات کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

قرآن سمجھنے کے لئے علماء کی ضرورت نہیں

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک قرآن وحدیث کی فہم کیلئے جو اکابر علماء کرام نے علوم سیکھنے کی شرائط رکھی ہیں ان کو بیکار، جاہلانہ باتیں اور سازش قرار دینا بھی موجود ہے۔

ڈاکٹر صاحب سے نہایت ادب کے ساتھ سوال ہے کہ عام لوگوں کو مریضوں کے امراض اور دواؤں کی تجویز تشخیص آپریشن وغیرہ کرنا کیوں منع ہے؟ ہوائی جہاز میں پائلیٹ کی سیٹ پر بیٹھ کر عامی شخص کو ہوائی جہاز اڑانا کیوں منع ہے؟

قرآن کریم کی تفسیر کرنا بہت نازک اور اہم دینی خدمات میں سے ہے، ہر کس و ناکس اس کا اہل نہیں ہوتا، علوم عالیہ و فنونِ آلیہ میں مہارتِ تامہ کا ہونا منجملہ شرائط کے ہے، جس عالم میں تفسیر کے شرائط موجود ہوں اوصافِ لازمہ لائقہ سے وہ متصف ہو، عام لوگ اُس سے استفادہ کریں اور

---

1 - رد المحتار على الدر المختار، 293/1، دار الفكر بيروت۔

اپنے دین کو سنبھالنے کی فکر میں لگے رہیں، یہی اُن کے لیے عافیت کی راہ اور صراطِ مستقیم ہے، جو لوگ عامی ہیں اور علوم تفسیر سے ناواقف ہیں، اگر تفسیر بیان کرنے کا منصب ان کو مل گیا تو سخت اندیشہ ہے کہ وہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے فیض یافتہ تابعین تبع تابعین سلف صالحین رحمہم اللہ کی تفسیر اور آثار و اقوال کو بالائے طاق رکھ کر اپنی سمجھ اپنے مطالعہ اور اپنی فہم کو بنیاد بناکر تفسیر بالرائے کریں گے اور (ضلوا فأضلوا) خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے کے مصداق بنیں گے۔

حدیث شریف میں ہے:

من قال فی القرآن برأیه فلیتبوأ مقعدہٗ من النار وفی روایة: من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعده من النار۔[1]

یعنی جس شخص نے علم حاصل کیے بغیر قرآن کا مطلب بیان کیا تو اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے، حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین باوجودیکہ اہل عرب تھے اور علوم وفنون میں بہت سے حضرات مہارت بھی رکھتے تھے مگر بایں ہمہ کمالات قرآن کریم کی تفسیر و مطالب میں حضرت نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی تعلیم و تبیین کے محتاج تھے، خود قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ۔[2]

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ۔[3]

الغرض ان جیسی آیاتِ مبارکہ اور احادیث شریف کے پیش نظر عام لوگوں کو تفسیر کرنے کی

---

1 - رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، ص:35۔

2 ۔ سورۃ البقرۃ، آیت نمبر، 129۔

3 ۔ سورۃ النحل آیت نمبر 44۔

ہر گز اجازت نہیں۔

ہمارے زمانے میں بھی قادیانی، پرویزی وغیرہ دیگر گمراہ اور کجرو فرقوں کی تفسیروں کا یہی حال ہے، ان کی تفسیر' تفسیر بالرائے سے بڑھ کر قرآن کریم کی کھلی کھلی تحریف معنوی ہے، چنانچہ قرآن کریم کی آڑلے کر قطعیاتِ دین کا انکار کیا جاتا ہے، آنحضرت ﷺ کی سنت متواترہ کو پسِ پشت ڈالا جاتا ہے، اسلام کے قطعی واجماعی عقیدہ کو جھٹلایا جاتا ہے، چودہ سو سالہ اکابر امت کے اجماع مسلسل سے (جس کو قرآن کریم نے "سبیل المؤمنین "فرمایا ہے) انحراف کیا جاتا ہے اور لغت وزبان کے قواعد سے آزاد ہو کر قرآن کریم کو جاہلانہ تحریفات کا تختۂ مشق بنایا جاتا ہے۔

لہذا محترمہ کی چند ایک باتیں ہم نے مختصراً لکھ دی ہیں اور امت سے انحراف کو بھی باحوالہ دلائل سے ثابت کیا ہے اس لئے ان کے بیانات درس اور دوسری سر گرمیوں سے اجتناب کیا جائے، اللہ تعالیٰ تمام امت مسلمہ کی حفاظت فرمائے۔

انجینئر محمد علی مرزا

مرزا محمد علی 1977ء میں جہلم میں پیدا ہوا، انگریزی تعلیم خوب پائی، میکینکل انجینئر بنا، کسی مدرسے میں پڑھا، نہ کسی دینی درس گاہ کا رخ دیکھا، لیکن خود کو اہلِ علم کے روپ میں پیش کرتا ہے ایسے ہی لوگ نیم ملا خطرۂ ایمان کہلاتے ہیں۔ عربی میں کہیئے تو حاطبِ لیل، جو رات میں رسی سمجھ کر سانپ کو اٹھالاتا ہے، آپ اسے خود رو مولوی یا ریڈی میڈ عالم کہہ سکتے ہیں۔

اس کی عربی دانی کا یہ عالم ہے کہ وہ عربی عبارت پڑھ نہیں سکتا، اعراب لگانے میں سخت ٹھوکر کھاتا ہے، بریلوی مکتبِ فکر کی مشہور کتاب 'جاءَ الحق' کو 'جاءُ الحق' پڑھتا ہے۔

قرآن کے اس ٹکڑے 'فلا تطع الکافرین' کا ترجمہ یوں کرتا ہے: اے نبی! آپ کافروں کی بات کا برا نہ مانیں، جب کہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اے نبی! آپ کافروں کی اطاعت نہ کریں، ان کا اتباع نہ کریں۔

مرزا جہلمی 2014 سے سوشل میڈیا سے وابستہ ہے، محمد علی جہلمی نے بھی اپنا ایک فرقہ بنایا ہے، جس کا نام ہے "مسلم علمی کتابی" یہ نئی جماعت نقشۂ عالم پر اسی سال چار ماہ پہلے 24 فروری 2020 کو آئی، جہلمی کا کہنا ہے کہ بریلوی مسلمان ہو سکتے ہیں تو مسلم علمی کتابی کیوں نہیں؟

محمد علی جہلمی 31 سال تک بریلوی رہا، 2008 میں بریلویت سے توبہ کی، پھر غیر مقلد بن گیا، اب اللہ جانے کیا ہے! اپنے افکار و خیالات سے کبھی قادیانی لگتا ہے، کبھی شیعہ، کبھی جماعتِ اسلامی سے وابستہ لگتا ہے اور کبھی غیر مقلدین کا ترجمان، اس کے مکتبِ فکر کے بارے میں کچھ بھی فیصلہ کرنا مشکل ہے، یہ قادیانیت نواز بھی ہے، قادیانیوں کے چینل پر اس کے متعدد ویڈیو ہیں، جن سے سمجھا جا سکتا ہے کہ مرزائیوں کو اس سے کتنا فائدہ پہنچ رہا ہے۔

محمد علی کے چند عقائد پر نظر ڈالتے ہیں:

تاخیر سے ایمان لانے والے صحابہ کی توہین

قرآن وسنت اور فہم سلف کے خلاف تفسیر کرتے ہوئے محمد علی مرزا جہلمی نے کہا ہے:

"(مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ) محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اللہ کے رسول ہیں (وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ) اور جو ان کے ساتھی ہیں (اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ) وہ کافروں پر تو بڑے سخت ہیں (رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ) لیکن آپس میں بڑے نرم دل ہیں، ایک دوسرے کا خیال رکھنے والے ہیں۔ لیکن یاد رکھیے گا، یہ تمام صحابہ کے بارے میں نہیں ہے، یہ صلح حدیبیہ کے موقعے پر آیات نازل ہوئیں، اس سے مراد بعد کے لوگ نہیں ہیں۔ یہ وہ چودہ سو صحابہ کی شان ہے، اسی لیے میں نے اوپر وہ آیت رکھی تھی کہ اللہ کن سے راضی ہوا؟ صلح حدیبیہ کے (صحابہ سے) اور انہی کے Context (سیاق) میں یہ آخری آیت اسی سورت کی آرہی ہے کہ یہ وہ صحابہ ہیں، اب یہ پکڑ کہ وہ فتح مکہ کے بعد جو معافیاں مانگ کے مسلمان ہوئے، پوری زندگی اسلام کی پیٹھ میں چھرا گھونپتے رہے اور بعد میں موت کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا، ان کے اوپر یہ آیات لگانا تو یہ قرآنِ پاک کے ساتھ خیانت کرنا ہے اور اپنا لقمہ قرآن کے منہ میں ڈالنے والی بات ہے، اس سے بڑی کوئی خیانت نہیں ہو سکتی"۔ (1)

مرزا کی یہ باتیں قرآن وسنت سے صریح جہالت اور صحابہ کرام کی واضح گستاخی پر مبنی ہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح معصوم نہیں ہیں، مگر وہ عادل، مُتقِن، متقی اور انتہا درجہ پرہیزگار ہیں، آسمانِ دیانت وتقویٰ کے درخشندہ ستارے ہیں، فسق وفجور جن کے قریب بھی نہیں پھٹکا، چنانچہ خداوندِ

---

1 - لیکچر مسئلہ 96، وقت 32:25 تا 33:40۔

قدوس نے قرآن کریم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرکے فرمایا:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ أُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ۔ [1]

لیکن اللہ نے تمہارے دل میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اُسے تمہارے دلوں میں پرکشش بنادیا ہے، اور تمہارے اندر کفر کی اور گناہوں کی اور نافرمانی کی نفرت بٹھادی ہے، ایسے ہی لوگ ہیں جو ٹھیک راستے پر آچکے ہیں۔

نیز ارشادِ باری ہے:

أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّأَجْرٌ عَظِيْمٌ۔ [2]

یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خوب جانچ کر تقویٰ کے لیے منتخب کرلیا ہے، ان کو مغفرت بھی حاصل ہے اور زبردست اجر بھی۔

علم العقائد کی معروف کتاب "المسامرۃ شرح المسایرۃ" میں ہے :

و اعتقاد أهل السنة و الجماعة تزكية جميع الصحابة رضي الله عنهم وجوبًا بإثبات العدالة لكل منهم و الكف عن الطعن فيهم و الثناء عليهم ------ و ماجرىٰ بين علي و معاوية رضي الله عنهما ------ كان مبنياً على الاجتهاد من كل منهما لا منازعة من معاوية رضي الله عنه في الإمامة۔ [3]

---

1 - سورۃ الحجرات آیت نمبر 7۔

2 - سورۃ الحجرات آیت نمبر 3۔

3 - المسامرۃ شرح المسایرۃ، ص269، 270۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ تمام صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا تزکیہ یعنی گناہوں سے پاکی بیان کرنا ہے، اس طرح کہ ان سب کے لیے عدالت ثابت کرنا اور ان کے بارے طعن سے رُکنا اور ان کی مدح و ثنا کرنا ہے۔ اور حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جو کچھ معاملہ پیش آیا، یہ دونوں حضرات کے اجتہاد کی بنا پر تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حکومت و امامت کا جھگڑا نہیں تھا۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الصّحابة رضي الله عنهم كلّهم عدول من لابس الفتن وغيرهم بإجماع من يعتد به، قال تعالى: (وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا) (البقرة:143) الآية، أي عدولًا۔ وقال تعالى: (كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) (آل عمران:110)، والخطاب فيها للموجودين حينئذ۔ وقال صلى الله عليه وسلم: خير النّاس قرني ، رواه الشيخان۔ قال إمام الحرمين: والسبب في عدم الفحص عن عدالتهم: أنهم حملة الشريعة۔[1]

باجماعِ معتبر علماء تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں، مبتلائے فتن ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں، (دلیل) ارشادِ باری تعالیٰ ہے "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا" کہ "ہم نے تمہیں اُمت وسط یعنی عادل بنایا۔" نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاس" کہ "تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے لیے نکالے گئے ہو" ان آیات میں خطاب اُس وقت موجود حضرات (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کو ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں میں بہترین میرا زمانہ ہے، امام الحرمین نے فرمایا کہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت سے بحث و

[1] - تدریب الراوی، ص:492، 493، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

جستجو نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ حاملینِ شریعت و ناقلینِ شریعت ہیں۔

مشہور حنفی محقق ملا قاری رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:

ذہب جمہور العلماء إلی أن الصحابۃ رضي اللہ عنہم کلّہم عدول قبل فتنۃ عثمان رضی اللہ عنہ و علي رضی اللہ عنہ وکذا بعدہا ولقولہ علیہ الصلاۃ والسلام : أصحابي کالنجوم بأیّہم اقتدیتم اہتدیتم۔[1]

جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل (پاکباز، متقی) ہیں، حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے زمانوں میں وقوع پذیر فتنوں سے پہلے بھی اور اُس کے بعد بھی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند ہیں، ان میں جس کی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤگے۔

علّامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال ابن الصلاح والنووي الصحابۃ رضی اللہ عنہ کلہم عدول وکان للنبي صلی اللہ علیہ وسلم مائۃ ألف وأربعۃ عشر ألف صحابي عند موتہ صلی اللہ علیہ وسلم، والقرآن والأخبار مصرّحان بعدالتہم وجلالتہم ولما جری بینہم محامل۔[2]

ابن صلاحؒ اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ: تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل و متقی تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہؓ تھے، قرآن کریم اور احادیثِ طیبہ صحابہ

---

1 - شرح الفقہ الأکبر لملاعلی القاری، ص:63۔

2 - الصواعق المحرقۃ علی أہل الرفض والضلال والزندقۃ، ج:2، ص: 640، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔

کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت و تقویٰ اور جلالتِ شان کی صراحت و وضاحت کر رہے ہیں، اور ان کے باہمی مشاجرات و معاملات کے محمل اور تاویلات موجود ہیں۔

اس لیے اہل السنۃ و الجماعۃ کا بجاطور پر موقف یہی ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ صرف روایتِ حدیث میں عادل و پاکباز ہیں، بلکہ تمام معاملاتِ زندگی اور اعمالِ حیات میں بھی عادل و متقی اور پرہیز گار ہیں، تاہم معصوم نہیں ہیں کہ ان سے کوئی خطا اور گناہ سرزد ہی نہ ہو، معصوم عن الخطا صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی ذواتِ قدسیہ ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محفوظ عن الخطا ہیں، یعنی یا تو اللہ تبارک و تعالیٰ ان سے خطا و معصیت کا صدور ہونے نہیں دیتے، اور اگر کسی ایزدی حکمت وربانی مصلحت کی بنا پر کسی معصیت و گناہ کا صدور ہو تو خداوندِ قدوس صحابیؓ کی زندگی میں ہی اس کا ازالہ و تدارک کروادیتے ہیں کہ صحابیؓ جب دنیا سے جاتا ہے تو بموجبِ وعدۂ خداوندی "وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى" جنتی بن کر دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔

صحابہ کرام کے متعلق نظریات

صحابہ کرام پر طعن کرنے کو جائز بلکہ مستحب سمجھنا. جیسا کہ ان کے بیانات وغیرہ میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ بے دھڑک صحابہ پر طعن اور تنقید کرتے ہیں۔

مرزا صاحب سے پہلے مودودی صاحب نے روافض کی طرز پر صحابہ کرام پر تنقید کا دروازہ کھولا مولانا مودودی نے جماعتِ اسلامی کے دستور میں یہ وضاحت کی ہے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی بھی تنقید سے بالاتر نہیں۔[1] گویا انھوں نے صحابہؓ کرام پر تنقید کرنے کو اپنے اصول میں داخل کیا ہے، ان کے نزدیک صحابہؓ کرام کے اقوال وافعال کی کوئی اہمیت نہیں، یہ بھی شیعہ اور خوارج کی طرح اہل السنۃ والجماعۃ کی راہِ مستقیم سے ہٹے ہوے ہیں۔

---

[1] - دستور جماعت اسلامی ص 5۔

علمائے دیوبند نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں بار بار درج ذیل موقف کی صراحت کی ہے کہ:

1۔ حضراتِ صحابہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور منتخب بندے ہیں، انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ جن وانس کا کوئی بھی فرد ان کے مقام ومرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

2۔ عہدِ نبوی کے بعد صحابہؓ کرام کا دور سب سے بہتر ہے۔

3۔ صحابہؓ کرام کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی علامت ہے اور اُن سے بغض وعناد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وعناد کی نشانی ہے، صحابہؓ کرام کو اذیت دینا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے کے مرادِف ہے۔

4۔ صحابہؓ کرام کی عیب جوئی کرنا اور ان کو تنقید وتنقیص کا نشانہ بنانا حرام، ناجائز اور اکبرُ الکبائر گناہ میں سے ایک ہے۔

5۔ امت کا سارا مجد وشرف، بزرگی اور وقار صحابہؓ کرام کے ساتھ وابستگی پر موقوف ہے، اور ان کا قول وعمل امت کے لیے حجت ہے۔

جو لوگ رطب ویابس تاریخی روایات پر اعتماد کرلیتے ہیں، اور محض ان بے سروپا روایات کی وجہ سے بعض صحابہؓ کرام پر سخت وسست تنقید کرنے لگتے ہیں، ان کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فقہائے امت نے اس کی تاکید فرمائی ہے کہ عقائد واحکام اور حلال وحرام کے باب میں ان روایات کی ہرگز کوئی اہمیت نہیں وہ ناقابلِ اعتبار ہیں، صحابہ سے عقیدت واحترام کا راست تعلق عقائد سے ہے، عقیدے کے بغیر دین وایمان سلامت نہیں رہ سکتا۔[1]

اخیر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہ کا ایک مکتوب نقل کرنا مناسب ہے، فرماتے ہیں:

---

1 - مقامِ صحابہ، ص:23۔

صحابہؓ کرام کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں، جو احادیثِ صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں، مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے ہیچ ہیں، اس لیے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات واحادیثِ صحیحہ میں تعارض واقع ہو گا تو تواریخ کو غلط کہنا ضروری ہو گا۔[1]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نظریات

1۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر بدعت جاری کرنے کا الزام لگانا۔

انجینئر مرزا صاحب اپنے ریسرچ پیپر کے چوتھے باب بعنوان "چوتھے خلیفہ راشد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کا بیان اور ان پر منبروں سے لعنت کرنے کی بدعت کب اور کس نے ایجاد کی ؟" میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں ان کے حکم پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منبروں پر گالیاں دی جاتی تھیں۔

مرزا صاحب کا یہ کتابچہ چھ ابواب پر مشتمل ہے کہ جس کا دوسرا بڑا باب یہ ہے جبکہ اس کتابچے کے سب سے بڑے باب میں مرزا صاحب نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی اور بدعتی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ بھی مرزا صاحب کی اپنی اختراع نہیں بلکہ ان کے ہمنوا مودودی ہی کی کارستانی پہلے سے موجود ہے، مودودی صاحب لکھتے ہیں:

ایک اور نہایت مکروہ بدعت معاویہؓ کے عہد میں شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسرِ منبر علیؓ پر سب و شتم کی بوچھاڑ کرتے

---

1 - مکتوباتِ شیخ الاسلام:1/242، مکتوب نمبر:88۔

تھے ، حتٰی کے مسجد نبوی میں منبر رسول پر عین روضہ نبوی کے سامنے اللہ کے نبی
کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین
رشتہ دار اپنے کانوں سے سنتے تھے، کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت
تو در کنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا، اور خاص طور پر جمعہ کے خطبے کو اس گندگی
سے آلودہ کرنا تو دین واخلاق کے لحاظ سخت گھناؤنا فعل تھا عمر بن عبد العزیز نے آکر
اس روایت کو بدلا۔[1]

مولانا مودوی نے اس کتاب میں جن کتابوں کے حوالے دیئے ہیں ان میں کسی میں ادنٰی اشارہ بھی اس امر کے ثبوت میں نہیں ملتا کہ معاویہؓ برسرِ منبر علیؓ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے، دوسرا الزام کہ انھوں نے اپنے تمام گورنروں کو بھی ایسا کرنے کا حکم دیا، یہ بھی افترا کے ضمن میں آتا ہے، اس کا کوئی ثبوت بھی محولہ صفحات میں نہیں۔

مولانا مودودی اور اس کے پیرو مرزا جہلمی کے دیئے ہوئے حوالوں میں تین افراد کا نام ملتا ہے جو ایسا کرتے تھے:

1۔ ان میں سے ایک گورنر ولید بن عبد الملک کے زمانے کے ہیں، جو یمن کے گورنر تھے یہ واقعہ 90ھ یعنی معاویہؓ کی وفات سے تیس سال بعد کا ہے، انہیں بھی معاویہؓ کے گورنروں میں شمار کرنا تعجب خیز امر ہے، نیز ان صاحب کے متعلق وہیں یہ صراحت بھی ہے کہ:

انہوں نے اپنے ماتحت صوبے کے ایک حاکم کو بھی ایسا کرنے کا حکم دیا لیکن اس نے ایسا
کرنے سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ برملا کہا، جو علیؓ پر طعن کرتا ہے وہ ملعون ہے۔[2]

---

[1] - خلافت وملوکیت ص:147۔

[2] - البداية والنهاية ج 8، ص 80۔

2۔ دوسرے صاحب جو ایسا کرتے تھے وہ مروان ہیں، جو واقعی معاویہؓ کے مقرر کردہ گورنر تھے لیکن محولہ صفحات میں کہیں بھی یہ نہیں کہ معاویہؓ نے انہیں علیؓ پر سب و شتم کا حکم دیا تھا، ہاں یہ ضرور ہے کہ کچھ روایات یہ بات ملتی ہے کہ مروان اپنے زمانہ گورنری میں علیؓ پر سب و شتم کرتے تھے (ان روایات کی حقیقت بھی آگے آرہی ہے کہ وہ سب و شتم کیا تھا) ظاہر ہے، اگر یہ صحیح ہے تو معاویہؓ کے حکم سے نہیں بلکہ از خود ایسا کرتے تھے، جس پر واضح قرینہ یہ ہے کہ:

معاویہؓ نے انہیں معزول کر کے ان کی جگہ سعید بن العاص کو مقرر کیا، انہوں نے کبھی علیؓ پر سب و شتم نہیں کیا۔[1]

اگر معاویہؓ کی طرف سے گورنروں کو یہ حکم ہوتا تو یہ بعد کے گورنر سعید بن العاص بھی ایسا کرنے پر مجبور ہوتے۔

اور دوسری بات بعض علمائے اہل سنت نے صراحت کی ہے کہ مروان کے متعلق جو اس قسم کی روایات آتی ہیں کہ وہ علیؓ پر یا اہل بیت پر سب و شتم کرتے تھے، ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔

لم یصح شی من ذلك۔[2]

3۔ تیسرے صاحب جن پر علیؓ پر سب و شتم کا الزام منسوب ہے، مولانا کے دیے ہوئے حوالوں کی رو سے مغیرہ بن شعبہؓ ہیں، یہ وہ واحد گورنر ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ معاویہؓ نے ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔

تاریخ طبری، 4/1۔83 میں غالی راوی ابو مخنف نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں دعوی کیا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں سب و شتم کرتے تھے لیکن ساتھ خود ہی ان

---

1 - البداية والنهاية ج8، ص84۔

2 - تطهير الجنان .ص54۔

کے الفاظ نقل کر کے اپنا بھانڈہ خود ہی پھوڑ دیا ہے، اسی طرح کی تاریخ طبری کی سب روایات میں یہی کذاب راوی ابو مخنف موجود ہے جس کی وجہ سے یہ روایات قابل اعتماد نہیں ہیں۔

آپ ذرا خود سوچیں اور غور کریں کہ تاریخ کے باغی راویوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ تہمت عائد کی ہے کہ ان کے زمانے میں وہ اور ان کے مقرر کردہ گورنر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جمعہ کے خطبہ کے دوران معاذ اللہ گالیاں دیا کرتے تھے۔ اس تہمت کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ بنو امیہ کے خلاف نفرت پیدا کر کے اپنی پارٹی کے نوجوانوں کو مشتعل کیا جائے۔ اس تہمت کا جھوٹ صرف اتنی سی بات سے واضح ہو سکتا ہے کہ اگر آج کے دور میں کوئی خطیب کسی بھی صحابی کے بارے میں یہ حرکت کرے تو کیا سننے والے اسے چھوڑ دیں گے؟ ہمارے ہاں تو اس مسئلے پر بار ہا کشت و خون کی نوبت آ جاتی ہے۔ اس دور میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اپنی اولاد موجود تھی اور ان کے زمانے میں یہ حرکت کی گئی تو کیا یہ حضرات معاذ اللہ ایسے غیرت مند تھے کہ انہوں نے اسے روکنے کے لیے کچھ نہیں کیا۔ اس وقت ان کی غیرت کہاں چلی گئی تھی؟

کیا ہم یہ تصور کر سکتے ہیں کہ آزادی اظہار کے اس دور میں اگر کوئی حکمران یہ رسم جاری کرے کہ جمعہ کے خطبوں میں منبر پر کھڑے ہو کر اپوزیشن کے فوت شدہ راہنماؤں کو گالیاں دی جائیں؟ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس کا رد عمل کیا ہو گا؟ کیا اس طرح وہ حکمران بغیر کسی مقصد کے اپنے خلاف مزاحمتی تحریک پیدا نہ کرے گا؟ ہم کسی بھی ایسے حکمران کے بارے میں یہ تصور نہیں کر سکتے جس میں عقل کا ذرا سا بھی شائبہ ہو، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے غیر معمولی تدبر، حلم اور سیاست کو ان کے مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں، کیا ان سے اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے کہ جنگ کی جس آگ کو انہوں نے اپنے حلم اور تدبر سے ٹھنڈا کیا تھا، وہ اسے ایک لایعنی اور فضول حرکت سے دوبارہ بھڑکا دیں۔ پھر یہ حرکت پورے عالم اسلام کی مساجد میں عین جمعہ کے

خطبے میں انجام دی جائے اور اس کے رد عمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے کسی کی غیرت جوش نہ مارے اور کوئی مزاحمتی تحریک تو کجا یا کم از کم تنقید ہی ان حضرات کی جانب سے سامنے نہ آئے، اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب وشتم محض باغی راویوں کے ذہنوں میں تھا، جسے انہوں نے اپنے زمانے کے باغیوں کو بھڑکانے کے لیے روایات کی شکل میں بیان کیا۔

2۔ انجینیئر محمد علی مرزا صاحب اپنے ریسرچ پیپر المعروف ہائیڈروجن بم "واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر" کے تیسرے باب میں ص 15 پر، حدیث نمبر 31 کے تحت مسند احمد کی ایک روایت کے ترجمے میں ڈنڈی مارتے ہوئے یہ الزام لگاتے ہیں کہ معاذ اللہ، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، اسلام لانے کے بعد شراب پیتے تھے۔

مرزا صاحب نے مسند احمد کی روایت کا غلط ترجمہ یوں کیا ہے:

> سیدنا عبد اللہ بن بریدہ تابعی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ملنے گئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں فرشی نشست [یعنی قالین] پر بٹھایا، پھر کھانا لایا گیا جو ہم نے تناول کیا، پھر ہمارے سامنے ایک مشروب لایا گیا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پینے کے بعد [وہ مشروب والا برتن] میرے والد کو پکڑا دیا تو انھوں نے [سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ] نے فرمایا: "جب سے اس مشروب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے، تب سے میں نے کبھی اسے نوش نہیں کیا۔" پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: "میں قریشی نوجوانوں میں سب سے حسین ترین اور خوبصورت دانتوں والا نوجوان تھا اور جوانی کے ان دنوں میں میرے لیے دودھ اور اچھے قصہ گو آدمی سے بڑھ کر کوئی چیز لذت آور نہیں ہوتی تھی۔"

مرزا صاحب نے اپنے ترجمے میں بریکٹس میں جو اضافے کیے ہیں، وہ عربی متن میں نہیں ہیں۔ عربی متن میں یہ بات موجود نہیں ہے کہ سیدنا بریدہ نے یہ کہا تھا: "جب سے اس مشروب کو رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا ہے، تب سے میں نے کبھی اسے نوش نہیں کیا۔" عربی متن میں صرف یہ موجود ہے کہ "اُس" نے یہ کہا اور یہ "اُس" سے مراد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں، تو حدیث کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشروب پینے کے بعد برتن سیدنا بریدہ کو پکڑاتے ہوئے کہا کہ "جب سے اُس مشروب کو رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا ہے، تب سے میں نے کبھی اُسے نوش نہیں کیا۔" اور یہاں "اس" سے مراد "اُس" ہے۔

اس حدیث کے منکر وضعیف ہونے کے باوجود بھی اگرچہ اس میں ایک بے جوڑ اور بے موقع ومحل جملہ ہے، پھر بھی اس جملہ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا شراب پینا قطعاً ثابت نہیں ہوتا، واضح رہے کہ سائل نے زیر بحث روایت کا جو ترجمہ پیش کیا ہے وہ قطعاً درست نہیں، اس میں درج ذیل غلطیاں ہیں:

پہلی غلطی: متن حدیث میں مذکور "شراب" کا ترجمہ اردو والے شراب سے کرنا غلط ہے کیونکہ اردو میں جسے شراب کہتے ہیں اس کے لئے عربی میں "خمر" کا لفظ استعمال ہوتا ہے، صحیح بات یہ ہے کہ "شراب" کا ترجمہ "مشروب" سے کیا جائے یعنی پینے کی کوئی چیز مرزا جہلمی اگرچہ اس کا ترجمہ تو مشروب کرتا ہے لیکن مراد اس سے شراب لیتا ہے جو کہ بالکل غلط ہے۔

دوسری غلطی: متن کا یہ جملہ "جب سے نبی ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے، میں نے اسے نہیں پیا" صحابی رسول بریدہ رضی اللہ عنہ کا مقولہ نہیں ہے جیسا کہ سائل کے پیش کردہ ترجمہ میں ہے بلکہ یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے جیسا کہ سیاق سے صاف ظاہر ہے۔

مذکورہ روایت کی بیچ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جو یہ وضاحت ہے کی کہ: **"میں نے آج تک اسے نہیں پیا**

جب سے اللہ کے رسول ؐ نے حرام قرار دیا" اس وضاحت میں جس چیز کے پینے کی بات ہو رہی ہے وہ خمر یعنی شراب ہی ہو سکتی ہے کیونکہ اسے ہی اللہ کے نبی ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔

اور "ما شربته " میں جو ضمیر ہے اس کا مرجع محذوف ہے اور وہ خمر ہے، اہل عرب کبھی کبھی ضمیر کے مرجع کو حذف کر دیتے ہیں ، بلاغت کی اصطلاح میں اسے "الإضمار في مقام الإظهار " کہتے ہیں یعنی جس ضمیر کا مرجع معلوم ہو اس مرجع کو بعض مقاصد کے تحت حذف کر دینا، اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہاں ضمیر کے مرجع خمر کو حذف کیا ہے، اور مقصد خمر کی قباحت و شناعت کا بیان ہے یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خمر سے اتنی نفرت تھی کہ آپ نے اس کا نام تک نہیں لیا، اس سے معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور شراب سے ان کی نفرت ظاہر ہوتی ہے۔

اور شراب سے نفرت کا اظہار کر کے معاویہ رضی اللہ عنہ نے دودھ کو اپنا پسندیدہ مشروب قرار دیا، اس سے بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ بھی وضاحت کہ قبل از اسلام بھی ان کے نزدیک دودھ ہی سب سے پسندیدہ مشروب تھا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شراب کو ہاتھ نہیں لگایا، بلکہ اس کے بجائے وہ دودھ ہی نوش فرماتے تھے۔

3۔ انجینئر مرزا صاحب اپنے ریسرچ پیپر کے تیسرے باب میں ص 15 پر، حدیث نمبر 31 کے تحت سنن ابو داود کی ایک روایت کا ترجمہ بیان کرتے ہوئے یہ تاثر دیتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں حرام اشیا مثلاً ریشم، سونا اور درندوں کی کھال بطور قالین استعمال ہوتی تھی۔

حالانکہ خود حضرت معاویہ سے معجم الطبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دے کر کہا کہ اے لوگو، رسول اللہ ﷺ نے نو چیزوں سے منع کیا اور میں بھی تمہیں ان نو چیزوں سے منع کرتا ہوں؛ نوحہ کرنے سے، شعر سے، دور جاہلیت کی طرح عورتوں کے بن

سنور کر باہر نکلنے سے، تصاویر سے، درندوں کی کھالوں سے، موسیقی سے، سونے سے، بدکاری سے اور ریشم سے۔

لیکن مرزا صاحب کو اپنے کتابچے میں یہ روایت نقل کرنے کی توفیق نہ ہوئی کیونکہ یہ ان کے مقصد کے خلاف جارہی ہے، جب ایک موضوع پر ایک روایت آپ لے آئے ہیں تو دیانت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کے خلاف اگر کوئی روایت موجود ہے تو اس کا بھی ذکر کریں اور حق بات نہ چھپائیں۔

4۔ انجینئر مرزا صاحب اپنے ریسرچ پیپر کے تیسرے باب میں ص 14 پر، حدیث نمبر 27 کے تحت لکھتے ہیں یعنی صحابیت کے سوا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل سے متعلق کوئی بھی صحیح حدیث نقل نہیں ہوئی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابیٔ رسول ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کے لکھنے کے لیے جن صحابۂ کرام کو مقرر فرمایا تھا ان میں آپ کا اسمِ گرامی بھی شامل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار ان کے لیے دعائیں فرمائی ہیں، ایک حدیث میں ارشاد ہے:

اللهم علم معاوية الكتاب والحساب وقه العذاب۔[1]

اے اللہ! معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم سکھا اور اس کو عذاب سے بچا۔

نیز ترمذی شریف کی روایت میں ہے:

عن النبی صلى الله عليه وسلم انه قال لمعاوية: اللهم اجعله هاديا مهديا واهدبه۔[2]

اے اللہ! اس کو راہنمائی کرنے والا، ہدایت یافتہ بنادے اور اس کے ذریعے ہدایت کو عام کر۔

---

1 - مسند احمد بن حنبل، حديث العرباض بن سارية، 127/4، ط: مؤسسة قرطبه القاهرة۔

2 - سنن الترمذی، باب مناقب لمعاويه بن أبي سفيان۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

معارف الحدیث، از: مولانا محمد منظور نعمانیؒ، جلد ہشتم، ص:40، ط: دارالاشاعت / حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق، از: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ، ص:27 تا297، ط: ادارۃ المعارف کراچی۔

حضرت علی کی شیخین پر افضلیت کا نظریہ

1۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو روحانی طور پر خلیفہ اول کہنا۔

2۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ غلو کرنا کہ اسلام کی جتنی مدد انہوں نے کی، اتنی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بھی نہیں کی۔

3۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی بھی صحابی سے بغض رکھنا نفاق نہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ انسانوں میں سے انبیاء اور مرسلین علیہم السلام کے بعد حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی سب سے افضل اور نبی کریم ﷺ کی خلافت کے حقدار ہیں، پھر حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، پھر جمہور اہلسنت کے نزدیک حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں (رضوان اللہ علیہم اجمعین) ان کی خلافت بر ترتیب فضیلت ہے، یعنی جو عند اللہ افضل و اعلیٰ تھا وہی خلافت پاتا گیا۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت و خلافت پر کثیر دلائل موجود ہیں، اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ

شَيْـًٔا وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾۔[1]

اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا، جیسی ان سے پہلوں کو دی اور ضرور ان کے لیے جما دے گا، ان کا وہ دین جو ان کے لیے پسند فرمایا ہے اور ضرور ان کے اگلے خوف کو امن سے بدل دے گا، میری عبادت کریں میرا شریک کسی کو نہ ٹھہرائیں اور جو اس کے بعد ناشکری کرے، تو وہی لوگ بے حکم ہیں۔

اس آیتِ کریمہ کے تحت تفسیر خازن میں ہے:

وفي الآية دليل على صحة خلافة ابي بكر الصديق والخلفاء الراشدين بعده، لان في ايامهم كانت الفتوحات العظيمة وفتحت كنوز كسرى وغيره من الملوك، وحصل الامن والتمكين وظهور الدين عن سفينة۔[2]

اس آیت کریمہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعد ہونے والے خلفائے راشدین کی خلافت پر دلیل ہے، کیونکہ ان کے زمانے میں عظیم فتوحات ہوئیں اور کسریٰ وغیرہ ملوک کے خزائن مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور امن و تمکین اور دین کا غلبہ حاصل ہوا۔

جامع ترمذی میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا ينبغي لقوم فيهم ابو بكر ان يؤمهم غيره۔[3]

---

1 - سورۃ النور، آیت نمبر 55۔

2 - تفسیر خازن، پارہ 18، سورۃ النور، تحت آیت 55، جلد 3، صفحہ 360، مطبوعہ پشاور

3 - جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب ابي بكر الصديق رضي الله عنه، جلد 2، صفحہ 208، مطبوعہ کراچی

یعنی کسی قوم کو زیب نہیں دیتا کہ ابو بکر کی موجودگی میں کوئی اور امامت کرے۔

اس کے تحت مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

وفیه دلیل علی انه افضل جمیع الصحابة، فاذا ثبت هذا فقد ثبت استحقاق الخلافة۔[1]

اس حدیث میں دلیل ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جمیع صحابہ کرام سے افضل ہیں، پھر جب افضلیت ثابت ہو گئی، تو خلافت کا حقدار ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

جامع ترمذی اور المستدرک میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر۔[2]

میرے بعد ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کی پیروی کرنا۔

بخاری شریف میں ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کنا نخیر بین الناس فی زمن النبی صلی الله علیه وسلم، فنخیر ابا بکر، ثم عمر بن الخطاب، ثم عثمان بن عفان رضی الله عنهم۔[3]

ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل سمجھتے تھے، پھر عمر بن خطاب کو اور پھر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم کو۔

---

[1] - مرقاۃ المفاتیح، کتاب المناقب، باب مناقب ابی بکر رضی الله عنه، جلد 11، صفحه 182، مطبوعه کوئٹه۔

[2] - جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب ابی بکر الصدیق رضی الله عنه، جلد2، صفحه 207، مطبوعه کراچی۔

[3] - صحیح البخاری، ابواب المناقب، باب فضل ابی بکر بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، 516/1 مطبوعه کراچی

اس بات سے بھی انکار نہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے بے شمار فضائل احادیث صحیحہ میں ذکر ہوئے ہیں لیکن ہم اہل السنۃ والجماعۃ صحابہ کرام کے مابین فضائل میں تقابل کے ہر گز قائل نہیں ہیں اور جزئی فضلیت ایک صحابی کو دوسرے پر ہو سکتی ہے لیکن ترتیب فضیلت ہمارے ہاں جمہور کے مسلک کے مطابق ترتیب خلافت ہے اس کے بعد عشرہ مبشرہ وغیر ہم اس لئے مرزا جہلمی کا باہم صحابہ کا فضائل میں تقابل پیش کرنا ہر گز درست نہیں ہے۔

مباہلہ کے متعلق مرزا جہلمی کا نظریہ

"مباہلہ غیر نبی کے لیے حرام ہے، جو مباہلہ کرتا ہے، وہ دعوی نبوت کرتا ہے"

مرزا جہلمی کی بات بھی اس کی جہالت کو واضح کرتی ہے کیونکہ ہر ایسا معاملہ خواہ دینی ہو یا دنیاوی جس کا حق ہونا دلائلِ حقہ سے واضح ہو چکا ہو، اس کے باوجود مدِّ مقابل اسے تسلیم کرنے پر تیار نہ ہو، اور صاحبِ حق اپنی سچائی، یا دعوے کی سچائی ثابت کرنے کے لیے مباہلہ کرنا چاہے تو شرعًا اس کی اجازت ہے؛ کیوں کہ مباہلہ رسول کریم ﷺ کے ساتھ خاص نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے پردہ فرماجانے کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے بعد کے زمانوں میں بھی مباہلہ کرنا ثابت ہے، لہذا آج بھی اگر کوئی مباہلہ کرنا چاہے، تو کر سکتا ہے، تاہم کسی جھوٹے معاملہ میں دھوکا دینے کے لیے ہر گز مباہلہ نہیں کرنا چاہیے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے مباہلہ کے حوالہ سے تجربہ نقل کیا ہے کہ ناحق مباہلہ کرنے والے کو مباہلہ کے بعد سال بھر بھی جینا نصیب نہیں ہوتا، یعنی سال مکمل ہونے سے قبل ہی وہ اللہ کی پکڑ کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔

زاد المعاد في هدي خير العباد لابن قیم الجوزیہ میں ہے:

"وَمِنْهَا: أَنَّ السُّنَّةَ فِي مُجَادَلَةِ أَهْلِ الْبَاطِلِ إِذَا قَامَتْ عَلَيْهِمْ حُجَّةُ اللَّهِ، وَلَمْ يَرْجِعُوا، بَلْ أَصَرُّوا عَلَى الْعِنَادِ أَنْ يَدْعُوَهُمْ إِلَى الْمُبَاهَلَةِ، وَقَدْ أَمَرَ

اللَّهُ سُبْحَانَهُ بِذَلِكَ رَسُولَهُ، وَلَمْ يَقُلْ: إِنَّ ذَلِكَ لَيْسَ لِأُمَّتِكَ مِنْ بَعْدِكَ، وَدَعَا إِلَيْهِ ابْنُ عَمِّهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ لِمَنْ أَنْكَرَ عَلَيْهِ بَعْضَ مَسَائِلِ الْفُرُوعِ، وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِ الصَّحَابَةُ، وَدَعَا إِلَيْهِ الْأَوْزَاعِيُّ سُفْيَانَ الثَّوْرِيَّ فِي مَسْأَلَةِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ، وَلَمْ يُنْكَرْ عَلَيْهِ ذَلِكَ، وَهَذَا مِنْ تَمَامِ الْحُجَّةِ"۔[1]

فتح الباري شرح صحیح البخاري میں ہے:

"وَفِيهَا مَشْرُوعِيَّةُ مُبَاهَلَةِ الْمُخَالِفِ إِذَا أصر بعد ظُهُور الْحجَّة، وَ قد دَعَا بن عَبَّاسٍ إِلَى ذَلِكَ، ثُمَّ الْأَوْزَاعِيُّ، وَ وَقَعَ ذَلِكَ لِجَمَاعَةٍ مِنَ الْعُلَمَاءِ، وَ مِمَّا عُرِفَ بِالتَّجْرِبَةِ أَنَّ مَنْ بَاهَلَ وَكَانَ مُبْطِلًا لَا تَمْضِي عَلَيْهِ سَنَةٌ مِنْ يَوْمِ الْمُبَاهَلَةِ، وَ وَقَعَ لِي ذَلِكَ مَعَ شَخْصٍ كَانَ يَتَعَصَّبُ لِبَعْضِ الْمَلَاحِدَةِ فَلَمْ يَقُمْ بَعْدَهَا غَيْرَ شَهْرَيْنِ"۔[2]

البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

"فَإِنْ قُلْت: هَلْ يُشْرَعُ الدُّعَاءُ بِاللَّعْنِ عَلَى الْكَاذِبِ الْمُعَيَّنِ؟ قُلْت: قَالَ فِي غَايَةِ الْبَيَانِ مِنْ الْعِدَّةِ: وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: مَنْ شَاءَ بَاهَلْتُهُ أَنَّ سُورَةَ النِّسَاءِ الْقُصْرَى نَزَلَتْ بَعْدَ الَّتِي فِي سُورَةِ الْبَقَرَةِ، أَيْ: مَنْ شَاءَ الْمُبَاهَلَةَ أَيْ: الْمُلَاعَنَةَ بَاهَلْتُهُ، وَكَانُوا يَقُولُونَ إذَا اخْتَلَفُوا فِي شَيْءٍ بَهْلَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِ مِنَّا، قَالُوا: هِيَ مَشْرُوعَةٌ فِي زَمَانِنَا

---

1 - فَصْلٌ مَنْ عَظَّمَ مَخْلُوقًا بِحَيْثُ أَخْرَجَهُ عَنْ مَنْزِلَةِ الْعُبُودِيَّةِ الْمَحْضَةِ فَقَدْ أَشْرَكَ، 561/3، 562، ط: مكتبة المنار الإسلامية، الكويت۔

2 - قَوْلُهُ قِصَّةُ أَهْلِ نَجْرَانَ، 95/8، ط: دار المعرفة بيروت۔

أَيۡضًا۔ [1]

فتاوی شامی میں ہے:

"وَذَكَرَ فِي الۡبَحۡرِ مَا يَدُلُّ عَلَى الۡجَوَازِ بِمَا فِي عِدَّةِ غَايَةِ الۡبَيَانِ مِنۡ أَنَّ الۡمُبَاهَلَةَ مَشۡرُوعَةٌ فِي زَمَانِنَا وَهِيَ الۡمُلَاعَنَةُ، كَانُوا يَقُولُونَ إِذَا اخۡتَلَفُوا فِي شَيۡءٍ: بَهۡلَةُ اللَّهِ عَلَى الۡكَاذِبِ مِنَّا"۔ [2]

محدثین کرام پر مرزا کا طعن

1۔ "امام بخاری پر بنو امیہ کی خاطر حدیث چھپانے کا الزام"

یہ مرزا جہلمی کی جہالت اور حضرات محدثین سے عداوت کی علامت ہے اس لئے کہ امام بخاری جیسا متقی اور صالح اور فقیہ شخص سے اس کی امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ کسی کے دباؤ میں آکر احادیث رسول اللہ ﷺ کو چھپائیں گے اگر امام بخاریؒ کے حالات سے یہ شخص واقف ہوتا تو کبھی اس طرح کی بے تکی نہ ہانکتا چند ایک علماء کی شہادت امام بخاری کے تفقہ اور تقویٰ پر ملاحظہ فرمائیں:

امام بخاریؒ کے استاد امام حافظ رجاء بن المرجاؒ (متوفی ۲۴۹ھ) فرمایا کرتے تھے:

رجاء بن المرجى، يقول: فضل محمد بن إسماعيل على العلماء كفضل الرجال على النساء۔ [3]

کہ امام بخاریؒ کی فضیلت سارے علماء (فقہاء محدثین) پر ایسی ہے جیسے مردوں کی عورتوں پر۔

امام سُلیم بن مجاھدؒ کہتے ہیں:

---

[1] - باب اللعان، شرائط وجوب اللعان، 147/4، ط: دار الكتاب الإسلامي۔

[2] - باب اللعان، 488/3، ط: دار الفكر۔

[3] - تاریخ بغداد 2/346 سیر اعلام النبلاء 12/427، تغلیق التعلیق 5/406، مقدمۃ الفتح ص484، 483۔

سليماً يَقُوْلُ: مَا رَأَيتُ بعيني مُنْذُ سِتِّيْنَ سَنَةً أَفْقَهَ، وَلاَ أَوْرَعَ، وَلاَ أَزْهَدَ فِي الدُّنْيَا، مِنْ مُحَمَّدِ بنِ إِسْمَاعِيْلَ۔ (1)

کہ ساٹھ برس گزر گئے کہ میں نے کسی کو امام بخاری رح سے زیادہ فقیہ اور پرہیز گار نہیں دیکھا۔

عبد الحق دہلوی حنفیؒ امام بخاریؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

وے درزمان خود در حفظ احادیث واتقان آں وفہم معانی کتاب وسنت وحدّت ذہن وجودت قریحت ووفور فقہ وکمال زہد وغایت ورع وکثرت اطلاع برطرق حدیث وعلل آں ووقت نظر وقوت اجتہاد واستنباط فروع از اصول نظیرے نداشت۔ (2)

کہ وہ اپنے زمانہ میں حدیث کے حفظ واتقان، معانی کتاب وسنت کے فہم، ذہن کی تیزی، حافظہ کی عمدگی، وفور فقہ، کمال زہد، غایت ورع، اسانید وعللِ حدیث پر کثرت اطلاع، وقت نظر، قوت اجتہاد اور اصول سے فروع استنباط کرنے میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔

ملا علی قاری حنفی محدث سید جمال الدینؒ کا قول نقل کرتے ہیں:

وَمِنْ حَيْثِيَّةِ حِدَّةِ ذِهْنِهِ، وَرِقَّةِ نَظَرِهِ، وَوُفُورِ فِقْهِهِ، وَكَمَالِ زُهْدِهِ، وَغَايَةِ وَرَعِهِ، وَكَثْرَةِ اطِّلَاعِهِ عَلَى طُرُقِ الْحَدِيثِ، وَعِلَلِهِ، وَقُوَّةِ اجْتِهَادِهِ، وَاسْتِنْبَاطِهِ۔ (3)

کہ اور بحیثیت بہت زبردست ذہن اور باریک نظر رکھنے والے تھے اور فقہ میں اور کمال ذھد میں

---

1 - سیر اعلام النبلاء 12/449، تاریخ الاسلام ص 263، طبقات الشافعیہ للسبکی ج 2/227، تغلیق التعلیق 5/412۔

2 - اشعۃ اللمعات 1/5۔

3 - مرقاۃ المفاتیح 1/57۔

اور پرہیز گاری میں بہت بہت بلند تھے اور حدیث کی طروق یعنی اسانید اور حدیث کی علتوں پر بہت معلومات رکھتے تھے اور زبردست مجتہد تھے اور مسئلہ کے اخذ کرنے میں بہت زبردست تھے۔

2۔"امام ترمذی پر ناصبیت اور فرقہ پرستی کا بہتان"

اہل باطل روافض نواز اور کفر کو خوش کرنے والوں کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ جس کی بات اپنے مؤقف کے خلاف پاتے ہیں جھٹ اس پر الزامات تراشنے کو تیار ہو جاتے ہیں یہی کچھ اس مرزا جہلمی کے ساتھ بھی ہوا چنانچہ امام ترمذی کا زہد و تقویٰ ذیل کے حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے اور مرزا جہلمی اگر اتنا قابل ہے تو ان پر ناصبیت کا الزام ثابت کرکے بھی دکھائے۔

امام حاکم کہتے ہیں: میں نے عمر بن علک کو یہ کہتے سنا:

> امام بخاری کا انتقال ہوا تو انہوں نے خراسان میں علم، حفظ اور ورع و زہد میں ابو عیسیٰ ترمذی کی طرح کسی اور کو نہیں چھوڑا، ترمذی اتنا روئے کہ اندھے ہو گئے اور کئی سال اندھے رہے۔[1]

حافظ ابن حجر فتح الباری کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :

> ترمذی نے بخاری سے علم حاصل کیا، اور آپ پر کافی اعتماد کیا۔[2]

3۔"امام ابراہیم نخعی پر بغض اہل بیت کا الزام"

یہ بھی مرزا کا بغض ہے کہ وہ ایک قابل اعتماد اور ثقہ عالم کو اہل بیت کا دشمن ثابت کر رہا ہے حالانکہ ابراہیم نخعیؒ امام حافظ اور اپنے زمانے میں کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ تھے، اس وجہ سے

---

1 - السیر 13/273، تذکرۃ الحفاظ 2/634، تھذیب التھذیب 9/389۔ اس کے علاوہ الانساب، وفیات الاعیان اور تذکرۃ الحفاظ میں امام بخاری کا ذکر مدح کے الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

2 - ھدي الساري:492۔

انہیں فقیہ العراق کا لقب دیا گیا ہے، آپ کی روایات صحاح ستہ اور باقی تمام بنیادی حدیث کی کتب میں موجود ہیں، آپ کی والدہ کا نام ملیکہ بنت یزید تھا جو کہ امام اسود بن یزید اور عبد الرحمن بن یزید کی بہن تھیں جو عبد اللہ بن مسعود کے کبار اصحاب میں شامل ہیں۔

امام ابوالحسن عجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لم يحدث عن أحد من أصحاب النبی صلى الله عليه وسلم و قد أدرك منهم جماعة ، و رأى عائشة رؤيا ، و كان مفتى أهل الكوفة هو و الشعبی فی زمانهما ، و كان رجلا صالحا فقيها متوقيا قليل التكلف۔[1]

ابراہیم نے کسی صحابی رسول ﷺ سے روایت نہیں لی ہے لیکن ان کی ایک جماعت کا زمانہ پایا ہے، اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی دیکھا ہے، وہ اور امام شعبی اپنے زمانے میں اہل کوفہ کے مفتی تھے، وہ صالح فقیہ، محتاط اور قلیل التکلف شخص تھے۔

امام اسماعیل بن ابی خالد فرماتے ہیں:

كان الشعبي وإبراهيم وأبو الضحى يجتمعون في المسجد يتذاكرون الحديث، فإذا جاءهم شيء ليس عندهم فيه رواية رموا إِبْرَاهِيم بأبصارهم۔[2]

شعبی، ابراہیم اور ابوضحی مسجد میں جمع ہو کر حدیث پر تذکرہ کیا کرتے تھے، اور جب ان کے پاس کوئی ایسا مسئلہ پیش آتا جس میں ان کے پاس کوئی روایت نہ ہو تو وہ ابراہیم کی طرف اپنی نظریں جماتے تھے۔

---

1 - كتاب الثقات، ص: 3۔

2 - الجرح والتعديل لابن ابي حاتم: 144/1/1، وتاريخ يحيى رواية عباس: 17/2۔

جب ابراہیم فوت ہوئے امام شعبی نے فرمایا:

ما ترك بعده خلف۔ [1]

انہوں نے اپنے بعد کوئی ان جیسا نہیں چھوڑا۔

4۔ "امام محمد بن سیرین تابعی پر بہتان کہ وہ آج کے بدعتیوں کی طرح قرآن وحدیث ٹھکرانے کو ٹھکراتے تھے"

یہ بھی مرزا جہلمی کی خباثت باطنی کی ایک جھلک ہے کیونکہ کبار تابعین میں محمد بن سیرین کا شمار ہوتا ہے:

جب صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے محمد بن سیرین غسل دیں اور وہی جنازہ پڑھائیں۔ [2]

امام شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ اپنی شہرت یافتہ کتاب "میزان الاعتدال فی نقد الرجال" کے مقدمہ میں ان ثقہ راویوں کا تذکرہ کرتے ہوئے جن کی احادیث قابل استناد نہیں سمجھی گئیں، لکھتے ہیں:

روی عاصم الاحوال عن ابن سیرین قال لم یکونوا یسئالون عن الاسناد وحتی وقعت الفتنة فلما وقعت نظروا من کان من اهل السنة اخذوا حدیثه ومن کان من اهل البدعة ترکوا حدیثه۔ [3]

1۔ سیر اعلام النبلاء: 526/4۔

2۔ سیر تابعین ص 146۔

3۔ مقدمه میزان الاعتدال ج1ص47۔

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اوئل میں حدیث کی روایت میں اسناد کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا، انجام کار فتنے اٹھنے لگے اور صالحین امت کی طرح اہل بدعت نے بھی روایتِ حدیث شروع کر دی تو ہم نے حق و باطل میں امتیاز کرنے کے لیے یہ معیار مقرر کیا کہ صرف اہل السنت والجماعت سے حدیث لی جائے اور اہل بدعت کی روایت کردہ حدیث چھوڑ دی جائے۔

تنقیح روایت کا بہت عمدہ اور معیاری اصول حضرت امام ابن سیرین رحمہ اللہ نے اختیار فرمایا ورنہ آج اصل و نقل، صحیح و موضوع میں تمیز کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو قلابہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> اے لوگو! تم جس حیثیت سے چاہو امام محمد بن سیرین کو جانچ لو! انہیں ورع و تقویٰ میں اور اپنے نفس پر سب سے زیادہ کنٹرول کرنے والا پاؤ گے۔ (1)

حضرت ابن عون رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> میں نے دنیا میں تین اشخاص بے مثال دیکھے، عراق میں محمد بن سیرین، حجاز میں قاسم بن محمد اور شام میں رجاء بن حیوۃ پھر ان تینوں میں ابن سیرین بے مثال تھے۔ (2)

حضرت عثمان کے مخالف برحق تھے

مرزا محمد علی جہلمی سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف باغیوں کو برحق کہتا ہے۔

یہ مرزا جہلمی کی صحابہ کرام اور خصوصاً حضرت عثمان سے دشمنی کی واضح دلیل ہے جو بدیہی طور پر روافض کی طرف داری اور وکالت ہے اس سلسلے میں سب سے پہلے امام بخاری کی طرف سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کے حالات واقعات اور اُن کے حق میں دروغ گوئی کرنے والوں کے

---

[1] ۔ تہذیب التہذیب ج5ص628۔

[2] ۔ تہذیب التہذیب ج5ص628۔

جھوٹ کا رد ملاحظہ کیجئے:

انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فرمان اور حکم بارہ سال چلتا رہا ان کی امارت میں لوگوں نے کوئی برائی نہیں دیکھی حتی کے فاسق لوگ آگئے اور اہل مدینہ نے حضرت عثمان کے معاملہ میں نرمی سے کام لیا(یعنی شدت اختیار نہ کی)لہذا وہ مقصد میں کامیاب ہوگئے۔[1]

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقام بیان کرتے ہوئے غنیہ الطالبین میں اُن کے دور کی بہترین صفائی پیش کی ہے فرماتے ہیں کہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ برحق امام تھے یہاں تک کہ وہ شہید کئے گئے اور ان کے دور میں کوئی ایسی بات نہیں پائی گئی تھی جس کی وجہ سے ان کو مطعون کیا جاسکے یا ان کی طرف فسق کی نسبت کی جاسکے یا اُن کے قتل کا سبب قرار دیا جاسکے۔[2]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سالم بن عبد اللہ دور عثمانی کی کیفیت کو پیش کرتے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب سے خلیفہ المسلمین مقرر ہوئے تھے آخر حج کے بغیر تمام سالوں میں انہوں نے خود حج کرائے (ان کے دور میں لوگ امن وامان میں تھے حضرت عثمان کی طرف سے حکام اور دکانداروں کو حکم لکھ کر ارسال کیا جاتا اور جن لوگوں کو اُن کے متعلق کوئی شکایت ہوتی ان کو بھی لکھ دیا جاتا کہ دونوں فریق ہر سال حج کے موقع پر حاضر ہوں (تاکہ شکوہ شکایات سُن کر ان کا ازالہ کیا جاسکے) اور

---

1 - تاریخ الصغیر امام بخاری صفحہ 32 طبع الہ آباد ہند تحت ذکر من مات فی حلافۃ عثمان رضی اللہ عنہ۔

2 - غنیہ الطالبین مترجم صفحہ 137، فصل یعتقد اہل السنہ۔۔۔۔الخ شیخ جیلانی المتوفی 561ھ طبع لاہور۔

شہروں میں لوگوں کی طرف حضرت عثمان تحریری فرمان ارسال کرواتے کہ نیکی کا حکم کیا کرو اور برائی سے باز رہو۔۔۔اور کوئی مسلمان اپنے آپ کو ذلیل وعاجز نہ سمجھے میں قوی شخص کے مقابلے میں ضعیف آدمی کے ساتھ ہوں جب تک وہ مظلوم ہے ان شاء اللہ۔۔۔لوگوں کی یہی حالت رہی اور اسی حالت پر قائم تھے حتی کے بعض حکموں نے اس طریق کار کو تفریق امت کا ذریعہ اور افتراق قوم کا وسیلہ بنایا (یعنی جاوبے جا اعتراض کھڑے کرکے اختلاف کی راہ پیدا کرلی) ۔[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ایک موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بطور سوال یہ بات پیش کی گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کو قتل عثمان رضی اللہ عنہ پر کس چیز نے برانگیختہ کیا تھا؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ حسد نے انہیں اس کام پر آمادہ کیا۔[2]

مصر وغیرہ کے بہت سے لوگ ان کے پروپگنڈے سے متاثر ہوکر فتنوں میں مبتلا ہوئے ان لوگوں نے کوفہ وبصرہ کے عوام کی جماعتوں کی طرف مراسلت وخط وکتابت جاری کررکھی تھی شکایات عثمانی ان مراسلات کا موضوع ہوتا تھا اس طریق سے انہوں نے لوگوں کو مخالفت عثمانی پر مجتمع کیا اور کچھ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف بحث وجدال کرنے کے لئے مدینہ ارسال کئے وہاں جاکر انہوں نے کبار صحابہ کو معزول کرنے اور اپنے رشتہ داروں کو عامل بنانے کے طعن ذکر کئے اس طرح لوگوں کے قلوب میں شبہات ڈالنے کی کوشش کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔الخ۔[3]

---

1 - تاریخ الطبری جلد 5 صفحہ 134 تحت ذکر بعض سیرہ عثمان رضی اللہ عنہ۔

2 - کتاب السنہ الامام احمد صفحہ 197 طبع مکہ المکرمہ سن طباعت ۱۳۴۹ھ۔

3 - البدایہ لابن کثیر جلد 7 صفحہ 167، 168۔

آپ ملاحظہ فرمائیں جن لوگوں کو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حاسد اور فتنہ گر فرمارہے ہیں ان کو مرزا صاحب حق پرست کہتے ہیں تو یہ کس قدر اسلاف سے بیزاری اور روافض و خوارج کی طرف داری ہے۔

اہلسنت پر تحریف قرآن کا الزام

"اہل سنت کی کتب میں تحریف قرآن کے اثبات کا الزام"

روافض کے عقیدہ تحریف قرآن کی طرح مرزا صاحب اس کو اہلسنت پر تھوپنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں اور اہلسنت پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ بھی تحریف قرآن کے قائل ہیں ذیل میں ہم روافض اور اہلسنت دونوں کے عقیدہ پر مختصراً روشنی ڈالتے ہیں تاکہ بات واضح ہو جائے۔

روافض کی معتبر کتب میں تقریباً دو ہزار روایات ایسی ہیں جو اس موجودہ قرآن کو محرف بتاتی ہیں اور ان روایات کو رافضی مصنفین نے اپنے زعم کے مطابق ائمہ معصومین سے نقل کیا ہے۔ بلکہ باقر مجلسی کی تحریرات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کی روایات عقیدہ امامت کی طرح متواتر ہیں۔ چنانچہ ایک روایت نقل کر کے لکھتے ہیں:

> فالخبر صحیح ولایخفی ان ھٰذا الخبر وکثیر من الاخبار الصحیحۃ صریحۃ فی نقص القرآن وتغییرہ ، وعندی ان الاخبار فی ھٰذا الباب متواترۃ معنیً وطرح جمیعھا یوجب رفع الاعتماد عن الاخبار راساً بل ظنی ان الاخبار فی ھٰذا الباب لایقصر عن اخبار الامامۃ۔[1]

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے، نیز یہ روایت اور دیگر کئی ایک صحیح روایات تحریف قرآن پر صراحتاً دال ہیں۔ میرے نزدیک مسئلہ تحریف کی روایات متواتر معنوی ہیں، ان تمام روایات کو ترک

---

1 - مرآۃ العقول، لملا باقر مجلسی ، ج4ص857۔

کرنے سے پورے فن حدیث سے اعتماد ختم ہو جائے گا۔ میرے علم کے مطابق مسئلہ تحریف کی روایات مسئلہ امامت سے کم نہیں۔

اسی طرح نعمت اللہ جزائری نے لکھا:

ان تسلیم تواترها عن الوحی الالٰهی وکون الکل قد نزل به الروح الامین یفضی الیٰ طرح الاخبار المستفیضة بل المتواترة الدالة بصریحها علیٰ وقوع التحریف فی القرآن کلاماً ومادة واعراباً مع ان اصحابنا رضوان الله علیهم قد اطبقوا علیٰ صحتها والتصدیق بها۔ (1)

ترجمہ: اگر اس موجودہ قرآن کو اصلی مان لیا جائے تو ان تمام متواتر روایات کو چھوڑنا پڑے گا جو اس بات کی دلیل ہیں کہ قرآن کریم کی عبارت، الفاظ اور اعراب میں تحریف کی گئی ہے، نیز ہمارے شیعہ ان روایات کی صحت پر متفق ہیں اوران کی تصدیق بھی کرتے ہیں۔

جس طرح کتب شیعہ میں ائمہ معصومین کے اقوال موجود ہیں کہ موجودہ قرآن محرّف اور تبدیل شدہ ہے، اصلی نہیں ہے اسی طرح اہلسنت پر الزام تب ثابت ہو گا جب نبی علیہ السلام سے کوئی روایت پیش کی جائے کہ یہ قرآن اصلی نہیں بلکہ تحریف شدہ ہے کیونکہ اہل سنت نبی کے علاوہ کسی کو بھی معصوم نہیں مانتے، اسی طرح کتب شیعہ میں تحریف کی روایات بقولِ شیعہ مصنفین متواتر ہیں، لہٰذا ان کا حق بنتا ہے کہ کتبِ اہلسنت سے متواتر روایات پیش کریں، اخبار احاداور ضعیف روایات کو پیش نہ کریں، اور جو روایت یاعبارت پیش کریں اس میں یہ الفاظ ہوں کہ موجودہ قرآن اصلی نہیں بلکہ محرف ہے، اختلاف قراءت یامنسوخ کی بات نہ ہو۔

---

1 - انوار نعمانیہ ج2ص311۔

اکل داجن کے شبہ کا جواب

ایک شبہ اہلسنت پر یہ پیش کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید کا ایک حصہ ایسا تھا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھا، جس کو بکری کھا گئی تھی۔ ابن ماجہ میں روایت ہے:

عن عائشة: قالت لقد نزلت آية الرجم ورضاعة الكبير عشرا . ولقد كان في صحيفة تحت سريري . فلما مات رسول الله صلى الله عليه و سلم وتشاغلنا بموته دخل داجن فأكلها۔ [1]

اس شبہ کا پہلا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جن آیات کا تذکرہ فرمایا ہے، یہ باجماع امت وہ آیتیں ہیں جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے۔ جیسا کہ محققین نے تصریح کی ہے:

چنانچہ امام علامہ آلوسی بغدادی فرماتے ہیں: "أن جميع ذلك منسوخ"۔ [2]

خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس کے منسوخ ہونے کی قائل ہیں۔ لہذا اگر انھوں نے یہ آیات کسی کاغذ پر لکھ کر رکھی ہوئی تھیں تو اس کا منشاء سوائے ایک یادگار کے تحفظ کے اور کچھ نہ تھا، ورنہ اگر یہ آیات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک قرآن کریم کا جزء ہوتیں تو وہ کم از کم ان کو تو یاد تھیں، وہ ان کو قرآن کریم کے نسخوں میں درج کراتیں، لیکن انھوں نے ساری عمر ایسی کوشش نہیں کی، اس سے صاف واضح ہے کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک یہ آیات محض ایک علمی یادگار کی حیثیت رکھتی تھیں اور قرآن کریم کی دوسری آیات کی طرح اس کو مصحف میں درج کرانے کا کوئی اہتمام ان کے پیش نظر بھی نہیں تھا۔

---

[1] ۔ سنن ابن ماجة 625/1، باب رضاع الكبير، ط، داراحياء الكتب العربية۔

[2] - روح المعانی ج4ص254۔

لہذا اس واقعہ سے قرآن کریم کی حفاظت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ ابن ماجہ کی اس روایت میں راوی "عبد الاعلیٰ" کو ائمہ جرح وتعدیل نے ضعیف قرار دیا ہے:

امام شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لم یکن بالقوی"۔ [1]

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "قدریا لم یکن بالقوی"۔ [2]

دوسرا راوی "محمد بن اسحاق" ہے، اس کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل نے یہ رائے دی ہے:

متهم بالقدر، يتشيع، يحدث عن المجهولين الاحاديث الباطلة، كان يدلس ،كذاب ،معتزلي ،دجال ،ليس بحجة۔ [3]

اس پر قدری ہونے کا الزام ہے، شیعہ بھی تھا، مجہول لوگوں سے باطل احادیث روایت کرتا تھا، تدلیس بھی کرتا تھا، جھوٹا، معتزلی، دجال تھا اور احادیث میں حجت بھی نہیں تھا۔

اور تیسرا جواب اس کا یہ ہے کہ محققین نے اس روایت کو باطل قرار دیا ہے، لہذا یہ روایت حجت نہیں، مشہور فقیہ اور اصولی امام ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی المتوفی سنہ 490ھ نسخ کے متعلق علمی بحث کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ بالا روایت کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "لا أصل هذا الحديث" ۔ [4]

---

1 - ميزان الاعتدال للذہبی ج2ص90۔

2 - تہذیب التہذیب لابن حجر ج3 ص96۔

3 - تهذيب التهذيب لابن حجر ج ص39، ميزان العتدال للذہبی ج3ص22،21 ،تاریخ بغداد ج1ص230۔

4 - اصول السرخسی ج2ص80۔

کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں، یعنی یہ حدیث ثابت ہی نہیں۔
امام ابو البرکات النسفی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: "فمن تأليفات الملاحدة والروافض"۔ [1]
یعنی یہ روایت روافض کی کارستانی ہے۔
شیخ محمد طاہر بن عاشور اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: "فمن تأليفات الملاحدة والروافض"۔ [2] یعنی یہ روایت روافض کی کارستانی ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت باطل ہے، اس کو لے کر قرآن کے بارے میں یہ نظریہ رکھنا کہ اس کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا غلط ہے۔

معوذتین پر شبہ کا جواب

ایک شبہ یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ اہلسنت والجماعت کی کتب میں بھی موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو قرآن نہیں سمجھتے تھے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ اس قول کی نسبت ابن مسعود کی طرف صحیح نہیں۔

قال فخر الدين الرازى: والأغلب على الظن أن نقل هذا المذهب عن ابن مسعود نقل كاذب باطل۔ [3]

قال النووى : أجمع المسلمون علي أن المعوذتين والفاتحة وسائر السور المكتوبة في المصحف قرآن وأن من جحد شيئا منه كفر وما

---

[1] - تفسیر المدارک للنسفی ج 3 ص 234۔

[2] - التحریر والتنویر ج 21 ص 247۔

[3] - تفسیر کبیر ج 1 ص 131 سورۃ الفاتحۃ۔

نقل عن ابن مسعود في الفاتحة والمعوذتين باطل ليس بصحيح عنه۔[1]

معلوم ہوا کہ اس قول کی نسبت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف کرنا درست نہیں۔

اور اگر بالفرض والمحال اس قول کی نسبت آپ کی طرف مان بھی لی جائے تو اہلِ علم کے بقول اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ یہ سورتیں جھاڑ پھونک کے لیے اتری ہیں، لہٰذا ان کو مصحف میں نہ لکھا جائے۔ آپ ان کے مطلق کلام الٰہی ہونے کے ہر گز منکر نہیں، علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال القاضي أبو بكر لم يصح عنه أنها ليست من القرآن ولا حفظ عنه إنما حكها وأسقطها من مصحفه إنكارا لكتابتها لا جحدا لكونها قرآنا لأنه كانت السنة عنده ألا يكتب في المصحف إلا ما أمر النبي بإثباته فيه ولم يجده كتب ذلك ولا سمعه أمر به۔[2]

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

معوذتین کے قرآن ہونے پر تمام صحابہ کا اجماع ہے اور ان کے عہد سے آج تک بتواتر ثابت ہے، صرف ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ان دو سورتوں کو اپنے مصحف میں نہیں لکھتے تھے۔ لیکن واضح رہے کہ ان کو بھی ان سورتوں کے کلام اللہ ہونے میں شبہ نہ تھا، وہ مانتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور لاریب آسمان سے اترا ہے مگر ان کے نازل کرنے کا مقصد رقیہ اور علاج تھا، معلوم نہیں کہ تلاوت کی غرض سے اتاری گئی یا نہیں، اس لئے ان کو مصحف میں درج کرنا اور اس قرآن میں

---

[1] ۔ المجموع شرح المهذب ج3ص396فصل في مسائل مهمة تتعلق بقراءة الفاتحة وغيرها في الصلاة۔

[2] - الاتقان فی علوم القرآن ج1ص212۔

شامل کرنا جس کی تلاوت نماز وغیرہ میں مطلوب ہے خلاف احتیاط ہے۔[1]

اسی طرح بقول علامہ آلوسی رحمہ اللہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول (کہ ان کو مصحف میں نہ لکھا جائے) سے رجوع کر لیا تھا: "ولعل ابن مسعود رجع عن ذالك"۔[2]

اس پر قرینہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی جو متواتر آیتیں ہیں ان میں متعدد سندیں حضرت ابن مسعود کے واسطہ سے حضور علیہ السلام تک پہنچی ہیں خصوصاً کوفہ کے تین قاری؛ عاصم، حمزہ اور کسائی، ان کی سندیں جن واسطوں سے آپ علیہ السلام تک پہنچتی ہیں ان میں ایک نام حضرت ابن مسعود کا بھی ہے اور ان تینوں کی قراءت میں معوذتین قرآن کا حصہ ہیں، تو اگر استاد کی قرات میں یہ قرآن کا حصہ نہ تھے تو شاگردوں کی قراءت میں کیسے آ گیا؟ اسی بات کو علامہ ابن حزم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

هذا كذب علي ابن مسعود موضوع وإنما صح عنه قراءة عاصم عن زر عن ابن مسعود وفيها الفاتحة والمعوذتان.[3]

وأما قولهم أن مصحف عبد الله ابن مسعود خلاف مصحفنا فباطل وكذب وإفك مصحف عبد الله بن مسعود إنما فيه قراءته بلا شك وقراءته هي قراءة عاصم المشهورة عند جميع أهل الإسلام في شرق الدنيا وغربها نقرأ بها كما ذكرنا۔[4]

---

1 - تفسیر عثمانی ج2ص944،945۔

2 - روح المعانی ج30 ص279۔

3 - المجموع شرح المهذب ج3ص396۔

4 - الفصل فی الملل والاهواء والنحل لابن حزم ج2ص65۔

حضرت کشمیریؒ کے حوالے سے اعتراض کا جواب

ایک شبہ یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ سنی عالم علامہ محمد انور شاہ کشمیری نے اپنی کتاب "فیض الباری" میں لکھا ہے:

واعلم ان فی التحریف ثلاثة مذاہب، ذہب جماعة الی ان التحریف فی الکتب السماویة قد وقع بکل نحو فی اللفظ والمعنی جمیعاً، وھو الذی مال الیه ابن حزم وذہب جماعة الی انکار التحریف اللفظی راساً فالتحریف عندہم کله معنوی، قلت: یلزم علی ھذا المذہب ان یکون القرآن ایضاً محرفاً، فان التحریف المعنوی غیر قلیل فیه ایضاً، والذی تحقق عندی ان التحریف فیه لفظی ایضاً، اما انه عن عمد منہم او لمغلطة.[1]

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے یہ عبارت حضرت ابن عباس سے منقول اس روایت کی تشریح میں ذکر فرمائی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ كَيْفَ تَسْأَلُونَ أَهْلَ الْكِتَابِ وَكِتَابُكُمْ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَى نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْدَثُ الْأَخْبَارِ بِاللَّهِ تَقْرَءُونَهُ لَمْ يُشَبْ وَقَدْ حَدَّثَكُمْ اللَّهُ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ بَدَّلُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ وَغَيَّرُوا بِأَيْدِيهِمْ الْكِتَابَ فَقَالُوا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ {لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا} أَفَلَا يَنْهَاكُمْ مَا جَاءَكُمْ مِنْ الْعِلْمِ عَنْ

---

1 - فیض الباری: ج3 ص3945۔

مُسَاءَلَتِهِمْ وَلَا وَاللَّهِ مَا رَأَيْنَا مِنْهُمْ رَجُلًا قَطُّ يَسْأَلُكُمْ عَنْ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَيْكُمْ.[1]

اس روایت میں اہلِ کتاب کی تحریف کا ذکر ہے اور حضرت کشمیری رحمہ اللہ نے بھی اپنی مذکورہ عبارت میں پچھلی کتب سماویہ میں اہل کتاب کی تحریف کا ذکر فرمایا ہے جیسا کہ اس عبارت میں "ان التحریف فی الکتب السماویة" کے الفاظ سے واضح ہے، اس کے بعد آخر میں "ان التحریف فیه لفظی" میں "فیه" کی ضمیر حدیث ابن عباس میں "ما کتب الله" کی طرف راجع ہے، قرآن کی طرف نہیں کیونکہ حضرت شاہ صاحب پچھلی کتب سماویہ میں ہی اختلاف مذاہب بیان کررہے ہیں، اور پھر "والذی تحقق عندی" سے پچھلی کتب کی تحریف میں اختلافی مذاہب میں قول محقق ذکر فرمارہے ہیں، نیز اس سے اگلی عبارت "اما انه عن عمد منهم" میں "منهم" کی ضمیر غائب کا مرجع بھی حدیث ابن عباس میں "اہل الکتاب" ہوناواضح ہے۔

لہذا اس تمام بحث سے ثابت اور واضح ہو گیا کہ اہلسنت میں سے کوئی بھی تحریف کا قائل نہیں اور روافض کے ہاں تواتر سے تحریف ثابت ہے اور مرزا جہلمی اپنی جہالت اور روافض نوازی کی بدولت اہلسنت پر صرف الزام دھرتا ہے اس کی بات میں کوئی حقیت موجود نہیں ہے اور اسلاف سے بے اعتمادی کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ انسان ہدایت کی بجائے گمراہی کی گھاٹیوں بھٹکتا پھرتا ہے۔

مرزا جہلمی کی قادیانیت نوازی

محمد علی مرزا کے نزدیک "مرزا قادیانی نے دعوی نبوت کیا ہی نہیں" اور "قادیانی اہل کتاب سے بہتر ہیں"

1 - صحیح البخاری: ج1ص329 باب لا یسال اہل الشرك عن الشھادة وغیرہا۔

مرزا غلام قادیانی ایک مخبوط الحواس اور نیم پاگل سا آدمی تھا اس نے اپنی زندگی میں کئی قسم کے دعوے کئے اگر اس کے تمام دعوؤں کا جائزہ لیا جائے تو یہ ایک پاگل اور مجنون انسان ثابت ہوتا ہے غرض ولی، مجدد، مہدی اور مسیح کے دعاوی کے علاوہ نبی ہونے کا بھی دعویٰ کیا جو ایک نہیں کئی جگہوں پر صراحت سے موجود ہے لیکن مرزا محمد علی کے بقول اس نے کبھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا افسوس ہے اس پر کہ اتنے واضح ثبوت کے باوجود تاویل اور تقیہ کو مرزا صاحب نے مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے۔

مرزا قادیانی کا دعویٰ نبوت بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں اور انصاف فرمائیں کہ کس قدر صراحت کے ساتھ اس نے خود کو نبی کہا ہے:

"میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی ہوں۔ یعنی بھیجا گیا بھی اور خدا سے غیب کی خبریں پانے والا بھی"۔ (1)

ایک اور جگہ پر کہتا ہے:

"خدا تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء علیہم السلام کا مظہر ٹھہرایا ہے اور تمام نبیوں کے نام میری طرف منسوب کیے ہیں، میں آدم ہوں، میں شیث ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحق ہوں، میں اسمٰعیل ہوں، میں یعقوب ہوں، میں یوسف ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں، میں عیسیٰ ہوں اور آنحضرت ﷺ کے نام کا میں مظہر اتم ہوں یعنی ظلی طور پر محمد اور احمد ہوں"۔ (2)

اسی طرح ایک اور مقام پر کہتا ہے:

---

[1] - ایک غلطی کا ازالہ، صفحہ 7، مندرجہ روحانی خزائن جلد 18، صفحہ 211، از مرزا قادیانی۔

[2] - حقیقت الوحی، (حاشیہ) صفحہ 73، مندرجہ روحانی خزائن، جلد 22، صفحہ 76، از مرزا قادیانی۔

میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا اور میرا نام نبی رکھا۔[1]

انہی وجوہات کی بنا پر علماء اسلام نے متفقہ فتویٰ جاری کیا ہے کہ قادیانی جتنے بھی ہیں خواہ وہ اسلام چھوڑ کر مرتد ہوئے ہوں، یا قادیانیوں کے گھر میں پیدا ہوئے ہوں اور یہ کفران کو ورثے میں ملا ہو، ان سب کا ایک ہی حکم ہے یعنی مرتد اور زندیق کا؛ کیوں کہ ان کا جرم صرف یہ نہیں کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر کافر بنے ہیں، بلکہ ان کا جرم یہ ہے کہ دین اسلام کو کفر کہتے ہیں، اور اپنے دین کفر کو اسلام کا نام دیتے ہیں، اور یہ جرم ہر قادیانی میں پایا جاتا ہے۔

اور یہ بھی تمام مکاتبِ فکر کا متفقہ فتوی ہے کہ قادیانیوں / مرزائیوں سے خرید و فروخت، تجارت، لین دین، سلام و کلام، ملنا جلنا، کھانا پینا، شادی و غمی میں شرکت، جنازہ میں شرکت، تعزیت، عیادت، ان کے ساتھ تعاون سب شریعتِ اسلامیہ میں سخت ممنوع اور حرام ہیں۔ قادیانیوں کا مکمل بائیکاٹ ان کو توبہ کرانے میں بہت بڑا علاج اور ان کی اصلاح اور ہدایت کا بہت بڑا ذریعہ اور ہر مسلمان کا اولین ایمانی فریضہ ہے اور رسول للہ ﷺ سے محبت کی نشانی ہے، لہذا کسی بھی مرزائی سے تعلقات رکھنا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح قادیانی مرزائی کو اہل کتاب کہنا غلط ہے، کہنے والے کو اپنے قول سے توبہ کرنی چاہیے، انھیں اہل کتاب کہنا اس لیے جائز نہیں کہ یہ عقیدۂ ختم نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر و مرتد ہو گئے، یہ خود بھی اپنے کو اہل کتاب نہیں کہتے تو یہ توجيه القول بما لا يرضى به القائل ہوئی اور مرزا جہلمی کا حال بعینہ "مدعی سست گواہ چست" والا ہے۔

---

[1] - تتمہ حقیقۃ الوحی 68۔

غامدی صاحب کی ہمنوائی

مرزا صاحب کے نزدیک موسیقی پر غامدی کا موقف درست ہے۔

غامدی صاحب اس بارے میں لکھتے ہیں:

موسیقی انسانی فطرت کا جائز اظہار ہے اس لئے اس کے مباح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، ماہر فن مغنیہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا گانا سنانے کی خواہش ظاہر کی تو آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ کو اس کا گانا سنوایا، سیدہ عائشہ حضور ﷺ کے شانے پر سر رکھ کر دیر تک گانا سنتی اور رقص دیکھتی رہیں۔ (1)

حالانکہ موسیقی قرآن وحدیث کی روشنی میں ناجائز ہے اور فقہاء امت کے چاروں مکاتب فکر اس مسئلے کے عدم جواز پر متفق ہیں بے شمار آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ میں اس کی ممانعت موجود ہے ذیل میں ان میں سے کچھ کو ذکر کیا جاتا ہے۔

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡتَرِي لَهۡوَ الۡحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنۡ سَبِيلِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴾ (2)

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ان باتوں کے خریدار بنتے ہیں جو اللہ سے غافل کرنے والی ہیں، تاکہ اللہ کی یاد سے بے سمجھے گم راہ کرے اور اس کی ہنسی اڑائے، ایسے لوگوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

قال ابن جرير: حدثني يونس بن عبد الأعلى، أخبرنا ابن وهب، أخبرني يزيد بن يونس، عن أبي صخر، عن أبي معاوية البجلي، عن سعيد بن

---

[1] ۔ماہنامہ اشراق مارچ 2004ء ص 8، 19۔

[2] ۔ سورة لقمان آيت نمبر 6۔

جبير، عن أبي الصهباء البكري، أنه سمع عبد الله بن مسعود وهو يسأل عن هذه الآية: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فقال عبد الله: الغناء، والله الذي لا إله إلا هو، يرددها ثلاث مرات.

حدثنا عمرو بن علي، حدثنا صفوان بن عيسى، أخبرنا حُمَيْد الخراط، عن عمار، عن سعيد بن جبير، عن أبي الصهباء: أنه سأل ابن مسعود عن قول الله: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ﴾، قال: الغناء.

وكذا قال ابن عباس، وجابر، وعِكْرِمة، وسعيد بن جُبَيْر، ومجاهد، ومكحول، وعمرو بن شعيب، وعلي بن بَذيمة.

وقال الحسن البصري: أنزلت هذه الآية: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ في الغناء والمزامير"۔[1]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا جاتا تو آپ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ " لهو الحديث" سے مراد گانا ہے، یہی تفسیر حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت جابر رضی اللہ عنہم ، حضرت عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد ، مکحول ، حسن بصری اور عمرو بن شعیب رحمہم اللہ جیسے جلیل القدر حضرات سے منقول ہے۔

وعن جابر قال : قال رسول الله ﷺ : " الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء الزرع " . رواه البيهقي في " شعب الإيمان۔[2]

---

[1] - تفسير ابن كثير، دار طيبة، 6/330۔

[2] - مشكاة المصابيح، 3/42۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: گانا دل میں نفاق کو اس طرح پیدا کرتا ہے جیسے پانی کھیتی کو اگاتا ہے۔

وعن نافع رحمه الله قال : كنت مع ابن عمر في طريق فسمع مزماراً، فوضع أصبعيه في أذنيه، وناء عن الطريق إلى الجانب الآخر، ثم قال لي بعد أن بعد : يا نافع هل تسمع شيئاً؟ قلت : لا، فرفع أصبعيه عن أذنيه قال : كنت مع رسول الله ﷺ فسمع صوت يراع، فصنع مثل ما صنعت قال نافع: فكنت إذ ذاك صغيراً، رواه أحمد وأبو داود۔[1]

حضرت نافع سے روایت ہے کہ میں ایک جگہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جارہا تھا، انہوں نے بانسری کی آواز سنی تو اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور راستے سے ایک طرف ہو کر چلنے لگے، دور ہو جانے کے بعد مجھ سے کہا: اے نافع کیا تم کچھ سن رہے ہو؟ میں نے کہا: نہیں، انہوں نے کان سے انگلیاں نکالیں اور فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جارہا تھا، نبی کریم ﷺ نے بانسری کی آواز سنی اور ایسے ہی کیا جیسا میں نے کیا۔

موجودہ دور میں جو میوزک استعمال ہو رہا ہے یہی ممنوع اور ناجائز میوزک ہے حضرت دائود علیہ السلام قطعاً میوزک کے شوقین نہیں تھے ان کی طرف اس بات کی نیت کرنا افتراء اور سخت گناہ ہے لہٰذا اس سے احتراز لازم ہے نیز ایک بندے کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے حرمت کا حکم آجانا ہی کافی ہے اس کی منطق اور حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے البتہ بظاہر ایک حکمت اس حدیث سے جس میں یہ فرمایا گیا کہ غناء دل میں نفاق پیدا کرتا ہے یہ سمجھ میں آتی ہے کہ گانے اور

---

1 - مشکاۃ المصابیح، 3/ 43۔

موسیقی کی وجہ سے اخلاص اور حقیقت پسندی ختم ہو کر نفاق اور دکھلاوا پیدا ہوتا ہے اس لیے اس سے بچنا ضروری ہے۔

گستاخ رسول کی سزا قتل نہیں ہونی چاہیئے

مرزا جہلمی کہتا ہے کہ شاتم رسول کی سزا قتل قرار دینا ظلم اور قرآن وسنت کے خلاف ہے۔

نبی کریم ﷺ کی گستاخی شدید ترین جرم ہے، اس کے بعد ایمان سلامت رہنا بھی دشوار ہے:

وقال في سابّ الأنبياء: والكافر يسب نبي من الأنبياء فإنه يقتل حدا ولا تقبل توبته مطلقا۔ [1]

گستاخ رسول کی سزا فقہاء نے یہی لکھی ہے کہ اس کو بطور حد کے قتل کر دیا جائے گا اور توبہ کرنے پر بھی یہ سزا اس سے معاف نہیں ہوگی، نیز یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ اس طرح کی سزاؤں کا جاری کرنا حکومت کا کام ہے، ہر کس و ناکس اس طرح کی سزا جاری کرنے کا مجاز نہیں ہے مزید تفصیل وحید الدین خان کے عقائد و نظریات کے تحت ذکر کی جا چکی ہے۔

اسلاف سے بے اعتمادی

مرزا جہلمی تقریباً اپنی ہر تقریر میں کہتا ہے کہ میں علمی کتابی ہوں بابی نہیں ہوں یعنی کتب بینی اور کتاب کی دلیل سے بات کرتا ہوں اور بابوں یعنی بزرگوں اور اسلاف کی بات پر اعتماد کرنے والا نہیں ہوں اور یہی اس کی جہالت کی دلیل ہے کیونکہ جن کتب کی بنیاد پر یہ خود کو کتابی کہلاتا ہے وہ بھی تو بابوں نے یعنی اسلاف نے لکھی ہیں یہ کتب کوئی مرزے پر الہام یا وحی کے ذریعے تو نہیں آئیں اس لئے یہ نعرہ ہی نری جہالت ہے۔

---

1 - فتاویٰ شامی، ج6 ص370، ط، زکریا۔

کسی بھی قوم کا رابطہ اگر اپنے ماضی سے ٹوٹ جائے تو اس قوم کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی گناہ کے نتیجے میں پیدہ ہونے والے بچے کہ کوئی کچرے کے ڈھیر پر پھینک جائے اور وہ اپنے حقیقی نام و نسب کی تلاش میں ہمیشہ سرگرداں رہے، یہ فکری مغالطے دو دھاری تلوار ہیں ایک طرف تو یہ اسلامی تاریخ کا وہ چہرہ پیش کرتے ہیں کہ سر شرم سے جھک جائے تو دوسری طرف اپنے ہی اسلاف پر بد اعتمادی کی فضاء قائم کر دیتے ہیں اور دعوی ہوتا ہے بے لاگ تحقیق۔

پہلے تو اسلاف پر سے اعتماد اٹھایا جاتا ہے اسلام کا سب سے بڑا امر حکومت اسلامی کے قیام کو قرار دیا جاتا ہے اور پھر یہ سوال ہوتا ہے یہ فقہاء، محدثین، مورخین و مجددین کیا کرتے رہے یہی وہ لوگ تھے بے شک یہی وہ لوگ تھے جنکے ہاتھوں فریضہ اقامت دین تکمیل کو پہنچا۔

امام قاضی احمد القلشانیؒ المتوفی سن 863ھ فرماتے ہیں:

> سلف صالحین سے مراد وہ پہلی نسل ہے کہ جو راسخون فی العلم تھے، ہدایت نبوی کے ساتھ ہدایت یافتہ تھے۔ جو سنت کے محافظ تھے، انہیں اللہ تعالی نے اپنے دین کو قائم کرنے کے لیے چن لیا تھا اور ان سے راضی ہوا تھا کہ وہ اس امت میں دین کے امام بنیں انہوں نے امت کی نصیحت چاہنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور انہوں نے رب کی رضا کے لیے اپنے آپ کو قربان کر دیا۔

اور یہاں یہ سوال کہ ان اقامت دین کے معماروں نے ہی وہ عمارت ڈھا دی جسکی بنیادوں میں انکا خون شامل ہے۔

محمد شیخ (بانی القرآن ریسرچ سنٹر)

محمد شیخ جس نے القرآن ریسرچ سنٹر کے نام سے ایک ادارے کی بنیاد رکھی اور وقتاً فوقتاً پمفلٹ وغیرہ کے ذریعے اپنے باطل عقائد کی تبلیغ کرتا رہتا ہے ذیل میں اس کے عقائد و نظریات پر مختصراً بحث کی جاتی ہے تاکہ فتنہ سے مسلمانوں کی حفاظت رہے۔

محمد شیخ کے عقائد و نظریات

محمد شیخ کے بیان کردہ سات عقائد جو وہ اپنی "کتاب کے لیکچر" میں قرآن کی چند آیات کو سامنے رکھ کر اخذ کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ان آیات اور ان نکات کو پس پشت ڈال دیتا ہے جس سے اس کے انہی نظریات کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے یا ان آیات کا ذکر بھی کرتا ہے تو الفاظ کے معنی بدل دیتا ہے۔

عقیدہ نمبر 1: تورات الگ سے کوئی کتاب نہیں ہے بلکہ قران، تورات، انجیل اور زبور یہ سب اللہ کی کتاب کے صفاتی نام ہیں۔

محمد شیخ کا یہ عقیدہ باطل ہے کیونکہ سورۃ المائدۃ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِندَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ۔[1]

اور یہ تم کو کیونکر فیصلہ کرنے والا بنائیں گے جبکہ خود ان کے پاس تورات ہے جس میں خدا کے احکامات موجود ہیں (اور انہیں ان کا پتہ بھی ہے) پھر بھی یہ پلٹ گئے ہیں تو یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔

---

[1] ۔ سورۃ المائدۃ آیت نمبر 43۔

غور کیجیے کہ جس میں اللہ کے احکامات ہوں اسے کتاب نہیں کہیں گے تو پھر کیا کہیں گے اور اللہ نے محمد رسول اللہ سے یہ نہیں کہا کہ یہ تورات تمہارے پاس ہے بلکہ کہا کہ یہ ان کے پاس ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ کہ توات ان کے پاس ہی تھی جو ان کے لئے ہی نازل کی گئ تھی۔

اسی طرح سورۃ آل عمران آیت نمبر 93 اور سورۃ الاعراف آیت نمبر 157 میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو چیلنج اور تہدی سے خطاب فرمایا ہے کہ ان کے پاس پہلے سے کتاب موجود ہے اس میں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول اللہ ﷺ کا ذکر پاتے ہیں پھر بھی ایمان نہیں لاتے اور احکامات شریعت کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اس سے بالکل واضح ہو گیا کہ تورات اور انجیل الگ سے کتابیں تھیں جو یہود اور نصاریٰ کے پاس موجود تھیں پھر ان ہی دو گروہوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورہ الانعام آیت نمبر 156 میں قریش مکہ سے فرمایا کہ:

أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ۔[1]

اور (یہ کتاب اس لیے اتاری) کہ (تم یوں نہ) کہو کہ ہم سے پہلے دو ہی گروہوں پر کتاب اتری تھیں اور ہم توان کے پڑھنے سے بے خبر تھے۔

اس سے بات بالکل صاف ہو گئی کہ تورات اور انجیل کو کتابیں نہ سمجھنا اول درجہ کی حماقت ہے۔

عقیدہ نمبر2: تورات کا مطلب قانون ہے قران میں جہاں جہاں قانون بیان ہوا ہے وہ الکتاب ہی کی تورات ہے۔

محمد شیخ کہتا ہے کہ تورات عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی قانون ہے حالانکہ اول تو، توراۃ عربی زبان کا لفظ نہیں ہے یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہدایت ہے اور قرآنی اصطلاح میں

---

[1] ۔ سورۃ الانعام آیت نمبر 156۔

تورات سے مراد وہ کتاب ہے جو عبرانی زبان میں بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی جیسا کہ سورۃ آل عمران میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنْزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ۔ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ۔ [1]

اگر یہ عربی زبان کا لفظ ہوتا تو پھر عربی زبان میں اس کا استعمال قانون کے معنی میں ہونا چاہیے تھا یعنی کسی نے یہ کہنا ہو کہ یہ قانون کی کتاب ہے تو وہ کہتا کہ ھٰذا کتاب التوراۃ، لیکن پورے عرب میں قانون کے لئے لفظ توراۃ کا استعمال ہی نہیں ہوتا اس کا مطلب کہ نہ یہ عربی زبان کا لفظ ہے اور نہ اس کے معنی قانون ہیں بلکہ قانون خود عربی زبان کا لفظ ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے قوانین کے لئے لفظ قانون استعمال کرنا ہوتا تو خود ہی لفظ قانون نازل فرما دیتے۔

عقیدہ نمبر 3: محمد شیخ کا کہنا ہے کہ موسیٰ کے ساتھ لفظ تورات نہیں آیا اس لئے یہ کہنا کہ تورات موسیٰ پر نازل ہوئی غلط ہے۔

اگر یہ دلیل ہے تو پھر قران کا لفظ بھی محمد ﷺ کے ساتھ نہیں آیا تو کیا یہ مان لیا جائے کہ قران محمد پر نازل نہیں ہوا؟ جبکہ محمد شیخ اپنے قران کے لیکچر میں خود اپنے ہی اس قانون کو توڑتے ہوئے کہہ چکا ہے کہ محمد ﷺ پر قران نازل ہوا۔

عبدالمحسن بن حمدؒ رقم طراز ہیں:

وَقَالَ: إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ

[1] ۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر 3،4۔

اللّٰهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ (المآئدة:44) فَهٰذِهِ الْآيَةُ تَدُلُّ عَلٰى أَنَّ أَنْبِيَاءَ
بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى يَحْكُمُوْنَ بِالتَّوْرَاةِ وَيَدْعُوْنَ إِلَيْهَا ۔[1]

فرمایا: إِنَّا أَنْزَلْنَا (ہم نے نازل کی تورات کہ اس میں ہدایت اور روشنی ہے، اس پر حکم کرتے تھے پیغمبر جو کہ حکم بردار تھے (اللہ کے) یہود کو اور حکم کرتے تھے درویش اور عالم، اس واسطے کہ وہ نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب پر اور اس کی خبر گیری پر مقرر تھے) یہ آیتِ کریمہ اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل کے تمام انبیاء تورات کے احکام پر عامل تھے اور تورات ہی کی طرف دعوت دیا کرتے تھے تو ثابت ہوا کہ تورات موسیٰ علیہ السلام پر ہی نازل ہوئی تھی۔

عقیدہ نمبر4: ہر نبی کو تورات دی گئی اور ہر نبی نے تورات سے فیصلہ کیا۔

یہود یہ کہا کرتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام تورات کے ماننے والے تھے یعنی یہودی تھے اور نصاریٰ کہا کرتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام انجیل کو مانتے تھے یعنی نصاری تھے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ
إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۔[2]

اے اہلِ کتاب تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل تو ان کے بعد اتری ہیں تو کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

لیکن محمد شیخ یہود و نصاریٰ سے بھی دو ہاتھ آگے ہی نکل گیا اور کہا ہر نبی کو تورات دی گئ، جبکہ اللہ

---

[1] ۔ شرح حدیث جبریل فی تعلیم الدین، لعبدالمحسن بن حمدبن عبدالمحسن، ج:1، ص:34

[2] ۔ سورہ آل عمران آیت نمبر 65۔

تعالیٰ صاف فرما رہے ہیں کہ تورات ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی تھی، اتنی واضح آیات کے باوجود شیخ محمد کے پیروکاروں کو شیخ غلط نظر نہیں آتا۔

عقیدہ نمبر 5: انجیل کوئی کتاب نہیں بلکہ قران میں موجود خوشخبریاں ہیں۔

محمد شیخ تورات ہی کی طرح لفظ انجیل کو بھی عربی زبان کا لفظ بتاتا ہے جس کے معنی کرتا ہے خوشخبری، اس کے لئے بھی میں وہی دلیل کافی ہے کہ اگر انجیل عربی زبان کا لفظ ہوتا اور اس کے معنی خوشخبری ہوتے اور آج بھی یہ لفظ عربی زبان میں خوشخبری کے مفہوم میں استعمال ہو رہا ہوتا لیکن ایسا نہیں ہے قرآنی اصطلاح میں انجیل سے مراد وہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی راہ نمائی کے لیے بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی۔

> قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ ۗ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۖ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔[1]
>
> کہو کہ اے اہل کتاب! جب تک تم تورات اور انجیل کو اور جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ان کو قائم نہ رکھو گے کچھ بھی راہ پر نہیں ہو سکتے اور یہ (قرآن) جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے ان میں سے اکثر کی سرکشی اور کفر اور بڑھے گا تو تم قوم کفار پر افسوس نہ کرو۔

اسی ایک آیت میں قرآن اور انجیل دو الگ الگ کتب کا تذکرہ ہے اب بھلا بتایئے کہ کیا کوئی خوشخبری سے فیصلہ کرتا ہے یا احکامات سے فیصلہ کرتا ہے؟ اور پھر چلیں کہ قانون تو پھر بھی قائم کیا جا سکتا ہے خوشخبری کو کیسے قائم کریں گے الغرض شیخ کا ترجمہ اور اس کے خیالات وہ ہیں جن کی

---

[1] ۔ سورۃ المائدۃ آیت 68۔

کوئی حقیقت نہیں۔

عقیدہ نمبر6: قران کا مطلب پڑھائی ہے اور جسے مسلمان قرآن کہتے ہیں وہ قرآن نہیں بلکہ کتاب موسیٰ ہے۔

ماقبل میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تورات انجیل اور قرآن تین الگ الگ کتب ہیں اور قرآن کا مطلب اگر پڑھائی ہو تو بھی اللہ تعالیٰ نے اسے مخصوص کر دیا اس کتاب کے لئے جو ہمارے آخری رسول محمد ﷺ پر نازل ہوئی، اور جب کوئی بھی لفظ کسی شے کے لئے مخصوص ہو جائے تو پھر اس کے معنی نہیں کئے جاتے، جیسے لفظ کمپیوٹر کے لغوی معنی حساب کرنے والا شمار کرنے والا ہے لیکن لفظ کمپیوٹر چونکہ ایک خاص ڈیوائس کے لئے استعمال ہونے لگا ہے لہذا کوئی اسے اب حساب کرنے والی ڈیوائس کیلکولیٹر کے لئے بھی استعمال کرے گا تو وہ احمق ہی کہلائے گا اللہ تعالیٰ نے لفظ قران کو اس طرح استعمال کیا کہ اس کے معنی reading کیے ہی نہیں جاسکتے مثال کے طور پر:

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ [1]

اور جب تو قران پڑھے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کر شیطان مردود (کے شر) سے

اگر اس آیت میں قرآن کے معنی پڑھائی کیے جائیں تو جملہ یوں بنے گا کہ "جب بھی تو پڑھے پڑھائی" پس ثابت ہوا کہ لفظ قران کو پڑھائی قرار دینا نادانی ہے۔ اس پر شیخ کے کچھ اپنے تضادات بھی دیکھیں کہ جب کوئی شخص محمد شیخ کو اپنا عقیدہ بتاتا ہے تو محمد شیخ اس سے پوچھتا کہ بتاؤ قرآن میں یہ بات کہاں لکھی ہے تو غور کریں کہ اس وقت وہ قران کو کتاب ہی تو کہہ رہا ہوتا ہے کیونکہ لکھا ہوا کتاب میں ہوتا ہے پڑھائی میں نہیں۔

---

[1] ۔ سورۃ النحل آیت نمبر، 98۔

دوسرا تضاد یہ ہے کہ ویسے تو وہ لوگوں سے کہتا ہے کہ قران کے معنی پڑھائی ہے لیکن اپنے لیکچرز کی بک لیٹ میں جہاں جہاں وہ لفظ القرآن والی آیت پیش کرتا ہے ان کے ترجموں میں بھی وہ لفظ القرآن ہی رہنے دیتا ہے اس لئے کہ وہاں پر قران کے معنی پڑھائی فٹ نہیں بیٹھتی گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس طرح مجبور کر دیا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کے نام کو بھی نہ بدل سکے مفہوم تو دور کی بات ہے۔

عقیدہ نمبر7: اور یہ کتاب موسیٰ ایک ہی کتاب ہے جو پہلے دن سے ہے اور قیامت تک رہے گی۔

اس عقیدے کی بنیاد کے لئے وہ سورۃ الانعام کی آیات 83 سے 90 تک پڑھ کر سناتا ہے جس میں 18 نبیوں کے ساتھ الکتاب کا لفظ آیا ہے، اس کا کہنا ہے کہ چونکہ الکتاب واحد کے صیغے میں آیا ہے لہذہ یہ کتاب ایک ہی کتاب سمجھی جائے گی ہے جو سب نبیوں کو دی گئی۔ وہ ضد کرتا ہے کہ جب لفظ الکتاب واحد میں لکھا ہے تو کتاب بھی ایک ہی مانی جائے گی۔ لیکن اللہ کی قدرت کہ محمد شیخ جس اصول پر اتنا اصرار کر رہا تھا اس کی خود ہی خلاف ورزی کر بیٹھا اور یوں اس کی بات میں تضاد پیدا ہو گیا۔

محمد شیخ نے لوگوں کی لکھی ہوئی کتابوں پر سورہ البقرۃ ایت 79 کو پیش کر دیا ترجمہ: اور تباہی ہے ان کے لئے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تا کہ اسے تھوڑی قیمت پر بیچ دیں پس تباہی ہے ان کے لئے جو انہوں نے لکھا اور برا ہے جو انہوں نے کمایا وہ اس آیت میں لفظ الکتاب سے مراد وہ تمام مذہبی کتابیں لیتا ہے جن کے بارے میں یہ دعوی ہو کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں جن میں تورا، انجیل، گیتا وغیرہ شامل ہیں بلکہ محمد شیخ کے نزدیک کوئی بھی مذہبی کتاب لکھنا اس آیت کی خلاف ورزی ہے اور اسی لئے وہ اور اس کے ساتھی کوئی کتاب نہیں لکھتے۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ محمد شیخ نے اس آیت میں الکتاب سے مراد زیادہ کتابیں لے کر اپنے ہی بنائے ہوئے اصول کی خلاف ورزی کر دی اور یوں اس کا ایک نہایت ہی اہم تضاد سامنے آگیا۔

مولانا یوسف لدھیانوی شہید کا فتویٰ

شہید اسلام حضرت لدھیانوی رحمہ اللہ سے مندرجہ ذیل عقائد کے حاملین کے متعلق شرعی حکم دریافت کیا گیا تو حضرت نے یہ جواب دیا پہلے عقائد اور اس کے بعد جواب کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

1۔ دنیا کے وجود میں آنے سے پہلے انسانیت کی بھلائی کے لئے قرآن پاک معجزانہ طور پر اکٹھا دنیا میں موجود تھا، مختلف انبیاء پر، مختلف ادوار میں، مختلف کتابیں نازل نہیں ہوئیں، بلکہ اس کتاب یعنی قرآن پاک کو مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے پکارا گیا، کبھی توریت، کبھی انجیل اور کبھی زبور کے نام سے۔

قرآن جو جہاں اور جس وقت پڑھ رہا ہے اس پر اسی وقت نازل ہو رہا ہے، اور جہاں " قل" کہا گیا ہے وہ اس انسان کے لئے کہا جارہا ہے جو پڑھ رہا ہے۔

2۔ انبیاء کا کوئی مادّی وجود نہیں رہا، اس دنیا میں وہ نہیں بھیجے گئے، بلکہ وہ صرف انسانی ہدایت کے لئے Symbols کے طور پر استعمال کئے گئے اور موجودہ دنیا سے ان کا کوئی مادّی تعلق نہیں۔ قرآن شریف کے اندر وہ انسانی رہنمائی کے لئے صرف فرضی کرداروں اور کہانیوں کی صورت میں موجود ہیں۔

3۔ قرآن شریف میں چونکہ حضور کو زمان حال یعنی Present میں پکارا گیا ہے، لہٰذا حضور بحیثیتِ روح ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہیں، اور وہ مادّی وجود سے مبرا ہیں اور نہ تھے۔

4۔ حضور کی دیگر انبیاء پر کوئی فضیلت نہیں، وہ دیگر انبیاء کے برابر ہیں، بلکہ حضرت موسیٰ، بعض

معنوں اور حیثیتوں میں یعنی قرآن پاک نے بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ کا کثرت سے ذکر کیا، جس کی وجہ سے ان کی فضیلت حضور پر زیادہ ہے، حضور کے متعلق جتنی بھی احادیث تاریخ اور تفسیر میں موجود ہیں وہ انسانوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں۔

جس تنظیم کا آپ نے تذکرہ کیا ہے ان عقائد کے رکھنے والے مسلمان نہیں ہیں، کیونکہ انہوں نے دین کی پوری کی پوری عمارت کو مسمار کر دینے کا عزم کر لیا ہے، نیز انہوں نے تمام شعائرِ اسلام اور قرآن و حدیث اور انبیاء اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں کا انکار کیا ہے، اور جو لوگ اسلامی معتقدات کا انکار کریں، ان میں تاویلاتِ باطلہ کریں، اور اپنے کفر کو اسلام باور کرائیں، وہ ملحد و زندیق ہیں، اور زندیق، کافر و مرتد سے بڑھ کر ہے، اس لئے کہ وہ بکرے کے نام پر خنزیر کا گوشت فروخت کرتا ہے، اور امتِ مسلمہ کو دھوکا دے کر ان کے ایمان و اسلام کو غارت کرتا ہے، اسی بنا پر اگر زندیق گرفتار ہونے کے بعد توبہ بھی کرلے تو اس کی توبہ کا اعتبار نہیں، اس لئے حکومتِ پاکستان کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو اس الحاد و زندقہ سے روکے، اگر رُک جائیں تو فبہا ورنہ ان پر اسلامی آئین کے مطابق ارتداد و زندقہ کی سزا جاری کرے۔ اہل ایمان کا ان سے رشتہ ناطہ بھی جائز نہیں، اگر ان میں سے کسی کے نکاح میں کوئی مسلمان عورت ہو تو اس کا نکاح بھی فسخ ہو جاتا ہے۔[1]

دارالعلوم کراچی کا جواب

الجواب حامداً ومصلیًا

سوال میں ذکر کردہ اکثر عقائد قرآن و سنت اور اجماعِ امت کی تصریحات اور موقف کے بالکل

---

[1] ۔ آپ کے مسائل اور ان کا حل جدید ایڈیشن، 1/626، ط، مکتبہ لدھیانوی۔

خلاف ہیں، اس لئے اگر کسی شخص کے واقعتاً یہی عقائد ہیں تو وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے، اور اس کے ماننے والے بھی کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔

مذکورہ نظریات وعقائد کا قرآن وسنت کی رو سے باطل ہونا ذیل میں ترتیب وار تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں:

1۔ یہ (کہنا کہ قرآن پاک کو مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے پکارا گیا، کبھی تورات، کبھی انجیل اور کبھی زبور، اور مختلف ادوار میں مختلف کتابیں نازل نہیں ہوئی) کفریہ عقیدہ ہے، کیونکہ پوری امت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ صحفِ آسمانی کے علاوہ آسمانی کتابیں چار ہیں، اور قرآن کریم میں اس کی تصریح ہے کہ قرآن کے علاوہ تین آسمانی کتابیں اور ہیں، جن میں سے توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کی گئی، لہٰذا قرآن کے علاوہ مذکورہ تین کتب کے مستقل وجود کا انکار کرنا درحقیقت قرآنِ کریم کی ان آیات کا انکار کرنا ہے جن میں ان کتابوں کے مستقل وجود کا ذکر ہے، درج ذیل آیات اور ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

(آیات قرآنیہ ہم نے ماقبل میں محمد شیخ کے عقائد ونظریات کے رد میں بیان کر دی ہیں اس لئے مکرر بیان نہیں کیا جارہا، تفصیل کے لئے آپ کے مسائل اور ان کا حل جدید ایڈیشن کی جلد 1 ص 627 پر ملاحظہ فرمائیں)

اور یہ کہنا کہ: "قرآن جو جس وقت پڑھ رہا ہے، اس پر اسی وقت نازل ہو رہا ہے، اور "قل" اسی کے لئے کہا جارہا ہے جو پڑھ رہا ہے۔" یہ بھی تعبیر کے لحاظ سے غلط ہے، کیونکہ قرآن کریم ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا نازل ہو چکا ہے، اس کے اولین اور آخرین براہ راست مخاطب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اب جو شخص پڑھ رہا ہے وہ قرآن کا اولین اور براہِ راست مخاطب نہیں ہے، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے واسطے سے مخاطب ہے اور اس اعتبار سے اپنے آپ کو مخاطب سمجھنا بھی چاہئے۔

2۔ یہ عقیدہ بھی کفریہ ہے (کہ انبیاء کا مستقل کوئی وجود نہیں تھا)، کیونکہ قرآن کریم کی متعدد آیات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ انبیاء کا مستقل وجود تھا، وہ دنیا میں لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے اور وہ بشریت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، انہوں نے عام انسانوں کی طرح دنیا میں زندگی گزاری، ان میں بشری حوائج اور مادّی صفات پائی جاتی تھیں، چنانچہ وہ کھاتے بھی تھے، پیتے بھی تھے اور انہوں نے نکاح بھی کئے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ سے معجزات بھی ظاہر فرمائے، انہوں نے اللہ کے راستے میں جہاد بھی کیا، یہ تمام چیزیں ایسی ہیں جو اپنے وجود کے لئے مادّہ اور مستقل وجود کا تقاضا کرتی ہیں، اس کے بغیر ان کا وجود اور ظہور ہی محال ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ: "انبیاء کا مادّی وجود نہیں رہا، قرآن میں وہ صرف فرضی کرداروں اور کہانیوں کی صورت میں موجود ہیں" بالکل غلط اور قرآن و سنت کی صریح نصوص کے خلاف ہے، اس سلسلے میں درج ذیل آیاتِ قرآنیہ ملاحظہ فرمائیں:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ۔[1]

ترجمہ: سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو کہ خوشی (کے وعدے) سناتے تھے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ (آسمانی) کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں، اس غرض سے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں ان کے امورِ اختلافیہ (مذہبی) میں فیصلہ فرمادیں۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ

[1] ۔ سورۃ البقرۃ آیت نمبر 213۔

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔[1]

ترجمہ: جس طرح تم لوگوں میں ہم نے ایک (عظیم الشان) رسول کو بھیجا تم ہی میں سے ہماری آیات (واحکام) پڑھ پڑھ کر تم کو سناتے ہیں اور (جہالت سے) تمہاری صفائی کرتے رہتے ہیں اور تم کو کتاب (الٰہی) اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور تم کو ایسی (مفید) باتیں تعلیم کرتے رہتے ہیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔[2]

ترجمہ: حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ ان میں انہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں، اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں۔

(مزید آیات کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں: آپ کے مسائل اور ان کا حل جدید ایڈیشن، ج1، ص630)

قرآن کریم میں حضور اکرم ﷺ کو زمانۂ حال میں جو خطاب کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جس وقت قرآن کریم کا نزول آپ ﷺ پر ہو رہا تھا اس وقت آپ اپنے مادّی وجود کے ساتھ دنیا میں موجود تھے، اس لئے زمانۂ حال میں آپ ﷺ سے خطاب کیا گیا، یہ مطلب نہیں کہ آپ بحیثیت روح ہر وقت، ہر جگہ موجود ہیں۔

---

[1]۔ سورۃ البقرۃ آیت نمبر 151۔

[2]۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر 164۔

یہ عقیدہ (رکھنا کہ چونکہ قرآن شریف میں صیغہ حال سے پکارا گیا ہے، اس لئے حضور بحیثیتِ روح ہر جگہ موجود ہیں، اور وہ مادّی وجود سے مبرا ہیں) قرآن و سنت کی صریح نصوص اور اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کے خلاف ہے، علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر وقت، ہر جگہ موجود ہیں، اسی طرح حضور اکرم ﷺ بھی ہر وقت، ہر جگہ موجود ہیں، تو یہ کھلا ہوا شرک ہے، اور نصاریٰ کی طرح رسول کو خدائی کا درجہ دینا ہے، اور اگر کوئی شخص کسی تأویل کے ساتھ یہ عقیدہ رکھتا ہے تب بھی اس عقیدہ کے غلط اور فاسد ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور ایسا شخص گمراہ ہے۔[1]

4۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ بحیثیتِ مجموعی تمام انبیاء سے افضل ہیں، البتہ بعض جزئیات اور واقعات میں اگر کسی نبی کو کوئی فضیلت حاصل ہے تو وہ اس کے معارض نہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرفِ کلام حاصل ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صفت "خلت" حاصل ہے، وغیرہ وغیرہ، یہ تمام جزئی فضیلتیں آپ ﷺ کی مجموعی فضیلت کے منافی اور اس کے معارض نہیں ہیں۔

اور یہ کہنا کہ: حضور ﷺ کے متعلق جتنی بھی احادیث، تاریخ اور تفسیر میں موجود ہیں وہ انسانوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں" درحقیقت احادیثِ نبویہ کا انکار ہے، جو کہ موجبِ کفر ہے، پوری امتِ محمدیہ کا اس پر اجماع ہے کہ حدیث، قرآن کریم کے بعد دین کا دوسرا اہم مأخذ ہے، قرآن کریم نے جس طرح اللہ رب العزت کے احکام کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے، اسی طرح جنابِ رسول کریم ﷺ کے افعال و اقوال کی بھی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے، لہٰذا قرآن میں بہت سے ایسے احکام ہیں جن کی تفصیل قرآن میں مذکور نہیں، بلکہ ان کی تفصیلات اللہ رب العزت

[1] ۔ ملاحظہ ہو: جواہر الفقہ ج:1 / 115، تبرید النواظر مصنفہ مولانا سرفراز صفدر صاحب مد ظلہم۔

نے آپ ﷺ کے بیان اور عمل پر چھوڑ دی ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے احادیث میں ان کی تفصیلات اور ان پر عمل کرنے کا طریقہ اپنے قول و فعل سے بیان کیا، اگر احادیث انسانوں کی من گھڑت ہیں تو قرآن کریم کے ایسے احکام پر عمل کرنے کا طریقہ کیا ہو گا؟ اور یہ ہمیں کیسے معلوم ہوں گے؟

اور اللہ رب العزت نے جس طرح قرآن کریم کے الفاظ کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، اسی طرح قرآن کریم کے معانی کی بھی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، اور معانی قرآن کی تعلیم حدیث ہی میں ہوئی، اور جن ذرائع سے قرآن کریم ہم تک پہنچا ہے، انہی ذرائع سے احادیث بھی ہم تک پہنچی ہیں، اگر یہ احادیث من گھڑت ہیں اور ذرائع قابلِ اعتماد نہیں، تو یہ امکان قرآن کریم میں بھی ہو سکتا ہے، تو پھر قرآن کریم کو بھی -نعوذ باللہ- من گھڑت کہنا لازم آتا ہے، لہٰذا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس طرح قرآن کریم اب تک محفوظ چلا آرہا ہے، اسی طرح احادیث بھی محفوظ چلی آرہی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا بے نظیر انتظام فرمایا ہے، جس کی تفصیل تدوینِ حدیث کی تاریخ سے معلوم ہو سکتی ہے، لہٰذا احادیث کو انسانوں کی من گھڑت کہانیاں قرار دینا صریح گمراہی اور موجبِ کفر ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: "حجیتِ حدیث" مصنفہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم، "کتابتِ حدیث عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ میں" مصنفہ مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب مد ظلہم "حفاظت و حجیتِ حدیث" مصنفہ مولانا فہیم عثمانی صاحب۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ جو شخص یا تنظیم ایسے عقائد کی حامل ہو اس سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھیں، اور ان کے لٹریچر اور کیسٹ وغیرہ سے مکمل احتراز کریں، خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کریں، اور اربابِ حکومت کو بھی ایسی تنظیم کی طرف توجہ دلائیں تاکہ ان پر پابندی لگائی جاسکے۔

جو شخص مذکورہ عقائد کو بغیر کسی مناسب تأویل کے مانتا ہے وہ شخص مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے، اس کی مسلمان بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی، اب اس کے عقد میں کوئی مسلمان عورت نہیں رہ سکتی، اور نہ کسی مسلمان عورت کا اس سے نکاح ہو سکتا ہے۔

مذکورہ بالا شخص کے عقائد قرآن و سنت، اجماعِ امت اور اکابر علمائے اہل سنت والجماعت کی تصریحات کے خلاف ہیں، اس کے لئے درج ذیل تصریحات ملاحظہ ہوں:

وللہ تعالیٰ کتب انزلها علی انبیائه وبین فیها امره ونهیه ووعده ووعیده وکلها کلام اللہ تعالیٰ ..... وقد نسخت بالقرآن تلاوتها وکتابتها بعض احکامها۔ وفی الحاشیة قوله" وللہ کتب" رکن من ارکان ما یجب به الایمان مما نطقت النصوص القرآنیة والاخبار النبویة۔ [1]

ترجمہ: شرح عقائد ص:۲۱۷ میں ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی (قرآن کے علاوہ) کئی کتابیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء پر نازل فرمایا اور ان کتابوں میں امر و نہی، وعدہ و وعید کو بیان فرمایا اور یہ تمام کتابیں کلامِ الٰہی ہیں...... اور قرآن مجید کے نازل ہونے پر ان سابقہ کتب کی تلاوت اور کتابت اور ان کے بعض احکام کو منسوخ کیا گیا۔ اور حاشیہ میں ہے: قولہ "وللہ کتب" یعنی ایمان کے ارکان میں سے ایک رکن یہ بھی ہے کہ ان سابقہ کتب پر ایمان لایا جائے جن کے بارے میں نصوصِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ شہادت دیتی ہیں۔

وفیه ص:۴۵: والرسول انسان بعثه اللہ تعالیٰ الی الخلق لتبلیغ الاحکام۔

ترجمہ: اور شرح عقائد ص:۴۵ میں ہے: اور رسول وہ انسان ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف تبلیغِ احکام کے لئے مبعوث فرماتے ہیں۔

[1] ۔ شرح العقائد ص: 217۔

النبی انسان بعثه الله تعالیٰ لتبلیغ ما اوحی الیه وکذا الرسول۔[1]

ترجمہ: نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ ان احکام کی تبلیغ کے لئے بھیجتے ہیں جو ان کی طرف وحی فرماتے ہیں اور رسول کی تعریف بھی یہی ہے۔

قوله: ونؤمن بالملئکة والنبیین والکتب المنزلة علی المرسلین نشهد انهم کانوا علی الحق المبین، هذه الامور من ارکان الایمان، قال تعالیٰ: "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ، كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ، لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ" وقال تعالیٰ: لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ"فجعل الله سبحانه وتعالیٰ الایمان هو الایمان بهذه الجملة وسمی من آمن بهذه الجملة مؤمنین، کما جعل الکافرین من کفر بهذه الجملة بقوله: "وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا"۔[2]

ترجمہ: ہم ایمان لاتے ہیں ملائکہ پر، نبیوں پر اور ان پر نازل ہونے والی تمام کتابوں پر اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ (رسول) سب کے سب حق پر تھے۔ اور یہ تمام امور ارکانِ ایمان میں سے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور مؤمنین بھی سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ، اور اس کے فرشتوں کے ساتھ، اور اس کی کتابوں کے ساتھ، اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ، اور اس کے پیغمبروں میں سے کسی سے تفریق نہیں کرتے۔" اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "کچھ سارا کمال

---

[1] ۔ وفی شرح المقاصد، 5/5۔

[2] ۔ وفی شرح العقیدۃ الطحاویة لابن ابی العز، ص: 297۔

اس میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرلو یا مغرب کو، لیکن کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر، اور فرشتوں پر اور کتب پر اور پیغمبروں پر۔

(ان دلائل سے معلوم ہوا کہ) اللہ تعالیٰ نے ایمان ہی اس چیز کو قرار دیا ہے کہ ان تمام چیزوں پر ایمان ہو اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں "مؤمنین" نام ہی ان لوگوں کا رکھا ہے جو ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں، جیسا کہ کافرین ان لوگوں کو کہا گیا ہے جو ان تمام چیزوں کا انکار کرتے ہیں، جیسے کہ ارشادِ الٰہی ہے: اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا انکار کرے، اور اس کے فرشتوں کا، اور اس کی کتابوں کا، اور اس کے رسولوں کا، اور روزِ قیامت کا، تو وہ شخص گمراہی میں بڑی دور جا پڑا۔

وقال فی الحدیث المتفق علی صحته، حدیث جبریل، وسواله للنبی صلی الله علیه وسلم عن الایمان فقال: ان تؤمن بالله وملئکته وکتبه ورسله .... الخ۔ فهذه الاصول التی اتفقت علیها الانبیاء والرسل صلوات الله علیهم وسلامه، ولم یؤمن بها حقیقة الایمان الا اتباع الرسل۔

ترجمہ: اور حدیثِ جبریل علیہ السلام (جس کی صحت پر بخاری و مسلم متفق ہیں) میں ہے کہ: حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو ایمان لائے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی تمام کتابوں پر، اور تمام رسولوں پر....."

پس یہ وہ اصول ہیں جن پر تمام پیغمبروں اور رسولوں کا اتفاق ہے، اور اس پر صحیح معنی میں کوئی ایمان نہیں لایا مگر وہ جو انبیاء و رسل کے متبعین ہیں۔

واما الانبیاء والمرسلون فعلینا الایمان بمن سمی الله تعالیٰ فی کتابه من رسله، والایمان بان الله تعالیٰ ارسل رسلا سواهم وانبیاء لا یعلم اسمائهم وعددهم الا الله تعالیٰ الذی ارسلهم ..... وعلینا الایمان بانهم

بلغوا جميع ما ارسلوا به على ما امرهم الله به وانهم بينوه بيانا لا يسع احدا ممن ارسلوا اليه جهله ولا يحل خلافه .... الخ ..... واما الايمان بالكتب المنزلة على المرسلين فنؤمن بما سمى الله تعالىٰ منها فی کتابه من التوراة والانجیل والزبور، ونؤمن بان الله تعالىٰ سوى ذالك كتبا انزلها على انبيائه لا يعرف اسمائها وعددها الا الله تعالىٰ۔[1]

ترجمہ: رہے انبیاء اور رسول! پس ہمارے ذمہ واجب ہے کہ ان میں سے ان تمام نبیوں پر ایمان لائیں جن کا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے،(اسی طرح) اس پر بھی ایمان لائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے علاوہ دوسرے انبیاء اور رسول بھی بھیجے کہ جن کے نام اور تعداد اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، یعنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا...... اور ہم پر لازم ہے کہ ہم اس بات پر ایمان لائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کو جن احکام کے پہنچانے کا حکم دیا تھا، ان انبیاء نے وہ تمام احکام پہنچادیئے، اور انبیاء نے ان احکام کو اتنا کھول کھول کر بیان کر دیا کہ امت میں سے ناواقف سے ناواقف آدمی کو بھی کوئی اشکال نہ رہا، اور ان کے خلاف کرنا حلال نہ رہا...... اور رہا ان کتابوں پر ایمان لانا جن کو رسولوں پر نازل کیا گیا، سو ہم ان تمام کتابوں پر ایمان لاتے ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نام لیا ہے، یعنی تورات، انجیل اور زبور، اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان مذکورہ کتابوں کے علاوہ اور کتابیں بھی اپنے انبیاء پر نازل فرمائیں، جن کا نام اور ان کی تعداد سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

والایمان المطلوب من المكلف هو الايمان بالله وملئكته وكتبه بانها كلام الله تعالىٰ الازلى القديم المنزه عن الحروف والاصوات وبانه

---

[1] ۔ المرجع السابق ص 311۔

تعالیٰ انزلها علیٰ بعض رسله بالفاظ حادثة فی الواح او علیٰ لسان ملك وبان جمیع ما تضمنته حق وصدق، ورسله بانه ارسلهم الی الخلق لهدایتهم وتكمیل معاشهم معادهم وایدهم بالمعجزات الدالة علیٰ صدقهم فبلغوا عنه رسالته.....الخ۔[1]

ترجمہ: مکلف (یعنی جن وانس) سے جو ایمان مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ: اللہ پر ایمان لانا، اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی تمام کتابوں پر، اس طرح ایمان لانا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام، کلامِ ازلی اور قدیم ہے، جو حروف اور آواز سے پاک ہے، اور نیز اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو اپنے بعض رسولوں پر تختیوں میں حادث الفاظ کی صورت میں نازل کیا، یا فرشتہ کی زبان پر اتارا۔ اور نیز وہ تمام کا تمام کلام جس پر کتاب مشتمل ہے حق اور سچ ہے۔ اور اللہ کے رسول جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی طرف ان کی ہدایت، اور ان کی تکمیل معاش ومعاد کے لئے بھیجا، اور ان انبیاء کی ایسے معجزات سے تائید کی جو ان انبیاء کی سچائی پر دلالت کرتے ہیں۔ ان انبیاء نے اللہ کے پیغام کو پہنچایا۔

واعلم ان من استخف بالقرآن او المصحف او بشیء منه او سبه او جحده او حرف منه او آیة او كذب به او بشیء مما صرح به فیه من حكم او خبر او اثبت ما نفاه او نفی ما اثبته علیٰ علم منه بذالك او شك فی شیء من ذالك فهو كافر عند اهل العلم باجماع۔[2]

ترجمہ: جان لیجئے کہ جس نے قرآن یا کسی مصحف، یا قرآن کی کسی چیز کو ہلکا جانا یا قرآن کو گالی دی یا اس کے کسی حصہ کا انکار کیا یا کسی حرف کا انکار کیا یا قرآن کو جھٹلایا، یا قرآن کے کسی ایسے حصہ کا

---

[1] ۔ شرح العقیدة الطحاویة للمیدانی ص:104۔

[2] ۔ شرح الشفاء للقاضی عیاض، ص:335۔

انکار کیا جس میں کسی حکم یا خبر کی صراحت ہو، یا کسی ایسے حکم یا خبر کو ثابت کیا جس کی قرآن نفی کر رہا ہے، یا کسی ایسی چیز کی جان بوجھ کر نفی کی جس کو قرآن نے ثابت کیا ہے، یا قرآن کی کسی چیز میں شک کیا ہے، تو ایسا آدمی بالاجماع، اہل علم کے نزدیک کافر ہے۔

وافضل الانبیاء محمد صلی الله علیه وسلم، لقوله تعالیٰ: کنتم خیر امة، ولا شك ان خیریة الامة بحسب کمالهم فی الدین وذالك تابع لکمال نبیهم الذی یتبعونه۔ [1]

ترجمہ: انبیاء میں سے سب سے افضل حضرت محمد ﷺ ہیں، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے کہ: تم بہترین امت ہو، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ امت کا بہترین ہونا دین میں ان کے کمال کے اعتبار سے ہے، اور امت کا دین میں کامل ہونا یہ تابع ہے ان کے اس نبی کے کمال کے، جس کی وہ اتباع کر رہے ہیں۔

وفی المشکوٰة: عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه سلم: انا سید ولد آدم یوم القیامة واول من ینشق عنه القبر واول شافع واول مشفع۔ رواه مسلم۔

ترجمہ: اور مشکوٰۃ شریف میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، میں پہلا وہ شخص ہوں گا جس کی قبر کھلے گی، اور میں سب سے پہلے سفارش کرنے والا ہوں گا، اور سب سے پہلے میری سفارش قبول کی جائے گی۔

فی شرح مسلم للنووی ..... وفی الحدیث دلیل علیٰ فضله علیٰ کل الخلق

[1] ۔ شرح العقائد ص، 215۔

لان مذھب اھل السنة ان الآدمی افضل من الملئکة وھو افضل الآدمیین بھذا الحدیث۔[1]

ترجمہ: یہ حدیث آپ ﷺ کی تمام مخلوق پر فضیلت کی دلیل ہے، کیونکہ اہل سنت کا مذہب ہے کہ آدمی ملائکہ سے افضل ہے، اور آپ ﷺ اس حدیث کی بناپر تمام آدمیوں سے افضل ہیں (تو گویا آپ ﷺ تمام مخلوقات سے افضل ہوئے)۔

الغرض یہ شخص ضال ومضل اور مرتد وزندیق ہے، اسلام اور قرآن کے نام پر مسلمانوں کے دین وایمان پر ڈاکہ ڈال رہا ہے، اور سیدھے سادے مسلمانوں کو نبیٔ آخر الزمان ﷺ کے دامنِ رحمت سے کاٹ کر اپنے پیچھے لگانا چاہتا ہے، حکومتِ پاکستان کا فرض ہے کہ فوراً اس فتنہ کا سدباب کرے، اور اس بے دین کی سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے اور اسے ایسی عبرتناک سزادی جائے کہ اس کی آئندہ آنے والی نسلیں یادرکھیں، اور کوئی بدبخت آئندہ ایسی جرأت نہ کرسکے۔

---

[1] ۔ المرقاۃ 10/7۔

مآخذو مراجع

1۔القرآن الکریم	کلام رب العالمین
2۔ صحیح البخاری	محمد بن اسماعیل البخاری
3۔ صحیح مسلم	امام مسلم القشیری
4۔تفسیر روح البیان	شیخ اسماعیل حقی البروسوی
5۔جواہر الفقہ	مفتی محمد شفیع عثمانی
6۔روزنامہ اسلام	اخبار
7۔موطأالإمام مالک	بروایۃ ابو مصعب الزہری
8۔المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل إلی رسول اللہ ﷺ	لابی الحسن القشیری النیشابوری

9۔الإعلام بمن في تاریخ الهند من الأعلام المسمی بنزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر للکنویؒ

10۔فتح القدیر	علامہ ابن الہمام الحنفی
11۔تنبیہ الضالین	قطب الدین دہلوی
12۔کشف الحجاب	قاری عبد الرحمٰن پانی پتی
13۔ترجمان وہابیہ	نواب صدیق حسن خان
14۔الارشاد الی سبیل الرشاد	محمد شاہ شاہجہان پوری
15۔سیرت ثنائی	عبد المجید سوہدروی
16۔اشاعۃ السنۃ	رسالہ
17۔موج کوثر	شیخ محمد اکرم
18۔الحیات بعد الممات	مولوی فضل حسین بہاری
19۔مآثر صدیقی	نواب محمد علی حسن خان

20۔ تحریک ریشمی رومال — سید محمد میاں صاحب

21۔ تحقیق الکلام فی مسئلۃ البیعۃ والالھام — ابو عبد اللہ قصوری

22۔ رد التقلید بکتاب المجید — حسین خان

23۔ جامع الشواہد — وصی احمد سورتی

24۔ ہدیۃ المہدی — وحید الزمان خان

25۔ نزل الابرار من فقہ النبی المختار — وحید الزمان خان

26۔ شمع محمدی — محمد جوناگڑھی

27۔ فتاویٰ نذیریہ — نذیر حسین دہلوی

28۔ عرف الجادی — نور حسن خان

29۔ فتاویٰ ثنائیہ — ثناء اللہ امرتسری

30۔ فتاویٰ اہل حدیث — مولانا محمد جوناگڑھی

31۔ الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین — ابو الحسن محی الدین

32۔ طریق محمدی — مولانا محمد جوناگڑھی

33۔ عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید — شاہ ولی اللہ دہلوی

34۔ مکتوبات — مجدد الف ثانی

35۔ لائف محمڈنز آف انڈیا — سر سید احمد خان

36۔ سر سید احمد خاں اور ان کے نامور رفقاء کی اردو نثر کا فنی و فکری جائزہ، سید عبد اللہ

37۔ مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کش مکش — مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

38۔ حیات جاوید — مولانا الطاف حسین حالی

39۔ ترقیم فی قصۃ اصحاب الکھف والرقیم — سر سید احمد خان

40۔ آخری مضامین — سر سید احمد خان

41۔ تفسیر القرآن	سر سید احمد خان
42۔ تفسیر کبیر (مفاتیح الغیب)	امام فخر الدین رازی
43۔ افکار سر سید	ضیاء الدین لاہوری
44۔ تہذیب الاخلاق	سر سید احمد خان
45۔ مقالات سر سید	سر سید احمد خان
46۔ تصانیف احمدیہ	سر سید احمد خان
47۔ خطبات احمدیہ	سر سید احمد خان
48۔ مجموعہ لیکچرز سپیچز	نواب محسن الملک
49۔ خطوط سر سید	مرتبہ: سید راس مسعود
50۔ تقلید کی شرعی حیثیت	مفتی محمد تقی عثمانی
51۔ تبیین الکلام	سر سید احمد خان
52۔ المعجم الاوسط	امام طبرانی
53۔ سنن ابن ماجہ	امام ابن ماجہ
54۔ ازالۃ الغین	سر سید احمد خان
55۔ اعلی حضرت بریلوی	ڈاکٹر سراج احمد بستوی
56۔ حیات اعلیٰ حضرت	ظفر الدین بہاری
57۔ تذکرہ علماء ہند	رحمان علی
58۔ من ھو احمد رضا	شجاعت علی قادری
59۔ ملفوظات اعلیٰ حضرت	مصطفیٰ رضا خان قادری
60۔ انوار رضا	مجلہ
61۔ الفاضل البریلوی	مسعود احمد

62۔ وقعات السنان	مصطفیٰ رضا خان نوری
63۔ شریعت حضرت محمد مصطفیٰ اور دین احمد رضا	ملک حسن علی بی اے
64۔ خالص الاعتقاد	احمد رضا خان
65۔ الامن والعلیٰ	احمد رضا خان
66۔ فتاویٰ رضویہ	احمد رضا خان
67۔ سبحان السبوح عن عیب کذب المقبوح	احمد رضا خان
68۔ مقدمہ مقالات رضا	کوکب نورانی
69۔ سوانح امام احمد رضا	بدرالدین احمد قادری
70۔ مطالعہ بریلویت	ڈاکٹر خالد محمود لندن
71۔ رضاخانیت تعارف وتعاقب	مولانا محمد امین
72۔ بریلویت کا ذہنی سفر	ڈاکٹر ابوعدنان سہیل
73۔ انباء المصطفیٰ	مولانا احمد رضا خان
74۔ جاء الحق	احمد یار خان نعیمی
75۔ مقیاس حنفیت	محمد عمر اچھری
76۔ اختلاف امت اور صراط مستقیم	مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید
77۔ رشد الایمان	ابو محمد عبد الرشید
78۔ خزائن العرفان	نعیم الدین مراد آبادی
79۔ حدائق بخشش	مولانا احمد رضا خان
80۔ برکات الامداد	مولانا احمد رضا خان
81۔ فتاوی افریقہ	مولانا احمد رضا خان
82۔ تحفہ قادیانیت	مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید

83۔ من ویزداں	نیاز فتح پوری
84۔ دیباچہ تذکرہ	عنایت اللہ خان مشرقی
85۔ تفسیر ابن کثیر	علامہ ابن کثیر
86۔ الخیرات الحسان	علامہ ابن حجر عسقلانی
87۔ حرف محرفانہ	ڈاکٹر غلام جیلانی برق
88۔ دو اسلام	ڈاکٹر غلام جیلانی برق
89۔ ایک اسلام	ڈاکٹر غلام جیلانی برق
90۔ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	علامہ بدر الدین عینی
91۔ جہان نو	ڈاکٹر غلام جیلانی برق
92۔ المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی	علامہ محمود البخاری الحنفی
93۔ حاشیہ ابن عابدین	علامہ شامی
94۔ مشکاۃ المصابیح	محمد بن عبد اللہ التبریزی
95۔ سنن الترمذی	امام ابو عیسیٰ الترمذی
96۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری	علامہ ابن حجر عسقلانی
97۔ مسند امام احمد بن حنبل	امام احمد بن حنبل
98۔ سنن ابی داؤد	امام ابو داؤد
99۔ المستدرک علی الصحیحین	امام حاکم نیشاپوری
100۔ دو قرآن	ڈاکٹر غلام جیلانی برق
101۔ نوادرات	حافظ اسلم جیراجپوری
102۔ مقام حدیث	ڈاکٹر غلام جیلانی برق
103۔ طلوع اسلام	مجلہ

104۔ شرح فقہ الاکبر	ملا علی القاری
105۔ شرح العقائد النسفیہ	علامہ تفتازانی
106۔ النبراس شرح شرح العقائد	علامہ عبد العزیز پرہاڑوی
107۔ حجیت حدیث اور اتباع رسول ﷺ	ثناء اللہ امر تسری
108۔ فہم حدیث	عبد القیوم ندوی
109۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا	منشی محبوب عالم
110۔ ترجمۃ القرآن بآیات القران	حافظ اسلم جیراجپوری
111۔ اشاعۃ القرآن	مجلہ
112۔ شرح نووی علی مسلم	علامہ نوووی
113۔ غنیۃ المستملی فی شرح منیۃ المصلی	علامہ ابراہیم حلبی
114۔ قرآنی فیصلے	غلام احمد پرویز
115۔ نظام ربوبیت	غلام احمد پرویز
116۔ غلام احمد پرویز	قاسم نوری
117۔ برصغیر میں اسلامی جدیدیت	پروفیسر عزیز احمد
118۔ سلیم کے نام خط	غلام احمد پرویز
119۔ سلسبیل	غلام احمد پرویز
120۔ تفسیر طبری	علامہ ابن جریر طبری
121۔ معراج انسانیت	غلام احمد پرویز
122۔ لغات القرآن	غلام احمد پرویز
123۔ المفردات	امام راغب اصفہانی
124۔ انسان نے کیا سوچا	میتھو آرنلڈ

125۔ قرآنی قوانین	غلام احمد پرویز
126۔ شاہکار رسالت	غلام احمد پرویز
127۔ مفہوم القرآن	غلام احمد پرویز
128۔ جہان فردا	غلام احمد پرویز
129۔ اسباب زوال امت	غلام احمد پرویز
130۔ ابلیس و آدم	غلام احمد پرویز
131۔ اقبال اور قرآن	غلام احمد پرویز
132۔ معارف القرآن	غلام احمد پرویز
133۔ حلال و حرام کی تحقیق	ماہنامہ طلوع اسلام
134۔ فکر و نظر	مجلہ
135۔ حلیۃ الاولیاء	ابو نعیم
136۔ قواعد التحدیث	جمال الدین قاسمی
137۔ خلاصۃ التحقیق فی بیان حکم التقلید والتلفیق	عبد الغنی النابلسی
138۔ اجتہاد اور تقلید کا آخری فیصلہ	افادات حضرت تھانوی
139۔ آپ کے مسائل اور ان کا حل	مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید
140۔ ایمان خالص	مسعود الدین عثمانی
141۔ دعوت الی اللہ	مسعود الدین عثمانی
142۔ حبل اللہ	مجلہ
143۔ مسند ابی یعلیٰ الموصلی	امام ابو یعلیٰ الموصلی
144۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	ملا علی القاری الحنفی
145۔ وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ	علامہ سمہودی

146۔شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ	محمد زرقانی بن عبد الباقی
147۔السنن للنسائی	امام نسائی
148۔کنز العمال فی السنن والاقوال	علامہ علاءالدین علی متقی الہندی
149۔المہند علی المفند	مولانا خلیل احمد سہارنپوری
150۔الصواعق المحرقہ	علامہ ابن حجر الہیثمی المکی
151۔اسلام یا مسلک پرستی	منور سلطان
152۔عذاب برزخ	مسعود الدین عثمانی
153۔قبر پرستی کا شرک اور اس کی بنیاد	مسعود الدین عثمانی
154۔دین داری یا دکانداری	مسعود الدین عثمانی
155۔الہدایہ شرح بدایۃ المبتدی	علی بن ابو بکر المرغینانی
156۔مصنف ابن ابی شیبہ	امام ابن ابی شیبہ
157۔تاریخ الرسل والملوک (تاریخ طبری)	ابن جریر طبری
158۔علماء احناف اور تحریک مجاہدین	پروفیسر محمد مبارک
159۔جماعت المسلمین کے متعلق غلط فہمی اور ان کا ازالہ	مسعود احمد B.S.C.
160۔جماعت المسلمین اپنی دعوت اور تحریک کے آئینے میں	مسعود احمد B.S.C.
161۔جماعت المسلمین کا تعارف	مسعود احمد B.S.C.
162۔تحقیق مزید میں تحقیق کا فقدان	مصنف اشتیاق احمد
163۔عصمت رسول	مسعود احمد B.S.C.
164۔منہاج المسلمین	مسعود احمد B.S.C.
165۔ہمارے عقائد	مسعود احمد B.S.C.
166۔تفہیم الاسلام	مسعود احمد B.S.C.

167۔التحقیق فی جواب التقلید	مسعود احمد.B.S.C
168۔ صحیح ابن حبان	ابو حاتم محمد بن حبان تمیمی بستی
169۔امداد الفتاویٰ	مولانا اشرف علی تھانوی
170۔احسن الفتاوی السبک الفرید لسبک التقلید	مفتی رشید احمد لدھیانوی
171۔توحید المسلمین	مسعود احمد.B.S.C
172۔خطباتِ بہاولپور	ڈاکٹر حمید اللہ
173۔الفقہ الاسلامی وادلتہ	الدکتور وھبہ الزحیلی
174۔الجامع لاحکام القرآن	امام قرطبی
175۔الیواقیت والجواہر	عبدالوھاب الشعرانی
176۔فتاویٰ محمودیہ	مفتی محمود حسن گنگوہی
177۔ أنوار التنزیل وأسرار التأویل المعروف.تفسیر البیضاوي	ابو سعید عبد اللہ بن عمر البیضاوی
178۔مولانا: کیا اس لفظ کا استعمال غیر اللہ کے لئے جائز ہے؟	مسعود احمد.B.S.C
179۔تحفۃ الاخلاء فی عصمۃ الانبیاء	علامہ دوست محمد کابلی
180۔تفہیمات	ابو الاعلیٰ مودودی
181۔ترجمان القرآن	ابو الاعلیٰ مودودی
182۔رسائل ومسائل	ابو الاعلیٰ مودودی
183۔الجہاد فی الاسلام	ابو الاعلیٰ مودودی
184۔تعلیم القرآن	ابو الاعلیٰ مودودی
185۔دستور جماعت اسلامی پاکستان	ابو الاعلیٰ مودودی
186۔تجدید واحیاء دین	ابو الاعلیٰ مودودی
187۔خلافت وملکویت	ابو الاعلیٰ مودودی

188۔ہفت روزی ایشاء لاہور	مجلہ
189۔رسائل و مسائل	ابوالاعلیٰ مودودی
190۔ہفت روزہ "شیعہ" لاہور	مجلہ
191۔ہفت روزہ "صدائے بلتستان"	مجلہ
192۔روزنامہ جسارت مودودی	اخبار
193۔مسند البزار، البحر الزخار	ابو بکر احمد بن عمرو
194۔اسلامی ریاست کس طرح قائم ہوتی ہے؟	ابوالاعلیٰ مودودی
195۔مسند الحمیدی	ابو بکر عبد اللہ بن زبیر الحمیدی
196۔روزنامہ احسان لاہور	اخبار
197۔مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت	مولانا سید حسین احمد مدنی
198۔مودودی صاحب اور ان کی تحریرات کے متعلق چند اہم مضامین	افادات و مضامین
199۔الاستاد المودودی	مولانا محمد یوسف بنوری
200۔اشرف السوانح	مولانا اشرف علی تھانوی
201۔حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب	مولانا احمد علی لاہوری
202۔جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی	ڈاکٹر اسرار احمد
203۔ڈاکٹر اسرار احمد افکار و نظریات	ڈاکٹر مفتی عبد الواحد
204۔حقیقت وماہیت ایمان	ڈاکٹر اسرار احمد
205۔تفسیر روح المعانی	علامہ محمود آلوسی
206۔تفسیر عثمانی	علامہ شبیر احمد عثمانی
207۔مطالبات دین	ڈاکٹر اسرار احمد
208۔میثاق	مجلہ

209۔ سوانح حیات سید عنایت اللہ شاہ بخاری	علامہ عنایت اللہ گجراتی
210۔ مولانا حسین شخصیت، تعلیمات، افکار	میاں محمد الیاس
211۔ مولانا محمد طاہر اور ان کی قرآنی تحریک	میاں محمد الیاس
212۔ ضرب المہند علی القول المسند	مولانا حبیب اللہ ڈیروی
213۔ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی	مجلہ
214۔ فرقہ مماتیت کا تحقیقی جائزہ	مولانا محمد الیاس گھمن
215۔ عقائد علماء اسلام	شہاب الدین خالدی
216۔ اقامۃ البرھان	سجاد بخاری
217۔ شرک کیا ہے؟	عطاء اللہ بندیالوی
218۔ الفرق بین الفرق	عبد القاہر بن طاہر البغدادی
219۔ القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب الشفیع	علامہ سخاوی
220۔ الحاوی للفتاویٰ (انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء)	علامہ جلال الدین سیوطی
221۔ اشعۃ اللمعات	شیخ عبد الحق محدث دہلوی
222۔ حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح	احمد بن محمد بن اسماعیل
223۔ ندائے حق	محمد حسین نیلوی
224۔ عقیدۃ الامت	شہاب الدین خالدی
225۔ تفسیر بغوی	حسین بن مسعود بغوی
226۔ تفسیر کشاف	جار اللہ زمخشری
227۔ المحرر الوجیز	ابو محمد عبد الحق الاندلسی
228۔ تفسیر مدارک	عبد اللہ ابو احمد بن محمود النسفی
229۔ تفسیر خازن	ابو محمد حسین بن مغفور

230۔الدرالمنثور	جلال الدین سیوطی
231۔تفسیر ابو السعود	ابو سعود الحنفی
232۔البحر المدید	احمد بن محمد المہدی
233۔کیا مردے سنتے ہیں؟	عطاء اللہ بندیالوی
234۔دعوۃ الرشاد	مولوی اللہ بخش
235۔فیض الباری علی صحیح البخاری	مولانا انور شاہ کشمیری
236۔النہایۃ فی غریب الاثر	ابن الاثیر الجزری
237۔التوسل المشروع والممنوع	علی بن شعبان
238۔التوصل الی حقیقۃ التوسل	محمد نسیب الرفاعی
239۔شفاء السقام	تقی الدین سبکی
240۔المواھب اللدنیہ	احمد بن محمد القسطلانی الشافعی
241۔حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ دہلوی
242۔حاشیہ البصائر	محمد طاہر پنج پیری
243۔وسیلہ کیا ہے؟	عطاء اللہ بندیالوی
244۔دعوت الانصاف فی حیات جامع الاوصاف	عبد العزیز شجاع آبادی
245۔روحانی سفر	ریاض احمد گوہر شاہی
246۔راشناس	ریاض احمد گوہر شاہی
247۔گوہر شاہیت اور قادیانیت	مولانا محمد نواز الحذیفی
248۔گوہر	گوہر شاہی
249۔دی گریٹ گاڈ	اخبار
250۔العقیدۃ الطحاویہ	ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی

251۔ تریاق قلب	ریاض احمد گوہر شاہی
252۔ گوہر شاہی کے یادگار لمحات	ریاض احمد گوہر شاہی
253۔ المغنی	ابن قدامہ
254۔ مینارہ نور	ریاض احمد گوہر شاہی
255۔ جامع الفصولین	محمود بن اسرائیل
256۔ رہنمائے طریقت واسرار حقیقت	ریاض احمد گوہر شاہی
257۔ لسان الحکام	ابو الولید ابراہیم بن ابی الیمن
258۔ البحر الرائق شرح کنز الدقائق	ابن نجیم الحنفی
259۔ مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابہر	عبد الرحمٰن بن محمد شیخی زادہ
260۔ نوائے وقت	اخبار
261۔ دین الٰہی	ریاض احمد گوہر شاہی
262۔ سالنامہ گوہر	مجلہ
263۔ الرسالہ	مجلہ
264۔ مجموعہ رسائل کشمیری	مولانا انور شاہ کشمیری
265۔ تذکیر القرآن	مولانا وحید الدین خان
266۔ رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ	مفتی سعید احمد پالن پوری
267۔ حاشیۃ الشروانی وابن القاسم علی تحفۃ المحتاج علی المنہاج	
268۔ شتم رسول کا مسئلہ	مولانا وحید الدین خان
269۔ الصارم المسلول علی شاتم الرسول	تقی الدین ابن تیمیہ
270۔ المیزان	مجلہ
271۔ تدبر قرآن	جاوید احمد غامدی

272۔البیان	مجلہ
273۔مسند ابی داؤد الطیالسی	امام ابو داؤد الطیالسی
274۔اصول ومبادی	جاوید احمد غامدی
275۔سنن الدارمی	عبد اللہ بن عبد الرحمٰن دارمی
276۔الموافقات	ابو اسحاق الشاطبی
277۔ماہنامہ "اشراق"	مجلہ
278۔مقامات	جاوید احمد غامدی
279۔برہان	جاوید احمد غامدی
280۔السنن الکبریٰ	احمد بن حسین البیہقی
281۔المجموع شرح المہذب	امام محی الدین نووی
282۔المغنی مع الشرح الکبیر	عبد اللہ بن احمد المقدسی ابن قدامہ
283۔بدایۃ المجتہد	ابن رشد محمد بن احمد
284۔عقائد اسلام	مولانا ادریس کاندھلوی
285۔تحفہ غامدی	ڈاکٹر مفتی عبد الواحد
286۔غامدی مذہب کیا ہے؟	پروفیسر محمد رفیق
287۔غامدیت کیا ہے؟	عبد الرحیم چاریاری
288۔اسلام اور عالمی اخوت	ڈاکٹر ذاکر نائیک
289۔حقیقت ذاکر نائیک	خلیق ساجد بخاری

290۔الجواب علی ثلاثین جواباً علی ان ذاکر الھندی واصحاب فکرہ منحرفون ضلالا للشیخ یحی الحجوری۔

291۔اعلام الموقعین	علامہ ابن قیم الجوزیہ
291۔خطبات ذاکر نائیک	ڈاکٹر ذاکر نائیک

292۔ اسلام میں خواتین کے حقوق	ڈاکٹر ذاکر نائیک
293۔ اسلام پر چالیس اعتراضات	ڈاکٹر ذاکر نائیک
294۔ اعلاء السنن	مولانا ظفر احمد عثمانی
295۔ المعجم الکبیر	امام طبرانی
296۔ نصب الرایہ	عبداللہ بن یوسف زیلعی
297۔ مجمع الزوائد	نورالدین الہیثمی
298۔ البدر المنیر	ابن الملقن
299۔ مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق	ابو القاسم بن بکر سمرقندی
300۔ مراسیل ابی داوٗد	امام ابی داوٗد
301۔ الکامل	ابن عدی
302۔ جامع الاحادیث	السیوطی
303۔ حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر	لابی البرکات احمد الدردیر
304۔ مصفیٰ شرح مؤطا	شاہ ولی اللہ دہلوی
305۔ سنن دار قطنی	امام دار قطنی
306۔ البحوث الاسلامیہ	مجلہ
307۔ بذل المجہود فی حل سنن ابی داوٗد	مولانا خلیل احمد سہارنپوری
308۔ احکام القرآن	ابن العربی
309۔ احکام القرآن	ابو بکر جصاص
310۔ سنن الطحاوی	ابو جعفر الطحاوی
311۔ انکار حدیث کے نتائج	شیخ سرفراز خان صفدر
312۔ فکر کی غلطی	مولانا عتیق احمد قاسمی

313۔البریلویۃ	احسان الٰہی ظہیر
314۔آئینہ پرویزیت	عبدالرحمٰن کیلانی
315۔دور حاضر کے تجدد پسندوں کے افکار	مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید
316۔راہزن	محمد طیب طوفانی
317۔ذاکر نائیک ایک تجزیہ ایک تحقیق	حماد اللہ وحید
318۔ڈاکٹر اسرار کے افکار و نظریات	ڈاکٹر مفتی عبدالواحد
319۔الباعث علی انکار الحوادث	شہاب الدین ابی محمد عبدالرحمن
320۔علم و علماء کی اہمیت	محمد قاسم عطاری
321۔حقوق العلم	مولانا اشرف علی تھانوی
322۔الفرقان	افادات گیلانی
323۔فتاویٰ رحیمیہ	مفتی عبدالرحیم لاجپوری
324۔فتاویٰ عالمگیری	شیخ نظام وجماعۃ من علماء الہند
325۔المسامرہ شرح المسایرہ	کمال بن ابی الشریف
326۔تدریب الراوی	علامہ جلال الدین سیوطی
327۔مکتوبات شیخ الاسلام	مولانا حسین احمد مدنی
328۔تطہیر الجنان	ابن حجر الہیثمی المکی
329۔تاریخ بغداد	ابو بکر علی بن الخطیب بغدادی
330۔سیر اعلام النبلاء	شمس الدین ذہبی
331۔تغلیق التعلیق	علامہ ابن حجر عسقلانی
332۔تاریخ الاسلام	شمس الدین ذہبی
333۔طبقات الشافعیہ	تاج الدین سبکی

334۔ تذکرۃ الحفاظ شمس الدین ذہبی

335۔ تہذیب التہذیب علامہ ابن حجر عسقلانی

336۔ ھدی الساری علامہ ابن حجر عسقلانی

337۔ کتاب الثقات ابن حبان

338۔ الجرح والتعدیل ابن ابی حاتم

339۔ سیر التابعین محمد راتب النابلسی

340۔ میزان الاعتدال شمس الدین ذہبی

341۔ تاریخ الصغیر محمد بن اسماعیل البخاری

342۔ غنیۃ الطالبین شیخ عبد القادر جیلانی

343۔ کتاب السنۃ امام احمد بن حنبل

344۔ مراۃ العقول ملا باقر مجلسی

345۔ انوار نعمانیہ نعمت اللہ الجزائری

346۔ اصول السرخسی امام سرخسی

347۔ التحریر والتنویر محمد الطاہر ابن عاشور

348۔ الاتقان فی علوم القرآن علامہ جلال الدین سیوطی

349۔ الفصل فی الملل والاھواء والنحل ابن حزم

350۔ ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ روحانی خزائن مرزا غلام احمد قادیانی

351۔ حقیقۃ الوحی مندرجہ روحانی خزائن مرزا غلام احمد قادیانی

352۔ احیاء علوم الدین امام غزالی

353۔ تکملہ فتح الملہم مفتی تقی عثمانی

354۔ الاستذکار ابن عبد البر

355۔ مجموع الفتاویٰ	ابن تیمیہ
356۔ ازالۃ الخفاء فی خلافۃ الخلفاء	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
357۔ شرح حدیث جبریل فی تعلیم الدین،	عبدالمحسن بن حمد بن عبدالمحسن
358۔ شرح مقاصد	سعد الدین تفتازانی
359۔ شرح الشفاء	قاضی عیاض
360۔ روزنامہ خبریں	اخبار
361۔ ماہنامہ "البینات"	مجلہ
362۔ روحانی خزائن	مرزا غلام احمد قادیانی
363۔ مجموعہ اشتہارات	مرزا قادیانی
364۔ سیرت المہدی	مرزا بشیر احمد
365۔ الحکم	اخبار
366۔ ذکر حبیب	مرزا مبارک احمد
367۔ تذکرۃ المہدی	سراج الحق قادیانی
368۔ خطوط امام بنام غلام	برکات احمد
369۔ سودائے مرزا	حکیم محمد علی ب
370۔ ملفوظات	مرزا قادیانی
371۔ البشریٰ	قادیانی
372۔ البدر	اخبار
373۔ مکتوبات احمدیہ	مرزا قادیانی
374۔ ریویو قادیان	مجلہ
375۔ تحفۃ گولڑویہ	مرزا قادیانی

376۔حقیقت الوحی	مرزا قادیانی
377۔انجام آتھم	مرزا قادیانی
378۔براہین احمدیہ	مرزا قادیانی
379۔اربعین	مرزا قادیانی
380۔کشتی نوح	مرزا قادیانی
381۔ایام صلح	مرزا قادیانی
382۔ماہنامہ دارالعلوم دیوبند	مجلہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆